روزانہ درس قرآن

# تفسیر

سُورۃ صٓ ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الزّمر ـــــــ (مکمل)

سُورۃ المؤمن ـــــــ (مکمل)

سُورۃ حٰمٓ السّجدۃ ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الشّوریٰ ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الزّخرف ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الدّخان ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الجاثیۃ ـــــــ (مکمل)

سُورۃ الاحقاف ـــــــ (مکمل)


افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدہم

خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ پاکستان

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

| | |
|---|---|
| نام کتاب | معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ ص تا سورۃ الاحقاف) جلد ۱۶ |
| افادات | حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ |
| مرتب | الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار کالج لاہور |
| تعداد طباعت | پانچ سو (۵۰۰) |
| سرورق | سید الخاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ |
| کتابت | محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ |
| ناشر | مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ |
| قیمت | ۲۸۵/- (دو سو پچاسی روپے) |
| تاریخ طبع گیارہ | ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق اپریل ۲۰۰۸ء |

## ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ
(۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
(۳) مکتبہ فاسیہ الفضل مارکیٹ لاہور
(۴) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور
(۵) کتب خانہ رشیدیہ رنجیت بازار، راولپنڈی
(۶) کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
(۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۲ کراچی
(۸) اسلامیہ کتب خانہ ڈاگی ایبٹ آباد
(۹) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
(۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

# فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۶


| مضامین | صفحہ نمبر | مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| | | درس سوم ۳ (آیت ۱۷ تا ۲۵) | ۴۱ |
| پیش لفظ از محمد فیاض خان سواتی | ۱۹ | ربط آیات | ۴۳ |
| سورۃ صٓ (صٓ) | ۲۱ | صبر کی تلقین | ۴۳ |
| درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۷) | ۲۲ | داؤد علیہ السلام کا تذکرہ | ۴۳ |
| نام اور کوائف | ۲۳ | داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی تسبیح | ۴۵ |
| مضامین سورۃ | ۲۳ | داؤد علیہ السلام کی دیگر خصوصیات | ۴۶ |
| شانِ نزول | ۲۴ | عبادت خانہ میں داخلت | ۴۷ |
| حروف مقطعات | ۲۵ | مقدمے کی تفصیل | ۴۸ |
| حرفِ صٓ | ۲۶ | شرکیوں کا رویہ | ۴۹ |
| قرآن ذی الذکر | ۲۹ | داؤد علیہ السلام کی آزمائش | ۵۰ |
| کفار کی ہٹ دھرمی | ۲۹ | سجدۂ تلاوت | ۵۳ |
| تکذیبِ رسالت | ۳۰ | درس چہارم ۴ (آیت ۲۶ تا ۲۹) | ۵۵ |
| وحدانیت پر تعجب | ۳۱ | ربط آیات | ۵۶ |
| درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۶) | ۳۳ | خلافت ارضی | ۵۷ |
| ربط آیات | ۳۴ | فرائض خلافت (۱) عدل | ۵۸ |
| رسالت پر اعتراض | ۳۵ | (۲) خواہش کا عدم اتباع | ۵۹ |
| سابقہ سرکش اقوام | ۳۷ | خلیفۃ اللہ کے سامنے حق گوئی | ۶۰ |
| اچانک عذاب کا انکار | ۳۹ | احکام کے لیے وعید | ۶۱ |
| حصولِ مقصد میں جلد بازی | ۳۹ | وقوعِ قیامت اور انصاف | ۶۱ |

مقصودِ تخلیقِ انسانی ۶۲
ایک دوسرے کی امتیاز ۶۳
تدبر فی القرآن ۶۴
درسِ پنجم ۵ (آیت ۳۰ تا ۴۴)
ربطِ آیات ۶۷
سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ۶۸
سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء ۶۹
کھوٹروں سے محبت ۷۰
پہلی تفسیر ۷۰
دوسری تفسیر ۷۱
خلاصہ ۷۳
بعض مستفرع مسائل ۷۴
درسِ ششم ۶ (آیت ۳۱ تا ۴۰)
ربطِ آیات ۷۴
دوسری آزمائش ۷۶
پہلی تفسیر ۷۶
دوسری تفسیر ۷۸
مودودی صاحب کی غلطی ۷۹
بے مثال سلطنت کے لیے دعا ۸۰
ہوا کی تسخیر ۸۰
مولانا اصلاحی کی غلطی ۸۱
جنات کی تسخیر ۸۱
باز پرس سے استثنیٰ ۸۲
اللہ کے ہاں مرتبہ ۸۳
درسِ ہفتم ۷ (آیت ۴۱ تا ۴۴) ۸۳
ربطِ آیات ۸۵
ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ۸۵
شیطان کا حملہ ۸۷
دریائے رحمت میں جوش ۸۷
بابِ وبال کی بحالی ۸۹
بیوی کو سو کوڑوں کی سزا ۹۰
صبرِ ایوبؑ ۹۲
درسِ ہشتم ۸ (آیت ۴۵ تا ۴۷) ۹۴
بعض انبیاء کا تذکرہ ۹۴
ہاتھوں اور آنکھوں والے انبیاء ۹۵
عصمتِ انبیاء ۹۷
عصمتِ انبیاء پر پہلی دلیل ۹۸
دوسری دلیل ۹۸
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تشریح ۹۹
مولانا مودودی کی غلطی ۱۰۰
درسِ نہم ۹ (آیت ۴۸ تا ۶۴) ۱۰۲
ربطِ آیات ۱۰۳
اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام ۱۰۳
قرآن بطور نصیحت ۱۰۵
متقین کے لیے انعامات ۱۰۶
جنتِ عدن ۱۰۶

بہترین خورد و نوش ۱۰۷
باحیا ہم عمر عورتیں ۱۰۸
باافراط روزی ۱۰۸
سرکشوں کا بدترین ٹھکانا ۱۰۹
بدترین خورد و نوش ۱۰۹
دوزخیوں کی جماعت ۱۱۰
اہل ایمان کی تلاش ۱۱۱
درس دہم ۱۰ (آیت ۶۵ تا ۷۰) ۱۱۳
ربط آیات ۱۱۳
پیغمبر بحیثیت منذر ۱۱۳
توحید باری تعالیٰ ۱۱۴
قیامت بطور بڑی خبر ۱۱۶
ملاءِ اعلیٰ ۱۱۶
ملاءِ اعلیٰ کے تین درجات ۱۱۸
ملاءِ سافل ۱۱۹
تشریح بزبان رسول ۱۱۹
تجلیٔ اعظم کے اثرات ۱۲۲
رسالت کی حقانیت ۱۲۲
درس یازدہم ۱۱ (آیت ۱، تا ۸۵) ۱۲۴
ربط آیات ۱۲۶
تخلیق آدمؑ ۱۲۶
فرشتوں کا سجدہ ابلیس کا انکار ۱۲۷
ابلیس سے بازپرس ۱۲۸

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ۱۲۸
آگ اور مٹی کا تقابل ۱۳۰
ابلیس پر لعنت ۱۳۱
شیطان کا اغوا ۱۳۲
مخلصین کا استثنیٰ ۱۳۳
درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۸۶ تا ۸۸) ۱۳۳
ربط آیات ۱۳۴
بے لوث تبلیغ ۱۳۵
تکلف سے پرہیز ۱۳۶
قرآن بطور نصیحت ۱۳۹
قرآنی پروگرام کی حقانیت ۱۴۰
سورۃ الزمر (مکمل) ۱۴۳
درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۴) ۱۴۴
نام اور کوائف ۱۴۵
مضامین سورۃ ۱۴۵
قرآن کی حقانیت ۱۴۶
اخلاص فی العبادت ۱۴۷
تقرب الی اللہ کے لیے غلط راستہ ۱۴۹
ولدیت کا باطل عقیدہ ۱۵۱
درس دوم ۲ (آیت ۵ تا ۹) ۱۵۳
ربط آیات ۱۵۴
دلائلِ توحید (۱) اظہارِ کائنات ۱۵۵
(۲) تخلیق نسلِ انسانی ۱۵۷

(۳) مومنین کے آٹھ جوڑے ۱۵۸
(۴) شہداء میں پیدائش ۱۵۹
دعوتِ غور و فکر ۱۶۰
کفار اور شہداء کا تقابل ۱۶۱
بوجھ اپنا اپنا ۱۶۲
درس سوم ۳ (آیت ۸ تا ۱۰)
ربطِ آیات ۱۶۴
انسانی فطرت کے دو رُخ ۱۶۶
نیک و بد کا تقابل ۱۶۸
تقویٰ کی منزل ۱۶۹
ہجرت کا حکم ۱۷۰
صبر کا بے حساب اجر ۱۷۱
درس چہارم ۴ (آیت ۱۱ تا ۲۱)
ربطِ آیات ۱۷۳
اخلاص فی العبادت کا حکم ۱۷۵
نقصان میں رہنے والے لوگ ۱۷۶
اہانت الٰہی والے لوگ ۱۷۸
حسن اور احسن کی بحث ۱۸۰
نیک و بد کا انجام ۱۸۱
دنیا اور آخرت کی مثال ۱۸۲
درس پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۲۶)
شرح صدر اور تنگدلی کا تقابل ۱۸۵
قرآن بطور احسن الحدیث ۱۸۶
تلاوت قرآن کے اثرات ۱۸۸
نیک و بد میں تفریق ۱۹۱
درس ششم ۶ (آیت ۲۷ تا ۳۱)
ربطِ آیات ۱۹۳
معجزہ قرآن ۱۹۴
شرک اور توحید کی مثال ۱۹۶
موت لازم ہے ۱۹۸
قیامت کے دن مخاصمت ۱۹۹
درس ہفتم ۷ (آیت ۳۲ تا ۳۴)
ربطِ آیات ۲۰۳
سب سے بڑا ظلم ۲۰۵
سچائی کی قدر دانی ۲۰۶
نیر اللہ کا تحفظ ۲۰۶
خالق حقیقی کی پہچان ۲۰۷
توکل علی اللہ ۲۰۹
جزائے عمل کا انتظار ۲۱۰
ہدایت اور گمراہی ۲۱۱
درس ہشتم ۸ (آیت ۳۵ تا ۵۲)
ربطِ آیات ۲۱۳
انسان کی موت و حیات ۲۱۴
روح اور جسم کا تعلق ۲۱۷
سفارش کا غلط عقیدہ ۲۱۹
ذکر الٰہی اور ذکر اغیار ۲۲۰

| | | | |
|---|---|---|---|
| اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ | ۲۲۲ | سورۃ المؤمن (مکمل) | ۲۵۵ |
| آخرت میں جان کا فدیہ | ۲۲۳ | درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۶) | ۲۵۶ |
| انسان کی ناشکر گزاری | ۲۲۴ | نام اور کوائف | ۲۵۷ |
| درس نہم ۹ (آیت ۵۲ تا ۶۳) | ۲۲۷ | مضامین سورۃ | ۲۵۷ |
| ربط آیات | ۲۲۹ | حروف مقطعات ختم | ۲۵۸ |
| مغفرتِ عام کا اعلان | ۲۳۰ | تنزیل القرآن | ۲۶۰ |
| شرائط معافی | ۲۳۱ | آیاتِ الٰہی میں مجادلہ | ۲۶۲ |
| قرآنی تعلیمات کا اتباع | ۲۳۲ | درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۹) | ۲۶۵ |
| گزشتہ زندگی پر حسرت | ۲۳۳ | ربط آیات | ۲۶۶ |
| تکذیب کا انجام | ۲۳۴ | حاملین عرش فرشتے | ۲۶۶ |
| متقین کے لیے اجر | ۲۳۴ | عرش عظیم کی ساخت | ۲۶۸ |
| خسارے کا سودا | ۲۳۵ | فرشتوں کی تسبیح | ۲۶۹ |
| درس دہم ۱۰ (آیت ۶۴ تا ۷۰) | ۲۳۷ | بخشش کی دعائیں | ۲۶۹ |
| عبادت لغیر اللہ کی ترغیب | ۲۳۹ | جنت میں والدین کی دعائیں | ۲۷۰ |
| اعمال کی پرداری | ۲۳۹ | معاصی سے بچاؤ کی دعا | ۲۷۱ |
| عظمتِ خداوندی کی پہچان | ۲۴۰ | درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۲) | ۲۷۳ |
| صورِ اسرافیل | ۲۴۲ | ربط آیات | ۲۷۳ |
| عدالتِ خداوندی کے فیصلے | ۲۴۲ | کفار کی حسرت | ۲۷۳ |
| درس یازدہم ۱۱ (آیت ۷۱ تا ۷۵) | ۲۴۵ | دنیا میں واپسی کی خواہش | ۲۷۵ |
| ربط آیات | ۲۴۶ | دوہری موت و حیات | ۲۷۵ |
| کفار کی جہنم کی طرف روانگی | ۲۴۷ | شرک کا خمیازہ | ۲۷۷ |
| متقین کا جنت میں استقبال | ۲۵۰ | درس چہارم ۴ (آیت ۱۳ تا ۲۰) | ۲۷۹ |
| ملائکہ کی تسبیح | ۲۵۲ | ربط آیات | ۲۸۱ |

نشاناتِ قدرت ۲۸۱
توحید پر استقامت ۲۸۲
وحی الٰہی کا نزول ۲۸۳
بادشاہی صرف اللہ کی ۲۸۴
جزائے عمل کی منزل ۲۸۵
حق و انصاف کے فیصلے ۲۸۶
**درس پنجم ۵** (آیت ۳۱ تا ۳۷) ۲۸۸
ربطِ آیات ۲۹۰
سابقہ اقوام کا انجام ۲۹۰
فرعون اور اُس کے حواری ۲۹۲
پیغمبر کی ہولناک تاریخ ۲۹۳
فرعون کا جبر و استبداد ۲۹۳
موسیٰ علیہ السلام کا استعاذہ ۲۹۷
**درس ششم ۶** (آیت ۳۸ تا ۴۳) ۲۹۸
ربطِ آیات ۳۰۰
مردِ مومن کی حق گوئی ۳۰۰
ایمان کا اخفاء ۳۰۱
تقیہ کا باطل عقیدہ ۳۰۲
حضور علیہ السلام کے واقعات سے تائید ۳۰۲
جھوٹ اور سچ میں امتیاز ۳۰۳
مردِ مومن اور فرعون کا مکالمہ ۳۰۳
مردِ مومن کی طرف سے انذار ۳۰۴
**درس ہفتم ۷** (آیت ۴۴ تا ۴۵) ۳۰۷
رابطہ آیات ۳۰۸
بعد از وقت افسوس ۳۰۹
دلوں پر مہر ۳۱۱
خدا کی شان میں گستاخی ۳۱۱
بُرے اعمال کی تزئین ۳۱۳
**درس ہشتم ۸** (آیت ۳۸ تا ۴۵) ۳۱۳
ربطِ آیات ۳۱۶
نیکی کی راہ ۳۱۶
نیکی اور برائی کا بدلہ ۳۱۷
نجات اور دوزخ کی طرف دعوت ۳۱۸
حرفِ آخر ۳۲۰
**درس نہم ۹** (آیت ۴۶ تا ۵۰) ۳۲۳
ربطِ آیات ۳۲۴
برزخ میں جزا و سزا کا مسئلہ ۳۲۴
قبر کا عذاب ۳۲۶
عذاب کا احساس ۳۲۷
برزخ دنیا کا تتمہ ہے ۳۲۹
تابع اور متبوع کا مکالمہ ۳۳۰
تخفیفِ عذاب کی درخواست ۳۳۰
**درس دہم ۱۰** (آیت ۵۱ تا ۶۰) ۳۳۲
ربطِ آیات ۳۳۴
نصرتِ الٰہی کا وعدہ ۳۳۵
صبر و استقامت کی تلقین ۳۳۶

| | | | |
|---|---|---|---|
| خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید | ۳۳۸ | معجزہ غیر اختیاری چیز ہے | ۳۶۳ |
| بعث بعد الموت کی دلیل | ۳۳۹ | جزائے عمل کی منزل | ۳۶۴ |
| دعا کی اہمیت | ۳۴۰ | درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۹، تا ۸۵) | ۳۶۵ |
| مستجاب الدعوات لوگ | ۳۴۱ | ربطِ آیات | ۳۶۷ |
| ترکِ دعا کا مسئلہ | ۳۴۲ | معاشی لحاظ سے نشاناتِ قدرت | ۳۶۷ |
| درس یازدہم ۱۱ (آیت ۶۱ تا ۶۸) | ۳۴۳ | جانوروں کے فوائد | ۳۶۸ |
| ربطِ آیات | ۳۴۶ | ذرائع نقل و حمل | ۳۷۰ |
| میل و نہار کی افادیت | ۳۴۷ | نافرمان قوموں کا انجام | ۳۷۱ |
| انسان کی ناشکر گزاری | ۳۴۸ | علم و ہنر پہ غرور | ۳۷۲ |
| زمین و آسمان کے فوائد | ۳۴۹ | بے وقت ایمان غیر مفید ہے | ۳۷۳ |
| مصورِ حقیقی کی تصویر کشی | ۳۵۰ | سورۃ حٰمٓ السجدۃ (مکمل) | ۳۷۵ |
| پاکیزہ روزی | ۳۵۱ | درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۸) | ۳۷۷ |
| شرک کی ممانعت | ۳۵۲ | نام اور کوائف | ۳۷۸ |
| تخلیقِ انسان کے ادوار | ۳۵۲ | مضامین سورۃ | ۳۷۸ |
| معاد پہ دلیل | ۳۵۴ | حروفِ مقطعات | ۳۷۸ |
| درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۶۹ تا ۸۴) | ۳۵۵ | قرآنِ کریم کی حقانیت | ۳۷۹ |
| ربطِ آیات | ۳۵۷ | قرآن سے اعراض | ۳۸۰ |
| آیاتِ الٰہی میں جھگڑا | ۳۵۷ | نبی اکرمؐ کی بشریت | ۳۸۱ |
| معبودانِ باطلہ کی تلاش | ۳۵۹ | استقامت الی اللہ | ۳۸۲ |
| جرم اور سزا | ۳۵۹ | مشرکین کے لیے ہلاکت | ۳۸۳ |
| نصرتِ الٰہی کا وعدہ | ۳۶۰ | ایمان والوں کے لیے لامتناہی اجر | ۳۸۴ |
| ایفائے عہد کا وقت | ۳۶۱ | درس دوم ۲ (آیت ۹ تا ۱۲) | ۳۸۶ |
| سابقہ انبیاء کا اسوہ | ۳۶۲ | ربطِ آیات | ۳۸۷ |

تخلیق انسان بطور دلیل توحید ۳۸۷
آسمانوں کی تخلیق ۳۹۰
زمین و آسمان کی اطاعت گزاری ۳۹۲
درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۸) ۳۹۳
ربط آیات ۳۹۵
سخت عذاب کی وعید ۳۹۶
رسولوں کی پے در پے آمد ۳۹۷
دعوت توحید کا انکار ۳۹۹
قوم عاد کا عروج ۳۹۹
تند ہوا کا عذاب ۴۰۰
قوم ثمود کی ہلاکت ۴۰۱
درس چہارم ۴ (آیت ۱۹ تا ۲۵) ۴۰۳
ربط آیات ۴۰۵
دشمنانِ خدا کا اجتماع ۴۰۵
اعضائے انسانی کی گواہی ۴۰۵
بڑھیا راہبہ کی حق گوئی ۴۰۷
اعضاء و جوارح کا جواب ۴۰۸
اللہ کے متعلق بدگمانی ۴۰۸
دنیا میں واپسی کی خواہش ۴۰۹
درس پنجم ۵ (آیت ۲۶ تا ۳۲) ۴۱۱
ربط آیات ۴۱۲
ملامتِ قرآن پر شور و غل ۴۱۳
قرآن کی خاموشی سے سماعت ۴۱۴
شور کرنے والوں کی سزا ۴۱۴
سفیروں کے خلاف درخواست ۴۱۵
صاحبِ استقامت لوگ ۴۱۶
فرشتوں کی طرف سے بشارت ۴۱۷
اللہ کی طرف سے میزبانی ۴۱۸
درس ششم ۶ (آیت ۳۳ تا ۳۶) ۴۲۰
ربط آیات ۴۲۱
بہترین بات دعوت الی اللہ ۴۲۱
مؤذن کا مرتبہ ۴۲۲
برائی کا دفاع نیکی سے ۴۲۳
استعاذہ کی ضرورت ۴۲۴
درس ہفتم ۷ (آیت ۳۷ تا ۴۰) ۴۲۶
ربط آیات ۴۲۷
نشاناتِ قدرت ۴۲۷
غیر اللہ کو سجدہ کی ممانعت ۴۲۸
فرشتوں کی تسبیح ۴۳۰
بعث بعد الموت کی مثال ۴۳۱
الحاد از قسم کفر ۴۳۲
درس ہشتم ۸ (آیت ۴۱ تا ۴۶) ۴۳۵
ربط آیات ۴۳۶
کتاب الٰہی کی حفاظت ۴۳۷
طعنہ زنی پر صبر کی تلقین ۴۳۸
قرآن در عربی زبان ۴۳۸

قرآن کی انذار انگیزی ۴۴۱
کتب الٰہی میں اختلاف کا فیصلہ ۴۴۲
درس نہم ۹ (آیت ۴۷ تا ۵۱) ۴۴۳
ربط آیات ۴۴۶
علم محیط کا مالک ۴۴۷
معبودانِ باطلہ کی گمشدگی ۴۴۷
انسان کی بے صبری اور ناشکری ۴۴۸
انسان کی دو رنگی ۴۴۹
آفاقی اور انفسی نشانیاں ۴۵۰
جزائے عمل میں تردد ۴۵۲
سورۃ الشوریٰ (مکی)
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۶) ۴۵۳
نام اور کوائف ۴۵۵
مضامین سورۃ ۴۵۵
حروفِ مقطعات ۴۵۶
وحی الٰہی کا نزول ۴۵۸
عظمتِ خداوندی ۴۵۹
فرشتوں کی دعائیں ۴۶۰
خیرات سے کارسازی کی امید ۴۶۱
درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۱۲) ۴۶۲
وحی الٰہی کی حقانیت ۴۶۳
جزائے عمل کیوں ضروری ہے ۴۶۴
تبلیغ قرآن کے ذرائع ۴۶۶
نزول قرآن کی غایت ۴۶۷
اسلام میں جبر نہیں ۴۶۸
اختلافی مسائل میں خدائی فیصلہ ۴۷۰
تردد علی اللہ ۴۷۱
بے مثال ذات الٰہی ۴۷۲
درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۸) ۴۷۳
ربط آیات ۴۷۴
شروع دین ۴۷۴
دین ملت اور شریعت ۴۷۵
فرقہ بندی کی ممانعت ۴۷۶
اختلاف محمود ۴۷۷
ہدایت کا راستہ ۴۷۸
فرقہ بندی کی وجہ ۴۷۸
اہل کتاب کا تردد ۴۷۹
درس چہارم ۴ (آیت ۱۵) ۴۸۰
ربط آیات ۴۸۰
درس اصول (۱) دعوت الی الدین ۴۸۱
(۲) استقامت علی الدین ۴۸۱
(۳) خواہشات کے اتباع سے اجتناب ۴۸۲
(۴) کتب سماویہ پر ایمان ۴۸۳
(۵) قیام عدل ۴۸۴
(۶) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ۴۸۶
(۷) اعمال کا نتیجہ ۴۸۶

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۸) عدم تنازعت | ۴۸۷ | معاشی یکسانیت غیر فطری ہے | ۵۱۲ |
| (۹) قیامت کو اجتماع عام | ۴۸۷ | سرمایہ دارانہ نظام معیشت | ۵۱۳ |
| (۱۰) رجوع الی اللہ | ۴۸۷ | اسلامی نظام معیشت | ۵۱۴ |
| | ۴۸۷ | دلائل قیامت اور قدرت | ۵۱۵ |
| درس پنجم ۵ (آیت ۱۹ تا ۱۹) | ۴۸۸ | درس ششم ۸ (آیت ۳۰ تا ۳۶) | ۵۱۷ |
| ربط آیات | ۴۸۹ | ربط آیات | ۵۱۸ |
| دین کے خلاف کمزور دلیل | ۴۸۹ | مصائب نتیجہ اعمال | ۵۱۸ |
| نزول کتاب اور میزان | ۴۹۰ | راہ فرار ممکن نہیں | ۵۲۰ |
| وقوع قیامت کا علم | ۴۹۱ | دلائل قدرت اور وحدانیت | ۵۲۰ |
| صفات باری تعالیٰ | ۴۹۳ | متاع دنیا اور آخرت | ۵۲۳ |
| درس ششم ۶ (آیت ۲۰ تا ۲۳) | ۴۹۵ | درس ہفتم ۹ (آیت ۳۰ تا ۴۳) | ۵۲۵ |
| ربط آیات | ۴۹۶ | ربط آیات | ۵۲۶ |
| آخرت اور دنیا کی کھیتی | ۴۹۷ | کبائر اور فواحش سے اجتناب | ۵۲۷ |
| شرکاء کا علیحدہ دین | ۴۹۸ | درگذر اور اقامت صلوٰۃ | ۵۲۷ |
| ان کے لیے سزا | ۴۹۹ | باہمی مشاورت | ۵۲۸ |
| اہل ایمان کے لیے انعامات | ۵۰۰ | انفاق فی سبیل اللہ | ۵۳۰ |
| بے لوث تبلیغ | ۵۰۲ | بدلہ لینے کی اجازت | ۵۳۱ |
| اہل بیت سے محبت | ۵۰۳ | صبر اور معافی | ۵۳۲ |
| حرف آخر | ۵۰۴ | درس دہم ۱۰ (آیت ۴۴ تا ۵۰) | ۵۳۳ |
| درس ہفتم ۷ (آیت ۲۴ تا ۳۱) | ۵۰۶ | ربط آیات | ۵۳۶ |
| ربط آیات | ۵۰۷ | ہدایت اور گمراہی | ۵۳۶ |
| افترا علی اللہ کی نفی | ۵۰۸ | ظالموں کا انجام | ۵۳۸ |
| توبہ اور اس کی قبولیت | ۵۰۹ | حضور علیہ السلام کے لیے تسلی و تحریض | ۵۴۰ |
| رزق کی کشادگی اور تنگی | ۵۱۱ | انسان کی دو قسمیں | ۵۴۱ |

اولاد طاہر مختلف متفاوت ۵۴۲
درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۱ تا ۵۳) ۵۴۳
ربط آیات ۵۴۵
خدا تعالیٰ سے ہم کلامی ۵۴۵
(۱) کلام بذریعہ وحی ۵۴۶
وحی کی قسمیں
(۲) کلام بپردہ کلام ۵۴۹
(۳) کلام بواسطۂ رسول ۵۴۹
ایمان اور کتاب ۵۵۱
قرآن ذریعہ ہدایت ۵۵۲
معاد کا تذکرہ ۵۵۳
سورۃ الزخرف (مکمل) ۵۵۵
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۸) ۵۵۶
نام اور کوائف ۵۵۷
مضامین سورۃ ۵۵۷
حروف مقطعات ۵۵۸
کتاب مبین ۵۵۸
قرآن عربی زبان ۵۵۹
منکرین قرآن کے لیے تنبیہ ۵۶۱
سابقہ اقوام کا انجام ۵۶۲
درس دوم ۲ (آیت ۹ تا ۱۴) ۵۶۳
ربط آیات ۵۶۵
اللہ کی صفت خلق ۵۶۶
توحید کے چار درجات ۵۶۶
زمین بطور گہوارہ ۵۶۸
بعث بعد الموت کی مثال ۵۶۹
ذرائع نقل وحمل ۵۷۰
سواری کی دعا ۵۷۱
درس سوم ۳ (آیت ۱۵ تا ۲۵) ۵۷۳
ربط آیات ۵۷۶
خدا کے لیے اولاد کا عقیدہ ۵۷۶
لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم ۵۷۷
فرشتوں کے متعلق غلط عقیدہ ۵۸۰
عبادت لغیر اللہ کی غلط اصل ۵۸۰
آباء واجداد کی اندھی تقلید ۵۸۱
انکار کا رد ۵۸۳
درس چہارم ۴ (آیت ۲۶ تا ۳۰) ۵۸۴
ربط آیات ۵۸۴
ابراہیم علیہ السلام کی اظہار بیزاری ۵۸۵
تمام ادیان سے مکمل برأت ۵۸۶
اولاد کے لیے دعا ۵۸۸
دین حق سے انحراف ۵۹۰
درس پنجم ۵ (آیت ۳۱ تا ۳۴) ۵۹۲
ربط آیات ۵۹۳
نبوت ورسالت کا معیار ۵۹۳
تقسیم معیشت ۵۹۵
اسلامی نظام معیشت ۵۹۶

مرحبا وات ۵۹۹

حقوق العباد ۶۰۰

درس ششم ۶ (آیت ۳۳ تا ۳۵) ۶۰۲

ربط آیات ۶۰۲

نبی کی امتیازی حیثیت ۶۰۳

تقسیم رزق اور اخلاق ۶۰۳

نبی بطور تقسیم کنندہ ۶۰۴

کفار کے لیے سونے چاندی کی فراوانی ۶۰۴

دنیا کی حقیقت ۶۰۵

متقین کے لیے آخرت ۶۰۶

کیپ اختلال ۶۰۷

درس ہفتم ۷ (آیت ۳۶ تا ۴۵) ۶۰۹

ربط آیات ۶۱۱

قرآن سے اعراض کا نتیجہ ۶۱۱

مشرکین کی غلط فہمی ۶۱۲

شیطان کی دوستی پر حسرت ۶۱۳

حضور علیہ السلام کے لیے تسلی ۶۱۴

تمسک بالقرآن ۶۱۵

قرآن و توحید کے متعلق سوال ۶۱۶

درس ہشتم ۸ (آیت ۴۶ تا ۵۶) ۶۱۹

ربط آیات ۶۲۱

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مسخر ۶۲۱

دعا کی درخواست ۶۲۳

قرآن میں قرآن کا ذکر ۶۲۴

قوم کی بے وفائی ۶۲۶

قوم فرعون سے انتقام ۶۲۷

درس نہم ۹ (آیت ۵۷ تا ۶۲) ۶۲۸

ربط آیات ۶۲۹

قریش مکہ کا واویلا ۶۲۹

عیسیٰ علیہ السلام پر الزامات کا رد ۶۳۲

نزول مسیح اور آثار قیامت ۶۳۳

قادیانیوں کا باطل عقیدہ ۶۳۴

شیطانی فکر سے بچاؤ ۶۳۵

درس دہم ۱۰ (آیت ۶۳ تا ۷۰) ۶۳۶

ربط آیات ۶۳۷

مسیح علیہ السلام کی بعثت ۶۳۷

اختلافی امور کی وضاحت ۶۳۹

عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ۶۴۰

دین میں فرقہ بندی ۶۴۰

قیامت کا انتظار ۶۴۲

محبت کی چار قسمیں ۶۴۳

درس یازدہم ۱۱ (آیت ۶۸ تا ۷۵) ۶۴۵

ربط آیات ۶۴۶

محبت کی بے حرمتی اور قرآن کریم ۶۴۶

سونے چاندی کے برتن ۶۴۸

من پسند اشیاء ۶۵۱

جنت کی وراثت ۶۵۲
گنہگاروں کا انجام ۶۵۳
درس نوزدہم ۱۲ (آیت ۷۷ تا ۸۲) ۶۵۴
ربطِ آیات ۶۵۵
دعوتِ فہم سے درخواست ۶۵۵
مشرکین سے مقابلہ ۶۵۷
دورِ حاضر کے مشرکین ۶۵۹
خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کی تجویز ۶۶۱
درس بیستم ۱۲ (آیت ۸۳ تا ۸۹) ۶۶۳
ربطِ آیات ۶۶۴
مسئلہ توحید ۶۶۴
وقوعِ قیامت کا علم ۶۶۵
مسئلہ شفاعت ۶۶۶
اللہ کی صفت خالقیت ۶۶۷
اللہ کے حضور شکایت ۶۶۹
تسلی کا مضمون ۶۷۰
سورۃ الدخان (مکمل)
درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۸)
نام اور کوائف
مضامین سورۃ
حروفِ مقطعات
کتاب مبین
لیلۃ القدر میں نزول

رحمتِ ربانی ۶۸۰
درس دوم ۲ (آیت ۹ تا ۱۶) ۶۸۲
ربطِ آیات ۶۸۳
مشرکین کا تردد ۶۸۳
عذاب دخان ۶۸۳
قیامت کا دھواں ۶۸۴
قحط کا دھواں ۶۸۴
عذاب سے نجات کی درخواست ۶۸۶
حضور علیہ السلام پر اتمام ۶۸۷
اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ۶۸۸
پکڑ۔ الکبریٰ ۶۸۹
درس سوم ۳ (آیت ۱۷ تا ۲۹) ۶۹۰
ربطِ آیات ۶۹۱
قومِ فرعون کی آزمائش ۶۹۲
بنی اسرائیل کی سپردداری کا معاملہ ۶۹۳
اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ۶۹۴
قوم کے خلاف شکایت ۶۹۵
سمندر سے نکل جانے کا حکم ۶۹۵
فرعونیوں کی غرقابی ۶۹۶
فرعونیوں کی وراثت ۶۹۷
بڑا افسوس ہلاکت ۶۹۸
درس چہارم ۴ (آیت ۳۰ تا ۳۷) ۷۰۰
ربطِ آیات ۷۰۱
آزادی کی نعمت ۷۰۲

ملائکہ کی بعثت ۲۰۳

آزادی کی فضیلت ۲۰۶

بنی اسرائیل کی فضیلت ۲۰۷

سحر اور جزئے عمل ۲۰۸

درس پنجم ۵ (آیت ۴۲ تا ۵۹)

ربط آیات ۲۱۱

مجرمین کا انجام ۲۱۲

متقین کے لیے انعامات ۲۱۳

قرآن بطور نصیحت ۲۱۶

انتظار اپنا اپنا ۲۱۸

سُوْرَةُ الْجَاثِيَة (مکمل)

درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۵)

نام اور کوائف ۲۱۹

مضامین سورۃ ۲۲۰

حروف مقطعات ۲۲۱

نزول کتاب ۲۲۵

ارض و سما بطور نشانات قدرت ۲۲۵

جانداروں کی تخلیق ۲۲۶

شب و روز کا تغیر و تبدل ۲۲۷

نزول رزق ۲۲۸

ہواؤں کی گردش ۲۲۸

درس دوم ۲ (آیت ۶ تا ۱۱)

آیاتِ الٰہی ۲۳۰

حق اور باطل کا معرکہ ۲۳۱

بنی اسرائیل کے لیے انعامات ۲۳۴

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی ۲۳۵

درس چہارم ۳ (آیت ۱۲ تا ۲۱)

ربط آیات ۲۳۷

آخری شریعت ۲۳۷

شرائع میں فرق ۲۳۹

اتباع شریعت سے نجات ۲۵۰

نیکی اور بدی میں امتیاز ۲۵۳

درس پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۳۶)

ربط آیات ۲۵۶

ارض و سما کی تخلیق ۲۵۶

حق اور باطل کا معرکہ ۲۳۱

بنی اسرائیل کے لیے انعامات ۲۳۴

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی ۲۳۵

درس چہارم ۴ (آیت ۱۷ تا ۲۱)

ربط آیات ۲۳۷

آخری شریعت ۲۳۷

شرائع میں فرق ۲۳۹

اتباع شریعت سے نجات ۲۵۰

نیکی اور بدی میں امتیاز ۲۵۳

درس پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۳۶)

ربط آیات ۲۵۶

ارض و سما کی تخلیق ۲۵۶

| | | | |
|---|---|---|---|
| جزئے عمل کی منزل | ۷۵۷ | حروف مقطعات | ۷۸۳ |
| فضائل حوامیم بطور مجموعہ | ۷۵۸ | نزول کتاب | ۷۸۵ |
| بعوث بعد الموت سے انکار | ۷۶۱ | تخلیق ارض وسماء | ۷۸۵ |
| زمانے کی تعریف | ۷۶۱ | توحید کا اثبات | ۷۸۶ |
| زندگی اور موت | ۷۶۳ | بدترین گمراہی ما تدعون من دون اللہ | ۷۸۸ |
| درس ششم ۶ (آیت ۲۷ تا ۳۱) | ۷۶۳ | معبودان کی طرف سے انکار | ۷۸۹ |
| ربط آیات | ۷۶۵ | آیات البی کا انکار | ۷۹۰ |
| تحقیق بادشاہت | ۷۶۵ | درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۰) | ۷۹۱ |
| نقصان زدہ باطل پرست | ۷۶۵ | کلام الہی میں اشتباہ | ۷۹۳ |
| قیامت کو لوگوں کی حالت | ۷۶۷ | سلسلہ نبوت و رسالت | ۷۹۳ |
| نامہ اعمال کی طرف ہاتھ | ۷۶۸ | علم غیب کی نفی | ۷۹۴ |
| جزئے عمل کی منزل | ۷۷۰ | اتباع وحی | ۷۹۶ |
| درس ہفتم ۷ (آیت ۳۲ تا ۳۷) | ۷۷۳ | قرآن کی حقانیت پر شہادت | ۷۹۶ |
| ربط آیات | ۷۷۴ | بنی اسرائیل کا شاہد | ۷۹۷ |
| وقوع قیامت کا انکار | ۷۷۵ | اہل مکہ کا انکار | ۷۹۸ |
| اعمال نامہ کی پیشی | ۷۷۵ | درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۴) | ۸۰۰ |
| رحمت سے دوری | ۷۷۶ | ربط آیات | ۸۰۱ |
| کائنات کا پروردگار | ۷۷۸ | کفار کا تکبر باطل | ۸۰۱ |
| خدا تعالیٰ کی کبریائی | ۷۷۹ | بعثت کی تعریف | ۸۰۳ |
| سورۃ الاحقاف (مکی) | ۷۸۱ | قرآن کی حقانیت | ۸۰۵ |
| درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۶) | ۷۸۲ | توحید پر ثابت قدمی | ۸۰۵ |
| نام اور کوائف | ۷۸۳ | درس چہارم ۴ (آیت ۱۵ تا ۱۶) | ۸۰۸ |
| مضامین سورۃ | ۷۸۴ | ربط آیات | ۸۰۹ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| حقوق اللہ اور حقوق العباد | ۸۰۹ | ربط آیات | ۸۳۹ |
| والدین کے ساتھ حسنِ سلوک | ۸۱۰ | حاجت اقوام سے تعالیٰ | ۸۳۹ |
| ماں کا خصوصی حق | ۸۱۱ | اعضائے رئیسہ کی لعنت | ۸۴۰ |
| حمل و رضاعت کی مدت | ۸۱۳ | حاجت اقوام کی ہلاکت | ۸۴۳ |
| انابت کی تشکیل | ۸۱۵ | مجرمانِ باطل کی بے بسی | ۸۴۴ |
| سعادتمند آدمی کی دعا | ۸۱۶ | درس ششم ۸ (آیت ۲۹ تا ۳۲) | ۸۴۶ |
| اللہ کی نعمت سے جزا | ۸۱۷ | ربط آیات | ۸۴۷ |
| درس پنجم ۵ (آیت ۱۷ تا ۲۰) | ۸۱۹ | جنوں کی قرآن سننا | ۸۴۸ |
| ربط آیات | ۸۲۰ | جنات پر پابندی | ۸۴۸ |
| شقی انسان کا تذکرہ | ۸۲۱ | مقام واقعہ | ۸۴۹ |
| والدین کی طرف سے دعوت ایمان | ۸۲۲ | جنات کا ایمان لانا | ۸۵۰ |
| سعید اور شقی کی مثال | ۸۲۳ | کتاب الٰہی کی تصدیق | ۸۵۲ |
| دنیا و آخرت میں جزائے عمل | ۸۲۴ | ایمان کی دعوت | ۸۵۳ |
| نافرمانوں سے خطاب | ۸۲۴ | درس ہفتم ۷ (آیت ۳۳ تا ۳۵) | ۸۵۵ |
| دنیا سے بے رغبتی | ۸۲۶ | ربط آیات | ۸۵۶ |
| کفار کے لیے عذاب | ۸۲۷ | حضورؐ کی بعثت بطرف جنات | ۸۵۶ |
| درس ششم ۶ (آیت ۲۱ تا ۲۵) | ۸۲۹ | ارض و سما کی تخلیق | ۸۵۷ |
| ربط آیات | ۸۳۰ | سعید اور جزائے عمل | ۸۵۸ |
| حضرت ہود علیہ السلام | ۸۳۱ | صبر کی تلقین | ۸۵۹ |
| قوم عاد کا تذکرہ | ۸۳۲ | دنیا کی مختصر زندگی | ۸۵۹ |
| دعوت توحید | ۸۳۳ | نافرمانوں کی ہلاکت | ۸۶۰ |
| قوم عاد پر عذاب | ۸۳۵ | | |
| درس ہشتم ۸ (آیت ۲۶ تا ۲۸) | ۸۳۸ | | |

# پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

تفسیر معارف العرفان فی دروس القرآن کی سولہویں جلد پندرہ پاروں پر مشتمل ہے۔ اس میں سورۃ قصص، سورۃ نمل، سورۃ مؤمن، سورۃ حٰمٓ السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف، ان نو سورتوں کی تفسیر و تشریح درج ہے۔ ہر جلد میں بھی حسب سابق قرآن و سنت، خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ دینؒ، سلف صالحینؒ اور بزرگان دین کے طرز پر نہایت آسان زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ خصوصاً امام اہل سنت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی غامض، پیچیدہ اور دقیق علمی اصطلاحات کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے جس سے ہر خاص و عام بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔

**سورۃ قصص** | سورۃ قصص میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ، اہل جنت کے انعامات اور جہنمیوں کی سزا، توحید باری تعالیٰ اور شیطان کے مکر و غرور کا تذکرہ اور اس کی تفصیلات مذکور ہیں جن کی تشریح کے ضمن میں بہت سے بنیادی عقائد اور مسائل کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ عصمت انبیاءؑ کے سبب حاصل مباحث اور اس سلسلہ میں پیدا کردہ شکوک و شبہات کا تشفی بخش ازالہ اس جلد کا طرۂ امتیاز ہے۔

**سورۃ زمر** | سورۃ زمر میں نزول قرآن، دین خالص، تخلیق ارض و سما، تخلیق انسانی، توحید باری تعالیٰ، عبادت الٰہی کی رغبت اور طاغوت سے اجتناب۔ افراد علی الملت گروہ، موت و حیات کا اختیار، بدست خدا، رحمت ایزدی سے مایوسی کی ممانعت، نفخ صور، جہنمی اور جنتی گروہوں کا تذکرہ اور ان کی تشریح موجود ہے اس سورۃ میں زیادہ تر بنیادی عقائد کا تذکرہ ہے

اس لیے اس سورۃ کو اس کے مابعد آنے والی سورتوں کی تمہید بھی کہا جاسکتا ہے۔

**حوامیم سبعہ** | سورۃ مؤمن، سورۃ حٰمٓ السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف کو حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے۔ ان سورتوں کو حوامیم کہنے اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات ہے اور یہ سب کی سب الفاظ حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں باب القرآن یعنی قرآن کریم کا سب باب ہیں۔ مضمون اور مقاصد کے اعتبار سے ان میں زیادہ تر انبیاء کی حقانیت توحید، رسالت، معاد، جزائے عمل، جنت، دوزخ وغیرہ کے بیان کے ساتھ ساتھ ان پر کیے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے حالات بھی بہت مختصر اور مختلف انداز سے بیان ہوئے ہیں۔ ظاہر و اسلاف کی تصریحات کے مطابق ان سورتوں کی تفسیر بعض مقامات پر آپ سے اس جلد کی تکمیل کے بعد غالب امکان یہ ہے کہ ان شاء اللہ العزیز۔ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں اختر کے ساتھ حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے صدیا اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ دروس القرآن کی تکمیل کے سلسلہ میں حسب سابق دعا فرمائیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جلد از جلد باقی تکمیل کو پہنچائے اور اس کی اشاعت میں سرگرم تمام جلد احباب کے تعاون اور کوششوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہم سب کے لیے باعث نجات بنائے۔ آمین یارب العلمین۔

راقم: محمد فیاض خان سواتی
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

۳ شوال ۱۴۱۹ھ بمطابق ۵ جنوری ۱۹۹۹ء

---

۱ یہ تفسیر ہماری جن جلدوں میں شائع ہو رہی ہے ان کی تکمیل سے (ناشر)

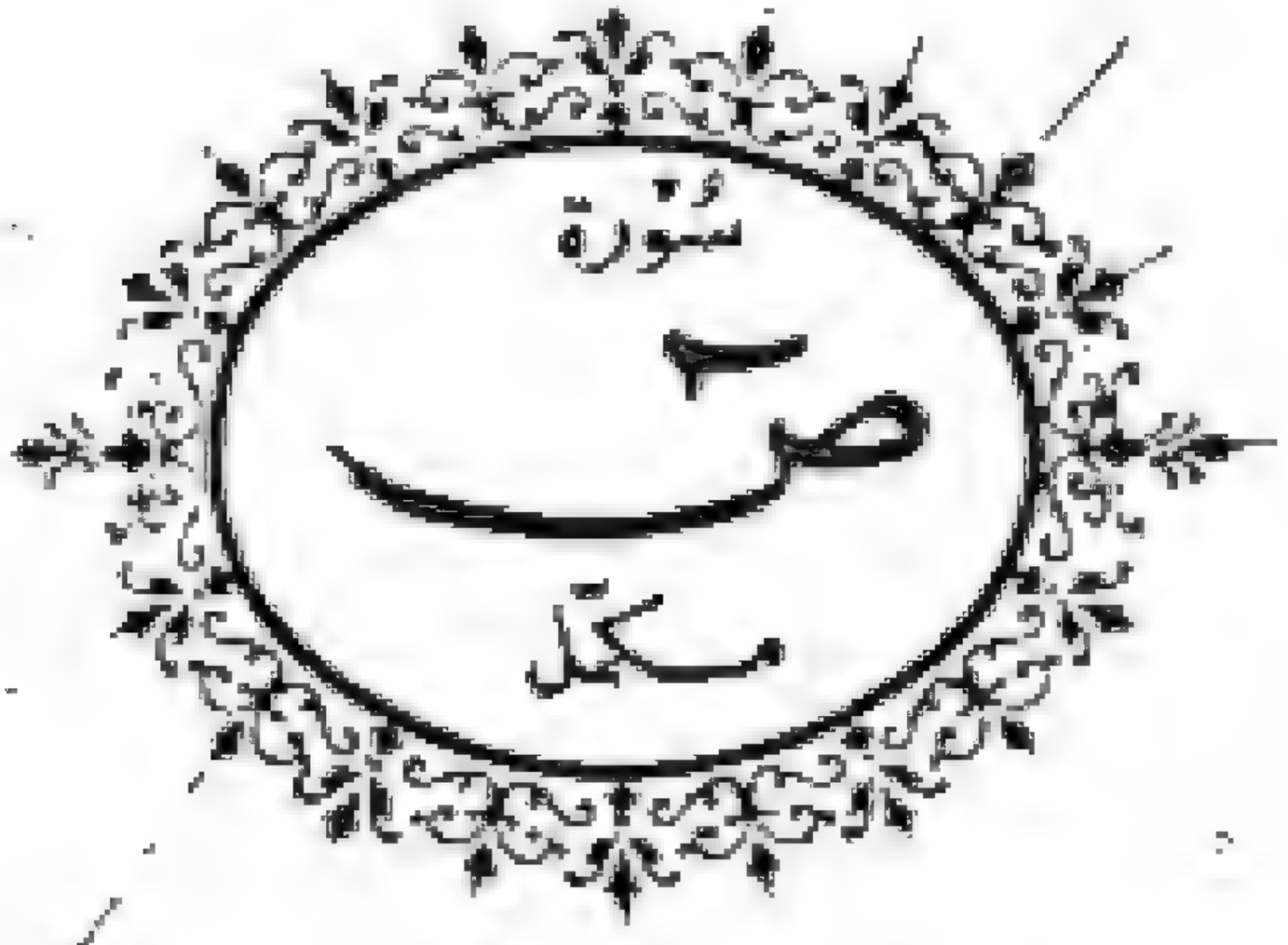
سُورَة
ص
مكّية

وما لی ۲۳ — ص ۳۸
رسا دل ۱ — آیت ۱ تا ۷

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ص مکی ہے یہ اٹھاسی آیتیں ہیں اور اس کے پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳
وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ
الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ
عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا
وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ
يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

ترجمہ:- ص۔ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ①
بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں

پڑھے ہوئے ہیں ② ہم نے اُن سے پہلے بہت
سی قومیں ہلاک کیں۔ پس پکارا انہوں نے اور نہ وہ
وقت خلاصی کا ③ اور تعجب کیا انہوں نے اس بات
پر کہ آیا ہے اُن کے پاس ایک ڈر سنانے والا اپنی
ہی سے اور کہا کفر کرنے والوں نے کہ یہ جادوگر
اور جھوٹا ہے ④ کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں
کو ایک ہی معبود۔ بیشک یہ ایک عجیب چیز
ہے ⑤ اور چل کھڑا ہوا ایک گروہ اُن میں سے
(اور کہنے لگا) چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر۔
بیشک یہ ایک چیز ہے جس میں کوئی غرض ہے ⑥
نہیں سُنا ہم نے اس بات کو پچھلے دین میں۔ نہیں
ہے یہ مگر گھڑی ہوئی چیز ⑦

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ صٓ ہے جو کہ اس کے پہلے حرف سے ماخوذ ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ نبوت کے چوتھے یا دسویں سال میں نازل ہوئی اور اس طرح یہ سورۃ گویا ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ اور یہ سورۃ ۴۲۱ الفاظ اور ۱۶۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

مکی سورۃ ہونے کے ناطے سے اس میں بھی زیادہ تر بنیادی مضامین یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت ہی بیان ہوئے ہیں۔ اثبات توحید کے سلسلے میں گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا تھا کہ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یعنی تمہارا معبود برحق

حدیث ایک ہی ہے۔ اور اس سورۃ کی ابتدا میں کفار کے تعجب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس شخص نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے؟

اس سورۃ مبارکہ میں سلسلہ رسالت پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور تکذیب رسالت کو ہلاکت قرار دیا گیا ہے۔ ماضی رسالت کے بعض انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یسع، ذوالکفل، داؤد اور سلیمان علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر متعدد سورتوں کے ضمن میں اور بعض کا صرف اسی سورۃ کے مقام میں ذکر ہوا ہے۔ اس سورۃ میں شیاطین اور جنات کا ذکر بھی آیا ہے اور ابلیس کی سرکشی اور نافرمانی کا تذکرہ بھی ہے۔ فرشتوں کی خدمتوں، جماعتوں اور اعلیٰ کا ذکر بھی اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں اور مجرم لوگوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے اور معاند لوگوں کے ترک و کسب ہدایت کا تذکرہ کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے تسلی و تصبر کا مضمون بھی اس سورۃ کا مقصد ہے۔

شانِ نزول

ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں یہ صحیح حدیث موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے والد اور حضور علیہ السلام کے چچا ابوطالب حضور علیہ السلام کے بڑے خیر خواہ اور مددگار تھے مگر آخر دم تک ایمان قبول نہیں کیا۔ جب ابوطالب بیمار ہوئے، تو سردارانِ قریش یعنی ابوجہل ان کے پاس آئے اس وقت حضور علیہ السلام بھی اپنے چچا کے پاس موجود تھے۔ سردارانِ قریش نے ابوطالب سے شکوہ کیا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ اسے منع کریں کہ ہمارے جذبات کو مجروح نہ کیا کرے۔ اس پر ابوطالب نے حضور علیہ السلام سے استفسار کیا یَا ابْنَ اَخِیْ مَا شَاْنُ قَوْمِكَ جَاءُوْا اِلَیَّ یَشْكُوْنَكَ (اے میرے بھتیجے! تیری قوم سے کیا جھگڑا ہے۔ قَالَ اُرِیْدُ كَلِمَةً تَدِیْنُ لَهُمُ الْعَرَبُ

---

ترمذی ص ۔۔۔ ومستدرک حاکم ص ۔۔۔

وَتُؤَدِّيَ إِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک کلمہ چاہتا ہوں اگر یہ اس کو تسلیم کر لیں تو پورا عرب ان کے تابع ہو جائے گا اور عجم کے لوگ ان کو جزیہ ادا کرنے لگیں گے یعنی اس کلمہ کو اپنا لینے سے ان کی بادشاہت ہو جائے گی۔ ابوطالب نے کہا تم اپنے چچا سے کیا صرف ایک کلمہ کی درخواست کرتے ہو؟ فرمایا ہاں۔ یَا عَمِّ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیجئے! تم سب کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ وہ عظیم کلمہ ہے جس کی وجہ سے عرب و عجم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ اس موقع پر وہ سب کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ کیا صرف ایک معبود؟ ہم نے تو یہ بات اپنے آباؤ اجداد سے کبھی نہیں سنی۔ کہنے لگے اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ یہ تو من گھڑت بات معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر یہ کہ کر وہاں سے چل دیے اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرما کر کفر و شرک کا رد اور کفار و مشرکین کی مذمت بیان کی ہے۔

خواف متعلقہ شے

اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوئی ہے۔ مختلف سورتوں کی ابتداء میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق اپنے اپنے مقام پر کچھ تشریح کر دی گئی ہے اور مفسرین کی تقریب فہم کے لیے مفسرین کے بیان کردہ بعض معانی بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ تاہم ملا جیون والا مسلک وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام نے اختیار کیا ہے کہ ان حروف کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ حَقٌّ وَّصِدْقٌ یعنی ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور

---

لہ جلالین ص ۴۷۶

ان کی تصدیق کرتے ہیں

جب کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن پاک کے بعض لفظ ایسے ہیں جن کے مفہوم واضح نہیں ہے یا وہ سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ بات بعض ناپختہ اذہان کے لیے شک و تردد کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے ایسے لوگوں کے اذہان کو ان حروف سے قریب تر کرنے کے لیے ان کے بعض معانی بیان کیے ہیں۔ یہ معانی اگرچہ قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ یہ معانی ان میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی کچھ نہ کچھ منقول ہے، لہٰذا بعد کے مفسرین نے بھی لوگوں کے قریب تر کرنے کے لیے کچھ معانی بیان کیے ہیں۔

حروف حق

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حق سورۃ کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سورۃ بھی دوسری سورتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف حق اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی پاک لطف اشارہ کرتے ہیں۔ حرف حق آ سے بچے حمد۔ اس سورۃ مبارکہ میں توحید خداوندی کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کا ذکر ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بوستان میں کہا ہے ؎

دل اندر حمد باید بست زوحدت
کہ عاجز تر است از شکر ہر گز مدحت

اے بوستان: صرف حمد کل ذات میں دل لگانا چاہیے کیونکہ اس کے سوا تمام چیزیں حمد سے بھی زیادہ عاجز ہیں۔ اگر کوئی مختار مطلق، قادر مطلق، حمد دان اور حمد میں حق ہے تو وہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو حمد ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف حق لفظ حمد میں جمع آ سے

---

ا سے

ب بوستان حمد

اور صانع مخلوقات اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا یہ اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جس سے مراد صدق بھی ہو سکتا ہے یعنی صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے وہ حق ہے اس سورۃ کی پہلی آیت ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ اس میں حق سے مراد نصیحت بھی ہو سکتی ہے، اور دوسری اس آیت میں خبر محذوف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوئ رسالت میں سچے ہیں۔ قرآن بھی سراپا نصیحت ہے اور اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ دین بھی نصیحت کو ہی کہا جاتا ہے، لہٰذا حق سے دین بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو مشرک لوگ شور و غل یہ کرنے کے لیے سیٹیاں یعنی صفیر بجایا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مشرکین کی مذمت کی طرف اشارہ ہو۔ حرف حق صدیا صادر میں بھی آتا ہے جس کا معنی ڈکار اور سیٹی دینا ہوتا ہے۔ کہیں سے حق کا اشارہ اس طرف ہو جس کا حرف تصص میں بھی پایا جاتا ہے۔ امکان ہے کہ اس کا اشارہ اس سورۃ میں مذکور عبرت ناک واقعات کی طرف ہو۔

حرف حق کا تعلق اس سورۃ میں آمدہ بعض کلمات سے بھی ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ حق کا اشارہ ان کلمات کی طرف ہو۔ مثلاً اللہ نے اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ (آیت ۱۷) کہہ کر حضور علیہ السلام کو کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں پر صبر کی تلقین کی ہے۔ اس سورۃ میں آمدہ سَوَآءِ الصِّرَاطِ (آیت ۲۲) یعنی سیدھے راستے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس حرف حق کا اشارہ اللہ کے مخلص بندوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہاں یہ آیت بھی ہے۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ اس سورۃ مبارکہ میں نَبَؤُا الْخَصْمِ (آیت ۲۱) کا ذکر بھی ہے جب کہ بعض لڑتے جھگڑتے ہوئے داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے۔ اس لفظ میں بھی حرف حق آتا ہے

آیت ۱۵ میں یَصْلَوْنَهَا کا لفظ آتا ہے جس میں کافروں کے جہنم میں داخلے کا ذکر ہے۔ یہاں بھی حق موجود ہے۔ پھر آیت نمبر ۱۶ قُصُوْرٌ الطّاف کا لفظ بھی ہے مراد نیچی نگاہیں رکھنے والی حوریں ہیں جو جنت میں حاصل ہوں گی۔ ممکن ہے یہ اُن کی طرف اشارہ ہو۔ آیت ۱۹ میں حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ مجھے شیطان نے اذیت پہنچائی ہے بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ آیت ۳۷ میں خَلَقْ نَصِبْ کا لفظ آتا ہے یعنی غوطہ خور جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے عمدہ چیزیں سمندر سے نکال کر لاتے تھے۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر بھی آیت ۳۱ میں آیا ہے اَلصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فَصْلَ الْخِطَابِ کا تذکرہ آیت ۲۰ میں آیا ہے۔ اسی طرح اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ کا ذکر آیت ۱۳ میں ہے۔ آیت ۱۵ میں صَيْحَةً وَّاحِدَةً کا ذکر ہے کہ ایک ہی چیخ کافروں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی ہے آیت ۳ میں حِيْنَ مَنَاصٍ کے الفاظ آئے ہیں جس کا معنی خلاصی اور رہائی ہے یعنی جب کسی قوم پر عذاب آجاتا ہے تو پھر رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ غرضیکہ مذکورہ تمام آیات میں حرف حق کی موجودگی ان کلمات کی طرف اشارہ پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کشفی اور ذوقی طریقے پر اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں کہ حرف حق کا اشارہ انبیاء علیہم السلام کے مقام قدسی کی طرف ہے جو انہیں اُن کے علوم اور وجاہت کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ذوقی طریقے سے بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو عقلی یا نقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اللہ نے بذریعہ کشف یہ معانی

آپ کے ذہن میں منکشف کر دیے ہیں۔ گویا حروف حق میں عالم بالا کے صور ارتفاع یا بلندی کا ذکر کیا گیا ہے تاہم اس میں انتہائی درجے کی صفائی اور نقاست بھی شامل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ تمام چیزیں سورۃ ہذا میں موجود ہیں۔ لہٰذا شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا لب لباب ایسے حروف کے ذریعے بیان کر دیا جاتا ہے۔

قرآن ذی الذکر

ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ ظاہر ہے کہ قرآن سراسر نصیحت ہے۔ اس کے لیے ذکر اور تذکرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ذِی الذِّكْرِ کا معنی شرف والا بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ الزخرف میں ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (آیت ۴۴) بیشک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے عزت و شرف کا باعث ہے۔ اس طرح آیت کا مطلب ہوگا قسم ہے شرافت والے قرآن کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن سے بڑھ کر شرافت والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے

کفار کی پکڑ

فرمایا بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ بالکل سچ فرماتے ہیں بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ مگر کفر کرنے والے لوگ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا قرآن کی قسم کی خبر محذوف ہے اور یہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت پر اللہ کی طرف سے گواہی ہے۔ عزت کا معنی غلبہ ہوتا ہے۔ اور عزیز اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ تاہم اس آیت مبارکہ میں عزت سے مراد اکڑ اور تکبر ہے جو کہ صرف خدا تعالیٰ کو سزاوار ہے اور کسی مخلوق کے لیے روا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ قرآن پاک کی ہدایت اور نصیحت کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ شقاق یعنی مخالفت میں پڑے ہوئے تھے۔

اللہ نے فرمایا کہ کفار اس معاملہ میں غور نہیں کرتے کہ کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا ہے انہوں نے سرکشی کی۔ اللہ کی توحید کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا پھر جب ہمارا عذاب آن پہنچا فَنَادَوْا تو روپیٹنے لگے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ مگر خلاصی اور رہائی کا وقت گذر چکا تھا۔ لہٰذا ہماری گرفت آگئی۔

یہاں پر آمدہ لفظ لَاتَ دراصل لَا ہے اور اس میں تَ زائد ہے لَاتَ لَيْتَ کے معنی میں آیا ہے جس کا معنی نہ ہے۔ حِيْنَ کا معنی وقت اور مَنَاصٍ کا معنی خلاصی ہے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے عذاب کو دیکھ کر اس وقت چیخ و پکار کی جب خلاصی کا وقت گذر چکا تھا۔

تکذیب رسالت

کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ اس طرح ان کی قیادت و سیادت ختم ہوتی تھی۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریہ تکذیب رسالت کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کہ یہ لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آگیا ہے۔ مکے کے بڑے بڑے رؤساء یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے کہ انہی کی برادری اور خاندان کا ایک کمزور آدمی جو انہی کی زبان بولتا ہے نبی بن کر آجائے۔ کہتے تھے کہ یہ ہمارے ہاتھوں پیدا ہوا، بڑھا اور جوان ہوا، اور آج ہمارے ہی سامنے نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ بھلا اس میں کون سی خوبی ہے جو ہم سے زیادہ ہے اور جس کی بنا پر اسے رسول منتخب کیا گیا ہے کہتے تھے اگر اللہ نے کسی کو نبی ہی بنانا تھا۔ تو اس منصب کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف ۳۱) کہتے تھے۔ یہ قرآن مکے

اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا۔؟ فرمایا
وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ کافر کہتے تھے کہ نبوت کا دعویٰ
یہ شخص جادو کرتا ہے اور جھوٹا ہے۔ العیاذ باللہ یہی بات فرعون نے حضرت
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق بھی کہی تھی۔ بہرحال مشرکین مکہ نے نبی
آخر الزمان کی رسالت کا نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ اس الزام تراشی بھی کی۔

حضرت پر تعجب

ان ظالموں نے رسالت کا ہی انکار نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر
بھی عجیب طریقے سے تردید کی۔ کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا کیا اس نے سب معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ کیا ہم
اتنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی عبادت کریں؟ اِنَّ
هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یہ تو بڑی تعجب انگیز بات ہے جو ہم نے پہلے
کسی سے نہیں سنی اور نہ ہی ہم نے اپنے بڑوں سے کبھی کوئی ایسی بات سنی ہے
ہمارے آباؤ اجداد تو مختلف معبودوں کو نذر و نیاز پیش کرتے آئے ہیں
ان سے مرادیں مانگتے رہے ہیں۔ ان کی مختلف حاجات و ضروریات پوری
کرتے رہے۔ بھلا ان سب کی بجائے یہ سارے کام صرف ایک معبود کیسے
انجام دے سکے گا، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔

اس قسم کی بات کرنے کے بعد وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ ان میں
میں سے ایک گروہ چل کھڑا ہوا اور کہنے لگا، اس شخص کی باتوں پر غور نہ
کرو بلکہ اب تم یہاں سے چلے آؤ وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ
اور اپنے ان معبودوں پر جمے رہو۔ ان کی یہ عبادت بیان کرتا ہے۔ صبر کا
معنی برداشت کرنا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے اپنے معبودوں کو
ہی برداشت کرو، انہی پر جمے رہو اور اس شخص کی باتوں میں نہ آؤ اِنَّ
هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی مقصد ہے۔
یہ شخص ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر کے دین پر لانا چاہتا

ہے اور تمہاری قیادت اور سیادت پر فخر کرتا ہے، لہٰذا اس کی باتوں
میں نہ آنا اور اپنے معبودوں پر پختہ یقین رکھنا۔ آپ کے اس نئے مذہب
کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے کہ اپنے سابقہ معبودوں پر مشتمل ہمارا مذہب
کو باطل سے نہیں ملتا۔ یہ محض گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو ہمارے
مال و دولت اور اقتدار پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت کو
قبول نہ کرنا۔

پھر کہنے لگے۔ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ (یعنی
امت میں تو ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ پچھلی ملت سے مراد یا تو ان کے
آباؤ اجداد ہیں اور یا پھر اس سے نصاریٰ مراد ہیں۔ کہتے تھے کہ عیسائی تو
صاحب کتاب ہیں مگر انہوں نے تو کبھی ایک معبود کو ماننے کا دعویٰ نہیں
کیا بلکہ وہ تو تثلیث یعنی تین خداؤں باپ، بیٹا اور روح القدس کے قائل
ہیں۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معبود کا نظریہ کہاں سے پیش کر دیا۔
کہ نہ ہمارے باپ دادا اس نظریہ سے واقف تھے اور نہ پچھلے مذاہب
اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ حاصل ہوا آپ کا اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (یہ تو
محض من گھڑت نظریہ ہے کہ معبود برحق صرف ایک ہے۔ حاصل ایں کہ
خدا تعالیٰ کے سارے امور ایسے انجام پا سکتے ہیں اس بات کو وہ کبھی
قبول نہیں کرتا۔ یہ سلسلہ کلام آگے تک چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے
مشرکین کی گندی ذہنیت کا پردہ چاک کیا ہے۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ
فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۭ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا
عَذَابِ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ
رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا
فِي الْاَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ
مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝
وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ
فَحَقَّ عِقَابِ ۝ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَا
عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ:- کیا اتاری گئی ہے اس پر نصیحت ہم سب
کے درمیان سے ؟ بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں
میری نصیحت سے ۔ بلکہ انہوں نے ابھی چکھا نہیں

عذاب کا مزا ⑧ کیا ان کے پاس خزانے ہیں تیرے
رب کی رحمت کے جو کامل قدرت کا مالک اور بخشش
کرنے والا ہے ؟ ⑨ کیا ان کے لیے بادشاہی ہے
آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
پس چاہیے ان کو کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر ⑩ یہ
بھی ایک لشکر ہے شکست خوردہ لشکروں میں
سے ⑪ جھٹلایا قوم نوح نے ان سے پہلے اور
قوم عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا ⑫
اور قوم ثمود نے اور قوم لوط نے ، اور ایکہ والوں
نے کہ یہی بڑے بڑے گروہ تھے ⑬ ان میں سے
ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا ، پس ثابت ہو گیا
عذاب ⑭ اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر
ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہو
گا ⑮ اور کہتے ہیں یہ کہ اے ہمارے پروردگار
جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حصہ حساب کے
دن سے پہلے ہی ⑯

ربط آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا جب اللہ کے نبی نے
ان کو کفر اور شرک سے منع کر کے توحید کا درس دیا تو انہوں نے انکار کر دیا
اور تعجب کرنے لگے کہ کیا ہم بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک
معبود پر اکتفا کر لیں ، یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ پھر وہ اس مجلس سے اٹھ کر چلے
گئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اس شخص کی دعوت خود غرضی پر
مشتمل ہے ، لہٰذا اس کی بات نہ ماننا اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہنا چاہئے
آگے یہ اس شخص کی من گھڑت بات ہے جو ہم نے پہلے کبھی کسی سے نہیں سنی

رسالت پر اعتراض

گذشتہ درس میں مشرکین کی طرف سے توحید کے انکار کا بیان تھا اب آج کی آیات میں رسالت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا کیا ہم میں سے صرف اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نصیحت یعنی قرآن پاک اتارا گیا ہے؟ کیا اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ رسالت کا اور کوئی حقدار نہیں ملا تھا جس پر قرآن نازل کیا جاتا؟ کہنے لگے کہ ہم تو اس کو نہ اور رسول تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (حٰمٓ السجدۃ) کہنے لگے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم پر کوئی فرشتہ نازل کر دیتا تو ہم ان بھی لیتے۔ ہم اپنے میں سے ایک شخص کی باتیں کیسے تسلیم کر لیں۔ سورۃ القمر میں فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (آیت ۲۴) کہنے لگے، بھلا ہم اپنے میں سے ایک شخص کی پیروی کریں، یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ غرضیکہ وہ لوگ انسان کے رسول ہونے پر تعجب کرتے تھے جیسا کہ اس سورۃ کی ابتدا میں بھی گزر چکا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (ص - ۴) کتنی عجیب بات ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آجائے۔ اللہ نے فرمایا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ کہ یہ لوگ میری نصیحت (قرآن) کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو تردد ہے کہ اللہ نے انسانوں میں سے بعض بستیوں کو منتخب فرما کر ان پر اپنا کلام نازل کیا ہے اور ان کو منذر اور مبشر بنایا ہے۔ فرمایا اصل بات یہ ہے بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ کہ انہوں نے ابھی سزا کا مزا چکھا ہی نہیں۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا کہ نبوت و رسالت اور نصیحت کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا کہ یہ لوگ نزول قرآن کا انکار کس بنا پر کرتے ہیں اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو کہ کمال قدرت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے؟ کیا یہ اللہ کی رحمت کے خزانے خود تقسیم کر کے جس کو چاہیں رسول بنا دیں گے۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا یا اُن کے پاس زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی بادشاہی ہے کہ اس بادشاہی کے تحت حاصل شدہ اختیارات سے وہ جس کو چاہیں نبی بنا دیں اور جس پر چاہیں نصیحت اتار دیں۔ پھر جس کے متعلق چاہیں اُسے نبی بننے اور کتاب لانے سے روک دیں۔ آخر ان کے پاس کون سے اختیارات ہیں جن کی بنا پر یہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور اس پر نازل شدہ نصیحت کا انکار کر رہے ہیں؟

فرمایا یہ سب اُن کے تعصب، عناد اور ضد کا نتیجہ ہے ورنہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر ان کو کوئی اختیار حاصل ہے فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ تو اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ رسیاں تان لیں یا کسی اور ذریعے سے آسمان تک رسائی حاصل کریں اور پھر حضور علیہ السلام پر نازل ہونیوالی وحی کو روک دیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں اور ان کا انکار بلا دلیل اور محض ہٹ دھرمی کا مظہر ہے۔ اللہ نے فرمایا دراصل جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ بھی یہاں ایک لشکر ہے اُن لشکروں اور گروہوں میں سے جن کو شکست دی جائیگی۔ اللہ کی وحدانیت، اُس کے رسول کی رسالت اور کتاب کا انکار کرنے والوں کا یہ ایک گروہ ہے جو ٹڈیاں مار رہا ہے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو شکست ہوگی اور اللہ کا دین غالب آجائیگا حقیقت میں یہ ایک شکست خوردہ پارٹی ہے جسے جلد ہی اپنی حیثیت کا

پتہ چل جائے گا۔

فرمایا کفار مکہ و عرب کوئی نئی سرکش قوم اور جماعت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں کے باغی ہمیشہ سے چلے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے مناسب حال ہی سلوک کرتا رہا ہے۔ دیکھو كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ اس سے پہلے قوم نوح اور قوم عاد بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہے۔ ان اقوام کا ذکر اللہ نے جیسا کہ دلوں میں لیا ہے جنہوں نے غرور و تکبر کیا، اپنی قوت پر ناز کیا۔ رسولوں کو جھٹلایا اور اُن کی ایذا رسانیوں پر اللہ نے اُن کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ وَ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ اور یہ تھا فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قوم کا تو اللہ نے ساری قوم کو بحیرہ قلزم میں غرق کر دیا۔ یہ فرعون کے متعلق ہے کہ فرعون کے پاس نہایت اعلیٰ قسم کا قیمتی ساز و سامان تھا حتیٰ کہ اُس کے خیموں کی میخیں اور گھوڑوں کی نعلیں بھی سونے کی بنی ہوئی ہیں بعض کہتے ہیں کہ فرعون کو میخوں والا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظالم تھا۔ اور جس کو سخت سزا دینا مطلوب ہوتا تھا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں چار چار میخیں ٹھونک کر وحشیانہ طریقے سے ہلاک کرتا تھا۔

فرمایا وَثَمُوْدُ اور قوم ثمود کا عبرتناک حال بھی قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں بیان ہوا۔ انہوں نے اپنے رسول کا انکار کیا اور اُس کو اذیت پہنچائی۔ وَقَوْمُ لُوْطٍ اور لوط علیہ السلام کی قوم کا حال بھی پڑھ لیں۔ اُن میں ہم جنسیت کی بدترین خصلت پائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے نبی سے ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم بڑے پاکباز بنے پھرتے ہو، ہماری بستی سے نکل جاؤ۔ یہ ایسے بدطینت لوگ تھے کہ اپنی مجالس میں کھلے بندوں بدکاریوں اور بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے اور پھر اُس پر فخر کرتے تھے۔ اللہ نے سزا کے طور پر الٹی بستیاں ہی الٹ دیں اور پھر اُوپر سے پتھروں کی بارش

کی جس کی وجہ سے ایک بھی نافرمان زندہ نہ بچا۔

فرمایا وَاَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ اور ایکہ والوں پہ بھی ایک لمبی عبرت ڈال لیں۔ اُن کی طرف اور اہلِ مدین کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ لوگ جنگل میں ایک بستی میں آباد تھے جو ایک گھنے راستے پہ واقع تھی۔ انہوں نے بھی اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور پھر انتقامِ خداوندی کا نشانہ بنے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اہلِ مدین اور ایکہ والے دو مختلف قومیں تھیں جن کی طرف اللہ نے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں گروہ ایک ہی قوم تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مدین والے شہر میں آباد تھے جب کہ اصحاب ایکہ جنگل میں رہتے تھے جس سے وہ خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

فرمایا اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ یہی بڑے بڑے گروہ تھے اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ اُن پر بیہودہ الزامات لگائے اور اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں فَحَقَّ عِقَابِ پس میری طرف سے اُن پہ عذاب ثابت ہو گیا۔ انہوں نے خدا کی توحید کا انکار کر کے اور رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے آپ پہ عذاب کو واجب کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور یہ سب لوگ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ اس سے اہلِ مکہ کو سمجھانا مقصود ہے کہ وہ کس بات پہ اپنے رسول کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے مذکورہ پہلی قوموں کا حال نہیں دیکھا؟ وہ تجارتی سفر میں ان اقوام کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات پہ سے صبح و شام گزرتے ہیں مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وہ تو بڑی طاقت کے مالک تھے۔ اُن کے پاس بڑا مال و دولت تھا۔ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (سبا۔ ۴۵) ان کو تو پہلے لوگوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ پھر یہ کس گھمنڈ میں تکذیبِ رسالت کر رہے ہیں۔ قرآن کا انکار کرتے

ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے بلکہ سراپا شرک اور کفر میں ملوث ہیں۔ جب اتنی اتنی بڑی قومیں عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر نابود ہو گئیں تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں جو اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے ان کو ابھی سے سوچ لینا چاہیئے، ورنہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے تو پھر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

اچانک عذاب کا انکار

فرمایا اب ان کفار و مشرکین کی حالت یہ ہو چکی ہے وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً اور یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا جو آکر ان کا کام تمام کر دے۔ قوم شعیب پر ایک چیخ ہی تو آئی تھی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ یہ مکے کے کافر بھی کسی ایسی ہی ایک چیخ کے منتظر ہیں جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ فرمایا کیا یہ ایسی چیخ چاہتے ہیں مَا لَهَا مِن فَوَاقٍ کہ جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہیں ہوگا۔ دراصل فواق عربی میں اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان کیا جاتا ہے۔ کچھ دودھ دوہ کر رک جاتے ہیں تاکہ مزید دودھ تھنوں میں اتر آئے تو اس کو بھی نکال لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا عذاب آئے گا تو پھر اس میں اتنا وقفہ بھی نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ اچانک ہی آجائے گا۔ اور ان کی تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ قیامت کے متعلق بھی اللہ کا فرمان ہے کہ وہ اچانک آئے گی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً (آیت ۱۸۷) مگر وہ اچانک ہی آجائے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ فرمایا کیا یہ کفار و مشرکین بھی کسی اچانک وارد ہونے والی چیز کے منتظر ہیں جو آکر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہ ہو!

حصول نعمت میں جلد بازی

فرمایا، ان لوگوں کی بدبختی ملاحظہ کریں وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ہو سکتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حصاب کے دن سے پہلے ہی۔ یعنی ہمیں جو کچھ دینا ہے وہ اسی دنیا میں دے دے ہم قیامت کے دن کا انتظار نہیں کر سکتے۔ دراصل کفار و مشرکین یہ مطالبہ مسخر کی بنا پر کرتے تھے۔ اللہ کا ہی ڈاٹ تھا کہ کفر و شرک اور معاصی سے باز آجاؤ ورنہ قیامت والے دن عذاب میں پکڑے جاؤ گے اور پھر تمہارا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اس پر وہ کہتے کہ تم اپنے لیے جنت کی امید رکھتے ہو اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہو۔ اگر ایسا کوئی وقت آنے والا ہے، قیامت برپا ہو کر حساب کتاب کی منزل آنی ہے اور پھر جزا اور سزا کا فیصلہ ہونا ہے تو ہم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے۔ اے پروردگار! ہمیں ثواب یا عذاب میں سے جو بھی دینا ہے اسی دنیا میں دے دے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ وہ کیسا عذاب ہے جس سے یہ پیغمبر ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کو مشرکین کی ان مکروہ باتوں پر صبر کی تلقین کی ہے اور تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ دیکھیں کہ ان مکذبین کا کیا انجام ہوتا ہے:۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا
دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ
اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ
خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا
بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾
اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا ۚ

لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:- صبر کریں آپ اس بات پر جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا جو قوت والے تھے۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والے تھے ﴿۱۷﴾ تحقیق ہم نے مسخر کر دیا تھا پہاڑوں کو اس کے ساتھ وہ تسبیح کرتے تھے پچھلے پہر اور صبح کے وقت ﴿۱۸﴾ اور پرندے بھی اکٹھے کیے ہوئے ہر ایک اس کی طرف رجوع رکھنے والا ہے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے مضبوط کر دیا اس کی بادشاہی کو اور دی ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات ﴿۲۰﴾ اور کیا آئی ہے آپ کے پاس خبر جھگڑا کرنے والوں کی، جب کہ پھاند لیا انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کو ﴿۲۱﴾ جب داخل ہوئے وہ داؤد علیہ السلام کے پاس تو آپ گھبرا اٹھے ان سے۔ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں، ہم جھگڑا کرنے والے ہیں۔ ہم میں سے بعض نے بعض پر سرکشی کی ہے۔ آپ فیصلہ کریں ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ، اور کوئی زیادتی نہ کریں، اور راہنمائی کریں ہماری سیدھے راستے کی طرف ﴿۲۲﴾ بیشک میرے اس بھائی کے لیے ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے لیے ایک دنبی ہے اس نے کہا کہ یہ میری کفالت میں دے دے، اور غالب آگیا ہے مجھ پر بات میں ﴿۲۳﴾ کہا داؤد علیہ السلام نے البتہ تحقیق اس نے تیرے دنبی کے ساتھ

دُنبی مانگنے کے ساتھ اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے
کے لیے۔ اور بیشک بہت سے شریک البتہ بعض
اُن میں سے بعض پر سرکشی کرتے ہیں مگر وہ لوگ
جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، اور
ایسے لوگ تھوڑے ہیں۔ اور خیال کیا داؤد علیہ السلام
نے کہ بیشک ہم نے اُن کو آزمائش میں ڈال
دیا ہے، پس بخشش طلب کی اُس نے اپنے
پروردگار سے اور گر پڑے وہ رکوع کرتے ہوئے
اور رجوع ہوئے وہ اللہ کی طرف ﴿۲۴﴾ پس بخش
دیا ہم نے اُن کو اُن کا یہ قصور، اور بیشک
اُس کے لیے ہمارے پاس البتہ مرتبہ ہے اور
اچھا ٹھکانا (لوٹ کر جانے کی جگہ) ﴿۲۵﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کا رد کیا جو اس بات پر
استعجاب کرتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے تمام معبودوں کی بجائے صرف ایک معبود کی
طرف دعوت دی ہے۔ اس دعوت کے جواب میں مشرکین نے کہا کہ اس شخص کی
بات نہ مانو بلکہ اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو۔ کہنے لگے یہ شخص جھوٹ موٹ گھڑ کر
لے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے۔ بھلا یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہی ایک شخص کو خدائی وحی کے لیے منتخب کر لیا گیا ہو
اس منصب کے لیے تو کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیے تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ رسالت کے
ان منکرین نے ابھی ہماری سزا کا مزا نہیں چکھا۔ نیز فرمایا کہ ان کے پاس خدا کی
رحمت کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس سے چاہیں روک لیں۔ آسمان و
زمین کی بادشاہی تو اللہ کے پاس ہے۔ ان کے پاس کیا ہے؟ اگر ان کے پاس
کوئی اختیار ہے تو یہ رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جائیں اور ہمارے نبی کو غلط ہونے

والی نبوت کو روک لیں۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں مشرکین کی ایذا رسانیوں پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ اس قسم کا سلوک سابقہ انبیاء سے بھی ہوا۔ سابقہ اقوام بھی تکذیب رسل کی مرتکب ہوئیں جس کے نتیجے میں آخر میں اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ یکدم کوئی آسمانی چیخ آئے جو ان سب کے گھر بھا کر ان کو نیست و نابود کر دے؟ یہ اتنے بے ادب اور گستاخ ہیں کہ کہتے ہیں ہمیں جو بھی جزا یا سزا ملنی ہے ابھی مل جائے ہم قیامت کا انتظار نہیں کر سکتے۔

---

صبر کی تلقین

ارشاد خداوندی ہے اے پیغمبر! اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ یہ مشرک لوگ جو کچھ کہتے ہیں اور جس قسم کی بیہودہ اور اذیت ناک باتیں کرتے ہیں آپ اس پر صبر کریں۔ صبر دین ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی میں صبر کرنے کے بہت سے مواقع آتے ہیں۔ مثلاً اطاعت گزاری کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ معاصی سے بچنے کے لیے بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ مصائب و تکالیف میں صبر کرنے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کے پیش نظر آپ مشرکین کی ساری بیہودگیوں اور کٹ حجتیوں پر صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ صبر کے علاوہ دین ابراہیمی کے دیگر بڑے بڑے اصول یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا، کفر و شرک سے نفرت و بیزاری، خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ آگے اللہ تعالیٰ نے صبر کی مثال کے طور پر اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کریں جو صاحب قوت تھے۔ ذَا الْاَیْدِ کا لغوی معنی ہے ہاتھوں والے اور مطلب یہ ہے

داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو غیر معمولی جسمانی قوت سے نوازا تھا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ پہ لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر چاہے اس سے زرہیں بناتے تھے اور اس طرح ہاتھوں کی کمائی سے رزق حلال کماتے تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے اس زمانے کے نبی کی قیادت میں جالوت پر فتح پائی تو اللہ نے آپ کو حکومت اور نبوت عطا فرمائی۔

اس تذکرہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کی طرح داؤد علیہ السلام بھی معمولی حیثیت سے آئے تھے، یہ کسی خاندانی بادشاہت کے مالک نہیں تھے بلکہ اپنی قوت بازو کے بل پر جالوت کے مقابلے میں فتح پائی تو اس وقت کے بادشاہ طالوت کے بعد آپ کو حکومت بھی ملی اور نبوت بھی۔ یہ لوگ آپ پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص کی مال حالت اچھی نہیں۔ باغات اور کوٹھیاں نہیں، فوج چاکر اور مال و دولت نہیں تو یہ نبی کیسے بن گیا، فرمایا آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی حکومت اور اس کے تمام لوازمات عطا کرے گا، اور یہ سب لوگ مغلوب ہو جائیں گے

داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کے قصے

فرمایا داؤد علیہ السلام کو یاد کریں کہ وہ قوت والے تھے۔ نیز اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ آپ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آپ کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ کو انتہائی درجے کی خوش الحانی عطا فرمائی تھی۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں ہم نوا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ ہم نے اُن کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا یعنی اُن کے تابع کر دیا تھا۔ جب آپ نہایت خوش الحانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی پچھلے پہر اور صبح کے وقت تسبیح بیان کرتے تھے۔ اس کا

سطلہ کی حمد وثنا بیان کرنے سے پہاڑوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی جیسے ۔۔۔ دمیں سے جوابی آواز آتی ہے بلکہ اللہ نے پہاڑوں میں شعور پیدا کر دیا تھا اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور صرف پہاڑ ہی نہیں بلکہ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً اکٹھے ہوئے پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے تھے۔ اسی خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ (آیت - ۷۹) ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اور پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جاتے تھے۔ سورۃ سبا میں ہے ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت بخشی يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (آیت - ۱۰) اور پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جائیں۔ فرمایا كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع رکھنے والے ہیں۔ پہاڑوں اور پرندوں کے علاوہ شجر، حجر، انسان، درندے، کیڑے مکوڑے غرضیکہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجمعۃ - ۱) زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ (آیت - ۴۴) کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

داؤد علیہ السلام کی دیگر خصوصیات

ارشاد ہوتا ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ ہم نے آپ کی بادشاہی کو مضبوط کر دیا۔ سلطنت کی مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ جنگ وامن کے زمانے کے تمام لوازمات موجود تھے۔ عمالِ حکومت دیانتدار اور فوج چوکس

تھی، ضروریاتِ زندگی میسر تھیں اور لوگ خوشحال تھے، اور کسی دوسری سلطنت کو اس سلطنت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

فرمایا وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ ہم نے آپ کو حکمت بھی عطا فرمائی۔ حکمت کا معنی گہری دانش مندی اور عقل و فہم کی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی تھی۔ آپ صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی اور رسول تھے، اور حکمت نبوت و رسالت کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے علاوہ فرمایا وَفَصْلَ الْخِطَابِ ہم نے آپ کو فیصلہ کن خطاب بھی عطا فرمایا۔ آپ کی تقریر و بیان نہایت واضح ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو امورِ سلطنت کو نمٹانے کے لیے قوتِ فیصلہ بھی وافر مقدار میں دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی طرف سے عطا کردہ عقل و فہم اور قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے۔

عبادت خانے میں مداخلت

آگے اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جس کی بنا پر داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ کیا آپ کے پاس پہنچی ہے جھگڑا کرنے والوں کی خبر؟ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اس واقعہ کا علم نہیں ہے تو اب بذریعہ وحی بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ جب کہ انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کود کر پھلانگ لیا۔ یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں جیسا کہ اب رواج ہے بلکہ محراب کہتے ہیں اونچی جگہ کو اور اس سے مراد عبادت کرنے کا کمرہ ہے۔ محراب کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے جب آپ کو یحییٰ بیٹے کی بشارت ملی فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم ۱۱) تو وہ اپنے عبادت خانے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو انہیں اشارے کے ساتھ کہا کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرتے رہیں۔

رہا یہ جھگڑا کہ لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے کی دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ نے امور سلطنت کی انجام دہی اور عبادت کے لیے اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ جب آپ عبادت خانے میں ہوتے تو کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور اس ضمن میں پہرہ داروں کو سخت ہدایات دی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف اچانک دو شخص عَلٰى دَاوٗدَ جب وہ محراب داؤد علیہ السلام کے پاس داخل ہوئے۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ تو داؤد علیہ السلام گھبرا گئے۔ یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی عبادت کے دوران میں اس طرح کچھ لوگ ان کی تنہائی میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ آپ فوری طور پر پریشان ہو گئے۔ مگر قَالُوْا لَا تَخَفْ (آنے والوں نے کہا) آپ خوف نہ کھائیں۔ ہم کسی بری نیت سے یا آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں آئے بَغْيٌ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ہم دو مخالف فریق ہیں۔ جن میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے۔ ہم اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ پس ہمارے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔ وَلَا تُشْطِطْ اور کسی فریق کے ساتھ ناانصافی نہ کریں وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کریں۔ ہم آپ کے پاس صرف فیصلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔

نوٹ:۔ اپنا مقدمہ پیش کرنے والے شخص نے اپنا مقدمہ فوراً ہی داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا۔ کہنے لگا اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس سے حقیقی بھائی مراد نہیں بلکہ دینی یا قومی بھائی مراد ہے کیونکہ اس بھائی کے پاس تو اس کی ننانوے دنبیاں ہیں لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ جب کہ میرے پاس صرف ایک دنبی ہے فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا میرے بھائی نے کہا کہ اپنی

ایک دنبی بھی میری کفالت میں دیدے یعنی میرے حوالے کردے۔ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اور یہ بات چیت میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔ گویا یہ زبردست آدمی ہے، اور میری واحد دنبی مجھ سے زبردستی چھین کر اپنی ملکیت میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ یہ شکایت سن کر داؤد علیہ السلام فوراً بول اٹھے قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ اور شکایت کنندہ کے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دوسرے شخص نے تیری واحد دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملا لینے کا سوال کرکے بڑی زیادتی کی ہے۔ اور پھر ساتھ یہ بھی کہا وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ کہ عموماً بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں یعنی امور شراکت میں اکثر قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں مگر ایماندار لوگ جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ وہ اس قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اُن کے شراکتی معاملات خوش اسلوبی سے طے پاتے ہیں وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ مگر ایسے دیانتدار لوگ بہت قلیل تعداد میں ہیں، وگرنہ اکثریت کے معاملات میں گڑبڑ ہی پیدا ہوتی ہے۔

شراکتی کاروبار

مفسرین کرام نے خلطاء کے لفظ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ شراکت کاروبار درست اور جائز ہے۔ چند آدمی یا دس بیس اشخاص مل کر کوئی تجارت وغیرہ کریں تو یہ کاروبار درست ہوگا۔ بشرطیکہ دیانت و امانت کا خیال رکھا جائے۔ اگر کاروبار میں کسی شراکت دار کی طرف سے بددیانتی ہوگی۔ تو کاروبار میں لازماً خرابی ہوگی اور ایک دوسرے پر زیادتی بھی ہوگی۔ مگر ایماندار آدمی کسی خیانت یا بددیانتی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے اور انسان خیانت اور بددیانتی سے بچا رہتا ہے۔ حدیث میں دل بدست کو تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو عجیب حال ہے۔ ایک ایک کے

بھی انجام دیتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ بد دیانتی کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ وظائف فرمائے۔ جہاں تعلق بالکل درست ہوگا۔ وہاں بد دیانتی نہیں ہوگی اور معاملات درست رہیں گے۔

داؤد علیہ السلام کی آزمائش

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ داؤد علیہ السلام نے خیال کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ چنانچہ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ انہوں نے اپنے رب سے بخشش طلب کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع کیا۔ فَاَنَابَ کا آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے ترجمہ کیا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس لغزش کی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں۔ الیشبا علیہ السلام کا بیان تو سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس بیان سے صحابہ اور یا ناواقف ایسے شخص کی بھی بہت بڑی توہین ہوتی ہے۔ عورت کی طرف حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر کسی طرح اس عورت پر پڑی تو پسند آگئی۔ اسے بلا کر گھر میں رکھ لیا اور پھر اس سے (العیاذ باللہ) بدکاری بھی کی۔ اس عورت سے پتا چلا کہ اس کا خاوند بھی زندہ ہے جو آپ کی فوج میں ملازم ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے راستے کے اس روڑے کو ہٹانے کے لیے یہ حیلہ کیا کہ اس خاوند کو کسی جنگ کے اگلے مورچوں پر تعینات کر دیا۔ وہاں کفار نے داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح کر لیا۔ العیاذ باللہ سے پہلے بدکاری کرنے کے قصے میں آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر جھوٹا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بعد القرآن الحکیم صاحب [illegible] ان سے ایسی حرکت کے ارتکاب

کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اُن کے متعلق تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] بھی ہے کہ داؤد علیہ السلام کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ یعنی آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، انہوں نے عبادت خانے کا نظام اس طریقے سے قائم کر رکھا تھا کہ اُن کا عبادت خانہ کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خود، آپ کی کوئی بیوی یا گھر کا کوئی دوسرا فرد ضرور عبادت خانے میں عبادت میں مصروف ہوتا تھا۔ تو ایسے مقرب الی اللہ پر بدکاری کا الزام لگانا بجائے خود ایک نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اسی لیے تفسیری روایات[2] میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ حکمنامہ جاری کیا تھا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اوریاہ کی بیوی والا قصہ منسوب کریگا اُسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے[3] ہیں کہ بائیبل کا قصہ تو جھوٹا ہے، البتہ اس کا کچھ حصہ لغویات سے الگ کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام نے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا حالانکہ وہ عورت پہلے سے منکوحہ تھی بس اس خواہش کے اظہار پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا کہ آپ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ تاہم بعض دوسرے مفسرین اس واقعہ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے[4] ہیں کہ دیوار پھلانگ کر آنے والے انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے اور دُنبیوں کا واقعہ حقیقی واقعہ نہیں تھا، بلکہ فرشتوں نے محض تمثیل کے طور پر بیان کیا تھا اور اس سے داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنا مقصود

---

[1] [2]

[3] [4]

تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب شکایت کنندہ نے اپنی شکایت پیش کی تو داؤد علیہ السلام نے فوراً فیصلہ لے دیا کہ تمہارے دعویٰ کے ثبوت کے لئے ایک مزید دنبی کا مطالبہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔ کسی مقدمہ کو نمٹانے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ صادر کیا جائے۔ مگر داؤد علیہ السلام نے صرف شکایت کنندہ فریق کی بات سن کر فوراً فیصلہ کر دیا اور فریق ثانی کو صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی، لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنے کے لیے آزمائش میں ڈال دیا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ دنبیوں والے قصے کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو ایک مثال تھی۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے متعدد طرق سے یہ قول ثابت ہے کہ داؤد علیہ السلام نے نظام حکومت نہایت اعلیٰ درجے پر قائم کر رکھا تھا۔ آپ کی حفاظت میں ہر چیز کی فراوانی تھی اور رعایا خوشحال تھی۔ آپ ہر عبادت خانے کو اعلیٰ درجے کا تعمیر کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ عبادت خانہ تمام روز میں کسی لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ تو داؤد علیہ السلام کے دل میں استعجاب پیدا ہوا کہ انہوں نے اتنے اچھے نظام قائم کر رکھے ہیں۔ بس یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔ کہ تم میرے نظام کی تحسین کا کرو گے تو نظر آگئی سے منکر میرے فریق کی طرف سے ہو۔ میں اس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ اتنی سی بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی اور دیوار پھاند کر آنے والے فرشتوں نے عبادت خانے میں خلل پیدا کر اس کا نظام درہم برہم کر دیا۔ داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش کا فوراً احساس ہو گیا اور انہوں نے رب تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی اور ساتھ ہی سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ پھر ہم نے داؤد علیہ السلام

کا یہ قصور معاف کر دیا۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں مرتبہ ہے وَحُسْنَ مَاٰبٍ اور لوٹ کر جانے کا اچھا ٹھکانا بھی اللہ نے آپ کا قصور معاف کر کے آخرت میں اعلیٰ قدر و منزلت کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ آپ قیامت کے دن نبیوں اور عادلوں کا درجہ پائیں گے اور حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمان کے دائیں جانب ہوں گے حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کے دوست اور مقرب ترین لوگ عادل بادشاہ ہوں گے، اور سب سے زیادہ دشمن اور سخت عذاب میں مبتلا ظالم حکمران ہوں گے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت بھی سنا دی۔

سجدہ تلاوت

اس درس میں سجدہ کی آیت بھی آئی ہے جس کے پڑھنے سننے سے سجدہ تلاوت لازم آتا ہے، البتہ اس مقام کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ یہاں پر لفظ سُجَّدًا کی بجائے رَاكِعًا آیا ہے جس کا معنیٰ رکوع کرنا ہوتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہاں پر سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف رکوع کرنے سے بھی تعمیل حکم ہو جائے گی۔ نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام پر سجدہ کر کے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کا یہ سجدہ تو توبہ کے لیے تھا اور ہمارا سجدہ شکر کے لیے ہے۔ مسند احمد[1] میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں سورۃ صٓ لکھ رہا ہوں۔ پھر جب میں آیت سجدہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرا قلم دوات اور آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضور علیہ السلام کے سامنے سنایا تو پھر آپ بھی اس آیت کی تلاوت کرتے وقت برابر سجدہ کرتے رہے۔ ترمذی شریف[2] میں ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت

---

[1] مسند احمد ص

[2] ترمذی ص

ومالی ۲۳ — ص ۳۸
درس چہارم ۴ — آیت ۲۶ تا ۲۹

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ ع ۱۲ ۱۱
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ
النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۣ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ
لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اے داؤد (علیہ السلام)! بے شک ہم نے بنایا
تجھ کو نائب زمین میں۔ پس فیصلہ کر لوگوں کے درمیان
حق کے ساتھ، اور نہ پیروی کرنا خواہش کی۔ پس یہ تجھے
بہکا دیگی اللہ کے راستے سے۔ بیشک وہ لوگ جو
بہکتے ہیں اللہ کے راستے سے اُن کے لیے عذاب ہے
سخت، اس وجہ سے کہ انہوں نے فراموش کر دیا

حساب کے دن کو ﴿۲۶﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان
اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بیہودہ
یہ گمان ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا۔ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے
کفر کیا دوزخ کی آگ سے ﴿۲۷﴾ کیا ہم نہ بنائیں گے
ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام
کیے ان کے جیسے جو فساد کرتے ہیں زمین میں۔ یا ہم
بنا دیں گے متقیوں کو فاجروں کی طرح ﴿۲۸﴾ یہ کتاب
ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف
برکتوں والی تاکہ لوگ غور و فکر کریں اس کی آیتوں میں
اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقلمند لوگ ﴿۲۹﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے کفار کی طعن و تشنیع اور غلط بیانی پر حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو صبر کی تلقین کی۔ پھر داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ بھی ابتدا آپ کی طرح نادار تھے۔ کوئی جنگی بادشاہ نہیں تھے، نہ ان کے پاس مال و دولت تھا مگر اللہ نے ان کو بے انتہا قوت عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے سخت محنت اللہ کی اور جہاد میں کامیابی حاصل کی تو اللہ نے ان کو نبوت اور خلافت دونوں چیزیں عطا فرمائیں۔ فرمایا آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی وسیع سلطنت عطا کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا۔ کچھ لوگ داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ گھبرا گئے اور عبادت خانے کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ گریہ زاری معاف فرما دی اور مزید نعمتیں عطا فرمائیں۔ وہ اللہ کے ہاں

اچھے ٹھکانے کے مکین ہیں۔

خلافتِ ارضی

اب آج کی ابتدائی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا ذکر فرما کر اُن کو اِس کے اصولوں اور فرائض سے آگاہ کیا ہے ارشاد ہوتا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں نیابت یا خلافت بخشی ہے بنیادی طور پہ اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد کی تھی جیسا فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ-۳۰) جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو زمین پہ میرا نظام جاری کرے۔ تو خلیفہ کا معنی نائب ہوتا ہے جو کسی دوسری اعلیٰ ذات کی طرف سے کسی کام کو انجام دے۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی وساطت سے اللہ نے خلافت کا یہ بار نسلِ انسانی میں منتقل کر دیا۔ چنانچہ اللہ نے عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا بھلا کون پہنچتا ہے مضطرب کی پکار کو جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور اُس کی تکلیف کو رفع کر دیتا ہے وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل-۶۲) اور تمھیں زمین میں نائب بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نسل اور خاندان کے اعتبار سے ہم اپنے آباؤ اجداد کے نائب ہیں۔ جب وہ نہیں رہے تو اُن کی نیابت ہم انجام دے رہے ہیں۔ اور جب ہم نہیں ہوں گے تو ہمارے جانشین آئندہ آنے والے لوگ ہوں گے اور کہیں خلافت و نیابتِ الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کو زمین میں نافذ کرنا ہے آدم علیہ السلام کی خلافت سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اور پھر نفاذ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری اللہ نے نسلاً بعد نسلٍ آنے والے لوگوں پہ ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ہم نے تمھیں زمین پہ خلافت عطا کی۔

سورۃ نور میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

[illegible] اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ [illegible] میں ایسی ہی خلافت بخشوں گا جیسی سے لوگوں کو عطا کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو منتخب کر لیے [illegible] ان کو [illegible] خلافت [illegible] کے لیے بعض شرائط بھی پیدا کرنا ہوں گی۔ چنانچہ ان شرائط [illegible] شرط ہجرت ہے یعنی خلافت کا عہدہ وہ ہوگا جو اپنا گھر بار اور وطن اللہ کے لیے چھوڑ دیں۔ ان کو دیکھ کر شرطیں یوں خلافت کے مدعی ہیں پائی جاتی تھی۔ لہٰذا خلافت کے اس وعدے کو اللہ نے اس امت کے ابتدائی دور میں پورا فرمایا اور خلفائے راشدین کو بے مثال خلافت عطا فرمائی۔ حضرت علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے حساب کتاب اور شریعت والے تھے اور ساتھ ہی آپ نبی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ بھی تھے۔ آپ کی طرف حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

قرآن خلافت اور احادیث

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلافت عطا فرمائی تو اس کے ساتھ چند فرائض اور ذمہ داریاں بھی سپرد کیں۔ چنانچہ پہلی ذمہ داری یہ ڈالی فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے پیغمبر کے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے اِنَّا اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (النساء ۱۰۵) تاکہ آپ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کریں۔ اللہ نے عدل و انصاف کو عام لوگوں کے لیے بھی ضروری قرار دیا۔ فرمایا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ ۸) انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔ یہ تو محض ترغیب تھی آگے خدا نے حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل-۹۰) اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ اللّٰہُ رَعِیَّۃً یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَھُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِہٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعیت کا راعی، حاکم، امیر یا خلیفہ بنائے اور پھر وہ رعیت کے حق میں غیر خواہی نہ کرے، تو فرمایا ایسا شخص جہنم کا سزاوار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رعیت کے لوگوں کو تو ایمان اور سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچا دے گا۔ مگر ظالم اور غیر عادل حکمرانوں کو جہنم میں داخل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ خلافت ایک امانت ہے جو اللہ نے انسانوں کے سپرد کی۔ ہے اور یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔

(۲) خواہش کا عدم اتباع

اللہ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ خلافت کی پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کرو اور دوسری یہ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں۔ اگر ایسا کیا فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تو یہ چیز آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دیگی۔ گمراہی کے اسباب میں سے خواہش کی پیروی بھی ایک سبب ہے اور یہ بہت بڑی خصلت ہے کہ حق و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کی بجائے کوئی شخص اپنی مرضی چلائے اتباعِ ہوٰی اس قدر مہلک بیماری ہے کہ اللہ نے فرمایا اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ (الجاثیہ-۲۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے خواہش کو ہی معبود بنا لیا۔ ہے۔ اس کی ڈور خواہش کے ہاتھ میں ہے، وہ جدھر چاہتی ہے آدمی کو لے جاتی ہے، اور انسان عدل و انصاف کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ حدیث شریف سے یہ مفہوم بھی اخذ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی دنیا میں پوجا کی جاتی ہے ان میں سب سے خطرناک

---

لے

ے

جبر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ گویا حق کے راستے میں ایک رکاوٹ اور خواہش ہے اور دوسری ضرورت ہے۔ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے جس کو لوگ جانے جہنم میں پہنچانے بغیر نہیں چھوڑتی۔ فرمایا تیسری چیز جہالت ہے کہ انسان حقیقت حال معلوم کیے بغیر لاعلمی میں ہی کوئی فیصلہ کر دے۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کو حضور علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

خلیفہ ولید کے چار بیٹے

مروان کے چار بیٹے اور آگے ان کی اولاد خاندان بنو امیہ کے خلیفہ گزرے ہیں۔ کسی نے ولید ابن عبدالملک خلیفہ وقت پر نکتہ چینی کی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کوئی بڑا آدمی ہوگا، مگر وہ معمولی آدمی تو خلیفہ کے متعلق ایسی بات نہیں کر سکتا۔ اس شخص کی تنقید سن کر خلیفہ نے کہا، کیا خلفاء کے متعلق بھی ایسی بات کی جا سکتی ہے؟ میں چالیس لاکھ مربع میل جیسی وسیع سلطنت کا خلیفہ ہوں اور تم مجھ سے ایسی بات کرتے ہو۔ وہ شخص صاحب علم تھا کہنے لگا، امیرالمومنین! یہ بتائیں کہ آپ کی حیثیت زیادہ ہے یا حضرت داؤد علیہ السلام کی جو منصب خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی اور رسول بھی تھے۔ اُن کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى یعنی لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا داؤد علیہ السلام تو اللہ کے معصوم نبی تھے، پھر بھی آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ تو آپ اپنے آپ کو کیا حیثیت دیتے ہیں جب کہ آپ صرف خلیفہ ہیں۔ آپ کو نہ نبوت عطا کی گئی ہے، نہ کتاب اور نہ شریعت، جبکہ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے یہ اعزاز خلافت عطا فرمائی تھی یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا کی ہے، جب کہ آپ تو نسلی طور پر خلیفہ ہیں۔ بات درست تھی لہٰذا ولید کوئی جواب نہ دے سکا۔

حکام کے لیے وعید

آگے اللہ تعالیٰ نے خلفاء، حکام، قاضیوں اور ججوں کو وعید بھی سنائی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جو لوگ خواہش کا اتباع کر کے اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ کہ انہوں نے حساب کے دن یعنی محاسبۂ اعمال کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید کسی خاص خلیفہ، خاص قوم یا خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ یہ وعید ہر زمان و مکان کے خلفاء، حاکموں، ججوں، قاضیوں اور صاحبِ اقتدار لوگوں پہ یکساں طور پہ لاگو ہے۔ جو بھی اللہ کی وعید کی زد میں آئے گا۔ عذابِ شدید کا مستوجب ہوگا۔ جج ایک بااختیار حاکم ہوتا ہے جو دائرۂ قانون میں رہتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ حق و انصاف سے انحراف کر کے رشوت، سفارش، خواہش یا اقربا پروری کو فیصلے کی بنیاد بنائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ ظالموں کی فہرست میں شمار ہوگا۔ اور ابدی سزا کا مستحق بنے گا۔ آج ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ حق و انصاف کا دور دورہ ہے یا ظلم و جور کا۔ ہر حکومت سستا انصاف مہیا کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ مگر یہ آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ الّا ماشاء اللہ۔ آج کے زمانے میں تو انصاف خریدنا پڑتا ہے۔ جس کے پاس پونجی ہے اُس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور دوسرا فریق منہ دیکھتا رہ جائے گا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈر جانا چاہیئے اور عدل و انصاف کو قائم کرنا چاہیئے

وقوعِ قیامت اور انصاف

اِس دنیا میں تو حصولِ انصاف جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ ایک تو حکام، قاضی اور ججوں کی شغلت، پھر اُن میں خواہش، رشوت اور سفارش کی لعنت، مقدمات کی پیچیدگی اور وکلاء کی طرف سے حقائق پوشی اور عدالتوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، ایسے میں انصاف کہاں سے آئے گا؟ کم از کم اس

ہمیں تو انصاف کا حصول ممکن نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خود اپنے اعمال کا انصاف کرنے کے لیے یوم الدین یعنی انصاف کا دن مقرر کیا ہے۔ اس دن تمام جھگڑے ختم اور سچی ہر حق دار کو حق مل جائے گا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور ہر حقدار کو پورا پورا حق دلایا جائے گا۔ آج تو مجرم بچ جاتے ہیں اور بے گناہ پھنس جاتے ہیں مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا یہ قیامت کا دن ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی جہاں ہر شخص کو فرداً فرداً پیش ہونا اپنا حساب دینا ہوگا اور جہاں کسی کی طرف سے کوئی وکیل بھی پیش نہیں ہوگا۔ صحیح فیصلے ہوں گے۔ چنانچہ قرآن قیامت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس دنیا میں کئی ظالم زیادتی اور حق تلفی کی وجہ سے بچ گئے اور کئی ایسے فیصلے ہوگئے آج اگر دنیا میں حق و انصاف کا دور دورہ شروع ہو جائے تو یہ زمین بھی امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔ اور سارا شر و فساد ختم ہو جائے۔

**مقصد تخلیق انسان**

اگلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض نمونے بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ہم نے آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو محض بیکار پیدا نہیں کیا۔ مقصد کے ساتھ کائنات کو پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا تقاضا ہے کہ اس کو فضول نہیں کیا جائے اس کا کچھ مقصد ہے۔ فرمایا اگر کوئی کہتے کہ کائنات کا پیدا کرنا مقصود نہیں اس کی کوئی افادیت نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی خاص نتیجہ آنا ہے۔ مرنے والے ہیں۔ بعد انسان دنیا میں ایک جانے کے طور پر آتے ہیں۔ نہ کوئی پیدا کرتے اور چلا جاتا ہے نہ آنے کا کوئی مقصد ہے۔ بس آگئے جب ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا یہ تو خیال کرتے ہیں کافروں کے دل کا دن سے

ایسا خیال تو وہی کریگا جو اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کا ہی منکر ہے وگرنہ کوئی صاحبِ ایمان اور صاحبِ عقل شعور آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ زمین اور آسمان کے درمیان پیدا ہونے والی مخلوقات میں اشرف المخلوقات خود انسان کا وجود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (القیٰمۃ-۳۶) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اُسے یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہم نے تو اُسے بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت-۵۶) ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تخلیقِ حیات کا مقصد اللہ کی پہچان ہے۔ یہ سلسلہ دنیا کا آغاز ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا آغاز ہے اُس کا انجام بھی ضرور ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر شخص کو قطعی جزا یا سزا ملنے والی ہے۔ اور اس کے لیے اللہ نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس سارے نظام کو باطل تصور کرنا کافروں کا شیوہ ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ پس تباہی اور بربادی ہے آگ سے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا۔ انہیں جہنم کی آگ کا مزہ چکھنا ہوگا۔

نیک و بد میں امتیاز

آگے اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے انداز میں فرمایا ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ کیا ہم اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کو فساد فی الارض کرنے والوں کے برابر کر دیں گے؟ ایک طرف اللہ کی توحید پہ ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں، اور دوسری طرف کافر، مشرک اور بدعتی ہیں، ظلم و زیادتی اور قتل و غارتگری کرنے والے لوگ ہیں، لوگوں کے حقوق کے غاصب ہیں، دین اور شریعت کے مخالف ہیں، ان لوگوں کے اخلاق، عمل اور اعتقاد میں فساد بھرا ہوا ہے تو یہ مومنوں اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کی طرح کیسے ہو سکتے

ہیں ؟ فرمایا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیز فرمایا اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ کیا ہم اللہ سے ڈرنے والوں اور پرہیزگار بندوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں فاجروں اور فاسقوں کے برابر کر دیں گے ؟ یہ تیرے انصاف اور عقل کے خلاف ہوگا۔ اس کو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے جو اکرم الحاکمین اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔

تیسری وجہ امتیاز کرنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ اے پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی ہے مُبٰرَكٌ جو کہ بڑی ہی برکت والی ہے مگر یہ برکات اُس شخص کے لیے ہیں جو اس کو اللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اس کتاب کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے پیغام کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں اُن کے لیے یہ کتاب برکت نہیں ہو سکتی بلکہ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل-۸۲) ایسے لوگوں کے لیے تو یہ کتاب ہر قسم کے نقصان کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل-۸۲) ایمان والوں کے لیے یہ شفا اور رحمت ہے۔ بہر حال فرمایا حق و باطل، نیک و بد، اہل ایمان اور فاسق و فاجر میں امتیاز کرنے کے لیے اس کتاب کو یہ بنیادی حیثیت حاصل ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے

تدبر فی القرآن

اور اس کتاب کی غایت یہ ہے لِيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و تدبر کریں۔ ظاہر ہے کہ نیک و بد میں امتیاز بھی تبھی ممکن ہوگا جب کلام الٰہی میں غور و خوض کیا جائے گا۔ اور غور کا اولین درجہ یہ ہے کہ آدمی اس کتاب کے کہنے، سمجھنے اور جاننے کا۔ دوسرا درجہ اس کے سمجھنے کا۔ تیسرا اس کے معنوں کو جاننے کا، چوتھا اس پر عمل کرنے کا اور پانچواں درجہ اس کو آگے

پہنچانے کا ہے۔ گویا تدبر میں الفاظ بھی شامل ہیں، معانی بھی اور اصول بھی۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں کوئی بھی شخص اللہ کی کتاب میں غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ کسی نے بہت زیادہ کیا تو تھوڑی بہت خالی تلاوت کر لی اور بس، ورنہ اس کتاب حکیم کے معانی و مطالب کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ مگر جب ہم ماحول پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس زمانے میں محض تلاوت کر لینا بھی بڑا غنیمت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک سرد و زن صبح کی نماز ادا کرتے، اس کے بعد ہر گھر سے تلاوت قرآن پاک کی آوازیں آیا کرتی تھیں، مگر آج وہ آوازیں ختم ہو کر ریڈیو اور ٹیلیویژن کی آوازیں رہ گئیں ہیں جو ہر گھر سے صبح و شام سنائی دیتی ہیں۔ تاہم اس کتاب کا اصل مقصد خالی تلاوت نہیں بلکہ اس کو سمجھنا اور غور و تدبر کرنا ہے۔

اللہ نے کتاب کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ تاکہ عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ نصیحت تو جبھی حاصل ہو گی جب لوگ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی گئی اور محض چوم چاٹ کر اور غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا تو نصیحت کیسے آئیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا قرآن کریم کے ساتھ غداری کرنے کے مترادف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عظیم المرتبت کتاب کی ظاہری تعظیم بھی ضروری ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے مگر یہ مقصود و منتہا تو نہیں ہے۔ اس کی غایت تو اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور پھر دوسروں تک پہنچانا ہے تاکہ سارے صاحب عقل لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

نیکی اور بدی میں اس امتیاز کی وضاحت کے بعد اگلی آیات کا ربط پھر سابقہ مضمون کے ساتھ ہو گا۔ داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد آگے اللہ نے آپ کے جلیل القدر فرزند اور اللہ کے عظیم الشان نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے

بعض واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اُن کو بھی زندگی میں پریشانی لاحق ہوئی۔ اُن
انھوں نے بھی صبر کیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا جا رہا ہے۔ کہ
آپ بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ مصائب کا پہاڑ
پیغمبر کے دامن کو تھپڑوں سے لگاتے رہیں۔

ومالی ۲۳ — صٓ ۳۸

درس پنجم ۵ — آیت ۳۰ تا ۳۳

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ
اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ
الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا
عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:- اور بخشا ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے (فرزند) سلیمان علیہ السلام بہت اچھا بندہ تھا۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والا تھا ﴿۳۰﴾ جب پیش کیے گئے اُس کے سامنے پچھلے پہر عمدہ تیز رفتار گھوڑے ﴿۳۱﴾ پس کہا اس نے تحقیق میں نے پسند کیا ہے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے، یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا ﴿۳۲﴾ لوٹاؤ اُن کو میری طرف، پس شروع کیا انہوں نے اور جھاڑنے لگے پنڈلیوں اور گردنوں کو ﴿۳۳﴾

ربط آیات

مشرکین کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان اور آپ کے رفقاء کو کفار کی ایذاء رسانیوں کے مقابلے میں صبر کی تلقین فرمائی اور اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کہ انہوں نے بھی آزمائش کے وقت صبر و برداشت سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے ساتھ خلافت و حکومت

بھی عطا فرمائی اور آپ کے درجات کو بلند فرمایا۔ اس میں اشارہ تھا کہ آپ بھی بہت سی آزمائشوں کو برداشت کریں گے۔ ایک وقت آنے والا ہے جب آپ کے مخالفین ناکام ہو جائیں گے اور کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی۔ پھر درمیان میں اللہ نے نصیحت کی کچھ باتیں بتائیں۔ پھر شکر ادا کرنے والے انبیاء کا ذکر ہے، اور ساتھ ساتھ اس کتاب کو واضح کرنے والی عظیم کتاب قرآن عظیم کا بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحب عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

آپ آج کی آیات کا ربط پیچھے سابقہ مضمون اللہ کے نبی اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ہو جائے۔ آپ پر ہونے والے انعامات ہی کے ضمن میں ایک اور بڑے انعام کا ذکر ہے۔ جو اللہ نے آپ کو سلیمان علیہ السلام جیسا عظیم فرزند عطا کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ اور ہم نے بخشا داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا جو اللہ کا فرزند، نبی اور رسول۔ نِعْمَ الْعَبْدُ آپ اللہ کے بہت ہی خوب بندے تھے۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ رجوع الی اللہ والی صفت باپ اور بیٹا دونوں میں پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اللہ نے دونوں کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرمائی مگر سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تو بے مثال تھی اور باپ کی سلطنت سے بھی ممتاز تھی۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مولا کریم! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو ایسی بے مثال ہو کہ مجھ سے پہلے کسی کو میسر آئی ہو نہ میرے بعد کسی کو حاصل ہو۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی۔ اتنی وسیع و عریض سلطنت کے امور کی دیکھ بھال آپ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ

انجام دیتے تھے۔ اور پھر امورِ سلطنت کی تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ اللہ کی طرف بھی رجوع رکھتے تھے اور اُس کی عبادت و ریاضت میں بھی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کُل انیس[19] بیٹے تھے جن میں سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا اور کمال درجے کی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی تھی۔ آپ کے فضائل سابقہ سورتوں الانعام، نمل، انبیاء اور سبا وغیرہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ نے جنوں، پرندوں اور ہوا کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ قوتِ فیصلہ اس قدر وافر عطا فرمائی تھی کہ باپ کی موجودگی اور کم سنی کی عمر میں بھی بڑے بڑے فیصلے کر جاتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ صرف تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین بنے۔ اللہ نے فرمایا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل-١٦) اور انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ نے چالیس سال تک بیمثال حکومت کی اور منصبِ رسالت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء

اب اگلی آیات میں سلیمان علیہ السلام کی ایک آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ پر ایک معمولی سی کوتاہی کی بناء پر آئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں آپ کی دو آزمائشوں کا ذکر آرہا ہے، اُن میں سے یہ پہلی آزمائش ہے جس کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ جب کہ پیش کیے گئے آپ پر پچھلے پہر نہایت عمدہ، اصیل اور تیز رفتار گھوڑے۔ صٰفِنٰت ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو عام طور پر تین پاؤں پہ کھڑا ہوتا ہے یعنی تین پاؤں پہ تو پورا وزن ڈالتا ہے جب کہ چوتھے پاؤں کا صرف اگلا پنجہ زمین پہ رکھتا ہے۔ نسلی اعتبار سے یہ عمدہ گھوڑے کی علامت ہے، جو کارکردگی کے لحاظ سے دوسرے گھوڑوں پہ فوقیت رکھتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے اصطبل میں اس قسم کے ہزاروں

—— گھوڑے تھے جو جہاد میں استعمال ہوتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی دیکھ بھال خود کیا کرتے تھے۔

فرمایا اس قسم کے گھوڑے آپ کی خدمت میں سہ پہر کے وقت پیش کیے گئے۔ آپ ان کے معائنہ میں مصروف تھے، ہر ایک کو فرداً فرداً دیکھتے تھے کہ کس گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں واقع ہو گیا۔ اسی کام میں وقت زیادہ لگ گیا اور جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ سورج غروب ہو گیا۔ اسی دوران یعنی غروب آفتاب سے پہلے آپ کی نماز یا دیگر عبادت کا وقت بھی تھا۔ آپ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر محو تھے کہ آپ کی نماز کا وقت ہی جاتا رہا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

گھوڑوں سے محبت

جونہی آپ معائنہ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے اس وقت آپ کو شدید قلق ہوا کیونکہ نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت آپ نے نہایت غموم ہو کر کہا فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ افسوس کہ میں نے اپنے پروردگار کے ذکر سے مال کی محبت کو پسند کیا ہے۔ آپ کو دکھ ہوا کہ ان گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروفیت کی وجہ سے ان کی نماز ضائع ہو گئی حالانکہ گھوڑوں پر ذکر الٰہی کرتے رہنا چاہیے تھا حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا یعنی غروب ہو گیا اور عبادت کا وقت جاتا رہا۔

پہلی تفسیر

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کرتے ہیں اور دونوں تفسیریں درست ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ میں عَنْ بطور علت ہے اور اس طرح معنی یہ بنتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا میں نے ان گھوڑوں سے محبت کی ہے رب تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے۔ مطلب یہ کہ آپ کو ذکر الٰہی کے فوت ہو جانے پر ملال نہیں ہوا۔ بلکہ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ان سے محبت کو ذکر ہی کا حصہ قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ

گھوڑے جہاد میں کام آتے تھے اور اُن کی دیکھ بھال اور تربیت بھی جہاد ہی کا حصہ سمجھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز فرض ہے تو اس کی ادائیگی کی تیاری کے لیے انجام دیے گئے جملہ امور وضو وغیرہ بھی اسی کے تحت آئیں گے اب ایک طرف جہاد جیسا اہم فریضہ ہے جس میں مال وجان کی بازی لگانا پڑتی ہے اور دوسری طرف زبانی ذکر ہے جس میں اللہ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو جہاد بھی اعلائے کلمۃ الحق کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور یہ بھی یاد الٰہی کا ہی ایک حصہ ہے، لہٰذا جہاد کی تیاری میں ذکر الٰہی کا فوت ہو جانا کوئی خاص حرج والی بات نہیں ہے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے خادموں کو حکم دیا رُدُّوْهَا عَلَيَّ ان کو میری طرف واپس پلٹاؤ۔ ظاہر ہے کہ گھوڑوں کی تربیت کی جا رہی ہوگی اور اس مقصد کے لیے انہیں دوڑایا جا رہا ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پس جب ان کو آپ کے پاس لایا گیا۔

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ تو سلیمان علیہ السلام ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پہ ہاتھ پھیرنے لگے۔ مسح کے کئی معنی آتے ہیں۔ جن میں ہاتھ پھیر کر جھاڑ پونچھ کرنا بھی ہے اور ایسا محبت اور عزت واکرام کی بناء پر کیا جاتا ہے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد میں کام آنے والے عمدہ قسم کے گھوڑوں سے محبت تھی لہٰذا آپ نے اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پہ ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

دوسری تفسیر

ان آیات کی ایک تو یہ تفسیر ہے اور دوسری تفسیر جو عام طور پہ اختیار کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمان علیہ السلام کی عبادت کا فریضہ رہ گیا تو آپ کو اس پر سخت رنج ہوا۔ اور کہنے لگے "میں نے مال کی محبت کو ذکر الٰہی پر ترجیح دی ہے"۔ یہ مفسرین اَحْبَبْتُ کا معنیٰ "میں نے ترجیح دی ہے" کرتے ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنی اس کوتاہی پہ اپنے آپ کو گویا ملامت کی کہ اُن سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں لگے

ہے اور عادۃً ثوبت ہوگئی حضرت عمرؓ ذکر عمل بدکیں پھول کرتے ہیں۔ اور اس طرح مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ میں نے مال کی محبت کو ذکر الٰہی سے نہیں بلکہ ذکر الٰہی پر ترجیح دی۔ اس کی مثال قرآن پاک کی دوسری آیت میں بھی ملتی ہے فَمَنْ یَّبْخَلُ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ۔ محمد ۳۸) جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس پر بخل کرتا ہے۔ یہاں بھی عن کا معنی علیٰ کے طور پر آیا ہے۔ اسی طرح بعض مفسرین نے اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ کا معنی لیا ہے یعنی میں مال کی محبت میں ذکر الٰہی سے بیٹھ گیا اور اس کی طرف توجہ نہ دی۔ حب کا معنی وصولنا بھی آتا ہے اور نشان لگانا بھی۔ حضور علیہ السلام بعض جانوروں کو نشان لگا کر جہاد کے لیے وقف کرتے تھے۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑ کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

مَسْحٌ کا معنی قطع بھی آتا ہے کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابن ابی لعب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک سو بہتر گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ ان میں سے ایک گھوڑی بھی تھی۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑنے کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

مَسْحٌ کا معنی قطع بھی آتا ہے کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابن ابی لعب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک سو بہتر گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ ان میں سے ایک گھوڑی بھی تھی۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑنے کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

مَسْحٌ کا معنی قطع بھی آتا ہے کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابن ابی لعب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک سو بہتر گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ ان میں سے ایک گھوڑی بھی تھی۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑنے کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

مَسْحٌ کا معنی قطع بھی آتا ہے کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابن ابی لعب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک سو بہتر گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ ان میں سے ایک گھوڑی بھی تھی۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑنے کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

مَسْحٌ کا معنی قطع بھی آتا ہے کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابن ابی لعب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک سو بہتر گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ ان میں سے ایک گھوڑی بھی تھی۔ اب آپ کا مقصد تھا کہ ایسے جانور کو چھوڑنے کے بجائے جس کے کسی دوست کے پاس پڑا جائے۔

توجہ کمبل کے نقش و نگار کی طرف مبذول ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ نے فرمایا کہ یہ کمبل ابوجہمؓ کو واپس کر دو اور اس کی بجائے مجھے سادہ کمبل لا دو تاکہ صحابی کی دل شکنی نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو موطا میں مذکور ہے۔ آپ اپنے باغ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ باغ بڑا گھنا تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا پرندہ درختوں کے گھنے پتوں میں داخل ہوا اور پھر وہیں پھنس کر رہ گیا اُس کے پھڑپھڑانے کی وجہ سے ابوطلحہؓ کی توجہ اُس طرف چلی گئی۔ آپ کو بڑا رنج ہوا کہ نماز میں خلل واقع ہوا ہے۔ چنانچہ آئندہ کسی ایسے وقوعے سے بچنے کے لیے سارا باغ ہی اللہ کے راستے میں وقف کر دیا اور خود اُس سے دست بردار ہو گئے۔ اسی طرح کعب ابن مالکؓ کا واقعہ بھی آتا ہے۔ آپ غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ آپ کو اپنے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرنا تھی۔ اس کوتاہی پر آپ پر سخت ابتلاء آئی۔ چالیس دن تک آپ کا سخت بائیکاٹ رہا، اور مدینے کا کوئی شخص آپ سے کلام تک کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بالآخر پچاس روز بعد اللہ نے سورۃ توبہ کی آیات نازل فرما کر آپ کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنی تمام املاک اور باغ وغیرہ کی وجہ سے مجھ پر ابتلاء آئی۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں تاکہ آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

غرضیکہ اسی اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے عمدہ گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد کو قربان کر دیا۔

خلاصہ

بہرحال ان آیات کی دو طرح کی تفسیریں ہیں۔ نے آپ کے گوش گذار کر دی ہے۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے گھوڑوں کی تربیت اور دیکھ بھال کو ذکرِ الٰہی کے منافی نہ سمجھا بلکہ نماز کے فوت ہو جانے پر گھوڑوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا اور ان کی جھاڑ

پونچھ کر کے ان کا گرد و غبار دور کر دیا۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ سلیمان علیہ السلام کو نماز یاد کرنے کی فرصت کا سخت رنج ہوا۔ اور انہوں نے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کے کفارے کے طور پر بہت سے گھوڑے ذبح کر ڈالے اور اس طرح سزا کے طور پر اپنے آپ کو اپنے عمدہ گھوڑوں سے محروم کر لیا۔

بعض مستفاد مسائل

اس واقعہ میں ایک مسئلہ گھوڑے کی قربانی کا آیا ہے۔ اس دور میں گھوڑے کی قربانی جائز تھی۔ یہ جانور حلال تو ہماری شریعت میں بھی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں روایت موجود ہے، البتہ اس کی قربانی نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس مقصد کے لیے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری نر و مادہ کو استعمال کیا جاتا ہے جن کا ذکر سورۃ الانعام میں موجود ہے۔

مفسرین کرام اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ حاکم کو امور سلطنت کی دیکھ بھال ذاتی طور پر کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کی سیرت سے واضح ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ کسی ایسے عبادت کے وقت کے کوئی دوسری عبادت کرنا درست نہیں اگر نہ نکلی پڑا ہونے کا احتمال ہے۔ اس اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام کو نماز کے وقت نماز ہی ادا کرنی چاہیئے تھی۔ اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دینی چاہیئے تھی۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اس دوران میں نفل پڑھنا یا قرآن پاک کی تلاوت کرنا بھی درست نہیں۔ ہاں مسجد میں پہنچ کر نوافل ادا کر سکتا ہے یا تلاوت قرآن پاک کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ
جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ
لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ
بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ
كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ
فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ
اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى
وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۲

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا
سلیمانؑ (علیہ السلام) کو۔ اور ڈال دیا اُن کی کرسی پر ایک دھڑ
پھر انھوں نے رجوع کیا اللہ کی طرف ﴿۳۴﴾ کہنے لگے
اے پروردگار! معاف کر دے مجھے، اور بخش مجھے
ایسی بادشاہی جو نہ لائق ہو کسی کے لیے میرے بعد۔
بیشک تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے ﴿۳۵﴾ پس
ہم نے مسخر کر دیا ان کے لیے ہوا کو جو چلتی تھی
اُن کے حکم سے نرم نرم جہاں بھی وہ پہنچنا چاہتے
تھے ﴿۳۶﴾ اور شیطانوں کو بھی (مسخر کر دیا) ہر ایک

آگ میں عمارت بنانے والا اور پانی میں غوطہ لگانے والا ﴿۳۷﴾
اور بیڑیوں سے ایک دوسرے سے جکڑے ہوئے تھے بیڑیوں
میں ﴿۳۸﴾ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے) یہ ہماری بخشش ہے۔
پس تو احسان کر یا روک رکھ بغیر حساب کے ﴿۳۹﴾ اور
بیشک اس (سلیمان علیہ السلام) کے لیے ہمارے نزدیک
البتہ مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ﴿۴۰﴾

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش، پریشانی اور ان کے رجوع الی اللہ کا ذکر کیا۔ پھر آپ کے فرزند اور نائب جلیل القدر صاحب شریعت رسول اور خلیفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ہوا۔ ان پر ہونے والے انعامات کا ذکر ہوا۔ آخر میں ان کی اچھی صفات بیان ہوئی ہیں۔ ان کی طرف سے ان کی قوت کی وجہ سے ان کی قرآن و حال بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی دوسری آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسری آزمائش

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ اور البتہ تحقیق
ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا۔ فتنہ کا معنی آزمائش ہوتا
ہے جانچنا ہوتا ہے۔ اور آزمائش یہ تھی وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا
کہ ہم نے ان کی کرسی یا تخت پر ایک دھڑ کو لا کر ڈال دیا۔ ثُمَّ اَنَابَ
اور پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ مفسرین کرام نے اس آیت
کریمہ کی تفسیر دو طریقے سے کی ہے۔

پہلی تفسیر

پہلی تفسیر تو عام طور پر مفسرین کرتے ہیں۔ وہ اسرائیلی روایت سے
ماخوذ ہے اور صحیح نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک
انگوٹھی تھی جس پر اسم اعظم کندہ تھا اور آپ اس کی برکت سے تمام سلطنت
نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے

غسل خانے میں جانے سے پہلے انگوٹھی اپنی کسی خادمہ کو دے دیتے، وہ انگوٹھی خادمہ سے حاصل کرلے
لوں گا۔ اس اثنا میں حضرت سلیمان ایک جن سے کہیں چلے گئے۔ انگوٹھی خادمہ سے حاصل
کرلی۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا
اور انگوٹھی طلب کی تو خادمہ نے اسے اپنا آقا سمجھ کر انگوٹھی اس کے حوالے کر دی۔
پھر وہ تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا اور پوری سلطنت پر قابض ہو گیا۔ یہ تھا
وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا کا مفہوم۔ یعنی
ہم نے تخت پر قابض ہو گیا۔ جب سلیمان علیہ السلام واپس آئے اور فارغ ہوئے اور خادمہ سے
انگوٹھی طلب کی تو اس نے آپ کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا۔ یہ سارا معاملہ
ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ پھر سلیمان علیہ السلام کو شبہ پیدا ہوا کہ جن سطنت پر قابض
ہو ہی چکا ہے، کہیں وہ ان کو قتل ہی نہ کر ڈالے، لہٰذا آپ چپکے سے
واپس چلے گئے۔ رہا یہ کہ علم ہی نہیں تھا کہ سلیمان علیہ السلام واپس ہو چلے ہیں اور
جن نقلی سلیمان بن کر ان پر حکومت کر رہا ہے۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ انگوٹھی دریا کے
اندر کسی طرح سمندر میں گر گئی جسے مچھلی نے نگل لیا۔ وہ مچھلی شکار ہوئی اور بیچتی
بچاتی سلیمان علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ جب انہوں نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا، تو
اس میں سے آپ کی انگوٹھی برآمد ہو گئی جسے آپ نے فوراً پہن لیا اور آپ کا
کاروبارِ سلطنت پھر بحال ہو گیا تو بعض مفسرین نے اس واقعہ کو سلیمان علیہ السلام
کی ابتلاء سے تعبیر کیا تھا۔

تاہم امام رازیؒ مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس واقعہ کو بعض مفسرینؒ نے
بیان کیا ہے مگر یہ بالکل من گھڑت ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔
فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی جن سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آ کر اس قسم کی
دھاندلی کر سکے کیونکہ آپ اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے اور اللہ نے آپ
کو خلافتِ ارضی بھی عطا فرمائی۔ جن کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ آپ کی شکل اختیار کر سکے۔
اس واقعہ سے متعلق بعض حضرات اس بات کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام کے گھر میں کوئی مشرکہ عورت تھی۔ آپ نے اُس کے بارے میں کچھ تغافل کیا اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا۔ اس وجہ سے انگوٹھی آپ سے گم ہو گئی اور یہ آزمائش آئی۔ یہ قصہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ کے نبی کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

**دوسری تفسیر**

بخاری، مسلم اور دیگر کتب احادیث میں آنے والی جمع احادیث کے نصائح کو مدِ نظر رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے فوجیوں میں کچھ سستی کا احساس پایا تو آپ سخت دل برداشتہ ہوئے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ میں رات کو اپنی سو یا کم و بیش ہر ایک بیوی کے پاس جاؤں گا، وہ حاملہ ہوں گی اور ان سے پیدا ہونے والا ہر بچہ مجاہد بن کر فوج میں خدمات انجام دے گا۔ مگر اس قسم کے ساتھ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے حالانکہ یہ چیز آپ کے ذہن میں تھی اور فرشتے نے بھی آپ کو یاد دلایا تھا۔ مگر یہ ابتلا آنی تھی، لہٰذا آپ سے نسیان ہو گیا اور انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بیویوں میں سے صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں بھی ایک ادھورا لحمی لوتھڑا سا بچہ پیدا ہوا جسے لا کر آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا۔ اگر آپ جان سکیں کہ آپ کی قسم کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اس پر سلیمان علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ اور آپ نے پروردگار کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کوتاہی پر معافی مانگی۔

صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ کہ اگر سلیمان علیہ السلام قسم اٹھاتے وقت انشاء اللہ کہہ دیتے تو انہیں مقصد حاصل ہو جاتا۔ صرف نہ کہنے کی وجہ سے آپ پر ابتلا آئی اور ایک ادھورا بچہ آپ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اور معافی طلب کی۔ یہ ایک ایسی معمولی سی لغزش تھی جو عام لوگوں کے لیے گناہ نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کے نبی کے لیے اتنی کوتاہی بھی قابلِ مواخذہ بن جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر صحیح احادیث میں ملتی ہے اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

مودودی صاحب کی غلطی

مذکورہ بالا حدیث کو تسلیم نہ کرنے کے سوا مودودی مرحوم نے شدید غلطی کی ہے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون اس لحاظ سے خلافِ عقل ہے کہ کوئی شخص ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے پاس کیسے جا سکتا ہے۔ پھر انہوں نے رات کے اوقات کو تقسیم کر کے ہر بیوی کے حصے میں آنے والے منٹوں کا حساب لگا کر بتایا کہ کسی شخص کے لیے ایسا ممکن ہی نہیں۔ یہی آپ کی غلطی ہے اگرچہ یہ ایک عام آدمی کے لیے ممکن نہیں مگر نبی کے لیے معجزے کے طور پر تو ہر چیز ممکن ہے جسے عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بلاشبہ سارے معجزے خلافِ عقل ہوتے ہیں، کیا تمام معجزات کو عقل کے ترازو میں تولا جائے گا؟ اس سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں بھی مودودی صاحب نے ایسی ہی غلطی کی ہے آیت ۲۶ میں ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اور خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ آپ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ وہاں بھی مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی آزمائش میں خواہش نفسانی کا ضرور کچھ نہ کچھ دخل تھا۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اللہ کے فرمان کا مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح پہلے کبھی خواہش کی پیروی نہیں کی، اسی طرح آئندہ بھی نہ کرنا۔ اس کی مثال تو وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر - ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے سارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ تو کیا وہاں پہ شرک کا کوئی دخل تھا۔ العیاذ باللہ۔ اس جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ نے تو پہلے کبھی شرک کیا ہے اور نہ آئندہ کرنا۔ بہرحال اللہ کے معصوم نبی کی شان میں خواہش نفسانی کی بات کرنا ہرگز درست نہیں۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب بیویاں حاملہ ہو کر بچے جنم دیتیں۔ مگر اس لغزش کی وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا گیا

سلطنت کے لیے دعا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے معافی اور بے مثال سلطنت کی دعا کی۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ کہنے لگے پروردگار! مجھے معاف کر دے میری کوتاہی درگزر فرما۔ پھر فَغَفَرْنَا نے الفاظ تو نہیں بتائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور پھر بخشش و معافی کی درخواست پیش کی۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بے مثال سلطنت کی درخواست نامناسب نہیں ہے کیونکہ آپ کا مقصد محض حصول اقتدار، تعیش، آرام طلبی یا مال منفعت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اتنی عظیم الشان اور بے مثال سلطنت کے وارث ہونے کے باوجود آپ بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے اور اہل و عیال کے اخراجات اپنے دست کار بازو کی کمائی سے پورے کرتے تھے۔ ایسی حکومت کے حصول سے آپ کا مقصد اللہ کے دین اور شریعت کا نفاذ، عدل و انصاف کا قیام، اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ظلم و تعدی کا خاتمہ تھا۔

چوتھا تسخیر

اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو بے مثال سلطنت عطا فرمائی جو آپ کے بعد کسی کو نہیں ملی۔ اللہ نے آپ کی دعا کی جو قبولیت ظاہر فرمائی اور آپ کو جو بے مثال سلطنت عطا فرمائی اس کا ذکر کیا ہے جو اس بے مثال حکومت کا حصہ تھے۔ فرمایا فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو آپ کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی۔ اور اس ہوا کے ذریعے حَيْثُ اَصَابَ آپ جہاں بھی جانا چاہتے۔ بحفاظت سرعت کے ساتھ آسانی سے پہنچ جاتے تھے آپ صبح اور شام وغیرہ کا سفر ہوا کے دوش پر کرتے تھے۔ جہاں جانا مقصود ہوتا تھا آپ تخت پر بمع لشکر اور سامان بیٹھ جاتے تھے۔

ہوا یہ ہوتا تھا کہ آپ کو مطلوبہ مقام تک تیزی کے ساتھ پہنچا دیتی۔ سورۃ
سبا میں ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (آیت ۱۲) آپ کے
وقت ایک ماہ کا سفر طے کر لیتے تھے اور شام کے وقت میں بھی اتنی ہی مسافت آسانی
سے طے کر جاتے تھے۔ یہ وہی معجزہ تھا جو عقل کے خلاف تھا جسے اللہ نے
حضرت علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنے تیز رفتار
گھوڑے تو صرف الفرس کے اڑا لے سے طور پر قربان کر دیئے تھے لہٰذا اللہ نے ان کا
نعم البدل ہوا کی صورت میں دیا جس کی وجہ سے آپ گھوڑوں کی نسبت بہت
زیادہ تیز رفتاری سے نقل و حرکت کر سکتے تھے۔

مولانا اصلاحی کی غلطی

اس مقام پر ہمارے زمانے کے ایک دوسرے مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے
شدید غلطی کی ہے۔ وہ اس ہوا کو سمندری ہوا پر محمول کرتے ہیں جس کے ذریعے
سلیمان علیہ السلام کی بار برداری کشتیوں کا بیڑا بڑی آسانی اور تیز رفتاری سے ایک
جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا کرتا تھا۔ نہیں معلوم اس سے مراد خشکی پر چلنے والی
ہوا ہے جو معجزے کے طور پر آپ کے تخت کو اٹھائے پھرتی تھی۔ اسی طرح
اصلاحی صاحب نے واقعہ معراج کو خواب کا واقعہ قرار دینے والے علماء کی ایک
بے حقیقت سے بے پناہ لیکن صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک
سے نقل کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی بیماری غلطی یہی ہے کہ معجزے کو تسلیم نہیں کرتے
دگرنہ خدا تعالیٰ کے لیے کون سا کام مشکل ہے۔ اگر معراج خواب میں ہی ہوا تھا تو
پھر جھگڑا کس بات کا تھا کہ مشرک لوگ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے خواب میں
تو بڑے بڑے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں مگر کبھی کسی نے ایسے
مشاہدے پر شک نہیں کیا اور نہ کبھی مناظرہ بازی کی نوبت آئی ہے۔ بہرحال یہ
بھی غلط تفسیر کا ایک نمونہ ہے۔

جنات کی تسخیر

سلیمان علیہ السلام پر کیے گئے احسانات میں سے اللہ نے ایک یہ احسان
بھی ذکر کیا وَالشَّيٰطِيْنَ اور ہم نے شیطانوں یعنی جنات کو بھی آپ کے لیے

سخر کر دیا تھا کل جنات جو میں سے سرکش شیاطین بنانے والا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ذریعے بڑی بڑی عمارات تعمیر کروائیں۔ جنات بڑے بڑے بھاری پتھر دور دراز سے اٹھا کر لاتے، ان کو تراشتے اور اونچی جگہوں پر پہنچاتے۔ آپ ان سے شیشے کی قطع بریدا اور دھاتوں کی ڈھلائی کا کام بھی لیتے تھے جس سے عمارت کے جملہ لوازمات تیار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَغَوَّاصٍ یعنی ان میں غوطہ خور شیاطین بھی تھے جو سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی موتی اور ضروریات کی دوسری چیزیں نکال لاتے تھے۔ فرمایا۔ وَاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ جنات میں بعض ایسے بھی تھے جو جیلوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سلیمان علیہ السلام شرارتی جنوں کو سزا کے طور پر قید بھی کر دیتے تھے۔ ان میں سے بعض آج تک جکڑے ہوئے کنوؤں اور ویرانوں اور جزیروں میں موجود ہیں جو قرب قیامت میں جا کر آزاد ہوں گے۔ بہرحال انسانوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

بابرس سے استثنیٰ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کچھ ہماری طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے فَامْنُنْ کہ جس پر چاہیں تقسیم کر کے احسان کریں اَوْ اَمْسِكْ یا جس سے چاہیں روک لیں یعنی کچھ نہ دیں۔ اور اس ضمن میں آپ سے کوئی کارروائی کریں گے وہ بِغَيْرِ حِسَابٍ بغیر حساب کتاب کے ہوگی۔ یعنی اس تقسیم کی صحت یا عدم صحت پر آپ سے قیامت کو کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اُسے آخرت کے محاسبے کا خوف لازماً دامن گیر ہوتا ہے مگر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دل جمعی کے لیے آپ کو ہر قسم کے محاسبے سے بری کر دیا۔ دیکھیں بہت بڑی چیز ہے، اسی لیے بزرگان دین اور صوفیائے کرام اس سے ڈرتے رہتے ہیں مطلب یہ ہے

لوہا اس کے لئے موم کی طرح نرم ہو جائے گا۔ جیسے شیشے کی مانند صاف ہو جائے۔

دنیا کی عظیم الشان اور بے مثال حکومت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر کیے جانے والے ایک اور انعام کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى آپ کے لیے ہمارے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہمارے انعامات دنیا تک ہی محدود نہیں، بلکہ آخرت میں بھی آپ کا بہت اچھا حصہ ہے وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔ اور آپ کا بہت اچھا ٹھکانا بھی ہے۔ اسی لیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو نئی بات سنی کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت و شکر ادا کیا اور ساتھ یہ دعا بھی کی تھی وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (النمل ۔ ۱۹) مولا کریم! اپنی مہربانی سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا اور اچھا ٹھکانا بھی جو آگے چل کر حاصل ہوگا۔

الف نے ماں مرتبہ

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ
هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى
لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ
بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ
الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ:۔ اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے ایوب
(علیہ السلام) کا، جب کہ پکارا اس نے اپنے پروردگار کو کہ
بیشک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور (۴۱)
(فرمایا) مار تو اپنے پاؤں کو (زمین پر)، یہ (چشمہ) ہے
نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے (۴۲) اور بخشے
ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے مثل
اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے، اور نصیحت اور
یاد دہانی کے طور پر عقل والوں کے لیے (۴۳) (فرمایا)
پکڑ لے اپنے ہاتھ سے تنکوں کا گٹھا پس مار اس کے
ساتھ اور قسم ہی نہ توڑ۔ بیشک پایا ہم نے اس
کو صابر، اچھا بندہ، بیشک وہ رجوع کرنے والا (۴۴)

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے تذکرے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ان پر سخت ترین آزمائشیں آئیں مگر ان کو اللہ کی رحمت سے کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ انہوں اٹھارہ سال تک مصائب و بیماری کے سامنے صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور بالآخر امتحان میں پورے اترے جو کٹھن واقعے بھی حضرت ایوب علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو پیش آئے ان سے مقصود یہ ہے کہ آپ بھی آنے والی تکلیفوں اور دکھوں پر صبر کریں۔ وقت برداشت پیدا کریں بالآخر کامیابی آپ ہی کے لئے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ آپ ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کریں۔ آپ کا کچھ ذکر سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ایوب بن عوص بن زارح بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھیں، اور بعض دوسرے اقوال کے مطابق آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا ذکر بائبل میں بھی ہے اور آپ کے صبر کا تذکرہ ایوب بھی ملتا ہے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان نبی تھے اور دنیاوی اعتبار سے بھی اللہ نے خیر کثیر عطا فرمایا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ کاشت کرواتے تھے جس میں پانچسو ہل اور ایک ہزار ہل استعمال ہوتے تھے۔ آپ کے پاس سات ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں تھیں، تین ہزار سے زیادہ اونٹ، ایک ہزار سے زیادہ بار برداری کے لیے گدھے، خچر وغیرہ اور پانچسو سے زیادہ خدام تھے۔ آپ عرب کی سرزمین میں سب سے زیادہ مال و دولت والے تھے۔ اللہ نے سات بیٹے بھی عطا کیے تھے۔

ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان انعامات پر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر شیطان نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ پروردگار تیرا بندہ ایوب علیہ السلام تیرا شکر یہ اس لیے ادا کرتا ہے اور تیری عبادت و ریاضت

ہیں اس بے شغل رہتا ہے کہ تو نے اُسے دائمی دولت عطا کر رکھی ہے۔ اگر تجھے یہ اطمینات اس پر نہ ہو تو اس کی حالت مختلف ہو۔ شیطان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آزمائش ڈال دی تاکہ شیطان پر ظاہر کر دے کہ اس کا بندہ کچھ سے کُندہ نہیں ہوتا۔ اور اس کی زبان سر حالت میں میری حمد و ثنا اور شکر سے تر رہتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آزمائش آئی کہ کسی آفت کی وجہ سے کھیت جل گئے۔ فصلیں تباہ ہو گئیں۔ مال مویشی ہلاک ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ مکان کی چھت گری اور ساری اولاد بیک وقت موت کی آغوش میں چلی گئی۔ ان حالات میں لوگ جا کر سب حال کہہ گئے اور آپ کے پاس صرف اپنی بیوی رہ گئی جس نے پورے آزمائش کے دوران آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ ہدایت ہی پارسا اور وفادار خاتون تھیں۔ جنہوں نے ہر حالت میں خاوند کی خدمت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

ماخذ کی روایت کے مطابق آپ کو ایسی شدید جلد کی بیماری لاحق ہوئی کہ سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلوؤں تک جسم میں آبلے پڑ گئے۔ آپ کی وفادار بیوی بیماری کی اس حالت میں پوری پوری خدمت کرتی رہی۔ مال تو پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا۔ گھر اور وقت کے لیے اس بیچاری کو خود محنت مزدوری کرنا پڑتا اور اس طرح وہ اپنے اور خاوند کے لیے خوراک کا بندوبست کرتی۔ جوں جوں ایوب علیہ السلام کی تکلیف بڑھتی گئی۔ توں توں آپ کے قلب و روح میں خدا کی ذات پر یقین محکم ہوتا چلا گیا اور زبان پر اللہ کے شکر کے کلمات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس موقعہ پر آپ کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ جب آپ کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو کچھ پاس نہ تھا اور جب قبر میں جاؤں گا تو وہاں بھی خالی ہاتھ ہوں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مال و دولت خود ہی مجھ سے واپس لے لیا ہے تو یہ اس کی طرف سے آزمائش ہے اور اسی کا نام بابرکت ہے۔ غرضیکہ مال و اولاد کے چھن جانے اور سخت

جسمانی اذیت کے باوجود انھوں نے کبھی شکوہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں اٹھارہ سال گزر گئے۔ مگر شیطان اپنے وعدے کو سچا ثابت نہ کر سکا۔ آخر اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ورغلا کر ان کے اعمال کی بربادی کا انتظام کر دیا جائے۔

ایوب علیہ السلام کی بیوی لوگوں میں محنت مزدوری کر کے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں شیطان نے ایک نیک سیرت عورت کی صورت میں ملا اور بیمار خاوند کے علاج کی پیش کش کی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے بدلے میں صرف یہ معاوضہ طلب کیا کہ جب ایوب علیہ السلام تندرست ہو جائیں تو صرف یہ کہہ دینا کہ اس کو فلاں شخص نے شفا دی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس مطالبہ کا ذکر کیا کہ عبادت (شیطان) کے نام کا کچھ نذرانہ دے دینا۔

واپس آ کر بیوی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت ایوب علیہ السلام سے کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شیطان کی کارروائی ہے جو ہمیں شرک میں ملوث کرنا چاہتا ہے چنانچہ آپ نے اپنی بیوی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم شیطان کے بھلاوے میں آ گئی اور ایسی بات کا ذکر مجھ سے کر دیا۔ تمھیں تو اس کی بات کو سننا بھی نہیں چاہیے تھا۔ الغرض! بیوی کے ساتھ اس ناراضگی کی بنا پر آپ نے قسم کھائی کہ میں تندرست ہو گیا تو تمھیں سو کوڑے ماروں گا۔ اس ذہنی پریشانی نے عالم میں ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کیا اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ جب انھوں نے پکارا اپنے پروردگار کو اور عرض کیا اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ بے شک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا یعنی شیطان کی اس حرکت سے مجھے سخت دکھ ہوا ہے۔ پہلے تو جسمانی تکلیف میں مبتلا تھے۔ اب شیطان نے شرک پر آمادہ کر کے ذہنی اذیت میں بھی مبتلا کر دیا۔

دریائے رحمت میں جوش

جب ایوب علیہ السلام نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنی اس دوہری اذیت کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا۔ ایوب علیہ السلام

آزمائش میں پورے اتر چکے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کی تمام تکلیف اور پریشانیاں
کو دور کرنے والے تھے۔ اصل حالت پر لانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ چشمہ
کو حکم دیا۔ اس نقص پر جو تکلیف تیرے پاؤں سے زمین پر گھسنے سے پہنچی ہے
اس کا کیا علاج ہو گا۔ فرمایا میری قدرت تام اور رحمت بالغہ کا تو دیکھو۔ تیرے
آپ نے زمین پر پاؤں مارا۔ وہاں پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اس نے کہا۔
ھٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ یہ نہانے کے لیے اور پینے کے
ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس پانی سے غسل کرو اور اسے پی بھی لو
آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کے جسم کی اندرونی اور بیرونی بیماریاں فوراً دور ہو گئیں
اور پہلے کی طرح آپ بانکے تندرست اور جوان بن گئے

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کی
ٹھوکر کو ان کے حق میں بہتر کرنے کی حکمت یہ تھی کہ عام عادت میں ہوتا یہ ہے کہ
مارے تو چشمہ جاری نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کی قدرت سے یہ بھی ممکن ہوتا ہے
اور یہی فیض رسانی پاؤں سے ٹھوکر مارنا اللہ کی طرف سے طے تھا۔ اللہ
نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ اسی طرح جب
اللہ چاہتا ہے تو کسی چیز کو قبض کر لیتا ہے اور پھر وہ چیز کچھ اثر نہیں کر سکتی۔
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے تیلی (احالہ)
کے لیے آگ کے اثر کو زائل کر دیا۔ فی الحقیقت ہر چیز کا واقعی اللہ تعالیٰ کے بعد کی ایسی
مثال ہے۔ اس قلعے کا دروازہ اتنا بڑا تھا جس کو ایک بڑی جماعت بھی نہیں
اکھیڑ سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی پشت میں اتنی کشش پیدا کی۔ کہ
انھوں نے اس دروازے کے نیچے اپنی پشت دیکر دروازے کو اکھیڑ پھینکا۔
ایسی ہی بسط آپ نے ہمارے اجداد کے وقت بھی پیدا کی تھی۔ جب حضرت اسماعیل
علیہ السلام کے نیزہ کرنے پر فرشتے کے پیمانے سے وہاں زمزم کا چشمہ جاری
ہوا تھا۔

بہرحال غسل کرنے اور پانی پینے سے ایوب علیہ السلام بالکل تندرست و توانا ہو گئے۔ کہتے ہیں ہری بھری کھیتی وغیرہ لے کر اُٹھے۔ ایوب علیہ السلام کو جانے کہاں پڑا پایا تو پریشان ہو گئی۔ آپ تو بڑی تندرست حالت میں موجود تھے۔ آپ سے پوچھنے لگی کہ یہاں اس بستر پر اللہ کے نبی صاحب فرائض تھے اُن کے متعلق کچھ علم ہو تو بتائیں۔ انہوں نے کہا لو دیکھ تو میں ہی ہوں۔ بغور سے دیکھا تو پہچان لیا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ایوب علیہ السلام کو تندرستی واپس لوٹا دی بلکہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں۔ ایوب علیہ السلام نے اُن کو کپڑے میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اُدھر سے آواز آئی۔ ایوب! کیا تم نے مجھ سے کفایت کر لیا؟ پروردگار! میں تیری رحمت سے ہر وقت محتاج ہوں لہٰذا ان شہری ٹڈیوں کو جمع کر رہا ہوں۔

اہل و مال کی بحالی

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا ضائع شدہ اہل و مال بھی بحال فرما دیا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ الخ اور جب ہم نے بخش دیے آپ کو آپ کے اہل۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فوت شدہ بیٹوں کو زندہ کر دیا۔ جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کے مصداق آپ کے اتنے ہی اور بیٹے عطا کر دیے۔ یعنی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ ہو گئے۔ ترجمے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو آپ کے اہل بھی بحال کر دیے اور ان کے ساتھ ہی فرمایا رَحْمَةً مِّنَّا یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی۔ وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ اور اہل خرد کے لیے نصیحت اور یاددہانی بھی۔ اللہ کے نیک بندوں کی آزمائش، جان و مال اور صحت کا نقصان، پھر اللہ کی بارگاہ میں صبر و برداشت یہ سب کچھ عقل و شعور رکھنے والے لوگوں کے لیے باعث نصیحت اور عبرت ہے۔

صاحب کشاف زمخشریؒ اور محمد بن ابی بکر عبدالقادر رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں یہ مناجات بھی پیش کی

تو اللہ نے آپ کو ہر کھوئی چیز بحال کر دی اور مزید انعامات سے بھی نوازا۔

اللّٰهُمَّ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّهُ لَمْ يُخَالِفْ لِسَانِيْ قَلْبِيْ وَلَمْ يَتَّبِعْ قَلْبِيْ بَصَرِيْ وَلَمْ تَلْهِنِيْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنِيْ وَلَمْ أَكُلْ إِلَّا وَمَعِيَ يَتِيْمًا وَلَمْ أَبِتْ شَبْعَانًا وَلَا كَاسِيًا إِلَّا وَمَعِيَ جَائِعًا أَوْ عَارِيًا

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری زبان کبھی میرے دل کے خلاف نہیں ہوئی (زبان اور دل ایک جیسے ہوتے ہیں، جو بات دل میں ہوتی ہے، وہی زبان پر آتی ہے) اور میرا دل کبھی نگاہ پر نہیں گیا (یعنی انسان کی نگاہ تو ہر اچھی بری چیز پر پڑتی ہے مگر میں نے دل کو اس کے پیچھے نہیں لگایا یعنی دل کی حفاظت کی ہے) جو چیز میری ملکیت میں تھی کبھی مجھے (تیری یاد سے) غافل نہیں بنایا اور میں نے یتیم کے بغیر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ اور میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا ہے اور نہ کپڑا پہنا ہے۔ جب کہ میرے قریب کوئی بھوکا یا ننگا ہو (مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو کھلا کر کھایا ہے اور ننگے کو پہنا کر پہنا ہے)

بیوی کو سو کوڑوں کی سزا

اب جب کہ آپ کو تندرستی حاصل ہو گئی، تو آپ کو اپنی وہ قسم بھی پوری کرنا تھی جس میں ایوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے مارونگا۔ آپ دیکھ چکے تھے کہ بیوی بڑی وفادار ہے اور اس نے اٹھارہ سال تک ان کی خدمت کی ہے۔ مگر اپنی قسم بھی پوری کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی آپ کی راہنمائی فرمائی اور کہا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اپنے ہاتھ میں سینکوں یا شاخوں کا ایک گٹھا لیں فَاضْرِبْ بِهِ اور اس سے ایک دفعہ بیوی کو مار دیں وَلَا تَحْنَثْ اور قسم میں جھوٹے نہ بنیں۔ یعنی اس طرح آپ اپنی قسم پوری کر لیں۔ چونکہ قسم سو کوڑے مارنے کی تھی تو اللہ نے فرمایا سو تنکوں کا ایک گٹھا دو یا سو تنکے لے کر ایک ہی دفعہ مار دیں گے تو یہ سو ضربات شمار ہو کر تمہاری قسم پوری ہو جائیگی۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو قسم

پوری کرنے کا حیلہ بتلا دیا۔

اِس آیت سے کئی مسائل مستفرع ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ ایسا دھوکہ دینا جس سے حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بھی یا دوسرے لوگ بھی اس قسم کا حیلہ کرتے ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے مخصوص تھا اور دوسرے لوگوں کے لیے روا نہیں۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی تدبیر ہر حالت میں روا ہے۔ ہر کوئی یہ حیلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کوئی شرعی حکم باطل ہوتا ہو۔ مثلاً بعض لوگ اس قسم کی تدبیر کرتے ہیں کہ جب کسی مال پر ایک سال پورا ہونے کو آیا تو وہ مال ہبہ یعنی بخش دیتے تاکہ اس پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے۔ پھر جب ہبہ کی مال ملکیت میں سال ہونے کو آیا تو اس نے واپس ہبہ کر دیا تاکہ اس پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے۔ یہ تو لوگوں کی ایجاد ہے۔ اسی طرح بعض سرمایہ داروں کے پاس نقد مال زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر وہ اس پر سال پورا ہونے سے پہلے اس سے کوئی کارخانہ یا کوئی دوسری جائداد خرید لیتے ہیں تاکہ مال پر زکوٰۃ ادا کرنی نہ پڑے۔ اس قسم کے حیلے کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

البتہ گناہ اور کسی حرام چیز سے بچنے کے لیے حیلہ سازی جائز ہے مثلاً ردی کھجوروں کا اعلیٰ کھجوروں کے ساتھ معاملہ ہے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ حرام ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس سود سے بچنے کے لیے یہ حیلہ خود صحابہ کرامؓ کو بتلایا کہ اس قسم کے تبادلے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ پہلے ردی یا اعلیٰ کھجوروں کو فروخت کر دو اور پھر اس سے حاصل ہونے والی قیمت کے عوض متبادل مال خرید لو۔

یہاں پر یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا بیوی کو مارنا جائز ہے؟ چونکہ ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کی، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہاں جائز ہے بشرطیکہ ضرباً غیر مبرح یعنی ادب سکھانے کے لیے ہو۔ اس کا حکم سورۃ النساء میں بھی موجود ہے۔ کہ لوگو! اگر

[illegible] سے سرکشی کی صورت میں پہلے ان کو زبانی سمجھاؤ، پھر بستروں سے الگ کر دو، اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں۔ وَاضْرِبُوهُنَّ (آیت ۳۴) تو ان کو زدوکوب کرو۔ مگر ایسا نہیں کہ مار پیٹ ہی کو ترجیح دو بلکہ محض ادب سکھانے کے لیے جیسا کہ بعض اوقات کسی کوتاہی پر بچوں کو بھی سزا دی جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حماد ابن ابی سلیمانؒ تھے۔ ایک بار ان سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی کو اس وقت تک کپڑا نہیں پہنائے گا جب تک کہ وہ عورت میں وقوف نہ کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا اس کو سوئی پر چٹکی بھر روئی میں لے جاؤ اور کپڑے پہنا دو۔ تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اس وقوف سے مراد تو صرف وقوف ہے۔ فرمایا ضروری نہیں تم نہیں جانتے حضرت ایوب علیہ السلام والا حیلہ کہ انہوں نے ایک ایک سو کوڑے مارنے کی بجائے سو تنکوں کا گٹھا ایک ہی دفعہ مار کر قسم پوری کر لی تھی۔

فقہائے کرام اس مقام پر یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی حیلہ سازی خلوص و وفا کی بنا پر تھی۔ آپ کی بیوی سو کوڑوں کی سزا وار نہیں تھی کیونکہ وہ تو ایک صالحہ اور خاوند کی خدمت گزار خاتون تھی مگر شیطان کی بات سننے کی وجہ سے کوتاہی کر بیٹھی۔ ایوب علیہ السلام نے سو لاٹھیاں مارنے کی قسم اٹھا لی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ ایسی صابر و شاکرہ عورت کو زیادہ اذیت نہ پہنچائی جائے تاہم امام ابن حمامؒ فرماتے ہیں کہ ایسے حیلہ میں بھی شرط یہ ہے کہ کوڑے کے ساتھ تنکے یا چھڑیاں طولاً یا عرضاً جسم کے ساتھ لگنی چاہئیں اور مضروب کو کچھ نہ کچھ تکلیف بھی پہنچنی چاہیئے، ورنہ قسم پوری نہ ہوگی۔

**صبر ایوب**

بہرحال حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ہم نے ایوب علیہ السلام کو صبر کرنے والا پایا۔ انہوں نے طویل عرصہ تک تکلیف اٹھائی، مگر حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ ان کی ساری [illegible]

دل میں نہیں اور زبان پر شکر ہے۔ فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ وہ بہت ہی خوب بندہ تھا۔ اِنَّهٗ اَوَّابٌ اور اللہ کی طرف رجوع رکھنے والا۔ اس نے ہی صفات پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی بیان فرمائیں سب کا تعلق اللہ میں خدا ہی کی طرف رجوع رہا۔

پ ۲۳
رکوع ۸

ص ۳۸
آیت ۴۵ تا ۴۷

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ
بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ
الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

ترجمہ:۔ اور آپ تذکرہ کریں اپنے بندوں ابراہیم
اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا جو ہاتھوں اور آنکھوں والے
تھے ﴿۴۵﴾ بیشک ہم نے ان کو ممتاز کیا ہے ایک خاص
چیز کے ساتھ جو اس گھر کی یاد ہے ﴿۴۶﴾ اور بیشک
یہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے
ہیں ﴿۴۷﴾

جنت انبیاء کا تذکرہ

گذشتہ درس میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر اور ان کے انعامات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں بعض دیگر انبیاء کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اور آپ تذکرہ کریں ہمارے بندے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا۔ اسحاق ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور یعقوب آپ سے پوتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے اللہ کے نبی ہیں۔ گذشتہ درس میں ان انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے کہ ان پر بھی مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ ان سے صبر و استقامت کا دامن نہ چھوٹا۔ لہٰذا انہیں بھی آخر کار اللہ کی طرف سے اجر عظیم عطا ہوا۔ کہیں یہ کفار و مشرکین کی طعنہ زنی سے مشتعل نہ ہوں کہ اللہ کے ہاں

اسی چیز پر کامیابی کا دارومدار ہے۔

اس آیت میں مذکورہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتلا تو ضرب المثل بن چکی ہے جسے ساری دنیا کے لوگ جانتے ہیں۔ اہل بابل نے آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، آپ کو ملک بدر کرنے کی دھمکیاں دیں، کیسی کیسی بدسلوکی کی حتیٰ کہ بالکل ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ نے ان کی تمام تدبیروں کو ناکام بنایا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ہوا۔ اور آپ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور شام و فلسطین میں آباد ہو گئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے بیوی بچے کو بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ دیا۔ پھر اسی بچے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ اس آزمائش میں بھی پورے اترے، فرمایا آپ ان کا تذکرہ کریں اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کا بھی۔ اللہ کے ان نبیوں نے اپنے اپنے زمانے میں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، اور اس راستے میں آنے والی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔

ہاتھوں اور آنکھوں والے انبیاء

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کی تعریف یہ فرمائی ہے۔ اُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ کہ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے لوگ تھے۔ ہاتھ اور آنکھیں ہر شخص کے جسم کے آلات ضروریہ ہیں۔ انسانی ہاتھ کام کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں جب کہ آنکھوں کے ذریعہ انسان اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اس بصارت کی رپورٹ دماغ میں پہنچتی ہے، دماغ اس مشاہدے کو سمجھتا ہے اور اس طرح انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ گویا آنکھیں حصول علم کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (آیت ۳۶) کہ اللہ نے انسان کو کان، آنکھ اور دل جیسے اعضائے رئیسہ عطا فرمائے اور ان کی کارکردگی کے متعلق قیامت والے دن بازپرس ہوگی۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان

کے اندر دو قسم کی قوتیں رکھی ہیں۔ یعنی قوتِ عقلی اور قوتِ عقلی یا نظری۔ قوتِ عقلی کو مظہر ہاتھ ہیں۔ کیونکہ تمام کام ہاتھوں سے انجام دیئے جاتے ہیں اور قوتِ عقلی یا نظری آنکھوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ انسان آنکھوں کے ذریعے دیکھ کر غور و فکر کرتا ہے عقل کو بروئے کار لاتا ہے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان برگزیدہ بندوں میں قوتِ عقلی اور قوتِ عقلی یا فکری کمال درجے کا تھا۔ عام انسانوں کی نسبت اللہ نے انہیں عقل و شعور اور فہم و فراست بھی زیادہ عطا فرمایا تھا اور عملی لحاظ سے بھی وہ بلند ترین مقام پر فائز تھے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم اس طرح سمجھ لیں کہ جو لوگ ہاتھوں اور آنکھوں کی قوتوں کو صحیح طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ جائز امور کو انجام دیتے ہیں اور منہیات سے بچتے ہیں وہی اصل میں ہاتھوں اور آنکھوں والے ہیں۔ اور جو ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے وہ گویا ان اعضاء سے محروم ہیں۔ اسی لیے اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال - ۲۲) بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے اگر یہ لوگ عقل و شعور کو بروئے کار لاتے تو کفر و شرک جیسی ہلاکت میں مبتلا نہ ہوتے۔ کفر و شرک تو عقل کے بھی خلاف ہیں اور فطرتِ سلیمہ کے بھی خلاف ہیں۔ فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم - ۷) یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کو تو خوب جانتے ہیں۔ اس کے ہر اچھے برے عمل سے واقف ہیں مگر آخرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بلکہ بالکل غافل ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ یہ اپنی قوتِ عقلی

اور قوت عملی یا فکری سے صحیح طور پر مستفید نہیں ہوتے۔ اس کے برخلاف ذکرہ انبیا علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ ان قوی کو بالکل صحیح صحیح طریقے سے استعمال کرتے تھے۔ گویا وہ صحیح معنوں میں ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ وہ کمال درجے کی قوت عملی اور قوت نظری کے مالک تھے۔ اللہ نے اُن کی اس صلاحیت کی تعریف فرمائی ہے۔

عصمت انبیاء

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق دو دلائل بیان فرمائے ہیں۔ عصمت انبیاء سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جائے گا۔ فرشتے تو سارے ہی معصوم ہیں، البتہ انسانوں میں سے یہ شرف صرف انبیاء کو حاصل ہے۔ معتزلہ قسم کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی سے بڑے گناہ تو سرزد نہیں ہوتے البتہ چھوٹے چھوٹے گناہ ہو جاتے ہیں۔ مگر اس ضمن میں تمام مفسرین، محدثین، محققین اور اہل حق کا اتفاق ہے کہ اللہ کے نبی تمام صغائر و کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ دراصل گناہ وہ ہوتا ہے جو قصد اور ارادے کے ساتھ کیا جائے۔ مگر نبی کے متعلق ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ البتہ معمولی درجے کی لغزش ہو سکتی ہے جو خطائے اجتہادی کے درجے میں آتی ہے، لیکن نبیوں کو اس پر بھی سخت گرفت ہو جاتی ہے۔ بعض انبیاء کی ایسی لغزشوں پر انہوں نے اپنے لیے ظلم اور گناہ کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور پھر اپنے لیے استغفار بھی کرتے ہیں۔ وہ حقیقی گناہ نہیں ہوتے جبکہ انبیاء علیہم السلام معمولی کوتاہیوں کو بھی بہت بڑا سمجھتے ہوئے ان لغزشوں کی معافی طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ چیز اُن کے مقام رفیع کی دلیل ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے نہ تو حقیقی گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ اُن کو حقیقی سزا ملتی ہے۔ بظاہر تو یہ گناہ نظر آتا ہے۔ مگر یہ بلا ارادہ و قصد معمولی لغزش ہوتی ہے

جہاں تک سزا کا تعلق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ ابتلائیں بھی جسمانی حد تک ہوتی ہیں۔ جب کہ حقیقی سزا تو وہ ہے جو مجرموں کو آخرت میں ملے گی۔

عصمتِ انبیاء پر پہلی دلیل

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے عصمتِ انبیاء سے متعلق پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ہم نے ان کو ممتاز کیا ہے ایک خاص خصلت کے ساتھ اور وہ خصلت ہے ذِكْرَى الدَّارِ آخرت کے گھر کی یاد۔ یہ نبیوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے پیش نظر ہمیشہ آخرت کا گھر ہوتا ہے اور وہ اس کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کرتے۔ عام آدمی کی دوڑ دھوپ تو لپسا اور مفاد آخرت کی یاد سے خالی گزر جاتی ہے اور وہ اپنے زندگی بھر فراموش کیے رہتے ہیں مگر اللہ کے نبیوں کا دل ایک لمحہ بھر کے لیے بھی آخرت کے گھر کی یاد سے خالی نہیں ہوتا اور انہیں ہمیشہ اُسی گھر کی فکر رہتی ہے۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر گناہ سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے کئی انبیاء کا ذکر کرکے فرمایا ہے يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (آیت ۹۰) یہ لوگ نیکی اور خیر کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ کہ حضور علیہ السلام اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کی یاد کیا کرتے تھے۔ اور اس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے جو بندے اُس کی طرف اس قدر رغبت رکھنے والے ہوں اور اُس سے اس قدر ڈرنے والے ہوں ان سے گناہ کیسے سرزد ہو سکتا ہے۔ اُن کی آخرت کے گھر کی یاد ہی اُن کی عصمت کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل

اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی عصمت کی دوسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ[1] وہ ہمارے نزدیک

[1] ابوداؤد صفحہ ۱۷

منتخب اور اپنے لوگوں میں سے ہیں۔ یہ منتخب کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس ذات میں مطلوبہ استعداد اور صلاحیت پاتا ہے، اُس کو نبوت و رسالت کے لیے خود منتخب فرما لیتا ہے۔ گویا نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے کہ کوئی شخص دلائل پیش کر کے، کوئی کورس پاس کر کے یا عبادت و ریاضت کر کے منصب نبوت پر فائز ہو جائے، بلکہ یہ تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی ہستی کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب نہیں کرے گا جس سے قصداً یا ارادے کے ساتھ گناہ کا احتمال ہو سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ (الاعراف ۔ ۱۴۴) میں نے تم کو منصب رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور پھر تمہیں شرف تکلم بھی بخشا ہے۔ پس جو میں نے عطا کیا ہے اُس کو پکڑ لو اور میرا شکر بجا لاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ رسالت و نبوت اللہ کا انتخاب ہوتا ہے اور وہ ایسی بہترین شخصیت کا ہوتا ہے جس سے گناہ صادر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عصمت انبیاء کی دوسری دلیل ہو گئی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تشریح

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی شاہ ولی اللہؒ کے سلسلہ کے لوگوں میں ایک ممتاز شخصیت ہیں جن کو اللہ نے کمال درجے کا علم و عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر اور علمائے فکر کے مالک ہو کر باریک حقیقتیں صرف اہل ایمان کو سمجھا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتویؒ کو وہ صلاحیت بخشی تھی کہ اپنے تو اپنے وہ ہندو اور عیسائی جیسے اغیار کو بھی اسلام کے خالص حقائق سمجھا سکتے تھے۔ شاہجہان پور کے ایک جلسہ میں جہاں ہندوؤں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے مذہب کی صداقت بیان کی، وہاں مولانا نے اسلام کی حقانیت" پر مدلل تقریر کی جسے تمام لوگوں نے اعلیٰ ترین تقریر تسلیم کیا۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء) والی آیت سے عصمتِ انبیاء کو ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو ہر حالت میں بغیر کسی قید اور شرط کے ہر مسلمان پر مطلقاً فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک اور معبودِ برحق ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت بحیثیت مالک فرض ہے، اسی طرح اس آیت کی رو سے رسول کی اطاعت بحیثیت رسالت فرض ہے۔ اگر نبی سے گناہ کا امکان ہوتا تو اس کی اطاعت اس طرح مطلقاً فرض نہ ہوتی۔ اللہ کا نبی غلطی سے مبرا ہوتا ہے لہٰذا اس کی اطاعت ہر حالت میں لازم ہے گویا یہ بھی عصمتِ انبیاء کی دلیل ہے۔

حضور علیہ السلام بعض اوقات خوش طبعی کے مزاح بھی فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! آپ اللہ کے نبی ہو کر مذاق کرتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں! مگر میری زبان سے اس وقت بھی حق ہی نکلتا ہے، عام قاضی اور جج کے متعلق تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ وَاَنْتَ غَضْبَانُ کہ غصے کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے مگر اپنے متعلق فرمایا کہ میرا فیصلہ ہر حالت میں نافذ ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے تنازعہ میں غصے کی حالت میں فیصلہ کیا تھا مگر اس میں بھی غلطی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گویا یہ بھی عصمتِ انبیاء کی دلیل ہے۔

**مولانا مودودی کی غلطی**

اس مسئلہ میں مولانا مودودی صاحب نے غلطی کی ہے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے اپنی حفاظت کر اٹھا کر ان سے ایک دو غلطیاں بھی سرزد کرا دیتا ہے تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ معبود نہیں بلکہ انسان اور بشر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشریتِ رسالت کے بعض لوازمات خود قرآن میں بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انبیاء نکاح کرتے ہیں، ان کی بیویاں ہوتی ہیں۔ اور بچے اولاد بھی ہوتی ہے۔ وہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ وہ بیمار بھی ہوتے ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا نبی انسان ہوتا ہے

ان حقائق کی موجودگی میں نبی کی بشریت ثابت کرنے کے لیے اُس سے نافرمانی سرزد کرانا قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر نبی سے عصمت کو اٹھا لیا جائے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی، تو پھر تو نبی پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔ کہ نہ جانے فلاں بات اللہ کے نبی نے کس حالت میں فرمائی ہے اور کیا یہ حقیقت ہے یا غلطی۔ لہٰذا نبی کے لیے عصمت کا ہونا ضروری ہے۔

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ
مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۗ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ
مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾
مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَٰكِهَةٍ كَثِيرَةٍ
وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾
إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُۥ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ۚ وَ
إِنَّ لِلطَّٰغِينَ لَشَرَّ مَـَٔابٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا
فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَّ
غَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَءَاخَرُ مِن شَكْلِهِۦٓ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا
فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ
صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ ۖ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۚ
أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا
رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِى النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا
كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنٰهُمْ

سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ إِنَّ
ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

ترجمہ :۔ اور آپ تذکرہ کریں اسماعیل ، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا ۔ اور یہ سب نیک لوگ تھے ﴿٤٨﴾ یہ ایک نصیحت ہے ۔ اور بیشک متقیوں کے لیے البتہ بہت اچھا ٹھکانا ہے ﴿٤٩﴾ باغات ہیں کہ بند کے لیے ، کھلے ہوں گے اُن کے لیے دروازے ﴿٥٠﴾ تکیے لگا کر بیٹھنے والے ہوں گے اُن میں اور طلب کریں گے اس میں سے بہت سے پھل اور مشروب ﴿٥١﴾ اور اُن کے پاس عورتیں ہوں گی نیچی نگاہیں رکھنے والی ، ہم عمر ﴿٥٢﴾ یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا حساب کے دن ﴿٥٣﴾ بیشک یہ البتہ ہماری دی ہوئی روزی ہے ، نہیں ہے اس کے لیے کمی ﴿٥٤﴾ یہ بات (تو تم نے سُن لی) اور بیشک سرکشوں کے لیے البتہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿٥٥﴾ وہ جہنم ہے ، جس میں وہ داخل ہوں گے ، پس بہت ہی بُری جگہ ہے آرام کرنے کی ﴿٥٦﴾ یہ بات (بھی تم نے سُن لی) پس وہ چکھیں گے کھولتا ہوا پانی اور بدبودار چیپ ﴿٥٧﴾ اور عذاب بھی اس شکل کی طرح طرح کی چیزیں ﴿٥٨﴾ یہ ایک فوج (لشکر) ہے جو گھستی چلی آ رہی ہے تمہارے ساتھ ، نہ خوش آمدید ہو ان کو ۔ بیشک یہ داخل ہونے والے ہیں دوزخ کی آگ میں ﴿٥٩﴾ وہ

کہیں گے، جگہ تمہارے لیے خوش آمدید نہ ہو۔ تم نے ہی آگے بھیجا ہے ہمارے لیے اس چیز کو، پس بہت ہی بری ہے ٹھہرنے کی جگہ ﴿۶۰﴾ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! جس نے ہمارے لیے یہ چیز آگے بھیجی ہے پس اس کے لیے کر دے عذاب دگنا دوزخ کی آگ میں ﴿۶۱﴾ اور کہیں گے وہ (دوزخ والے) کہ کیا ہے ہمیں کہ ہم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جن کو شمار میں خیال کیا کرتے تھے ﴿۶۲﴾ ہم نے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا، یا ان سے آنکھیں چوک رہی ہیں ﴿۶۳﴾ بیشک یہ البتہ برحق ہے جھگڑنا آپس میں دوزخ والوں کا ﴿۶۴﴾

**بلاغت**

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے صبر و استقامت کا ذکر فرمایا اور ان کی تعریف میں ان کی قوت عمل اور قوت نظری کو بیان فرمایا۔ انہوں نے ہر تکلیف پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کیا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی عصمت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا۔ اللہ نے ان کو از خود منتخب فرمایا تھا اور وہ اس کے برگزیدہ بندے تھے

**اسماعیل الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام**

آج کے درس کی پہلی آیت میں اللہ نے اپنے تین مزید انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ اور آپ تذکرہ کریں اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ یہ سب کے سب خوبی والے انبیاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعات تو مشہور ہیں کہ آپ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی دعا کے نتیجے میں بڑھاپے میں پیدا ہوئے۔ پھر آپ کے والد اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکے کے بے آب و گیاہ سرزمین میں چھوڑ گئے۔ پھر جب آپ بھاگتے دوڑتے کی عمر کو پہنچے تو اپنے اللہ کے حکم سے آپ کی گردن پر چھری چلا دی مگر اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کے جس دوست نبی کا ذکر ہوا ہے وہ حضرت الیسع علیہ السلام ہیں جو حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد ان کے جانشین بنے۔ ان پر بھی بہت سی مصیبتیں آئیں جنہیں انہوں نے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ گذشتہ سورۃ میں الیاس علیہ السلام کے بارے میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ دشمنوں کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے آپ چھ ماہ تک روپوش بھی رہے بہرحال آپ کے جانشین الیسع علیہ السلام ہوئے جن کا ذکر بائبل میں بھی موجود ہے۔

تیسرے نبی ذالکفل علیہ السلام ہیں۔ بعض انہیں حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتاتے ہیں، تاہم یہ بھی اجیلے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ آپ کا لقب ذالکفل اس لیے مشہور ہو گیا تھا کہ آپ نے کسی شخص کی ضمانت دی تھی۔ جس کی بنا پر آپ کو چودہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارنا پڑا۔ اللہ کے اس نبی نے بھی مخالفین کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ بعض مفسرین ذالکفل کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ کے دور کے جبار اللہ کے نبیوں کو قتل کر دیتے تھے مگر آپ نے تقریباً ایک سو انبیاء کو پناہ دی اور ان کی کفالت کی اس لیے آپ کا لقب ذالکفل پڑ گیا۔ یہ سارے انبیاء نیک اور برگزیدہ انسان تھے۔ اللہ نے ان کے صبر و استقامت کا تذکرہ کر کے ان کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن بطور نصیحت

آگے ارشاد ہوتا ہے ھٰذَا ذِكْرٌ یہ قرآن پاک ذکر ہے۔ ذکر کے دو معانی آتے ہیں اور یہاں پہ دونوں درست ہیں۔ ذکر کا ایک معنی تو نصیحت ہے اور قرآن پاک بلاشبہ سراپا نصیحت ہی نصیحت ہے اور اہل

عقل و خرد لوگ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ آیت ۲۹ میں بھی گذر چکا ہے کہ ہم نے یہ کتاب اس لیے اتاری ہے کہ لوگ اس میں غور و فکر کریں وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ اور تاکہ عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ذکر کا دوسرا معنی شرف ہے یعنی یہ قرآن پاک بنی نوع انسان کے لیے بالعموم اور عربوں کے بالخصوص باعث عزت و شرف ہے۔ یہ اللہ کا کلام اور اس کا قانون ہے جو اس نے اپنے بندوں کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اس سے بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے بشرطیکہ انسان اس میں غور و فکر کریں اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ نہ تو اس کو پڑھتے ہیں۔ نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ نہ اس پر خود عمل کرتے ہیں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح اس کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں

حقیقین کے لیے انعامات

اپنے بعض پسندیدہ بندوں کا ذکر کرنے کے بعد آگے مطلق طور پر ایسے لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی عبادت کا طریقہ سیکھا اور پھر ساری زندگی اس پر چلتے رہے ان کا انجام بھی بیان کیا ہے۔ اچھے لوگوں میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ۹ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ بے شک متقین حقیقوں کے لیے بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں اور حدود شرعیہ کا احترام کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ تقویٰ کی تعریف ہی یہ کرتے ہیں محافظت بر حدود شریعت یعنی شریعت الٰہیہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ انسان زندگی کا کوئی شعبہ ہو، عبادت ہو یا معاشرت ہو یا سیاست ہو معیشت، تجارت ہو یا روابط باہمی ہر جگہ پر شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے والا متقی کہلائے گا

جنت عدن

فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت عدن قابل رہائش اقامت ہیں۔ بعض باغات محض پھلوں کے لیے ہوتے ہیں اور ان میں

---

ف تفسیر القرآن صفحہ ۹۲

کسی کی ذاتی رہائش نہیں ہوگی۔ البتہ جنت عدن اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں بادشاہ خود بھی رہائش پذیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے باغ میں پھلوں اور درختوں کے علاوہ رہائش کی تمام سہولتیں بھی ہوں گی جن میں بہترین مکان اور اس سے متعلق تمام لوازمات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ ایسے باغات کے متعلق فرمایا مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ متقیوں کے لیے ان باغات کے دروازے کھلے ہوں گے، اور وہ ان میں بلا کسی رکاوٹ کے آ جا سکیں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اس دنیا میں تو بعض اوقات گھر پہنچنے میں کوئی دقت بھی پیش آ سکتی ہے یا آگے راستہ بھی بند ہو سکتا ہے مگر وہاں ایسی بات نہیں ہوگی بلکہ ہر متقی بغیر کسی رکاوٹ اور دقت کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ سکے گا۔

بہترین قسم کے پھل

فرمایا ان باغات میں متقی لوگ مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا بیٹھ کر ہوں گے۔ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ۔ وہاں پر طلب کریں گے۔ بہتا سے پھل اور مشروبات۔ سورۃ الطور میں ہے کہ جنتی جس قسم کا پھل اور گوشت چاہیں گے ان کے سامنے موجود ہوگا وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (آیت ۲۲) مشروبات میں سے شراب طہور کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے، مثلاً سورۃ الدھر میں ہے وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (آیت ۲۱) اللہ تعالیٰ جنتی لوگوں کو پاک شراب پلائے گا جو کہ نہایت ہی خوشگوار اور خوش ذائقہ ہوگی اور اس میں دنیا کی شراب جیسی گندگی اور نشہ آوری نہیں ہوگی۔ گزشتہ سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی گزر چکا ہے کہ جنتی ایک دوسرے کے بالمقابل تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور ان میں لطیف شراب کے جام چلتے ہوں گے جو کہ سفید رنگ میں پُر لذت شراب ہوگی۔ لَا فِيْهَا غَوْلٌ (آیت ۴۷) اس میں کوئی سر درد نہیں ہوگی۔ بلکہ سرور ہی سرور ہوگا۔

باہمی ہم عمر عورتیں

فرمایا خورد و نوش کی اشیاء کے علاوہ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ان کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ نسانی زندگی کی تکمیل میں مرد کے لیے عورت کا بھی حصہ ہے۔ عورت کے بغیر زندگی سونی سونی اور نامکمل رہتی ہے۔ اللہ نے مرد و زن کے باہمی تعلق کو اس طرح بیان فرمایا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ ۱۸۷) عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جنت میں عورتیں بھی عطا کرے گا جن کو اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (البقرہ ۲۵) یعنی پاک عورتوں سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے اجساد اور اخلاق مکمل طور پر پاک ہوں گے۔ اور نیچی نگاہیں رکھنے والی اس لحاظ سے کہ وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی دوسری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ اس دنیا میں تو عورتیں غیر مردوں کے ساتھ کلبوں اور سینما گھروں میں جاتی ہیں، پروگرام چلاتی ہیں اور گانے گا کر غیر مردوں کا دل بہلاتی ہیں، مگر وہاں ایسی بات نہیں ہوگی۔ جنتی عورتوں کے اپنے خاوند اس قدر حسین و جمیل ہوں گے کہ ان کی نگاہ کسی طرف اٹھے گی نہیں اور یہی چیز ہر مرد اور عورت کے حق میں عفت و پاکدامنی کی علامت ہے۔

مرد و زن کا ہم عمر ہونا بھی ایک نعمت ہے۔ عمر کے تفاوت کی وجہ سے کئی ایک پیچیدگیاں اور پریشانیاں لاحق ہو جاتی ہیں مگر جنت میں ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جنتی مرد اور جنتی عورتیں ہم عمر ہوں گے۔

باافراط روزی

ارشاد ہوتا ہے هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ یہ وہ چیز ہے جس کا حساب کے دن (قیامت) کے لیے تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ فرمایا اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا یہ ہماری طرف سے روزی ہے مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ بے شک یہ کم نہیں ہوگی۔ دنیا میں تو اکثر چیزوں کی کمی واقع ہو جاتی ہے، فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، قحط سالی پیدا ہو جاتی ہے، کارخانوں کی پیداوار بند ہو جاتی ہے اور لوگوں کو مشکلات پیش آتی ہیں، مگر جنت میں کسی چیز کی کوئی

کبھی واقع نہیں ہوگی۔ جنت میں ہر چیز با افراط میسر ہوگی۔

بدترین ٹھکانا

فرمایا ھٰذَا یہ بات تو ہوگئی۔ تم نے جنتیوں کے انعامات کا تذکرہ سن لیا۔ اب ذرا نافرمانوں کا انجام بھی ملاحظہ کریں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ اور بیشک سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانا ہوگا۔ جن لوگوں کی فکر، اعمال اور اخلاق خراب ہوں گے اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کی شریعت اور دین کی حدود کو توڑا ہوگا۔ کفر، شرک اور ظلم و تعدی پر اصرار کرتے ہوئے بدعات کو رواج دیتے ہوں گے، غرور و تکبر میں مبتلا ہوں گے اور لوگوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہوگا۔ اور وہ کون سا ہے؟ جَهَنَّمَ وہ ٹھکانا جہنم ہے یَصْلَوْنَهَا جس میں داخل ہوں گے فَبِئْسَ الْمِهَادُ کیا ہی برا آرام کرنے کے اعتبار سے بہت ہی بُری جگہ ہوگی یعنی وہاں کوئی آرام میسر نہیں آئے گا

بدترین خوراک

فرمایا ھٰذَا یہی عذاب ہے فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ پس چاہیئے اس کو کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ ہے۔ حمیم کھولتے ہوئے گرم پانی کو کہتے ہیں جو دوزخیوں کو پینے کے لیے دیا جائے گا۔ سورۃ محمد میں آتا ہے وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (آیت ۱۵) جب وہ اتنا گرم پانی پئیں گے تو اس کے پیٹ کی آنتیں کٹ کر پیخانے کے راستے باہر نکل آئیں گی۔ اس پانی کا ایک ہی گھونٹ جسم کے پورے اندرونی نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں پر دوسری چیز غساق کا ذکر ہے۔ غساق زخموں سے بہنے والی پیپ کو کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں پھینک دیا جائے تو تمام انسانوں اور جانوروں کی زندگی اس کی بُو کی وجہ سے تلخ ہو جائے۔ امام ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ حمیم اور غساق دو چیزیں ہیں حمیم سے مراد سخت ترین گرم پانی اور غساق اس طرح ٹھنڈا پانی ہے جتنا دوسرا نام زمہریر بھی ہے جس طرح سخت گرم پانی ناقابل استعمال ہوتا ہے اسی طرح سخت

جہنم پاک بھی مفید نہیں ہوتا۔ غرضیکہ مفسرین نے غثاء کے یہ دونوں معنی بیان کیے ہیں یعنی۔ پیپ اور اشتالی کھولتا پانی۔ ان دو چیزوں کے علاوہ اور بھی جو اس قسم کی طرح طرح کی مزید چیزیں بھی ہوں گی جو جہنمیوں کے لیے وبال جان بن جائیں گی اور وہ دردناک اذیت میں مبتلا ہوں گے۔

دوزخیوں کی جماعات

اب آگے اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی دو جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت تابعین کی ہوگی اور دوسری متبوعین کی۔ دنیا میں باطل پر چلنے والے اور ہیچھے چلنے والے سب جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر وہ ایک دوسرے پر الزام تراشی بھی کریں گے جس کی وجہ سے ان کو جہنم میں رہنا پڑے گا۔ ارشاد فرمایا ہے ھٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھستی چلی آرہی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے جنہیوں کے دو طبقات مراد ہیں جو یا تو دنیا میں باطل پر لوگوں سے اپنی اتباع کراتے رہے یا وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی اتباع کرتے رہے۔ ان سب کو جہنم میں داخل کرنے کے بعد جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا اور پھر یہ آپس میں ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے۔ گویا اس فوج سے مراد تابع اور متبوعین کا گروہ ہے جو جہنم کے کنارے پر جمع ہوگا۔ پھر آواز آئے گی لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ان کو خوش آمدید نہ ہو یعنی ان کی آؤ بھگت نہ کرو کیونکہ اَنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یہ تو جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔ یہ بڑے بڑے رئوسا الکفر کہیں گے جو دنیا میں اپنی بات منواتے رہے اور کفر کی اپنے پیچھے لگنے پر مجبور کرتے رہے۔ پھر کمزور اور تابع لوگ جواب دیں گے قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ تم بھی ہمیں خوش آمدید نہ ہو۔ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا یہ تمہیں لوگ ہو جنہوں نے ہمارے لیے اس چیز کو آگے بھیجا ہے۔ تم نے ہی یہ صورت حال ہمارے لیے کھڑی کی ہے۔ پھر تمہارے

پیچھے گمراہ ہوئے اور پھر جہنم کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ فَبِئْسَ الْقَرَارُ یہ تو قرار پکڑنے کی بہت ہی بُری جگہ ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدِّمْ لَنَا هٰذَا پروردگار! جس نے ہمارے لیے یہ مصیبت آگے بھیجی ہے یعنی جو لوگ ہمارے لیے عذاب کا باعث بنے ہیں فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ اے اللہ اس شخص کو دوزخ میں دگنی سزا دے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے کہ متبوعین کہیں گے کہ تم نے خود ہی گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا، تم اپنے مقصد و ارادہ کے ساتھ اس راستہ پر چلتے رہے۔ ہم نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا تھا کہ ضرور ہی ہمارے پیچھے چلو۔ اب ہم پر کیے الزام دھرتے ہو۔ دوزخیوں کی ایک دوسرے پر الزام تراشی کچھ نہ خود ان کے لیے ایک ذہنی عذاب ہوگا۔

اہل ایمان کی تلاش

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی ایک اور چیرانگی کا ذکر کیا ہے جس میں وہ جہنم میں پہنچ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں گے، اور پھر وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ کہیں گے کہ ہمیں ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے ہیں جنہیں ہم شریر خیال کرتے تھے اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا دنیا میں ہم ان سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے، ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یہ اہل ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ دوزخ والے ان کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہاں پہنچ گئے ہیں مگر وہ کہاں ہیں جنہیں ہم طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے، پھر خود ہی کہیں گے، کیا وہ لوگ یہاں آئے ہی نہیں اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ یا ہماری آنکھیں چوک رہی ہیں اور ان کو تلاش کرنے سے عاجز ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایمان والے تو اللہ کی رحمت کے صدقہ میں ہوں گے، وہاں دوزخ میں کہاں نظر آئیں گے؟

فرمایا یاد رکھو! اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ

اہل دورنج کا آپس میں اس قسم کا جھگڑا اتنا زیادہ اور ایک دوسرے پر الزام تراشی بالکل ایسی ہی ہوگی۔ یہ آپس میں جھگڑا کریں گے اور پھر دوسروں کے متعلق بھی گفتگو کریں گے کہ وہ کہاں ہیں؟ یہ صورت حال ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی۔

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ
ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ
نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِٱلْمَلَإِ ٱلْأَعْلَىٰٓ إِذْ
يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِن يُوحَىٰٓ إِلَيَّ إِلَّآ أَنَّمَآ أَنَا
نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک میں تو ڈر
سنانے والا ہوں، اور نہیں ہے کوئی اللہ کے سوا
جو اکیلا ہے اور زبردست ہے (۶۵) جو پروردگار ہے
آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ
کمال قوت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے (۶۶) آپ
کہہ دیجئے کہ یہ ایک بڑی خبر ہے (۶۷) تم اس سے
اعراض کرنے والے ہو (۶۸) نہیں تھا مجھے علم اعلیٰ
کا جب کہ وہ آپس میں تکرار کر رہے تھے (۶۹) نہیں وحی
کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں ہوں ڈرانے والا
ہوں کھول کر (۷۰)

اس سورۃ مکی کا بڑا حصہ یہ ہے نے عرض کیا تھا کہ اس میں اللہ نے تمام دلائل

عقائد توحید و رسالت، اعمار اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کو واضح کیا ہے چنانچہ پہلی چار آیات میں اس سورۃ مبارکہ میں بیان کئے جانے والے مضامین کی تمہید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے حق میں کئی انبیاء علیہم السلام کی مثالیں پیش فرمائیں اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا انجام بھی ذکر کیا۔ اہل دوزخ کی جس ہیبتناک تکلیف اور عذاب کا ذکر سورۃ کے آخر میں کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں یہ خلاصہ مضامین آ رہا ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں بطور خاص توحید اور الٰہ کا بیان ہے۔ اور پھر اگلے درس میں ابلیس کی نافرمانی کا ذکر ہوگا۔ اور سورۃ کے اختتام پر پھر توحید و رسالت ہی کا بیان ہوگا۔

تفسیر آیت

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔ میرا فریضہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو کفر، شرک اور معاصی کے انجام سے خبردار کر دوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اللہ کے تمام نبی ایمان، توحید اور اطاعت کرنے والوں کو آخرت میں عیش و آرام سے ہمیشہ رہنے والی زندگی کی بشارت سناتے ہیں۔ تاہم ان کے پیغام میں انذار کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں عام طور پر کفر، شرک اور معاصی کا دور دورہ رہتا ہے۔ فرمایا آپ کہہ دیجئے کہ میں تو انذار کرنے والا ہوں۔ اس میں ضمناً یہ بات بھی آجاتی ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور نبیوں والا کام ہی کرتا ہوں کوئی فرشتہ یا الٰہ نہیں ہوں۔ میں تمہیں اپنی بات کے انجام سے خبردار کر رہا ہوں۔

توحید اور نبوت

فرمایا کہ تمہیں انذار کرنے کے ساتھ ساتھ توحید کی دعوت بھی دیتا ہوں۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہے اور غالب ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے، نہ رازق علیم کل ہے اور نہ قادر مطلق ہے۔ یہ تمام صفات صرف ذات باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ اکیلا ہی معبود ہے۔ ہر چیز پر غالب

ہے۔ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف - ۱۹۰) یہ مشرک لوگ جن چیزوں کو اُس کا شریک بناتے ہیں وہ اُن تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی صرف اس دنیا کی ہی نہیں بلکہ وہ تو آخرت کے جہان کا بھی بلاشرکت غیرے اکیلا مختار ہے۔ اُس کا اعلان ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى۔ (اللیل - ۱۳) یہ دنیا بھی ہماری ہے اور آخرت بھی ہماری ہے۔ ہر دو جہانوں میں ہماری ہی حکومت ہے، ہمارے سوا دونوں جہانوں میں کسی غیر کا حکم نہیں چلتا۔

سورۃ کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ کے رسول نے مشرکین کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دی تو وہ تعجب ہو کر کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (آیت - ۵) کیا اس شخص نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا لیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الانعام - ۱۸) اور وہ اپنے تمام بندوں پر قاہر و غالب ہے۔ سب چیزیں اُسی کے اختیار میں ہیں۔

---

فرمایا خدائے واحد کی ایک صفت یہ بھی ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ وہ آسمانوں، زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے۔ عالم بالا ہو یا عالم زیریں، درمیانی فضا ہو یا فضائی کرے سورج، چاند، ستارے وغیرہ سب کا رب وہی ہے۔ وہ اپنی کمال قدرت کا مالک اور ہر چیز پر غالب، اور اَلْغَفَّارُ بخشش کرنے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے، اپنے بندوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ سنبھل جانے اور توبہ کر لینے کا موقع دیتا ہے۔ اگر انسان اُس کی طرف رجوع کر لے، اور تائب ہو جائے تو وہ نہ صرف غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر کے بلند درجہ بھی عطا کرتا ہے۔

قیامت کبریٰ کا بیان

اگلی دو آیات میں وقوعِ قیامت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ وہ ایک بڑی خبر ہے۔ اس سے مراد قیامت کی خبر ہے جیسے سورۃ النبا کے آغاز میں فَمَا يَتَسَآءَلُونَ ① عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ② یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ کیا بڑی خبر کے بارے میں یعنی قیامت کے متعلق جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں؟

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ ضمیر کا اشارہ نہ صرف وقوعِ قیامت کے متعلق ہے بلکہ توحید و رسالت کی طرف بھی ہے۔ توحید کا مسئلہ بھی عظیم خبر ہے جسے اللہ کے سارے نبیوں نے لوگوں تک پہنچایا۔ دوسری طرف نبی کی نبوت و رسالت بھی بہت بڑی خبر ہے۔ خدا کی توحید کو لوگوں تک پہنچانے اور دین اور شریعت کے احکام کی تبلیغ نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی ایک عظیم خبر ہے۔ اللہ نے اس کو وحی کے ذریعے نازل فرمایا۔ اللہ کے نبی نے نہ تو کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، نہ کسی سے علم حاصل کیا۔ نہ کوئی کتابیں پڑھیں مگر اس کے باوجود آپ نے امت کو تمام علوم سے آگاہ کیا۔ یہ سب کچھ وحی الٰہی کے ذریعے ممکن ہوا اور یہی اس کتاب کی صداقت کی دلیل ہے۔ بہرحال فرمایا کہ قیامت، توحید، رسالت یا قرآن حکیم ایک بہت بڑی خبر ہے اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ مگر تم اس سے اعراض کرنے والے ہو۔ اللہ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو وقوعِ قیامت کے منکر ہیں یا اس کی توحید اور رسالت کو تسلیم نہیں کرتے یا قرآن پاک کو وحی الٰہی ہونے کا یقین نہیں کرتے۔

ملاءِ اعلیٰ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت ملاءِ اعلیٰ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ مجھے ملاءِ اعلیٰ کے متعلق کچھ علم نہیں تھا جب کہ وہ جھگڑ

کہتے تھے۔ ملاء اعلیٰ قرآن و سنت کی اصطلاح ہے جس کا لغوی معنی بلند جماعت ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اور صحیح احادیث میں ملاء اعلیٰ کا ذکر موجود ہے جس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! اس کائنات یعنی ارض و سما، چاند، سورج، سیارے اور ستارے ان سب سے پہلوں کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت ملاء اعلیٰ کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ نوع انسانی کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے، لہذا اس نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے فرشتوں کو اس قدر پہلے پیدا کیا کہ جس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے لئے بعض کام لگا رکھے ہیں۔ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم ۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے

فرشتوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ ان لوگوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو مذہب بنایا ہے اور وہ لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ غیر مہذب، ناشائستہ اور عقیدہ، عمل اور اخلاق کے لحاظ سے بدتر ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے یہ فرشتے ان کے حق میں لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ جن لوگوں کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں ان پر دعاؤں کی برکات نازل ہوتی ہیں اور دعاؤں کا اثر ان لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اور ان کے لیے جزائے عمل میں مزید بہتری پیدا ہوتی ہے۔ پھر جن کے حق میں فرشتے بددعائیں کرتے ہیں ان کی ذات میں حسرت و افسوس اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے جزائے عمل میں خرابی آتی ہے۔ باعتبار جماعت ان فرشتوں کو ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے، باعتبار مجلس ان کا نام مدی اعلیٰ اور باعتبار رفاقت ان کا نام رفیق اعلیٰ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات کے وقت یہی دعا کی

---

ملہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۲ ج ۱

تھی اللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔

ملاءِ اعلیٰ کے تین درجے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں میں تین درجے پائے جاتے ہیں۔ پہلے درجے کے فرشتوں کا مادۂ تخلیق بہت ہی لطیف اور نورانی ہے۔ ان کے مادۂ تخلیق کو وہ طور پر نظر آنے والی آگ کی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جیسے وہ غیر معمولی طور سے واپس جاتے ہوئے آگ کے شعلوں سے طور پر آگ دیکھی۔ قریب گئے تو دیکھا کہ وہ آگ ایک درخت سے لپٹ رہی تھی۔ اس کا اصطلاحی نام بھی درخت ہی سرسبز میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا یا جواب دیا تھا مطلب یہ کہ ملاءِ اعلیٰ کے پہلے درجے کے فرشتوں کو اللہ نے فقط وہ آگ جیسے مادے سے پیدا فرمایا ہے۔ ان کے اجسام نہایت لطیف ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو نہایت لطیف اور نورانی صورتیں عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں۔

ملاءِ اعلیٰ کی دوسری قسم وہ فرشتے ہیں جن کا مادۂ تخلیق ہوا سے لیا گیا ہے۔ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے عناصر سے پیدا کیا ہے اور یہ بھی بڑے لطیف فرشتے ہیں۔ ان کا جسم بھی پہلی جماعت کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کی تیسری جماعت انسانوں میں سے افضل الانبیاء ہیں۔ انسانوں میں افضل ترین لوگ انبیاء اور رسول ہیں۔ اپنا مادہ دفن کرنے کے بعد ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کے ملاء اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کسی نہ کسی طرح سفارت کا کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعے اپنا پیغام دوسری مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ مخلوق کی طرف سے ہونے والی ہر حرکت پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے۔ جس مقام میں یہ تجلی ہوتی ہے اس کو خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے فیصلے نازل ہوتے ہیں اور پھر آگے کائنات میں جاری ہوتے ہیں۔ انسان خلیفۃ اللہ بالقصد ہے۔

ہیں آنبیائے کرام یا دیگر کاملین کی روحیں جب بدن اس مادی جسم کو چھوڑتی ہیں تو وہ بھی اس رفیق اعلیٰ میں جا ملتی ہیں۔

ملاء اعلیٰ

ملاء اعلیٰ کے بالمقابل ملاء سافل ہوتے ہیں۔ ان کا مقام خطیرۃ القدس سے نیچے ہوتا ہے۔ ان فرشتوں کے آگے بہت سے طبقات ہیں۔ ان میں سے بعض قبر اور برزخ میں متعین ہیں۔ کوئی زمین پر اور کوئی فضا میں۔ بعض سمندروں میں اور بعض انسانی اجسام کے اندر متعین ہیں۔ بعض فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ بعض انسانوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں اور بعض کو اور دیگر امور پر مقرر کیا گیا ہے۔ جب ان تمام فرشتوں کی روشنی بیک وقت کھلتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح بہت سے قمقمے بیک وقت روشن کر دیئے گئے ہوں۔ اور پھر یہ روشنی جس مقام تک پھیلتی ہے اس کو علیین کہا جاتا ہے۔

تشریح از زبان رسول

فرمایا مجھے تو علم نہیں تھا کہ فرشتے کس بات میں تکرار کر رہے تھے۔ اس حدیث کے متعلق مفسرین کرام دو تفسیریں پیش کرتے ہیں۔ پہلی تفسیر تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں میں بات چیت ہوئی۔ جس کا ذکر آگلی آیات میں آرہا ہے کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب فرشتے سربسجود ہو گئے مگر ابلیس نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ وہ آدم سے افضل ہے۔ لہٰذا وہ اس کو سجدہ نہیں کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے راندۂ درگاہ کیا اور قیامت تک کے لیے اس پر لعنت مسلط کر دی گئی۔ ایک تو یہ تشریح ہے۔

دوسری تشریح خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ہے۔ مسند احمد اور ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے جو راجح قرار دی گئی ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز کے لیے کافی دیر سے تشریف لائے یہاں تک کہ ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں سورج نہ نکل آئے۔ آپ جلدی سے تشریف لائے۔ اقامت کہی گئی اور آپ نے

وقت کی تنگی کی وجہ سے جلدی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔ پھر آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّیْتُ مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ فَرَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ یٰمُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی فَقُلْتُ لَا اَدْرِیْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَرَاَیْتُهٗ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَیْنَ كَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَهَا فِیْ صَدْرِیْ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ قَالَ یٰمُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْكَفَّارَاتِ نَقْلُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ الْمَكْثُ فِی الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَكَارِهِ قَالَ وَمَا الدَّرَجَاتُ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِیْنُ الْكَلَامِ وَالصَّلٰوةُ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ثُمَّ قَالَ سَلْ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ میں رات کو بیدار ہوا اور نماز پڑھی جتنی مقدر میں تھی۔ کچھ دیر کے دوران نماز ہی اونگھ طاری ہوگئی اور میں بوجھل ہوگیا۔ میں نے اسی حالت میں اپنے پروردگار کو بہت ہی عمدہ صورت میں دیکھا۔ تو اس نے فرمایا اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں تکرار کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ پروردگار میں تو نہیں جانتا۔ اللہ نے یہ سوال تین دفعہ کیا اور میں نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔ پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کندھے

کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی اور پھر ہر چیز مجھے روشن نظر آنے لگی اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ نے فرمایا۔ اے محمد! یہ بتلاؤ کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں تکرار کرتے ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ درجات اور گناہوں کے کفاروں کے بارے میں تکرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا، جماعت میں شریک ہونے کے لیے پاؤں سے چل کر جانا، جب کہ ہر ہر قدم کا اٹھنا غلطیوں کا کفارہ بنتا ہے اور درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے، نیز فرمایا مساجد میں نماز کے بعد بیٹھنا، طبیعت چاہنے کے باوجود کامل وضو بنانا اور یعنی گرمی سردی کی پروا کیے بغیر اچھی طرح وضو کرنا۔ پھر مجھ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا درجے کیا ہیں؟ تو میں نے عرض کیا، محتاجوں کو کھانا کھلانا، نرمی سے بات کرنا اور راتوں کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوں۔ پھر اللہ نے فرمایا مانگ کیا مانگتے ہو۔ تو میں نے عرض کیا، اے اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے ترک کرنے کی اور مساکین کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور یہ کہ تو مجھے بخشے میری کوتاہیاں معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب کسی قوم کے بارے میں آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے اٹھا لے۔ اور اے پروردگار! میں سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرے اور اس عمل کی محبت کا جو مجھے تیرے قریب کر دے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ بات برحق ہے لہٰذا اس کو سیکھو اور سکھاؤ۔ بعض کتب میں کہ سارا واقعہ حضور علیہ السلام کو بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ آپ نے خواب میں دیکھا۔

اس آیت کریمہ میں یَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی آپس میں جھگڑنا ہوتا ہے۔ مفسر شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر فرشتوں کے جھگڑنے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عام بات چیت یا بحث مباحثہ ہے جو وہ آپس میں کرتے ہیں۔

تجلی اعظم کے اثرات

اس حدیث پاک سے حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت نہیں ہوتا کہ علم غیب، تو جب ہوتا جب ہر چیز کا ہر وقت علم ہوتا اور یہ خاصہ خدا وندی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو ہر چیز روشن ہو گئی اور جب وہ تجلی دور ہو گئی تو پھر کچھ نظر نہ آیا تو وہی بات ہے۔

؎ گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پائے خود نہ بینم

ہماری حالت تو یہ ہے کہ جب ہم اپنے محل پر ہوتے ہیں تو ہر چیز نظر آتی ہے اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ اپنے پاؤں پر رکھی ہوئی چیز بھی نظر نہیں آتی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ارض کنعان سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آگئی مگر جب وہ آٹھ میل کے فاصلے پر کنوئیں میں پڑے ہوئے تھے تو کچھ پتہ نہ چلا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سَلُونِیْ۔ سَلُونِیْ۔ سَلُونِیْ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا حتیٰ کہ میں اس جگہ پر کھڑا ہوں، جو چاہے سوال کر لو۔ میں جواب دوں گا۔ اُس وقت تجلیات کا نزول ہو رہا تھا جس سے ہر چیز روشن نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ دو آدمیوں نے سوال کیا جن کے حضور علیہ السلام نے جواب دیئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر کہا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّنَبِیًّا میں راضی ہوں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اس سلسلہ کلام کو ختم کرا دیا تاکہ کوئی شخص الٹا سیدھا سوال نہ کر دے اور پھر اللہ تعالیٰ کا غضب ہی نہ نازل ہو جائے۔ اُس وقت حضور علیہ السلام جوش کی حالت میں تھے۔ اور آپ کا چہرہ مبارک سُرخ تھا۔ پھر ہم کو الفاظ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔

رسالت کی حقانیت

یہاں تک جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں یہ سب اللہ نے وحی کے ذریعے

حضور علیہ السلام کو بتلائیں۔ اسی بات کو حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا اِنَّنِیْ لَکُمْ
اِلَّآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں
کھول کر ڈرانے والا ہوں۔ میں نے تو کتابیں پڑھیں اور نہ کسی سے پڑھیں۔ بلکہ
میں تو تمہیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اللہ نے مجھے وحی کے ذریعے سکھائی ہیں اور یہ
میری نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے۔ مشرکوں کے عقیدے کے برخلاف نہ
تو میں خدا ہوں اور نہ حاجت روا اور مشکل کشا۔ میں تو ہدایت اور عقائد فاسدہ کے انجام
سے کھول کر ڈرانے والا ہوں۔ میں لوگوں کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر ہدایت
کو چھوڑ دیں گے تو اس کا نتیجہ بھی ہلاکت کی صورت میں ہی نکلے گا۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ
طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن
رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَٰٓئِكَةُ
كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ وَ
كَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ
أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ
أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ
خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾
قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ
عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ
فَأَنظِرْنِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ
ٱلْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْوَقْتِ ٱلْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَٱلْحَقُّ
وَٱلْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن
تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ:۔ جب فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے
بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان مٹی سے (۷۱)
جب میں اس کو برابر کر دوں اور پھونک ڈالوں اس کے
اندر اپنی طرف سے روح پس گر پڑو تم اس کے
سامنے سجدہ کرتے ہوئے (۷۲) پس سجدہ کیا فرشتوں نے
سب کے سب نے (۷۳) مگر ابلیس نے تکبر کیا اور تھا
وہ کفر کرنے والوں میں (۷۴) فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس!
کس چیز نے روکا تجھے سجدہ کرنے سے اس کے سامنے
جس کو میں نے پیدا کیا دونوں ہاتھوں سے بنایا کیا تو
نے تکبر کیا ہے یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے (۷۵)
اس نے کہا، میں بہتر ہوں اس سے، تو نے مجھے آگ
سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے (۷۶) فرمایا (اللہ نے)
نکل جا یہاں سے، بیشک تو مردود ہے (۷۷) اور بیشک
تجھ پر میری لعنت ہے انصاف کے دن تک (۷۸) کہا
اس (ابلیس) نے اے میرے پروردگار! پس مہلت
دے مجھے اس دن تک جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں
گے (۷۹) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) بیشک تو مہلت دیے ہوؤں
میں سے ہے (۸۰) ایک معلوم وقت کے دن تک (۸۱)
کہا اس نے پس تیری عزت کی قسم ہے میں ضرور ان
سب کو گمراہ کروں گا (۸۲) ماں! مگر جو تیرے مخلص
بندے ہوں گے ان میں سے (۸۳) فرمایا، پس ٹھیک
بات ہے اور ٹھیک بات ہی میں کہتا ہوں (۸۴) اور
میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور ان میں سے

کہ جنہوں نے پیروی کی تیری ان میں سے سب سے (۸۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں نبوت و رسالت نازل ہوا۔ اور پھر اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ نازل بھی کیا۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے اعلان کرایا کہ میں تو منذر ہوں۔ خبردار اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد اور قہار ہے۔ اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے۔ پھر اللہ نے وحی رسالت اور نزول قرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو۔ پھر ملاء اعلیٰ کی آپس کی گفتگو میں تمہاری طرف یہ بات تو اللہ نے وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔ ملاء اعلیٰ کے متعلق حضور علیہ السلام نے خود بھی تشریح فرمائی۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اگلی آیات میں آدم و خلیفہ آدم کا واقعہ بھی ملاء اعلیٰ کے بحث مباحثہ کا موضوع تھا۔

تخلیق آدم

ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اُس واقعہ کو بیان کریں جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں پیدا کرنے والا ہوں اور ساتقدیم اسم فاعل کا ہے مِّنْ طِیْنٍ گارے سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ اور ساتقدیم اسم فاعل کا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ پھر جب میں اس کو ٹھیک ٹھاک بنا دوں یعنی انسانی ڈھانچے کے گوشت پوست، ہڈیاں جوڑوں اور تمام اعضاء کو اپنے اپنے مقام پر درست طور پر رکھ دوں اور اس کی ظاہری اور باطنی قوتوں کو مکمل کر دوں۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اس میں اپنی جانب سے روح پھونک دوں۔ انسان مادہ اور روح دونوں چیزوں سے مرکب ہے۔ انسانی ڈھانچہ تو مادی عناصر سے تیار ہوتا ہے مگر اس کی روح عالم بالا کی طرف سے آتی ہے۔ جب انسان تخلیق کے ابتدائی چار ماہ گذر جاتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ یہ روح اس نطفہ میں ڈالی جاتی ہے جو انسانی جسم کے ساتھ ہی پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور پھر اس روح کی وجہ سے انسان میں صفات کمال پیدا ہوتی ہیں۔

فرشتوں کا سجدہ ابلیس کا انکار

اللہ نے ارشاد فرمایا جب میں آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کر لے اُس میں اپنی جانب سے روح پھونک دوں فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ تو تم اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ اس سے آدم علیہ السلام کا شرف و فضیلت ظاہر کرنا مراد تھا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کی تھوڑی تھوڑی مٹی لے کر ڈھانچہ مکمل کیا اور پھر اُس میں روح ڈالی فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ تو سب کے سب فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا اِسْتَكْبَرَ اس نے تکبر کیا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اور وہ کفر کرنے والوں میں تھا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا مگر ابلیس کا انکار درمیان میں کیسے آگیا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کی مخلوق کے لیے حکم اولیٰ درجہ کی مخلوق پر خود بخود عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ جب فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تو اُن سے ادنیٰ مخلوق جنات پر یہ حکم بطریق اولیٰ عائد ہو گیا۔ مطلب یہ کہ فرشتوں کے ساتھ جنات کو بھی سجدے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس بات کی صراحت سورۃ الاعراف میں آمدہ مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ جب ابلیس نے سجدے سے انکار کر دیا تو اللہ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (آیت ۱۲) جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر کس چیز نے تجھے اس سے روکا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ جنوں کو بھی سجدے کا حکم ہوا اور ابلیس جنات میں سے تھا جیسے فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف ۵۰) یہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔

آیت زیر درس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے تمام طبقات کے فرشتے سجدہ ریز ہوئے تھے۔ تاہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف حاملین عرش کے لیے تھا اور علاوہ اعلیٰ کے فرشتے اس حکم میں شامل

نہیں تھے، بلکہ جنات بھی ساتھ میں ہی رکھے گئے تھے۔ لہٰذا فرشتوں اور جنات سب کو سجدے کا حکم ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ صرف جنات ساتھ کو حکم ہوا ہو یا سارے کے سارے فرشتوں کو۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں تمام طبقات کے فرشتے شامل تھے۔ بہرحال ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ متکبر اور کافروں میں سے تھا۔

ابلیس سے باز پرس

ابلیس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اس سے اس طرح باز پرس کی قَالَ فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ اس کے سامنے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا تھا اَسْتَكْبَرْتَ کیا تو نے تکبر کیا تھا؟ اَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ یا تو اپنے آپ کو اونچے درجے والا سمجھتا ہے۔ قَالَ ابلیس نے جواب دیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں، پھر بھلا میں آدم علیہ السلام کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہوتا۔ اور بہتری کی وجہ یہ بیان کی خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ پروردگار! میری تخلیق تو نے آگ سے کی جب کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ آگ لطیف اور بلند چیز ہے جب کہ مٹی ایک کثیف چیز ہے۔ تو پھر بھلا میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کے سامنے کیوں سجدہ کروں۔ گویا اس نے تکبر کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو حقیر جانا جس کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ انجام پانے والی اس کی لاکھوں سال کی تسبیح اور دیگر عبادات رائیگاں چلی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

ان آیات میں بیان کردہ دو چیزیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں۔ اگر بلاکیف اللہ کے ہاتھ بھی انسانوں کے ہاتھوں جیسے تصور کیے جائیں تو یہ تو خدا تعالیٰ کے لیے جسم ثابت ہوگا اور یہ لغت کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم، جہت اور مادیت سے ورا الورا ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کی ذات کو عقل سے نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس

کا ارشاد ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ - ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ جو ہر وقت اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور جسمانی اعضا رکھنے میں تو اس کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص، اور مادیت سے پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو ہیں مگر مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں بلکہ جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں ہم اپنے خیال میں لانے سے قاصر ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ وہاں بائیں کا بھی کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ بائیں ہاتھ کمزوری اور عیب کی علامت ہے کہ ہم اس سے استنجا پاک کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ دور کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر بائیں کی نسبت خدا کی طرف کی جائے تو اس سے عیب ثابت ہوگا جو کہ خدا کی شان کے لائق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کے علاوہ بعض دیگر اعضاء مثلاً چہرہ، پنڈلی، پاؤں، آنکھ اور قدم وغیرہ کا ذکر بھی آتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ دوزخ میں پڑنے اور پنڈلی ظاہر کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جن کی کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ - ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے، مگر دیکھنا اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہے دیکھتا ہے اور جسے چاہے نہیں دیکھتا ہے۔ یہاں بھی اللہ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ اور آیت زیر درس میں بھی فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا تو جو اعضاء کی طرف اللہ کے ہاتھ بھی اس کی صفات میں داخل ہیں اور یہ ایسے ہی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آیت کے ساتھ۔ انسان کی تخلیق میں مادیت اور لطافت دونوں

چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مادی جہان کے تمام عناصر کا خالق بھی اللہ ہے اور عالم بالا سے آنے والی روح کا خالق بھی اللہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ بایں معنی مراد ہیں کہ مادیت اور لطافت دونوں اشیاء اسی کی پیدا کردہ ہیں۔

آگ اور مٹی کا تقابل

ان آیات میں پیش آمدہ دوسری قابل غور چیز آگ اور مٹی کا تقابل ہے ابلیس نے اپنی برتری بایں وجہ جتلائی کہ آگ چمکدار، تیز اور طیش والی ہے۔ جب کہ مٹی میں عجز و انکساری پائی جاتی ہے اور یہ پاؤں کے نیچے پامال ہوتی ہے۔ شاید اس پر ایک مجوسی شاعر کہتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ آتش پرست ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ آگ کی پوجا کرنے والے اور اس کو معبود ماننے والے اسی کو اعلیٰ و ارفع تو کہیں گے۔ چنانچہ اس نے ابلیس کی حمایت میں مزاحیہ انداز میں کچھ اشعار کہے تھے۔

إِبْلِيسُ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ أَدَمْ
قَبِّحُوا يَا مَعْشَرَ الْأَشْرَارِ
النَّارُ عُنْصُرُهُ وَآدَمُ طِينَةٌ
وَالطِّينُ لَا يَسْمُو سُمُوَّ النَّارِ
الْأَرْضُ مُظْلِمَةٌ وَالنَّارُ مُشْرِقَةٌ
وَالنَّارُ مَعْبُودَةٌ مُذْ كَانَتِ النَّارِ

اے گروہ اشرار! ابلیس تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام سے افضل ہے کیونکہ ابلیس کا مادہ تخلیق آگ ہے اور آدم علیہ السلام کا مٹی ہے اور مٹی آگ کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ آگ چمکدار ہے جب کہ مٹی تاریک ہے اور آگ جلانے والی ہوتی ہے اس کی پوجا ہوتی ہے۔ اس سے پجاری مجوسی آگ کو جو ابلیس کے لئے آتش کدہ میں جلائے رکھتے ہیں۔

غرضیکہ ابلیس نے اپنے آپ کو ناری ہونے کی بنا، پر برتر ظاہر کیا جبکہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرف مٹی اور خاک کو بخشا وہ تو فرشتوں میں بھی نہیں پایا جاتا ہے فرشتوں پر خدا تعالیٰ کی صفاتی تجلیات پڑتی ہیں جب کہ انسان اس کی واحد مخلوق ہے جس پر اس کی ذاتی تجلیات کا نزول ہوتا ہے ابلیس کو دھوکہ ہوا جو آگ کی ظاہری چمک دمک پر مفتون ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام پر اپنی برتری جتلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ آگ میں طیش، گرمی اور جلنے کا مادہ تو ہے مگر اس میں سکون کی دولت نہیں ہے، وقار، تواضع اور انکساری نہیں ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو مٹی کو آگ پر فوقیت دلاتی ہیں۔

ابلیس پر لعنت

جب ابلیس نے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا اور غرور و تکبر کی بنا پر اپنی برتری کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ تم مردود ہو۔ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ تم پر قیامت کے دن یعنی قیامت تک میری لعنت اور پھٹکار ہی پڑتی رہے گی۔ رجیم کا معنی پھینکا ہوا یا مار کھا کر رحمت سے دور ہو چکے ہو لہٰذا تم پر قیامت تک لعنت ہی برستی رہے گی۔ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ابلیس کہنے لگا، پروردگار! مجھے مہلت دے دے اس دن تک جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ مجھے اختیار دے دے کہ میں اس دن تک تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں تاکہ ثابت کر سکوں کہ آدم کو مجھ پر فضیلت نہیں ہے۔ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ اللہ نے فرمایا، پس بیشک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے مجھے اجازت ہے کہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے پورا پورا زور لگا لے مگر یہ مہلت إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ایک معلوم وقت کے دن تک ہے اس سے مراد پہلے صور پھونکے جانے کا دن ہے جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور بعث اس کے بعد دوسرے صور پھونکے جانے پر ہوگا۔

ابلیس فنا کے بعد والا وقت بھی چاہتا تھا مگر اللہ نے وہ نہیں دیا۔ کیونکہ اس کے بعد تو ابلیس کو مکمل طور پر سزا ملنی شروع ہو جائیگی۔ سورۃ مریم میں ہے فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (آیت ۶۸) تیرے پروردگار کی قسم ہم ان کو اور شیاطین کو اکٹھا کریں گے۔ پھر انہیں جہنم کے گرد حاضر کریں گے اور وہ گھٹنوں کے بل گرنے والے ہوں گے۔ اُس وقت شیطان کے پجاری اُس کو ملامت کریں گے کہ تیرے بہکانے کی وجہ سے ہمیں جہنم کا مزا چکھنا پڑا۔ مگر وہ صاف انکار کر دے گا کہ میں نے تم سے کوئی بات جبراً تو نہیں منوائی تھی۔ میں نے تو صرف دعوت دی تھی اور تم نے نیک لوگوں کی بات پر یقین نہ کیا اور میری بات کو سچا تسلیم کر لیا وَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ تم نے خود ہی غلط راستہ اختیار کیا۔

محدثین اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ابلیس جیسے ملعون کی دعا بھی قبول کر لی اور اسے قیامت تک کے لیے مہلت دیدی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا کی قبولیت نیکی کی علامت نہیں بلکہ اللہ چاہے تو بدترین شخص کی دعا بھی قبول کرے۔ مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آخر زمانہ کے سخت نافرمان اور نابکار لوگوں کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول کریگا۔

شیطان کا اغوا

جب شیطان کو حسب خواہش مہلت مل گئی تو اس نے اپنی بدبختی کا مکمل کرنا شروع کر دیا۔ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ کہنے لگا، تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا، میں ان کے دائیں بائیں، آگے پیچھے سے، دنیا کے راستے سے، دین کے راستے سے، خواہشات کے راستے سے۔ آخرت کے راستے سے، غرضیکہ ہر راستے سے آکر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک بھی ہے کہ جب کوئی آدمی جہاد کے لیے نکلتا ہے، حج کے لیے جاتا ہے یا صدقہ خیرات کا ارادہ کرتا ہے

تو شیطان اُس کے دل میں وسوسہ اندازی کر کے اُسے ہر نیک کام سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ابلیس نے خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے جو بیماری پیدا کی ہے اُس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے چنانچہ جب شیطان نے قسم اُٹھا کر انسانوں کو گمراہ کرنے کا وعدہ کیا تو اللہ نے بھی فرمایا کہ مجھے میری عزت بڑائی عظمت اور جبروت کی قسم ہے کہ میرے بندے جب تک مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے گمراہی جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی پیدا کر دیا۔ لہٰذا انسانوں کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں۔

مخلصین کا استثنیٰ

شیطان نے اگرچہ قسم تو اٹھائی کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر ساتھ ساتھ اللہ کے مخلص بندوں کو مستثنیٰ بھی کر دیا۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اُن میں سے تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ لہٰذا وہ میرے اغوا سے بچ جائیں گے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ابلیس کا داؤ بیچ عام لوگوں پر ہی چلتا ہے جبکہ اُس کے منتخب اور برگزیدہ بندے محفوظ رہتے ہیں۔ قَالَ فَالْحَقُّ اللہ نے فرمایا کہ تیری بات تو ٹھیک ہے، کہ میرے مخلص بندے تیرے اغوا میں نہیں آئیں گے وَالْحَقُّ اَقُوْلُ اور میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو انسان تیری پیروی کریں گے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ میں بھر دوں گا اور تیرے تمام پیروکاروں کو جہنم میں ڈال کر جہنم کو بھر دوں گا۔ میری طرف سے بھی یہ اعلان ہے۔ اب یہ انسانوں کا کام ہے کہ وہ ابلیس کے اغوا کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بنتے ہیں یا اللہ کی توحید اور ایمان کو سلیم کر کے اُس کے مخلص بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۱۴

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) میں تبلیغ رسالت
سے اس (پیغام رسانی) پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور نہ میں
تکلف کرنے والوں میں (۸۶) سے ہوں یہ (قرآن حکیم)
نہیں ہے مگر نصیحت تمام جہان والوں کے لیے (۸۷) اور البتہ
تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کو ایک وقت کے
بعد (۸۸)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، وقوع قیامت اور قرآن کی حقانیت بیان کیے ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں اللہ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کر کے ان کے صبر و استقلال کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین کا رد، سابقہ اقوام کی نافرمانیاں اور تکذیب رسل کا ذکر ہے اور پھر نافرمان قوموں کی سزا کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور دیگر نیک بندوں کے اقدامات کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ خاص طور پر انبیاء کی نبوت و رسالت، اقتدار و خلافت اور کتاب و شریعت جیسی عظیم نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب چیزیں بطور نمونہ اور عبرت بیان کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ملاء اعلیٰ کا ذکر، فرشتوں کا سجدے کا حکم، ابلیس کا انکار بھی اس سورۃ مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔ توحید و رسالت کا

ہر بار ذکر آیا ہے۔ خاص طور پر حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا کہ میں تو محض منذر (ڈرسنانے والا) ہوں حضور برحق تو صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ آخر میں اللہ نے شیطان سے اغوا اور اس کی اور اس کی جماعت کا حشر بھی بیان فرمایا ہے۔

بے لوث تبلیغ

سورۃ کی آخری آیات۔ زیر درس میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی چیز انبیاء علیہم السلام کی بے لوث تبلیغ سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ میں جو خدا کا کلام تم کو پڑھ کر سناتا ہوں اور جو احکام دین و شریعت تم تک پہنچاتا ہوں، اس کے لیے میں تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگتا بلکہ یہ خدمت تو میں بغیر کسی ذاتی غرض کے انجام دے رہا ہوں۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم اس بات پر غور کرو کہ تمہیں میری بات سننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اللہ کے سارے نبیوں نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف ۹۳) اے میری قوم کے لوگو! میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں اور تمہارے خیر خواہی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ بھی کہا یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ (ہود - ۵۱) اے میری قوم کے لوگو! میں اس پیغام رسانی پر تم سے کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا بدلہ تو اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ میری بات سنو کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم اپنے ایمان کو درست کر لو گے، اعمال و اخلاق کو صحیح بنا لو گے تو تمہیں ہمیشہ کی کامیابی حاصل ہو جائے گی اور اگر کفر و شرک میں پھنسے رہو گے، اپنی فکر کو درست نہیں کرو گے، تو اس کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم دوست اور دشمن میں تمیز پیدا کرو، اچھائی اور برائی کو پرکھو اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ بلکہ صحیح راستہ اختیار کرو۔

تکلف سے پرہیز

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بات کہلوائی ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تکلف کا معنی تصنع اور بناوٹ ہوتا ہے۔ اور عدم تکلف بہت بڑا اصول ہے جس کا اظہار نبی کی زبان مبارک نے کر دیا ہے مطلب یہ کہ تکلف کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میں جھوٹ موٹ یا بناوٹ سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ میری ہر بات سراسر حقیقت ہوتی ہے۔ تکلف تو اللہ کے نبی کی بات میں ہوتا ہے اور نہ اس کے عمل میں۔

یہ اصول تمام بنی نوع انسان کے لیے قابل عمل ہے کہ انسانی زندگی میں کہیں بھی تکلف نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ انہوں نے کہا لوگو! مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ جو شخص کسی چیز کے متعلق جانتا ہے، وہ کہے اور جو کوئی نہیں جانتا اسے چاہیئے کہ یوں کہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ہر معاملہ پر اپنی طرف سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس چیز کو جانتے ہو اس کو بتا دو، اور جس کو نہیں جانتے اس کو جاننے والے کی طرف سونپ دو۔ یہ تو قرآن پاک کا فیصلہ بھی ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل - ۴۳) اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ خود تکلف نہ کرو کہ یہ علم کی بات ہے۔ اور بغیر علم کے محض تکلف سے جواب دے دینا جہالت کی بات ہے۔

ایک شخص سات ماہ کی مسافت طے کر کے دارالحکومت کے پاس بعض مسائل دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے بعض مسائل کا جواب دے دیا اور بعض کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ شخص کہنے لگا حضرت! مجھے لوگوں نے آتنی دور سے مسائل دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں ان لوگوں کو کیا جواب

دوں گا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر سے کہ دینا کہ مالک نے اپنی حماقت کا اقرار کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں ان باتوں کو نہیں جانتا گویا آپ نے بلا تکلف ٹھیک ٹھیک بات کہہ دی اور یہی بات اللہ نے اپنے بغیر کسی تکلف کے میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ تکلف، تصنع اور بناوٹ بری چیز ہے البتہ اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی سادگی ایمان کا جزو ہے گویا سادگی تکلف کے مقابلہ میں آتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضؓ جلیل القدر صحابی ہوئے ہیں۔ باپ اور بیٹا دونوں صحابی رسول ہیں۔ عبداللہؓ پہلے مسلمان ہوئے اور عمرو ابن العاصؓ بعد میں۔ یہ وہی عمرو ابن العاصؓ ہیں جنہوں نے مصر فتح کیا۔ تو کسی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا ذکر کیا کہ وہ ساری رات قیام کرتا ہے اور سنا ہے کہ روزہ بھی رکھتا ہے۔ آپ یہ بات کہلانے کے لیے حضرت عبداللہؓ کے ہاں تشریف لے گئے کہ عبادت اس قدر کرو جتنی برداشت کر سکو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ عبادت کرتے کرتے بالکل ہی چھوڑ بیٹھو۔ بہرحال جب آپ عبداللہؓ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے گدا بچھانے کی کوشش کی مگر آپ گدا بچھانے سے قبل ہی زمین پر بیٹھ گئے۔ اب ایک طرف حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے اور دوسری طرف عبداللہؓ تھے اور ان دونوں کے درمیان گدا بچھا ہوا تھا۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی بے تکلفی کی علامت ہے کہ آپ نے گدے پر بیٹھنا بھی پسند نہ کیا اور لوگوں کو تعلیم دے دی کہ کسی بھی کام میں تکلف اچھا نہیں ہوتا۔

حضرت انسؓ نے ایک موقعہ پر اپنے شاگردوں کو پیار کیا اور فرمایا کہ پہلے میں نے حضور علیہ السلام کو ہر قسم کے مشروبات دودھ، بال، شربت، شہد وغیرہ پلائے ہیں اور آپ نے کبھی تکلف نہیں فرمایا کہ بال صاف کے بغیر یا دودھ چھنے کے گلاس میں ڈالا جائے یا شربت کسی اور برتن میں کیا جائے

بلکہ بلا تکلف ہر قسم کا مشروب ایک ہی برتن میں نوش فرماتے تھے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور کہیں تشریف لے گئے واپسی پر آپ نے حضرت سہل بن سعدؓ کے پاس تھوڑا سا دودھ بھیجا۔ اتفاق سے اس دن ان کی بکری نہیں دوہی گئی تھی۔ آپ نے پیاس محسوس کی اور پانی طلب کیا تو آپ کو شہد سے میٹھا کیا ہوا پانی پیش کیا گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ یہ شربت پیش کرنے والی صحابی کی بیوی تھی یہ بھی بے تکلفی کی ایک مثال ہے۔ بہرحال تکلف کسی مقام پر بھی اچھا نہیں۔

وَلَيْسَ التَّكَلُّفُ إِلَّا دُوْنَهَا كُلَفٌ

یعنی تکلف کے پیچھے تکالیف ہی آتی ہیں جب کہ سادگی میں ہمیشہ آسانی ہوتی ہے

امام بیہقیؒ نے حدیث بیان کی ہے جس میں تکلف کرنے والوں کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) تکلف کرنے والا آدمی ہمیشہ اوپر والے کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس کیا ہے یعنی خود اس سے اوپر آنا چاہتا ہے (۲) تکلف کرنے والا ایسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کو نہیں پا سکتا۔ اور (۳) ایسی بات کہتا ہے جس کو جانتا نہیں۔ ابن عدی کی کتاب سے روایت ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے بتلانے کہ جنت والے کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضور ضرور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا هُمُ الْمُتَحَابُّونَ جو آپس میں محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور اللہ نے ہی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی قرآن میں بیان کی ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (فتح الفتح ۲۹) کافروں پر بڑے سخت ہیں جنگ میں بڑے تحمل اور شفیق ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہل دوزخ کی علامت نہ بتاؤں۔ عرض کیا حضور! بتلائیں۔ فرمایا دوزخی خدا کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں اور تکلف سے کام لیتے ہیں۔

تکلف ہر چیز میں پایا جاتا ہے جیسے مکان، لباس، سواری، خوراک وغیرہ۔ رسومات فاسدہ کو اختیار کرنے میں بڑا تکلف کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے

تعیش کے کام انجام دیے جاتے ہیں اور سادگی جیسی جذبۂ ایمان کو ترک کر دیا جاتا ہے اس تکلف کی وجہ سے ہی اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ خرابی میں مبتلا ہوتا ہے۔ تکلف میں فضول خرچی ہوتی ہے۔ جب کہ سادگی کفایت شعاری کی علامت ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے عمال سے مشورہ لیا تھا کہ تم خود کیسی وضع اختیار کرو کہ بڑے آدمی کو اسے اختیار کرنے میں عار نہ ہو اور چھوٹے آدمی کو تکلیف نہ ہو۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اب ہمارے ہاں کسی چیز کا کوئی معیار باقی نہیں رہا۔ لوگ خواہ مخواہ تکلف میں پڑ کر تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے بے تکلفی کا کوئی نمونہ ہی نہیں جسے اختیار کر کے تکلیف سے بچا جا سکے۔ رسومات میں اس لیے تکلف کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے سر پر یہ بھوت سوار ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہماری خفت ہوگی اور ہم ذلیل ہو جائیں گے۔ اب بیٹھ کر کوئی نہیں کھلایا جاتا کہ لوگ کہیں گے یہ دقیانوسی آدمی ہے اسے نئے معاشرہ کے آداب کا بھی لحاظ نہیں۔ لباس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مکانات کی تعمیر میں پڑوسی سے بلند ہونے کا خبط سوار ہوتا ہے اور پھر مکان کی تزئین و آرائش میں اسراف کی تمام حدیں پھلانگ لی جاتی ہیں۔ سواری کے لیے ہر نئے ماڈل کی کار کا انتظار ہوتا ہے۔ غرضیکہ یہ سب تکلفات ہیں جنہیں اسراف نے اپنی دولت کے بل بوتے پر اختیار کیا ہوتا ہے۔ جب کہ کم تر حیثیت کے لوگ بڑوں کی دیکھا دیکھی اسی روش پر چلنے کی کوشش میں مقروض ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس نبی کی زبان سے کہلایا کہ میں تو تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ تمہیں ایسے ہی سادگی کی بات بتاتا ہوں۔ مان لو گے تو فائدہ میں رہو گے ورنہ مصیبت کا شکار ہو گے۔

قرآن لطیف نصیحت

تیسری بات اللہ نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمائی ہے کہ یہ کوئی تکلف اور بناوٹ کی بات نہیں ہے بلکہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ تو تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں قرآن پاک کو لفظ ذکر و نصیحت

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ کی پہلی آیت میں وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ کے الفاظ آئے تھے۔ پھر اٹھویں آیت میں آیا ہے ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا اور تیسری مرتبہ یہاں آیت ۸ میں ذکر کا لفظ قرآن پاک کے لیے استعمال ہوا ہے کہ قرآن پاک تمام جہان والوں کیلئے بطور نصیحت ہے۔ اس میں انسانوں کے علاوہ جن بھی آجاتے ہیں۔ تاہم عام طور پر جہان والوں سے اقوام عالم مراد لیا جاتا ہے، مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ عالمین سے اقوام عالم مراد ہیں کیونکہ قرآن کو اللہ نے ساری بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق جن، انسان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑوں کا خالق ہے مگر جہاں قانون کی پابندی کی بات ہوتی ہے۔ وہاں اقوام عالم مراد ہوتی ہیں جو کہ اس ازلی ابدی قانون کی مکلف ہیں۔ قرآن حکیم نہ صرف اہل ایمان کے لیے باعث نصیحت ہے بلکہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اب اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ اسے باقی لوگوں تک بھی پہنچائیں۔

قرآنی پروگرام کی اہمیت

یہاں پر جو اہم بات اللہ نے فرمائی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ تم اس قرآنی پروگرام کی خبر پائے گے ضرور جان لوگے ایک وقت کے بعد۔ جب تمام ادیان عالم کو آزما لوگے، ہر قسم کے نظام کا تجربہ کر لوگے تو پھر آخر میں قرآنی پروگرام کی حقانیت کو ہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سب سے اعلیٰ ارفع اور قابل عمل پروگرام یہی ہے، دنیا کا کوئی مذہب، کوئی کتاب، کوئی فلسفہ اور کوئی سائنس قرآن جیسا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔ عشر کمیں ختم ہو گئے۔ یہود و نصاریٰ دب گئے اور بالآخر اللہ نے قرآن کے پروگرام کو ہی غالب رہنا اور اہل ایمان نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ یہ پروگرام عرصہ تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ جب مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے مغلوب ہونا شروع ہو گیا۔ آج اس کے ماننے والے نالائق ہیں۔ تکلف میں پڑ کر ان میں طرح طرح کی کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ آج اگرچہ بحیثیت مجموعی قرآنی پروگرام مغلوب ہے مگر ہر معاملے میں صحیح پروگرام یہی ہے

اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو فرمایا تم ایک وقت کے بعد قرآن کی حقانیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ جاننے سے مراد اگر جزائے عمل ہے تو پھر قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے وقت اس پروگرام کی صداقت کا پتہ چلے گا۔ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس وقت سمجھے گا کہ قرآنی پروگرام ہی درست تھا۔ اور پھر جب قیامت کبریٰ برپا ہو گی اور جزائے عمل کا موقعہ آئے گا۔ تو اس وقت انسانوں کو اس پروگرام کی اہمیت اور حقانیت کا اندازہ ہو گا۔ مگر اس وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت گزر چکا ہو گا۔ اسلام کے پہلے ساڑھے چھ سو سال دور میں اس قرآن پر کسی نہ کسی طرح عمل ہوتا رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی اجتماعیت ختم ہو گئی۔ خلافتوں کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اور پھر انگریزوں نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ قرآن کو نہ ماننے والوں کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ وگرنہ قرآن کا پروگرام آج بھی اسی طرح سچا اور قابل عمل ہے جس طرح قرونِ اولیٰ میں تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ لوگ اس کی حقانیت کو ضرور جان لیں گے مگر ایک وقت کے بعد۔

الزمر ۳۹ — پارہ ۲۳
آیت ۱ تا ۴ — رکوع ۱

سورۃ الزمر مکیۃ وھی خمس وسبعون اٰیۃ وثمانی رکوعات

سورۃ الزمر مکی ہے۔ اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا
نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ
كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ
سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

ترجمہ:- اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ① بیشک ہم نے

پہلے شروع، وسط اور آخر میں توحید و رسالت کا ذکر تھا تو یہاں بھی ایسا ہی ہے مکی سورۃ ہونے کے ناطے اس سورۃ میں بھی چاروں بنیادی عقائد، توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت کا ہی زیادہ تر تذکرہ ہے اور کچھ ضمنی مسائل بھی ہیں۔ اس سورۃ کے بعد حوا میم سورتیں آ رہی ہیں جن میں سے ہر ایک حروف مقطعات حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ سات سورتیں پورے قرآن پاک کا لب لباب ہیں اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ الزمر جو آٹھ سورتوں کی تمہید ہے کہ دین کا خلاصہ اور نچوڑ اس سورۃ میں بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ یعنی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو، اس حالت میں کہ صرف اسی کے لیے اطاعت کو خالص بنانے والے بن جاؤ۔

اس سورۃ مبارکہ میں توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ شرک کا رد ہے، اور چاروں بنیادی مسائل میں سے توحید کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ قرآن کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اس سے مستفید ہونے والے لوگوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، اور اس سے اعراض کرنے والوں کا انجام بھی بیان ہوا ہے۔ مشرکین کے ساتھ محکمات کا دور کا واسطہ ہے اور ان کو انذار بھی کیا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ میں جزائے عمل کا مسئلہ بھی بیان ہو گیا ہے

قرآن کی حقانیت

سابقہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتداء بھی قرآن کریم کی حقانیت و صداقت سے ہو رہی ہے۔ مشرک لوگ اس کو وحی الٰہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں اور نہ یہ پیغمبر اسلام کا گھڑا ہوا ہے بلکہ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نازل فرمایا ہے اور یہ ایسی کتاب ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص اس میں شک کرتا ہے تو یہ اس کی

اپنے دماغ کی کمی کی علامت ہے۔ جس طرح بھینگے آدمی کو ایک چیز دو نظر آتی ہے۔ اور یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے۔ اسی طرح دماغ کے بیمار آدمی کو قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے میں شک نظر آتا ہے۔ یہ اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ اس کے تمام اصول صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں۔ یہ خدا کا بے مثل کلام ہے۔ جس کو اللہ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے سب سے آخری کتاب کے طور پر نازل فرمایا فرمایا یہ قرآن اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا ہے جو اَلْعَزِیْزُ یعنی کمال قوت کا مالک ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے لہٰذا اس قرآن کی تکذیب یا مخالفت کرنے والے کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات اَلْحَمِیْدُ بھی ہے۔ وہ تمام حکمتوں کا مالک ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ منکرین اور مکذبین کی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم - ۴۵) میں ایسے لوگوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہوں مگر میری تدبیر بڑی سخت ہے۔ جب چاہوں گا پکڑ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا اور اک بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اخلاص فی العبادۃ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ اتارا ہے۔ اور اس کی غرض و غایت یہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کہ آپ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی اس حال میں کہ آپ خالص اسی کی اطاعت اور بندگی کرنے والے ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ تمام کتب سماویہ اور تمام شرائع انبیاء کی یہی تعلیم ہے۔ تمام انبیاء نے اسی بات کی تبلیغ کی اور تمام عقلمند اور فطرت سلیمہ رکھنے والے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہے۔ پھر تاکیداً فرمایا اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ خبردار! آگاہ رہو کہ خالص اطاعت صرف

اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے وہ اطاعت کسی دوسری ذات کے لیے نہیں ہو سکتی۔

امام بیضاوی، امام زمخشری اور بعض دوسرے بڑے بڑے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص فی العبادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے شرک اور ریا سے پاک ہو۔ اگر عبادت میں شرک یا دکھاوے کی ذرا بھی ملاوٹ ہے تو عبادت خالص نہیں رہتی اور ایسی چیز عبادت کی مقبولیت کی علامت نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دکھاوے کی عبادت کا میں کوئی اجر نہیں دوں گا، بلکہ ایسا شخص الٹا مؤاخذہ ہوگا۔ اللہ فرمائے گا تیری اس عبادت کے میرے پاس کچھ بدلہ نہیں جس کو دکھانے کے لیے یہ عبادت کی تھی۔ اس کا بدلہ اور اجر بھی اُسی سے جا کر لے۔ مگر وہ بیچارہ کہاں سے اجر لے گا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ دیکھا عبادت، مگر عبادت دیکھنے والے سے اجر لینے کے باوجود اس کے اجر سے محروم رہے گا۔ لہٰذا عبادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ شرک اور ریا کی آمیزش سے پاک ہو۔ سورۃ الکہف میں فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (آیت ۱۱۰) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھے اعمال انجام دے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی ملاوٹ نہ کرے۔

اخلاص فی العبادت تبھی پیدا ہوگا۔ جب انسان کا ایمان کامل ہوگا، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یہ شرک و ریا سے پاک ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَخْلِصْ دِيْنَكَ يَكْفِكَ الْقَلِيْلُ مِنَ الْعَمَلِ یعنی اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو۔ اگر ایسا ہوگا تو تھوڑا عمل بھی کفایت کر جائے گا اور اگر اخلاص نہ ہوا تو پہاڑ سے بڑا عمل بھی رائیگاں جائے گا۔ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (آیت ۱۸) کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے تیز آندھی راکھ کو اڑا لے جاتی ہے۔ جب اعمال میں شرک

لہ فیض القدیر ص ۲۲۲ ج ۲ بحوالہ مستدرک عن معاذ رضی

ریا کی آمیزش ہوگی تو اُن میں وزن نہیں ہوگا۔ اور وہ گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے
سورۃ القارعہ میں بھی ہے کہ قیامت والے دن جن لوگوں کے اعمال وزنی ہوں
گے وہ دل پسند آرام میں ہوں گے وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے، اُس کا مرجع ہاویہ
دوزخ ہے۔ حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ ایمان سے خالی لوگوں کے
پہاڑوں جیسے اعمال بھی گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جب میں صدقہ خیرات
کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دو باتیں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے اس صدقہ خیرات
کا آخرت میں بدلہ ملے اور دوسرا یہ کہ لوگ میری تعریف کریں، تو کیا مجھے ایسے
صدقہ خیرات کا فائدہ پہنچے گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا اُس ذات پاک کی قسم
جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو عمل ریا کے لیے کیا جائے گا۔ خدا کے ہاں
اُس کا کوئی بدلہ نہیں ملے گا، بلکہ خدا ایسے عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ جس طرح شرک
کرنے سے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اسی طرح ریاکاری سے بھی نیکی ضائع
ہو جاتی ہے اور احسان جتلانا بھی عمل کو برباد کرنے کے مترادف ہے غرضیکہ
اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ سے ہونی چاہیئے کہ اس میں شرک، ریا اور
بدعت کی ملاوٹ نہ ہو، ہر عبادت اللہ، اس کے رسول اور شریعت مطہرہ
کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائیگی تو اس کا فائدہ ہوگا، ورنہ وہ ضائع ہو جائیگی۔

تقرب الی اللہ کے لیے غلط راستہ

آگے مشرکوں کی تردید میں ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو حمایتی
اور کارساز بنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ
اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ
کا قرب دلا دیں۔ زُلْفٰى کا معنیٰ درجہ اور مرتبہ ہوتا ہے، یعنی ہمارا مرتبہ اللہ
کے قریب کر دیں۔ عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہتے ہیں اور یہ قول و فعل

اور عمل ہر طریقے سے ہوتی ہے، تو اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز سمجھنا، ان کی تعظیم کرنا، نذرانے پیش کرنا، ان کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری سفارش کریں گے ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے اللہ نے فرمایا کہ ان کا یہ عقیدہ ہی غلط ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت ہی تو کفر، شرک اور بغاوت ہے، یہ چیز اخلاص کے بھی خلاف ہے اور اصول کے بھی۔ اور ان کی سفارش بھی جبری قسم کی سفارش ہے کہ ان کے خود ساختہ معبود ان کو ہر حالت میں خدا کے عذاب سے چھڑا کر اس کا قرب دلا دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا قرب ایمان اور اخلاص کے بغیر بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا ان چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ اب تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ معبود انہیں بچا لیں گے مگر اس بات کا حتمی فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہی ہوگا اور وہاں پتہ چلے گا کہ وہ ان کے کس حد تک کام آتے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی راہنمائی نہیں کرتا جو جھوٹا اور ناشکرگزار ہو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر کی عبادت کا عقیدہ رکھنا تو بڑا کذب اور افترا ہے۔ ظاہر ہے کہ غلط عقیدہ رکھنے والا آدمی اور پھر اس پر اصرار کرنے والا شخص۔ جب تک وہ اس اصرار کو ترک نہیں کرے گا ظلم کو ترک کرنے والا نہیں ہوگا اور کفر اور شرک کی بھلائی حق کا طالب نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو شخص سچی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور غلط عقیدہ رکھتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران کر رہا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو بھی راہ راست کی طرف راہنمائی نہیں حاصل ہو سکتی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ غیر اللہ کو حاجی روا اور کارساز جاننے والا عقیدہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے

کے بغیر اولیٰ کسی کو اس کا قرب نہیں دلا سکتا اور نہ کوئی اللہ کے ہاں سفارش کر سکتا ہے۔ سفارش تو اللہ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ - ۲۵۵) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ کوئی بھی نہیں۔ سفارش صرف اس شخص کے لیے ہوگی جس کا عقیدہ درست ہوگا ورنہ مشرکوں کو تو راہِ راست نصیب نہیں ہوتا۔

ولدیت کا باطل عقیدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ولدیت کے باطل عقیدے کا رد کیا ہے۔ لوگ مسیح اور عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اللہ کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے یا مخلوق میں سے کسی اور کو خدا کی اولاد تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جو چاہیں خدا سے کروا سکتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو ظاہر ہے لَاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ اپنی مخلوق میں سے ہی جس کو چاہتا منتخب کرتا۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہے، لہٰذا اگر وہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو وہ اُس کی مخلوق میں سے ہی کوئی ہوتا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خالق اور مخلوق ہم جنس بن جاتے اور یہی چیز حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ - ۱۱) خدا کی مانند کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا خالق اور مخلوق کا ہم جنس ہونا بھی عقل کے مطابق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ وہ ہر قسم کے عیب، نقص، کمزوری اور اولاد سے پاک ہے۔ لوگوں نے ولدیت کا عقیدہ غلط طور پر بنا رکھا ہے۔ سورۃ جن میں اللہ نے جنوں کی زبان سے کہلوایا ہے وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (آیت - ۳) ہمارے رب تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے، اُس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ ایسی چیزوں سے پاک ہے صَلَّی اللّٰهُ الْوَاحِدُ

القہار: وہ بیگانہ ہے اور قہار ہے کہ ہر چیز اس کے زیر نگیں ہے۔ کوئی چیز اس کے تسلط سے باہر نہیں۔ وہ جب چاہے تو ولدیت و بالمثل عقیدہ رکھنے والوں کو گرفت میں لے لیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اصل دین جو دیانت و اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرنے کی تلقین دلاتا ہے بیان کیے جاتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ
عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ
فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ
فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ
الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ اِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۚ وَلَا يَرْضٰى
لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ترجمہ: پیدا کیے ہیں اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ
لپیٹ دیتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹ دیتا ہے دن

کر لیا ہے۔ اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو،
ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ مدت تک۔ مسخر (کرنے والا) ہے
زبردست اور بخشش کرنے والا ⑤ اُس نے پیدا کیا
تمہیں ایک جان سے۔ اور بنایا ہے اُس سے اُس کا جوڑا۔ اور اُتارے ہیں تمہارے لیے چوپایوں
میں سے آٹھ جوڑے۔ پیدا کرتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں
کے پیٹوں میں ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش
تین اندھیروں میں۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، اسی کے
لیے ہے بادشاہی۔ نہیں کوئی عبادت کے لائق اُس کے
سوا تم کدھر پھیرے جا رہے ہو ⑥ اگر تم کفر کرو گے
تو بیشک اللہ بے نیاز ہے تم سے۔ اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے
کفر کو اپنے بندوں سے کفر۔ اور اگر تم شکر ادا کرو گے
تو وہ پسند کرتا ہے تمہارا شکر تمہارے لیے۔ اور نہیں اٹھائے گا کوئی
بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ پھر تمہارے پروردگار
ہی کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے۔ پس وہ تم کو بتائے
گا جو کچھ کام تم کرتے رہے تھے۔ بیشک وہ خوب
جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو ⑦

ربط آیات

قرآن مجید کی صداقت اور وحی الٰہی کی حقانیت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین کے اصل الاصول فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کی حقیقت کو آشکار فرمایا کہ عبادت خالص اللہ ہی کی ہونی چاہیے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں وہ محنت کرتے ہیں۔ بھٹکتے ہیں اور انہیں جہنم کی منزل میں محنت ٹھکانا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر

اللہ نے ولادیت کے عقیدہ کی نفی کی اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانا چاہتا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے ہی کسی کو منتخب کرتا۔ اور اولاد کے ہم جنس ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔ تو اس طرح گویا اللہ تعالیٰ اپنی ہی مخلوق کا ہم جنس ٹھہرتا اور یہی اس کے لیے عیب والی بات ہے حالانکہ اللہ جل شانہٗ ہر قسم کے عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ولدیت کا عقیدہ بھی من گھڑت اور باطل ہے۔

دلائلِ توحید (۱) انتظامِ کائنات

عقیدۂ توحید بیان کرنے کے بعد اب اللہ نے اس کے کچھ عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت واقع ہوئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو پورے نظام کائنات کو عبث خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ان کا خالق نہیں، بس یہ چیزیں شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہیں اور اسی طرح چلتی رہیں گی، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، اس کی ابتدا بھی ہے اور اس کی انتہا بھی لازماً ہوگی۔ سورۃ آل عمران کے آخر میں اللہ نے اپنے ان نیک بندوں کا تذکرہ فرمایا جو ارض و سما کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آیت ۱۹۱) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ بنی نوعِ انسان کی مصلحت کے لیے اپنی خاص حکمت کے تحت ان کی تخلیق فرمائی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ جو رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اس نے شب و روز کا یہ نظام اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ قائم کر دیا ہے جن کی آمد و رفت میں ذرا فرق نہیں پڑتا بلکہ ہر رات اور ہر دن

[illegible] وقت پر [illegible] آتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن اور رات ایک پر دوسرا چلا آتا ہے اور کسی کی باری نہیں ہوتی بلکہ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ دن چلا گیا تو رات آگئی اور رات گئی تو دن نمودار ہو گیا اور جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ [illegible] نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک نہایت ہی متوازن نظام قائم کر دیا ہے جس کے ذریعے انسان اور دیگر جاندار بھی ضروریات زندگی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ دن کے وقت انسان کاروبار کر کے اپنے لیے روزی کا سامان کرتے ہیں، علم حاصل کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں اور رات کے وقت اپنے لیے آرام کا بندوبست کرتے ہیں۔ جب یہ کام کاج سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں جو ان کی آرام کر کے اپنی قوتِ کار کو بحال کرتے ہیں اور اگلے دن کے اشغال کے لیے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو [illegible] سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى [illegible] ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر کی تخلیق اور ان کی مسلسل روانی میں بنی انسان کی منفعت کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں۔ شمس و قمر کی ایک تو یہ حرکت ہے [illegible] دونوں اپنی اپنی منازل میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہر دن اور رات ان کی منزل مختلف ہوتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے سال بھر کے موسموں میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے جن کے دوران مختلف پھل اور مختلف اجناس پیدا ہوتی ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ یہ نظام کائنات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت تک جاری رہیگا اور پھر جب وہ چاہے گا۔ اس لیے

نظامِ شمس و قمر کو درہم برہم کر کے قیامت برپا کر دے گا اور پھر دوسرا نظام قائم کرے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔

فرمایا اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ آگاہ رہو کہ جس خدا تعالیٰ نے یہ نظامِ کائنات قائم کر رکھا ہے، وہ کمالِ قوت کا مالک ہے اور بہت بخشش کرنے والا ہے۔ یہ اس کی قوت کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہے کہ اُس نے چاند سورج، زمین، اور دیگر لاکھوں کھرب بڑے سیارے قائم کر رکھے ہیں۔ جو سب کے سب ایک مربوط نظام کے تحت اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، پھر اس کی شانِ غفاری بھی ہے کہ وہ مجرموں کو فوراً گرفت میں نہیں لیتا بلکہ مہلت بھی دیتا ہے۔ پھر جب کوئی سچے دل سے تائب ہو کر اس کی طرف رجوع کر لیتا ہے، برائیوں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور ایمان کو قبول کر لیتا ہے، تو اس کی عفو و مغفرت بھی جوش میں آجاتی ہے اور وہ بندوں کے گناہوں کو معاف کر کے انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے۔

(۲) تخلیقِ نسلِ انسانی

نظامِ کائنات کو بطورِ دلیلِ توحید پیش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی تخلیق کو بھی اپنی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ کی دلیل بنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اسی میں سے اُس کا جوڑا بھی بنایا ہے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّاؑ کی تخلیق مراد ہے۔ اللہ نے سب سے پہلے نسلِ انسانی کے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا۔ اور پھر آپ ہی کی پسلی سے آپ کی زوجہ حوّاؑ کو بھی نکالا۔ پسلی چونکہ ٹیڑھی ہوتی ہے اس لیے ہر عورت میں فطرتاً کجی پائی جاتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عورت سے اسی حالت میں کام لیتے رہو اور اس کی کجی کو درست کرنے کی کوشش نہ کرو، کہیں یہ ٹوٹ ہی نہ جائے۔ بہر حال نفسِ واحد سے تخلیق کا مضمون اللہ نے سورۃ النساء کے آغاز میں بھی بیان فرمایا ہے اے لوگو!

اللہ ہے جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا، پھر اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور پھر ان دونوں میں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ چنانچہ آج دنیا کی پانچ ارب کی آبادی صرف ایک جان سے ہی پھیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۲) اونٹ کے آٹھ جوڑے

اللہ نے اپنی وحدانیت کی تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے۔ ان جانوروں کی تفصیل سورۃ الانعام میں موجود ہے کہ ان سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری نر اور مادہ مراد ہیں۔ یہ حلال جانور ہیں اور انہی کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔ یہ جانور خاص طور پر انسان کے خادم ہیں اور لوگ ان سے کئی طرح سے مستفید ہوتے ہیں۔ اونٹ بار برداری اور سواری کے کام آتا ہے۔ گائے بیل ہل جوتنے میں بڑے مفید ہیں اور ان کے ذریعے کنوئیں سے پانی بھی کھینچا جاتا ہے۔ بھیڑ اور بکریاں خاص طور پر اون پیدا کرنے میں جو لباس اور دیگر ضروریات زندگی میں کام آتی ہے۔ اس کے علاوہ ان جانوروں کا گوشت اور دودھ بھی بہت استعمال ہوتا ہے اور ان کی کھال اور ہڈیاں بھی انسانی ضروریات میں کام آتی ہیں یہ پالتو جانور ہیں اور انسانی مزاج کے بہت قریب ہیں لہٰذا اللہ نے ان کو پیدا کر کے انسانی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کے لیے تخلیق کی بجائے نزول کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ یہ جانور کہیں اوپر سے تو نہیں نازل ہوتے بلکہ زمین پر ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کا یہ بھی ایک اسلوب بیان ہے اور یہ ان جانوروں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اللہ نے

لوہے کے متعلق بھی فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید - ۲۵) اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید خطرہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی۔ اسی طرح لباس کے لیے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط (اعراف - ۲۶) اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اُتارا جو کہ تمھاری ستر پوشی اور زینت کے کام آتا ہے۔ ان تمام مقامات پر نزول کا معنی کہیں اُوپر سے اُتارنا نہیں بلکہ پیدا کرنا ہی ہے۔

بعض مفسرین نے لفظ نزول کی بعض توجیہات بھی کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ـــــ کہ جانوروں کی زندگی کا مدار پانی اور چارے پر ہے اور پانی کو اللہ تعالیٰ بارش کی صورت میں اُوپر کی طرف سے نازل کرتا ہے جس سے سبزہ پیدا ہوتا ہے اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے، لہٰذا ان جانوروں کو مجازی طور پر نازل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو جنت سے اتارا گیا تھا، اسی طرح بعض دیگر اشیاء مثلاً حجر اسود اور خوشبو کو بھی جنت سے اتارنے کا ذکر ملتا ہے اسی طرح ان مویشیوں کو بھی جنت سے ہی اتارا گیا اس لیے ان کے لیے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ اَنْزَلَ کا مادہ نَزَلَ نہیں بلکہ نُزُلٌ ہے جس کا معنی مہمان نوازی ہوتا ہے یہ آٹھ قسم کے جانور بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت اور مہمان نوازی کے لیے پیدا کیے ہیں لہٰذا ان کے لیے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے

(۴) شکم مادر میں پرورش

اللہ نے اپنی قدرت کا چوتھا نمونہ اس طرح ذکر فرمایا ہے يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ وہی اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک درجے کے بعد دوسرے درجے پر یعنی شکم مادر میں تمھاری نشوونما بتدریج مرحلہ وار عمل میں آتی ہے۔ اس بات

فرمایا کہ اللہ نے قرآن پاک کے کئی مقامات پہ کیا ہے مثلاً سورۃ المؤمنون میں فرمایا کہ
ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا
کر رکھا۔ پھر نطفے کو لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔
پھر ہڈیوں پہ گوشت پوست چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں تیار کر دیا فَتَبٰرَكَ
اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (آیت ۱۴) بڑا برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب
سے بہتر بنانے والا ہے۔ مزید فرمایا ہم نے ماں کے پیٹ میں تین اندھیری جگہوں
میں تمہیں پیدا کیا وہ تین اندھیریاں کون سی ہیں ایک تو ماں کے پیٹ کا اندھیرا ہوتا ہے۔ پھر
رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا اندھیرا اس جھلی کا ہوتا ہے جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے
فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمہیں تین اندھیریوں میں حفاظت سے پیدا کرتا ہے
ہے۔ حالانکہ دنیا کی کوئی بھی تجوری اندھیرے میں کام نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ کی
ہوئی تجوری ہے جس میں روشنی کی بھی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تو ہر تہ
اندھیریوں میں انسان کو فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۴) بہترین شکل و صورت
میں پیدا فرماتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فرمایا یہ ہے تمہارا پروردگار اللہ رب العزت کی صفات میں
سے ہوں ہم اور جس ذات کے لیے الوہیت کے لیے الٰہ ہونے کے لیے ربوبیت کے لیے
لَهُ الْمُلْكُ اسی کی بادشاہی ہے اور اس کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی خدا
نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت
کے لائق تو وہی ذات ہو سکتی ہے۔ جو خالق، مالک، رب اور واجب الوجود ہو۔
جب یہ صفات اس کے سوا کسی ذات میں نہیں پائی جاتیں تو پھر معبود برحق بھی
اس کے سوا کوئی نہیں۔ فرمایا حقیقت تو یہ ہے فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ
مگر تم کدھر پھرے جا رہے ہو۔ تم اس کو چھوڑ کر کس کی عبادت کرتے ہو اور عقل کی

کفر اور شکر کا تقابل

کہتے ہو۔ کس کی نذر و نیاز دیتے ہو اور کس کے لئے سربسجود ہوتے ہو تعجب بجا تو ضرور ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کی حقیقت بھی کھول دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنْ تَكْفُرُوْا اگر کفر کرو گے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے پروا ہے۔ انسان لاکھ بار بھی کفر کرے، خدا تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ اور نہ اس کے ایمان لانے سے خدا تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے اس کی شان پر اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ کفر کرنے کا نقصان خود کفر کرنے والے کی ذات پر پڑتا ہے اور وہ کمال مطلب تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایمان اور توحید پر کاربند ہوتا ہے تو اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو پہنچے گا۔ وہ جنت کے مقام علیین تک پہنچنے والے کو ترقی نصیب ہوگی۔ تجلی اعظم سے تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر کا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ ہے۔ البتہ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وہ اپنے بندوں سے کفر کی بات کو پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ ایسا کرنے کی توفیق سے دیتا ہے اور کسی کو زبردستی روکتا نہیں۔ اس نے تو سیدھی اور بری، ایمان اور کفر دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور انسانوں کو اختیار دے دیا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف۔ ۲۹) جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ جو کفر کا راستہ پکڑے گا اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے۔

فرمایا، کفر کے مقابل اگر تم شکر ادا کرنے والے بنو گے لَكُمْ تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اس مقام پر کفر کے مقابلے میں ایمان کی بجائے شکر لایا گیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر کفر سے عام کفر

یعنی اصل ذات، صفات، توحید، رسل، کتب سماویہ، ملائکہ اور معاد کا
انکار ہی مراد ہے اور کفر سے ایک خاص چیز مراد ہے۔ آپ شکر کی تعریف میں
لکھتے ہیں۔ ہُوَ عِبَارَۃٌ عَنْ قَوْلٍ وَّاعْتِقَادٍ وَّفِعْلٍ یعنی شکر قول
اعتقاد اور عمل کا مرکب ہے۔ قول یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو
زبان سے اقرار کرے۔ اعتقاد یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کو دل میں یقین کرے۔
اللہ کے رسولوں، وحی الٰہی، اس کی کتابوں اور قیامت پر ایمان لائے اور عمل یہ ہے کہ
انسان اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ کی عبادت بجا لائے۔ تو فرمایا جو شخص میں
یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی وہ گویا صحیح معنوں میں شکر کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ یہاں
پر شکر کے لفظ میں ایمان بھی موجود ہے۔ اس لیے اس کو کفر کے مقابلہ میں لایا گیا
ہے کہ شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

**ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اٹھائے گا**

پھر فرمایا ارشاد ہے! وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور کوئی بوجھ اٹھانے
والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا بلکہ ہر ایک کو اپنے عقیدے اور عمل کا
خود جوابدہ ہونا ہوگا۔ وہاں نہ کوئی رشتہ دار کام آئے گا اور نہ ہی کوئی ترجمان،
یا وکیل کھڑا ہو سکے گا جو کسی کی طرف سے جوابدہی کر سکے۔ بلکہ کُلُّ نَفْسٍ
مُّرْتَهِنَةٌ بِمَا كَسَبَتْ (المدثر ۱۱۱) ہر شخص کو خود اپنا جھگڑا پیش کرنا
ہوگا۔ گویا ہر شخص کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا

فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ پھر تم سب کا لوٹنا
پروردگار کی طرف ہی ہوگا۔ سب کو اس کی عدالت میں لازماً ذاتی طور پر پیش
ہونا ہوگا۔ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ تمہیں بتائے گا
جو کچھ کام تم دنیا میں کرتے تھے۔ اس نے تمہارا ایک ایک قول، فعل اور
عمل محفوظ کر کے رکھا ہوا ہے اور قیامت والے دن تمہارے سامنے پیش کر دے گا
وہ علیم کل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل کا علم ہے اور قادر کل ہے کہ وہ انہیں حاضر
کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور پھر اس کا علم اس قدر وسیع ہے اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

یَدَّاتِ الصُّدُوْر کہ وہ سینوں کے مخفی رازوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ پہلے
بھیدوں سے بھی واقف ہے جن کو دنیا میں تمھارے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔
وہ تمام رازوں کو افشا کرے گا۔ اور پھر ہر عمل کا حساب کتاب ہوگا اور تمھارا
اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ
ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ
يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا
لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ
قَلِيْلًا ۚ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸ اَمَّنْ
هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ
الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰

ترجمہ:- اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو
پکارتا ہے وہ اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع
کرنے والا ہو کر اس سے، پھر جب وہ اس کو دیتا ہے
نعمت اپنی طرف سے تو وہ بھول جاتا ہے اس کو جس

کی طرف پکارا تھا اس سے پہلے ۔ اور گھڑا تھے ہو
اللہ کے لیے شریک تاکہ گمراہ کرے اللہ کے راستے
سے ۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) فائدہ اٹھا لے تو
اپنے کفر کے ساتھ تھوڑے دنوں تک ۔ بیشک تو
دوزخ والوں میں سے ⑧ بھلا وہ شخص جو اطاعت
کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے
اور کھڑے ہوئے ڈرتا ہے آخرت سے اور اُمید رکھتا
ہے اپنے پروردگار کی رحمت کی ۔ آپ کہہ دیجئے ، کیا برابر
ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ؟ بیشک
نصیحت حاصل کرتے ہیں عقلمند لوگ ⑨ آپ کہہ
دیجئے (اللہ کی طرف سے) اے وہ بندو جو ایمان لائے
ہو ، ڈرو اپنے پروردگار سے ۔ اُن لوگوں کے لیے
جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ، بھلائی ہے ۔ اور
اللہ کی زمین کشادہ ہے ، بیشک ، پورا دیا جائے گا ، صبر
کرنے والوں کو اُن کا بدلہ بغیر حساب کے ⑩

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہوا کہ صرف اللہ کی
عبادت کرو اس حال میں کہ صرف اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرنے والے
ہو ، اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ بناؤ ، نہ اُس کی ذات میں ، نہ
صفات میں اور نہ ہی الوہیت کا عقیدہ رکھو ۔ اللہ تعالیٰ واحد اور قہار ہے ۔ اور
ساری کائنات اُسی کی پیدا کردہ ہے اور اُسی کے تصرف میں ہے ۔ پھر فرمایا
انسانوں کی تخلیق اللہ نے ایک ہی جان سے کی ہے ۔ اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا
اور تمہارے فائدے کے لیے مویشیوں کے آٹھ جوڑے بنائے ۔ تمہاری
پیدائش بھی اللہ نے عجیب طریقے سے کی ۔ ماؤں کے پیٹوں کے اندھیروں

میں تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا پروردگار اور سچی عبادت کے
لائق ہے اگر تم اس کی وحدانیت کا انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ
ہے۔ تمہارے کفر کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ہاں اس کو کچھ نقصان پہنچ
سکے گا۔ اگر وہ اپنے بندوں سے کفر کی بات کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم اس کا
شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے راضی ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے
کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے جو تم
سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق ہی
بدلہ ملے گا۔

انسانی فطرت کے کمزوریاں

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکرگزاری کا حال اس
طرح بیان فرمایا ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ ۔ اور جب انسان کو کوئی
تکلیف پہنچتی ہے تو دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ۔ اپنے پروردگار
کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ اس انسان کی حالت عجیب ہے اس
کے وقت یہ سمجھتا ہے کہ اس کو دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں لہٰذا
اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً ۔ پھر جب
وہ اس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتا ہے یعنی جب تکلیف دور ہو جاتی ہے
کوئی بیماری تھی تو شفا مل گئی، تنگدستی تھی تو خوشحالی آگئی۔ بے اولاد تھا تو اولاد مل
گئی، غرضیکہ جب کوئی نعمت حاصل ہو جاتی ہے نَسِيَ مَا كَانَ
يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۔ تو پھر وہ اپنی اس پہلی حالت کو بالکل ہی
بھول جاتا ہے جس کی طرف وہ پکارتا تھا، گویا کہ اس کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہی
نہیں تھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب اس کی تکلیف دور ہو چکی تو اپنے پروردگار کا
شکریہ ادا کرتا جس کو وہ تکلیف کے وقت پکارتا تھا اور جس نے اس مصیبت
کو رفع کر دیا، مگر انسان اس قدر ناشکرگزار ہے کہ اپنی اس سابقہ تکلیف
کو بھی بھول جاتا ہے اور لہو و لعب میں مبتلا ہو کر ناشکرگزاری کا مظاہرہ کرتا ہے

فرمایا ایک تو وہ تکلیف کے رفع ہونے پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا اور دوسرا
ظلم یہ کرتا ہے وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہراتے
گناہ مصیبت تو اللہ نے دور کی تھی مگر وہ نذر و نیاز دوسروں کی لیئے کرتا
ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی تکلیف فلاں بزرگ کی وجہ سے دور ہوئی ہے یا
یہ فلاں ستارے یا سیارے کے اثرات کا نتیجہ ہے اور پھر اس غلط عقیدہ کا
پراپیگنڈا بھی کرتا ہے لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ تاکہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ
کی راہ سے گمراہ کرے۔ پھر یہ شخص اپنے قول، فعل اور عمل سے دوسروں کی
گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے
اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو واضح طور پر کہہ دیں
تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اپنے اس کفر کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو۔ اپنے اس باطل عقیدے کے سابہ میں اس دنیا کی زندگی
میں عیش و آرام کر لو۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے لیکن بالآخر
اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ بیشک تم دوزخ والوں میں سے ہو
تمہارے اس شرک اور ناشکری کا بدلہ تمہیں دوزخ کی صورت میں ملے گا
جہاں سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔ اس مضمون کو اللہ نے سورۃ العنکبوت
میں اس طرح بیان فرمایا فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ
(آیت ۶۵) جب مشرک لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ کشتی گرداب میں
پھنس جاتی ہے تو اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے خالصتاً
اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ اس
مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں
اور اس نجات کو دوسروں کے ساتھ منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرمایا
کتنے ناشکرگزار لوگ ہیں جو تنگی کے وقت تو اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

مگر خوشحالی کے وقت اس کو فراموش کر دیتے ہیں اور اس آسودگی کا سہرا دوسروں کے سر پر باندھ دیتے ہیں۔

نیک و بد کا تقابل

آگے اللہ نے نیک و بد میں تقابل کے طور پر فرمایا ہے اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ (علاوہ شخص جو کہ اطاعت کرنے والا ہے آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ اور وہ آخرت سے ڈرتا بھی ہے وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ فرمایا کیا ایسا خدا پرست انسان نافرمانوں اور شریروں کے برابر ہو سکتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس مقام پر لفظ قَانِتٌ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہم نے اطاعت کرنے والا کیا ہے۔ قنوت کا لفظ نماز کی ایک خاص حالت کے متعلق بھی آیا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرہ - ۲۳۸) یعنی نماز کے لیے ایسی حالت میں کھڑے ہو کہ خدا کے سامنے عاجزی کرنے والے ہو، آواز کو بالکل نیچے رکھو اور دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ نہ کنکروں کے ساتھ کھیلو اور نہ کسی اور شغل میں مشغول ہو۔ اس کے علاوہ قنوت کا معنی لمبی قرأت کرنا بھی ہوتا ہے حدیث میں آتا ہے اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی قرأت کی جائے۔ البتہ فقہائے کرام میں اس بات میں اختلاف ہے کہ لمبی قرأت زیادہ افضل ہے یا زیادہ سجدے کرنا افضل ہے بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ بڑی بلند عبادت ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا زیادہ سجدے کرنے میں فضیلت ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں قرأت زیادہ کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔

بہرحال قنوت کا معنی اطاعت ہوتا ہے اور نماز میں قنوت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پورے سکون کے ساتھ، سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھتے ہوئے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑا ہو تو فرمایا جو شخص

سکون کے ساتھ قیام و سجود کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور خدا کی رحمت کا امیدوار ہے، وہ نافرمانوں کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یا جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ ایماندار اور فاجر برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہو تو پھر تو ہر چیز ہی بگڑ جائے۔ نیکی اور بدی کا معیار ہی باقی نہ رہے، علم و جہالت خلط ملط ہو جائیں۔ فرمایا یہ دونوں گروہ مساوی نہیں ہو سکتے۔ علم کا حاصل کرنا تو فرائض میں داخل ہے۔ علم کے بغیر انسان نہ خدا کی ذات کو پہچان سکتا ہے نہ اس کی صفات کو، نہ توحید کو، نہ آخرت کے معاملات کو اور نہ ہی حقوق کی ادائیگی میں تمیز کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اہل علم اور بے علم کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ اس مثال سے تو صاحب عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

تقویٰ کی اگلی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے خوف خدا کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ اے پیغمبر! آپ میری ان بندوں کو کہہ دیں جو ایمان لے آئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہیں کہ کہیں اس کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے۔ کہیں کفر و شرک اور نفاق میں ملوث نہ ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم میں تساہل پیدا ہو جائے اور ہم اللہ کی رحمت سے دور ہو جائیں۔ اسی لیے فرمایا کہ میرے بندو! اپنے قول و فعل، عمل اور اخلاق میں ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امام شاہ ولی اللہ[1] تقویٰ کی تشریح حفاظت سے کرتے ہیں۔ یعنی شریعت کی حدود کو قائم رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔ سب سے پہلے اپنے اعتقاد اور ایمان کی حفاظت کرے۔ اس میں کفر، شرک اور بدعقیدگی کو داخل نہ ہونے دے۔ اپنے ایمان کو بری نیت، حسد، بغض اور گندے اخلاق سے پاک رکھے۔ شہوات اور کبر

[1] الطاف القدس مترجمہ ص۹۵

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرنا اختیار کیا اُن کے لیے بھلائی ہے۔ انہیں اُن کی نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا البتہ شرط یہ ہے کہ اُس نیکی کی تہ میں ایمان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک واضح اصول بتلا دیا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (الانبیاء ۔ ۹۴) جس شخص نے کوئی نیکی کا کام کیا بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو اُس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اُس کی نیکی کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ اس دنیا میں نیکی کے کام کرنے والوں کو آخرت میں لازماً اچھا بدلہ ملے گا۔

ہجرت کا حکم

اب آیت کے اگلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حالات کے مطابق ہجرت کر جانے کی ترغیب دی ہے۔ اس حکم کے نزول کے وقت تک مکہ میں کے پانچ یا چھ سال گزر چکے تھے۔ اہل ایمان کفار کی ایذا رسانیوں کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے اور صحابہؓ کے ایک گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کر لی تھی۔ ان حالات میں اللہ نے فرمایا وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ لہٰذا اگر حالات بالکل ناسازگار ہو جائیں تو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت ہے مطلب یہ کہ جب کسی مقام پر کفار کا غلبہ ہو اور خدا کے دین کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے تو پھر ایمان اور دین کی حفاظت کے لیے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا چاہیئے۔ سنن النہجرۃ لشدید ہجرت میں تکلیف بھی بڑی اٹھانا پڑتی ہے۔ وطن، عزیز و اقارب، زمین، مکان اور کاروبار ہر چیز کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ پھر دوران ہجرت مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ دشمن کا خطرہ ہوتا ہے، مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر رہائش اور کاروبار کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات آب و ہوا بھی موافق نہیں آتی۔ اس لیے اللہ کے ہاں ہجرت کا درجہ بھی بہت بڑا ہے۔ اہل ایمان مہاجرین اور مجاہدین کے متعلق اللہ کا فرمان ہے اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ ۔ ۲۰)

اللہ کے ہاں اُن کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور یہ کامیاب لوگ ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہؓ کے لیے ہجرت کی دُعا جن فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِیْ ھِجْرَتَھُمْ وَلَا تَرُدَّھُمْ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو نافذ فرما اور اُن کو واپس نہ پھیر۔ ہجرت کا اجر بہت بڑا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہجرت دین اور ایمان کی حفاظت کی خاطر کی جاتی ہے۔ تاہم بعض اوقات ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا یا اُسے رزقِ حلال نصیب نہیں ہوتا تو اُس پر ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب مکہ دارالاسلام بن گیا ہے لہٰذا وہاں سے ہجرت کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ ہاں، اگر بعد میں کسی جگہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو ہجرت کا حکم نافذ العمل سمجھا جائے گا۔

صبر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

فرمایا جنہوں نے دین اور ایمان کی خاطر ہجرت کی اور خطرات کا سامنا کیا اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ تو ایسے صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلاحساب اجر عطا کرے گا۔ اللہ نے ہر نیکی کے کام کے لیے اجر کی تحدید فرمائی ہے لیکن صبر کے متعلق فرمایا کہ اس کا اجر بے حساب ہوگا جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ لوجیہ۔ ذکر الٰہی۔ شکر، خانہ داری، شعائر اللہ کی تعظیم وغیرہ کی طرح صبر بھی ملت ابراہیمی کا ایک بنیادی اصول ہے۔

امام غزالیؒ صبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف مقامات ہیں۔ کبھی جسمانی تکلیف پر صبر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے برداشت کرنے کی توفیق طلب کی جاتی ہے۔ کبھی اجتماعی مصائب پر صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی صبر کے بغیر ممکن نہ ہو

سُلوق ، وضو ، نماز ، روزہ ، حج جہاد وغیرہ کی انجام دہی میں صبر استقامت کی ضرورت ہوتی ہے ، معاصی سے بچاؤ کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے ۔ غرضیکہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر صبر کا اظہار بے انتہا اجر کا باعث ہوگا ۔

قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ
ٱلدِّينَ ﴿١١﴾ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿١٢﴾
قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيمٍ ﴿١٣﴾ قُلِ ٱللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ﴿١٤﴾
فَٱعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْخَٰسِرِينَ
ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ
أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْخُسْرَانُ ٱلْمُبِينُ ﴿١٥﴾ لَهُم مِّن
فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ ٱلنَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ
ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ ٱللَّهُ بِهِۦ عِبَادَهُۥ ۚ يَٰعِبَادِ فَٱتَّقُونِ ﴿١٦﴾
وَٱلَّذِينَ ٱجْتَنَبُوا ٱلطَّٰغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَ
أَنَابُوٓا إِلَى ٱللَّهِ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾
ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥ ۚ
أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَىٰهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمْ
أُو۟لُوا ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ
ٱلْعَذَابِ ۚ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِى ٱلنَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ
ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن فَوْقِهَا

غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ
اللَّهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ
أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي
الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ
ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر! مجھے تو
حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اللہ تعالیٰ کی خالص
اسی کے لیے اطاعت کرنے والا ہوں (۱۱) اور مجھے حکم
دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلے فرمانبرداری
کرنے والا (۱۲) آپ کہہ دیجئے، بیشک میں خوف کھاتا
ہوں، اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی، بڑے دن کے
عذاب سے (۱۳) آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ ہی
کی عبادت کرتا ہوں، خالص کرنے والا ہوں اس کے
لیے اپنی اطاعت (۱۴) پس تم عبادت کرو جس کی
چاہتے ہو اس کے سوا، آپ کہہ دیجئے، بیشک نقصان اٹھانے
والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں
کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، آگاہ رہو، یہی
ہے کھلا نقصان (۱۵) ان کے لیے اوپر سے سائبان
ہوں گے آگ کے، اور ان کے نیچے بھی سائبان، یہ
بات، ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے بندوں

کو (۱۷) اور فرما دے اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو
اور وہ لوگ جنہوں نے کہ وہ کتنی اختیار کی طاغوت
کی پرستش سے، اور رجوع کیا انہوں نے اللہ کی طرف
اُن کے لیے بشارت ہے پس بشارت دیں میرے بندوں
کو (۱۸) جو سنتے ہیں بات، پھر پیروی کرتے ہیں اس
کی اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے
ہدایت دی ہے۔ اور یہی لوگ ہیں عقل رکھنے والے (۱۹)
بھلا وہ شخص جس پر ثابت ہو گیا ہے عذاب کا کلمہ
کیا تو چھڑا لے گا اس کو جو دوزخ میں پڑ چکا ہے (۲۰) لیکن
وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے، اُن کے
لیے بالاخانے (چوبارے) ہیں۔ اُن کے اُوپر اور بالاخانے
بنائے ہوئے۔ اور جاری ہیں اُن کے نیچے نہریں۔
یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا، اللہ تعالیٰ نہیں خلاف کرتا وعدے
کا (۲۰) کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اتارا
آسمان کی طرف سے پانی۔ پس چلا دیا اُس کو چشموں
کی شکل میں زمین میں۔ پھر نکالتا ہے اُس کے ساتھ کھیتی
جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ پھر وہ خشک ہو جاتی
ہے۔ پھر دیکھتا ہے تو اُس کو زرد۔ پھر کر دیتا ہے
اس کو چورا چورا۔ بیشک البتہ اس میں نصیحت ہے
عقلمندوں کے لیے (۲۱)

اس سے پہلے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں دلائل بیان ہوئے، پھر مکذبین و معاندین کا تقابل ہوا کہ دونوں گروہوں

ہو گئے ، اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ دلائل سے عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔ پھر اللہ نے ہجرت کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے اگر کسی مقام پر کفار و مشرکین کا غلبہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رکاوٹ بنتے ہیں اور شعائر دین پر عمل درآمد نہیں کرنے دیتے تو پھر وہاں سے ہجرت کے دوسری جگہ چلے جائیں ۔ ظاہر ہے کہ ترک وطن میں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا ، تو اللہ نے فرمایا کہ ان تکالیف کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے والوں کے لیے حساب اجر عطا کیا جائے گا ۔

اخلاص فی العبادت کا حکم

اب آج کی ابتدائی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کا ذکر کیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ لوگوں کو کہہ دیں یعنی ان کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دیں اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس حال میں کہ اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرنے والا ہوں دین سے مراد بندگی اور اطاعت ہے یہی مضمون سورۃ فاتحہ کی ابتدا میں بھی بیان ہوا تھا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ صرف اللہ کی عبادت کرو ۔ اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے ۔ گویا یہ بات بار بار ذہن نشین کرائی گئی ہے ۔ کہ اللہ کے نزدیک ایسی خالص عبادت ہی معتبر ہے ۔ جس میں شرک اور ریا کی آمیزش نہ ہو ۔ نیز فرمایا کہ آپ یہ بھی کہہ دیں وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا اولین فرمانبردار اور اطاعت گزار بن جاؤں ۔ چنانچہ امت میں اولین ذات پیغمبر علیہ السلام کی ہوتی ہے جو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے اور پھر ساری امت اس کے تابع ہوتی ہے ۔ اس لحاظ سے بھی فرمانبرداری میں پہلا نمبر نبی کا ہی ہوتا ہے اور اگر لحاظ کیا جائے تو تمام کائنات کا شمار کیا جائے تو اول اور عالم ارواح میں بھی اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنے والی ذات پیغمبر علیہ السلام کی ہی ثابت

ہمتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک میں تو اُس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا ابھی پانی اور مٹی سے ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا۔ تو گویا عالم شہادت اور عالم غیب دونوں مقامات پر تمام نبیوں میں اولین اطاعت گزار اور فرمانبردار پیغمبر علیہ السلام ہیں۔

ساتھ یہ بھی فرمایا قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ آپ کہہ دیں کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اللہ کے نبی معصوم اور اُس کے مقرب ہوتے ہیں، مگر امت کی تعلیم کے لیے واضح کیا جا رہا ہے کہ بفرض محال اگر میں بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو میں بھی اُس کے غضب سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا عام امتیوں کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کس قدر ضروری ہے، اور اس کی نافرمانی کس قدر مہلک ہے۔ آگے اسی سورۃ میں مزید وضاحت بھی آ رہی ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ البتہ تحقیق تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے والوں کی طرف بھی لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آیت ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے بھی سارے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا نام لے کر فرمایا ہے وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (آیت ۸۸) اگر وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع کر دیے جاتے۔

آگے پھر اسی مضمون کو اپنے نبی کی زبان سے دوسرے انداز میں کہلوایا قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ آپ کہہ دیں کہ میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں اس حالت میں کہ اُس کی اطاعت کو خالص بنانے والا ہوں پہلے کہا تھا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اُسی کی عبادت کروں اور اب تعمیل حکم کے انداز میں فرمایا کہ میں تو اُسی کا اطاعت گزار بن کر خالص اُسی کی عبادت

کرنے والا ہوں، اور اپنے قول، فعل یا عمل میں کسی طرح بھی عبادتِ الٰہی میں شرک یا ریا کی آمیزش نہیں کرتا۔ پھر خود اقرار کرنے کے بعد دوسروں کو فرمایا: فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُونِهِ تم اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔ تمہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو شخص مومنوں کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) تو جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اس کو اُسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں مگر اس کا ٹھکانا بالآخر جہنم ہوگا۔ ہم کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر شرک یا کسی دوسری معصیت سے نہیں روکتے مگر اس پر انجام واضح کر دیتے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ تم جدھر جا سکتے ہو جاؤ میں تو خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

نقصان اٹھانے والے لوگ

اور ساتھ ساتھ اللہ نے تنبیہ کے طور پر اپنے نبی کی زبان سے یہ اعلان بھی کروا دیا قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ آپ ان سے یہ بھی فرما دیں کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانوں کو قیامت والے دن نقصان میں ڈالا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں خود بھی کفر و شرک اور معاصی میں مبتلا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی اسی ڈگر پر چلاتے ہے، صحیح معنوں میں نقصان زدہ لوگ یہ ہیں۔ یہ کہتے ہے کہ ہم عرسوں میں شریک ہو کر، مزاروں پر چادریں چڑھا کر، غیر اللہ کی نذر و نیاز دے کر اور بدعات کو فروغ دے کر بڑے نیکی کے کام کرتے ہے ہیں جو قیامت والے دن ان کے کام آئیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ان کے یہی اعمال قیامت والے دن ریت کے ذرات کی طرح اڑا دیئے جائیں گے اور یہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ سورۃ الکہف میں اللہ نے ایسے ہی نقصان زدہ لوگوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتلائیں تم کو کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں پڑنے والے کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں الَّذِيْنَ ضَلَّ

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (آیت ۱۰۴) جنہوں نے دنیا کی زندگی میں غلط راستے پر چل کر اپنی ساری محنت کو ضائع کر لیا مگر سمجھتے یہ ہے کہ ہم بڑے نیکی کے کام کرتے ہے۔ فرمایا ایسے لوگ قیامت والے دن خود بھی نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی نقصان کا باعث بنیں گے۔ اللہ کا حکم تو ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم-۶) لوگو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ مگر انہوں نے گھر والوں کو بھی کفر شرک اور بدعات کے کاموں میں لگائے رکھا، لہٰذا قیامت والے دن ان کے ساتھ ان کے گھر والے بھی نقصان اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اللہ نے کفار مکہ کے متعلق بھی فرمایا ہے وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم-۲۸) کہ یہ لوگ خود بھی جہنم واصل ہوئے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی وہیں پہنچایا۔

فرمایا نقصان زدہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے قیامت والے دن اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانوں کو نقصان میں ڈالا۔ اللہ نے انسان کو جان جیسی قیمتی پونجی دے کر دنیا میں بھیجا تھا تاکہ اس کے ذریعے ایمان اور اطاعت کمائے مگر اس نے یہاں آکر اس پونجی سے کفر، شرک اور بدعات کو خریدا اور خسارے میں پڑ گیا۔ منافقوں کے متعلق بھی فرمایا فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ-۱۶) اُن کی اس تجارت نے انہیں کچھ نفع نہ پہنچایا اور وہ زندگی جیسی قیمتی پونجی گنوا بیٹھے۔ فرمایا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ آگاہ ہو کہ یہی کھلا نقصان ہے۔ جس نے خود کو اور گھر والوں کو نذر آتش کر دیا، اس سے بڑا گھاٹا کیا ہوگا؟

فرمایا اس نقصان کا اثر یہ ہوگا لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ ان کے لیے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے۔ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ اور ان کے نیچے بھی ایسے ہی سائبان ہوں گے طلب

یہ کہ اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور دوزخ کی آگ اُن کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔ پھر اسی انداز میں فرمایا ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اللہ تعالیٰ اسی چیز کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور فرمایا يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ کہیں تم اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جانا، جس سے تمہیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔

اہل الامر والے لوگ

اب نقصان زدہ لوگوں کے برخلاف اہل الخیر کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا، اس کے دام میں نہیں آئے وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ اور طاغوت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا لَهُمُ الْبُشْرٰى ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ پس میرے بندوں کو بشارت سنا دیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور وہ بشارت کے مستحق وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ جو بات سنتے ہیں۔ یعنی ہر اچھی بُری بات اُن کے کانوں میں پڑتی ہے فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ مگر اُن میں سے پیروی صرف اچھی بات کی کرتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور یہی ہیں جو صحیح معنوں میں عقل مند ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے خواہ یہ کسی زمرہ میں آئیں۔ خدا کے نزدیک یہی صاحب عقل ہیں جنہوں نے طاغوت کی پوجا کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔

اس آیت کریمہ میں طاغوت کی عبادت سے کنارہ کشی کا ذکر آیا ہے تو طاغوت سے کیا مراد ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جبت کا معنی سحر اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔ امام ابن ہشامؒ اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کُلُّ مَا اَضَلَّ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتٌ یعنی جو بھی حق کے راستے سے گمراہ کرنے والی طاقت ہو، وہ طاغوت ہے۔ چنانچہ شیطان کے

علاوہ بعض انسان بھی طاغوت ہو سکتے ہیں جو لوگوں کو ایمان اور توحید کے راستے سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈالتے ہیں۔ اس لحاظ سے بعض سلاطین اور ملوک بھی طاغوت ہیں جو ہمیشہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس فہرست میں امریکہ کا رجحان اور روس کا گروہ بالخصوص بھی طاغوت ہیں۔ جو دین، مذہب، خدا کے وجود اور شرائع الٰہیہ کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

احسن اور احسن کی بحث

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ اَحْسَنَهٗ بھی قابلِ توجہ ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہدایت یافتہ اور صاحبِ عقل وہ لوگ ہیں جو ہر بات کو سنتے ہیں مگر اتباع احسن کا کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احسن سے مراد اللہ کا حکم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ تورات کی احسن باتوں کا اتباع کریں۔ اس لحاظ سے اللہ کا دین، شریعت، کتاب، پیغمبر کا طریق کار سب احسن میں آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ میں قرآن کی کتب، نبی کی سنت اور شرائع الٰہیہ بھی آتی ہیں تو ان میں احسن اور غیر احسن کی تمیز کیسے ہو کہ بعض کا اتباع کیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے دین اور شریعت میں بھی بعض چیزیں حسن ہیں اور بعض احسن کا درجہ رکھتی ہیں، یعنی بعض باتیں اچھی ہیں اور بعض بہت اچھی ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا تو نقصان زدہ کے لیے بدلہ لینا جائز ہے اور جائز کام حسن کہلاتا ہے۔ اگر وہ شخص بدلہ لینے کی بجائے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے تو وہ احسن کے درجے میں یعنی بہت اچھا فعل ہوگا اور اس کے بدلے اسے آخرت میں بہت بڑا اجر حاصل ہوگا۔ حسن اور احسن کی مثال اس طرح بھی دی جا سکتی ہے کہ ایک طرف عزیمت ہے اور دوسری طرف رخصت ہے۔ رخصت کو اختیار کرنا حسن ہے جب کہ عزیمت کو اختیار کرنا احسن ہے۔ مسافر کے لیے سفر کے دوران روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے۔ اگر وہ روزہ نہیں رکھتا تو یہ جائز یا حسن ہے۔ اور اگر وہ رخصت کی بجائے عزیمت

کو اختیار کرتا ہے یعنی دورانِ سفر بھی روزہ رکھ لیتا ہے تو یہ احسن یعنی زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی رخصت ہے۔ مگر وہ کھڑا ہو کر ادا کرتا ہے تو یہ عزیمت اور احسن کے درجہ میں آئیگی۔ تو اللہ نے احسن چیز کو اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

نیک و بد کا انجام

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ جو شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی ہے یعنی اس نے کفر، شرک اور معاصی کا ایسا راستہ اختیار کیا کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب ثابت ہو گیا اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ تو کیا ایسے شخص کو آپ چھڑا لیں گے جو دوزخ میں پڑ چکا ہے؟ جو آدمی اپنی عناد اور بداعمال کی بدولت دوزخ کا مستحق ہو چکا ہے، اس کو آپ کیسے راہِ راست پر لا سکیں گے؟ مطلب یہ کہ ایسا شخص اب عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔

ہاں، ایسے شخص کے برخلاف لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، انہیں ہی سیاستعمال اور جزائے عمل کی فکر ہے، فرمایا لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ ایسے لوگوں کے لیے بالاخانے ہوں گے جن کے اوپر اور بالاخانے بنے ہوئے ہوں گے۔ ان رہائش گاہوں میں ضرورت کی ہر چیز مہیا ہوگی اور وہ وہاں نہایت آسائش کی زندگی گزار سکیں گے۔ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ان بالاخانوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوگی کہ ان کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی وَعْدَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہو چکا ہے۔ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيعَادَ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنے بندوں کے حق میں اس وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ ان کو اپنی جنت کے مقام میں ہمیشہ کی زندگی عطا کرے گا۔ جہاں ہر قسم کا عیش و آرام میسر ہوگا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے گروہوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا ہے

اب یہ ہر شخص کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہو کر اپنی عاقبت کو کس طرح تباہ کرتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے آب و مثال کے ذریعے حق و باطل اور جزائے عمل کی بات کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ بادل آسمان سے برستا ہے، دریا اور ہر بلند چیز کو آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر بارش کے نزول میں عالم بالا سے آنے والا حکم خداوندی بھی شامل ہوتا ہے تو بارش نازل ہوتی ہے۔ تو فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان کی طرف سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرمایا فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ پھر اس کو چشموں کی صورت میں زمین کے اندر چلا دیا۔ پہاڑوں پر بارش نازل ہوتی ہے یا برف تخلیق ہے تو اس کا کچھ پانی آبشاری نالوں کی صورت میں سطح زمین پر بہتا ہے اور کچھ پانی زمین کے اندر ہی نالیوں کی صورت میں چل رہا ہے۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے چشموں کی صورت میں ابل پڑتا ہے۔ اور لوگ اسے پینے کے کام میں لاتے ہیں اور اس سے کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ پھر اس پانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ مختلف رنگوں کی کھیتیاں اگاتا ہے ثُمَّ يَهِيْجُ پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا اور تو دیکھتا ہے اس کو زرد ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا پھر اللہ تعالیٰ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ اس مثال سے مراد یہ ہے کہ جس طرح پانی ملنے پر کھیتی ہری بھری ہوتی ہے، پھر وہ پک کر اپنے عروج کو پہنچتی ہے اور پھر زرد اور خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے، اسی طرح انسانی زندگی بھی عارضی ہے اس دنیا میں اس کو ایک وقت میں عروج بھی حاصل ہوتا ہے مگر بالآخر وہ اپنے انجام کو پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اگلی دائمی زندگی کا بیج تیار کرتی ہے لہٰذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ اس عارضی زندگی پر مغرور ہونے کی بجائے دائمی

دنیا اور آخرت کی مثال

زندگی کی فکر کرے اور اس کے لیے زادِ راہ تیار کرے، نیز اس مثال سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح پھل پک جانے پر اناج اور بھوسہ الگ الگ ہو جاتے ہیں، اسی طرح اگلے جہان میں نیکی اور بدی الگ الگ ہو کر سامنے آجائیں گی اور انسان اپنے تمام اعمال و کردار کو دیکھ سکے گا۔

فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ بے شک اس مثال میں عقلمندوں کے لیے نصیحت ہے۔ انسانوں کو اس مثال پر غور و فکر اور اپنے اعمال و کردار کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ، یہ دنیا بھی آخرت کی کھیتی ہے، جو کچھ یہاں پر بوئے گا وہی آگے کاٹے گا۔ لہٰذا دنیا کی زندگی میں آخرت کے لیے سامان پیدا کرنا چاہیے۔

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ
نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم
مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾
اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا
مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ
إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ
مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
هَادٍ ﴿٢٣﴾ أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا
كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ:- بھلا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ نے اسلام
کے لیے کھول دیا ہے پس وہ روشنی پر ہے اپنے پروردگار
کی طرف سے ۔ پس خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے
جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے یہی لوگ
ہیں صریح گمراہی میں ﴿۲۲﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے
اتاری ہے بہترین بات کتاب کی ہیں ملتی جلتی اور
دہرائی ہوئی ۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے اُن
لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے ۔ پھر نرم ہو
جاتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کے ذکر کی
طرف ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ ہدایت دیتا ہے اس
کے ساتھ جس کو چاہے ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر
دے پس نہیں ہے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا ﴿۲۳﴾
بھلا وہ شخص جو بچے گا اپنے منہ کے ساتھ بُرے
عذاب سے قیامت کے دن ۔ اور کہا جائے گا ظلم کرنے
والوں کے لیے کہ چکھو جو کچھ تم کماتے تھے ﴿۲۴﴾ جھٹلایا
ہے اُن لوگوں نے جو اِن سے پہلے گزرے ہیں ۔ پس
آیا اُن کے پاس عذاب ایسی جگہ سے جہاں سے ان
کو خیال بھی نہیں تھا ﴿۲۵﴾ پس چکھایا اللہ تعالیٰ نے اُن
کو رسوائی دنیا کی زندگی میں ۔ اور البتہ عذاب آخرت کا
بہت بڑا ہے ، اگر اِن کو سمجھ ہوتی ﴿۲۶﴾

شرح صدر کی تنگی

گزشتہ درس میں اللہ نے نیک و بد کا تقابل اور دونوں کا انجام بیان فرمایا تھا ۔ اور اب اس درس میں بھی اللہ نے شرح صدر اور تنگدلی کا تقابل کرکے اُن کا انجام ذکر کیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ

بلا اسلام ہر بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے۔ اس کو اسلام کے اصول، قوانین اور احکام پورے طریقے سے سمجھ میں آتے ہیں اور اسے کسی اصول و ضابطے میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں ہوتا وہ اسلام کی ہر بات کو بخوشی قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اللہ نے اس کے دل کو بصیرت سے منور کیا ہے اور وہ پورے اطمینان و سکون میں ہے فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَّبِّهٖ پس وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے۔ ایمان، اسلام اور اطاعت روشنی ہے اور اس کے برخلاف کفر، شرک، بدعات اور معاصی تاریکیاں ہیں تو فرمایا ایک طرف تو شرح صدر والا آدمی ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے نور ایمان پر ہے، اور دوسری طرف سخت دل لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر سے منہ موڑنے والے ہیں۔ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ پس ہلاکت اور خرابی ہے ان لوگوں کے لیے

جو اللہ کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں نیکی کی کوئی بات داخل نہیں ہوتی اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی یاد نصیب ہوتی ہے یہ لوگ اندھے، جہالت فاسدہ، قومی، ملکی اور خاندانی رسم و رواج میں ہی پڑے رہتے ہیں، حجاب طبع، حجاب رسم اور حجاب سوء معرفت کا شکار ہو کر شرک، کفر، تکذیب کے باطل عقیدہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسلام کے اصولوں، قوانین اور احکام سے متعلق ہمیشہ شک و تردد میں پڑے رہتے ہیں۔ بھلا یہ دونوں قسم کے لوگ کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ اس مضمون کو اللہ نے سورۃ الانعام میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (آیت ۱۲۲) بھلا وہ شخص جو مردہ تھا یعنی کفر، شرک اور گمراہی میں مبتلا تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا یعنی گمراہی سے نکالے اور ایمان قبول کرنے کی توفیق

بخشی۔ پھر ہم نے اس کے لیے روشنی کا انتظام کر دیا یعنی ایمان، قرآن اور اسلام کی روشنی عطا فرمائی جس کے ذریعے وہ لوگوں کے درمیان چلتے۔ یعنی کفر، شرک اور بدعات والے ماحول میں رہ کر صراطِ مستقیم پر چلتے ہے، تو کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہے، جو کفر، شرک، بدعات اور معاصی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے اور ان تاریکیوں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ نہیں پاتا۔ ہرگز نہیں، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

سنگدلی بہت بُری چیز ہے جو کہ حسد، عناد، تعصب اور نافرمانی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی کے متعلق فرمایا ہے وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (المائدۃ۔ ۱۳) ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا کیونکہ وہ احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو ستاتے تھے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے تھے، گناہوں کے اصرار پہ دل کی نرمی سختی میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے انسان کی عقل اور فہم معکوس ہو جاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کہ وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو چکے ہیں، یہ لوگ نورِ ایمان سے محروم ہیں۔ نیکی کی بات کو قبول نہیں کرتے۔ تو ایسے لوگ اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں جس کا دل اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نورِ ہدایت پہ ہے۔

قرآن الحدیث خیر الحدیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بعض خواص بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا اللہ تعالیٰ نے کتاب کی صورت میں بہترین بات اتاری ہے۔ احسن الحدیث سے قرآن پاک جیسی عظیم کتاب مراد ہے۔ ہم اکثر خطبہ جمعہ میں پڑھتے رہتے ہیں فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی بہترین بات اللہ

کی کتاب ہے اور بہترین نور حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے۔ عام محاورے میں بھی کہتے ہیں کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ گویا بادشاہ وقت کے منہ سے نکلی ہوئی بات سب باتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ملک الملوک یعنی شہنشاہوں کے شہنشاہ کی بات تو سب سے اعلیٰ و ارفع ہوگی۔ تو یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بہترین بات کتاب کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔

اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے مُتَشَابِهًا کہ اس کی آیات آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ مادہ اصل متشابہ کے کئی معانی آتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے یعنی باہم ملتی جلتی۔ اور دوسرا معنی محکم کے مقابلے میں متشابہ آتا ہے اس کی مثال سورۃ آل عمران کی ابتداء میں موجود ہے۔ جہاں دونوں الفاظ نے ہی القرآن کی ذات دی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آیت ۷) اس کتاب کی زیادہ تر آیات محکم یعنی مضبوط ہیں جن کے الفاظ معدل اور مرتب واضح ہیں۔ البتہ بعض آیات متشابہ ہیں جن کے الفاظ اور معانی تو معلوم ہیں مگر ان کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسے القرآن کا فرمان ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ - ۵) اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ بظاہر معانی تو سمجھ میں آتے ہیں مگر عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کا ادراک انسانی عقل و فہم کے بس کا روگ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں، چہرے اور پنڈلی کا ذکر بھی آتا ہے۔ اور ہم ان الفاظ کے معانی بھی جانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ان اعضاء کو انسان یا کسی دیگر مخلوق کے اعضاء پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور عبت ثابت ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے لہٰذا ایسی چیزوں پر ایمان لانا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ یا پنڈلی ایسے ہی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اگر کوئی شخص القرآن کے

اعضاء کو مخلوق کے اعضاء پر قیاس کرے گا تو وہ اپنا عقیدہ خراب کر بیٹھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ-۱۱) اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اس کی مثال دی جا سکے۔ وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔

متشابہ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ قرآن پاک کے مضامین میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اَلْقُرْاٰنُ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اگر کسی ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل بھی ہے اگر کسی واقعہ کا ایک جزو ایک جگہ بیان ہوا ہے تو دوسرا جزو دوسری جگہ پر ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک کی آیات میں اختلاف یا تعارض نہیں بلکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ متعلق ملحق ہیں۔

فرمایا، قرآن پاک کی تیسری خصوصیت یہ ہے مَثَانِيَ کہ اس کی آیات بار بار دہرائی جاتی ہیں یعنی اس کی تلاوت بکثرت کی جاتی ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی تلاوت اس قدر کثرت سے کی جاتی ہو جس قدر کثرت سے قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معانی یا مطالب کم ہی آئیں یا نہ آئیں، ہر انسان جو اس کی تلاوت میں ہمیشہ لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے اس کی کثرت تلاوت کا یہ ایک بین ثبوت ہے کہ دنیا میں آج بھی اس کے لاکھوں حفاظ موجود ہیں جنہیں یہ کتاب لفظاً لفظاً زبانی یاد ہے اور وہ اس کو ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں۔

مثانی یعنی دہرانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس کی آیات میں اگر ایک طرف ترہیب کا مضمون آیا ہے تو ساتھ ہی ترغیب کا مضمون بھی آگیا ہے۔ اگر کسی مقام پر انعام کے فضائل بیان ہوئے ہیں تو ساتھ ہی کفر کی قباحت بھی آ گئی ہے۔ توحید کا ذکر ہے تو ساتھ شرک کی تردید بھی ہے۔ جہاں اخلاص کا تذکرہ ہے وہاں نفاق کا رد بھی آگیا ہے اگر کسی جگہ دنیا کی بات کی گئی ہے تو ساتھ

عقبیٰ کا ذکر بھی آگیا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ ہے تو ساتھ عذاب کی وعید بھی ہے، جہاں جنت کا ذکر ہے وہاں دوزخ کی تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں۔ گویا اس لحاظ سے بھی قرآن کریم مثانی ہے کہ اس میں ہر چیز کو دہرایا گیا ہے

تلاوتِ قرآن کے اثرات

ارشاد ہوتا ہے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے جب تلاوتِ قرآن پاک سنتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ کا معنیٰ خوف کی حالت میں بال کھڑے ہو جانا۔ کپکپی طاری ہو جانا ہے۔ یہ تلاوتِ قرآن کا اثر ہے۔ سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (آیت ۸۳) جب وہ رسول کی طرف نازل شدہ چیز کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہر سلیم الفطرت انسان جو تعصب، عناد اور نجاست سے خالی ہو کہ اللہ کی کتاب کو پڑھے گا۔ یا سنے گا اس کے دل پر ضرور اس کا اچھا اثر پڑے گا حتیٰ کہ بعض اوقات آنسو بھی بہ جاتے ہیں۔ ہر آدمی کے لیے ہر ساعت پر نرالا ہوتا ہے تاہم بعض اوقات خوف کی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث میں اس کے متعلق بھی ذکر آتا ہے کہ جب وہ کلامِ الٰہی کو سنتے تو ان کے آنسو بہ نکلتے اس کے برخلاف جس کے دل میں غصہ، عناد، تعصب اور نفاق ہوگا۔ اس پر معکوس اثر ہوگا جیسا کہ فرمایا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ۸۲) یہ چیز ظالموں کے لیے مزید نقصان کا باعث بنتی ہے اور منافقوں کے لیے نجاست کو بڑھاتی ہے۔ ہاں جس دل میں طہارت اور پاکیزگی ہوگی اس پر کتاب الٰہی کا ضرور مثبت اثر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جس دل میں خشیت ہوگی اور فساد نہیں ہوگا تو اس کی علامت یہ ہے اَلْاِنَابَةُ اِلَى

توجہ اس کا دھیان اور توجہ آخرت کی طرف لگی ہوئی ہوگی اور اس کا
زندگی کے کسی نہ کسی درجے میں اچاٹ ہوگا۔ ایسا شخص موت کے لیے ضرور
تیاری کرے گا۔ بعض اوقات کمزور دل لوگوں پہ خشیت یوں ہی طاری ہو جاتی ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ قیامت کا تصور کر کے آپ پر
تین دفعہ غشی طاری ہوئی۔ بعض لوگ جب خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کرتے
ہیں تو ان پہ دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

آثار میں آتا ہے کہ ایک موقع پہ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کا ذکر کر کے کوئی
نصیحت فرما رہے تھے کہ مجمع میں سے ایک شخص نے جوش میں آ کر اپنا گریبان
چاک کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پہ فوراً وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو بتلا دیں
کہ گریبان پھاڑ دینا کچھ معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ تو اسراف میں داخل ہے۔ گریبان کو
چاک کرنے کی بجائے اپنے دل کو چاک کرو تاکہ اس پر خشیت طاری ہو جائے۔
اگر جسم پہ کوئی اثر نہ بھی ظاہر ہو تو کوئی حرج نہیں اگرچہ بعض پر ظاہری اثر بھی ہو
جاتا ہے تاہم دل پہ اثر کے نتیجے میں آنسو یا گریہ کا طاری ہو جانا بھی کافی ہے۔

فرمایا اپنے پروردگار سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
پھر ان کی کھالیں یعنی جسم اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم یعنی مائل ہو
جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں اللہ
کی ناراضگی سے اس کی گرفت میں نہ آ جائیں۔ فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ
يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ کی ہدایت ہے اور وہ جسے چاہے
ہدایت سے نوازتا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ
اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔
گمراہی میں مبتلا ہونے کے بھی بعض اسباب ہوتے ہیں۔ یہ انسان کی ضد، عناد
تعصب اور استکبار کی خرابی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی پکڑ کی

نہیں ہوتی اور انسان گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ ایسے شخص کو پھر ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

آگے یک رویہ کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی وہ شخص جو قیامت والے دن اپنے چہرے کے ساتھ برے عذاب سے بچے گا۔ کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہو گا جو خدا تعالیٰ کے ان معزز اکرام میں ہوں گے۔ چہرے کے عذاب کا ذکر کیا ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے چہرے کو بچانے کے لیے ہاتھوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے مگر قیامت والے دن ہاتھ تو جکڑے ہوئے ہوں گے لہٰذا بڑا عذاب براہ راست اس کے چہرے پر پڑے گا جس سے وہ بچنے کی کوشش کرے گا۔ مطلب یہ کہ جس شخص پر عذاب نازل ہو جائے گا وہ اللہ کے پسندیدہ شخص کی طرح تو نہیں ہو سکتا جو ہر طرح سے عیش و آرام میں ہو گا۔ اور اللہ کی طرف سے اس کی عزت افزائی ہو گی۔ فرمایا وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ اس دن ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ آج اپنے کیے کا مزا چکھو۔ دنیا میں کی ہوئی کمائی تمہارے سامنے ہے۔ اب مزید پڑنے والے تھپڑوں کو برداشت کرو۔

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ نزول قرآن کے زمانے کے مکذبین سے پہلے بھی لوگ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلا چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آیا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ان کی ہلاکت ایسے طریقے اور ایسے ذریعے سے واقع ہوئی جس کے متعلق وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے، پھر کیا ہوا۔ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اللہ نے ان کو دنیا میں بھی رسوائی کا مزا چکھایا۔ کہیں شکست ہوئی، زلزلہ اور طوفان آیا یا شکلیں تبدیل کر دی گئیں وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

اور آخرت کا عذاب تو بہر حال بہت بڑا ہے جو دائمی ہے۔ دنیا میں تو بعض جرائم کی پوری سزا نہیں مل سکتی، البتہ جب قیامت برپا ہوگی تو دنیا میں کیے گئے ہر ذرے کا حساب ہو کر پوری پوری سزا ملے گی۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر ان کو کچھ بھی تو یقیناً یہ ایسا عقیدہ اور عمل اختیار نہ کرتے جو ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں مختلف عذاب کا باعث بنا۔ کاش یہ اس حقیقت کو جان لیتے تو آخرت میں چہرے پر پڑنے والے عذاب سے آج بچنے کی کوشش کرتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ
وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾
اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں
اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ یہ لوگ نصیحت
حاصل کریں ﴿۲۷﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے جس میں
کسی قسم کی کجی نہیں ہے، تاکہ یہ لوگ بچ جائیں ﴿۲۸﴾
اللہ نے بیان کی ہے مثال ایک شخص کی جس میں کئی
شریک ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ضد کرتے ہیں،
اور ایک شخص پورے کا پورا دوسرے شخص کے لیے
ہے کیا یہ مثال میں برابر ہیں۔ سب خوبیاں اللہ کے
لیے ہیں، مگر ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿۲۹﴾ بیشک
آپ بھی مرنے والے ہیں، اور بیشک یہ لوگ بھی

کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾ پھر تم قیامت والے دن اپنے پروردگار
کے پاس جھگڑا کرو گے ﴿۳۱﴾

ربطِ آیات — شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کے انجام اور ان کو ملنے والے انعام واکرام کا ذکر فرمایا۔ نیز مختصر طور پر مشرکوں اور کافروں کی سزا کو بیان فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کریں گے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ محض غفلت اور بیوقوفی کی بنا پر ایمان اور وحدانیت کا انکار کرتے ہیں۔ دوگرنہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم نازل فرما کر ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں مختلف قسم کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو یہ اُن کی اپنی حماقت ہے قرآن نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کو مثالوں کے ذریعے واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مقصد یہ ہے کہ لوگ حقیقت کو پالیں اور غور و فکر کر کے اپنے انجام کو بہتر بنالیں۔

اعجازِ قرآن — اب آج کے درس میں اللہ نے پہلے قرآن حکیم کی حقانیت اور اس کے اعجاز کا ذکر کیا ہے۔ پھر شرک اور توحید کی بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے اور آخر میں کفار و مشرکین کے ایک طعنہ کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور
البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے استفادہ کے لیے قرآن پاک میں ہر قسم کی مثالیں
بیان کی ہیں۔ ضَرَبَ کے مختلف معانی آتے ہیں جن میں مارنا، سفر کرنا اور بیان کرنا شامل ہیں۔ تاہم اس مقام پر بیان کرنا ہی موزوں معنی ہے۔ بعض اوقات کوئی مشکل بات عام تقریر کے ذریعے سمجھ میں نہیں آتی اور اگر اس کی کوئی مثال بیان کر دی جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ قرآن پاک پر ایک عمومی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی مثالیں بیان کی ہیں جن میں منافقین اور کفار کے طرزِ عمل کی مثالیں ہیں، کفار کے انفاق کی

مثال ہے۔ شرک کے بودا پن کی مثال ہے، توحید خداوندی کی مثال بیان کی گئی ہے، حق و باطل، دنیوی زندگی، علم سے بہرہ ور، مومن اور کافر، کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ وغیرہ کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ آج کے درس میں بھی ایک مالک اور متعدد مالکوں کے غلام کی مثال بیان کی گئی ہے۔ ان مثالوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے اعتقاد، ایمان اور توحید کو درست کریں، شرک اور کفر کی قباحت جان لیں اور پھر صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اپنی عاقبت کو سنوار لیں۔ مطلب یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اگر یہ لوگ ان مثال کی طرح میں آگئی تو اپنی حالت کو درست کر کے بچ جائیں گے، وگرنہ ابدی جہنم قرآن کے لیے تیار ہے۔

فرمایا جس قرآن میں ہم نے مثالیں بیان کی ہیں وہ قُرْآنًا عَرَبِيًّا عربی زبان میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس پیغمبر آخر الزمان پر یہ قرآن نازل ہوا اور جو قوم اس کی اولین مخاطب تھی وہ سب عرب تھے اور عربی زبان بولتے تھے۔ اس لیے اللہ نے اپنا آخری کلام بھی اسی زبان میں نازل فرمایا۔ سورۃ حٰمٓ سجدۃ میں ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (آیت ۴۴) اگر ہم اس قرآن کو عجمی (غیر عربی) زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ اعتراض کرتے کہ اسے ہماری زبان میں کھول کر کیوں نہیں بیان کیا گیا۔ لہٰذا اللہ نے اس کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔

اور پھر اس قرآن کی ایک صفت یہ ہے غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ اس میں کوئی کجی یا ٹیڑھا پن نہیں ہے بلکہ بالکل صاف صاف اور سیدھی سیدھی باتیں ہیں جو ہر فطرت سلیمہ اور عقل سلیم رکھنے والوں کو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اس قرآن میں نہ کوئی اختلاف ہے، نہ تعارض اور نہ کوئی خلاف واقعہ بات ہاں اگر کسی شخص کا اپنا دماغ ہی مختل ہو تو پھر اس کو ہر چیز ٹیڑھی ہی نظر آئے گی۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ سورۃ الکہف کی ابتدا

میں اللہ نے فرمایا ہے کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس کو ٹیڑھا نہیں بنایا بلکہ قَيِّمًا یعنی بالکل درست اور صحیح بنایا ہے جس کی ہر بات واقعے کے مطابق ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے پھر جس ماحول میں یہ قرآن نازل ہوا ہے، وہ لوگ اہل زبان تھے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر قرآن کا اعجاز محض عبارت کی موزونیت اور اس کی فصاحت و بلاغت کی بنا پر نہیں بلکہ یہ کتاب اپنے علوم و معارف، تعلیم نظام، قانون اور صحیح صحیح نقشہ کشی کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ قرآن نے دنیا بھر کے عربوں اور غیر عربوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ اگر تمہیں اس کی صداقت میں کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (یونس) مگر آج تک کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ فرمایا ہم نے اس قرآن کو ان تمام خوبیوں کے ساتھ اس لیے نازل فرمایا ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ لوگ بُرے انجام سے بچ جائیں، اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کریں اور اپنی فکر کو صحیح بنا لیں

**شرک اور توحید کی مثال**

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ ایک آدمی یعنی غلام لیا ہے جس کی ملکیت میں کئی مالک شریک ہیں۔ مُتَشَاكِسُونَ وہ آپس میں ضد بازی بھی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض جھگڑالو قسم کے مالکوں کا ایک مشترک غلام ہے۔ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ اور ایک غلام لیا ہے جو مکمل طور پر ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہے۔ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔ جس غلام کے کئی مالک ہیں اور وہ بھی ضدی اور جھگڑالو تو ظاہر ہے کہ ہر مالک غلام سے زیادہ سے زیادہ خدمت لینے کی کوشش کرے گا اور اس طرح وہ مختلف

مالکوں کی کھینچا تانی کا شکار ہو کر سخت مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو ایک ہی مالک کی خدمت پر مامور ہے اور وہ اسی ایک کی طرف پوری توجہ دے کر اُس کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ ایسا غلام پہلے غلام سے بہت آرام میں ہوگا اور اُسے کوئی پریشانی بھی لاحق نہیں ہوگی۔ اس مقام پر شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ ایک غلام جو کئی مالکوں کا ہوگا، اُس کو کوئی بھی اپنا نہیں سمجھے گا اور نہ ہی اُس کی پوری طرح خبر گیری کریگا۔ اس لیے وہ ہمیشہ تکلیف میں رہے گا اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو سارے کا سارا ایک ہی مالک کا ہے وہ شخص اُس کو اپنا سمجھتا ہے اور اس کی خبر گیری بھی پورے طریقے سے کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہی مثال ایک موحد اور مشرک کی ہے۔ ایک رب تعالیٰ کو ماننے والوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوگا۔ جب کہ کئی معبودوں کے پجاری ہمیشہ پریشان ہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے توحید کی سعادت اور شرک کی نحوست بیان فرمادی ہے۔ اسی وضاحت کے بعد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر طرح کی مثالیں بیان کر کے مدلل کر دیتا ہے۔ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ مگر افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے سمجھ ہے جو اس قدر واضح حقائق کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ شقی اور بدبخت ہی ہو سکتے ہیں جو اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہیں گے وگرنہ اللہ تعالیٰ نے تو بات کو سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

حوالہ نمبر ۲ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک کی تردید میں معبودانِ باطلہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو مشرکین سخت برہم ہوئے۔ کہنے لگے یہ شخص ہمارے دین سے آیا ہے جو پہلے عقیدے خراب کر رہا ہے اس نے ہمارے درمیان اختلاف پیدا کر دیے ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام کو تبلیغ حق اور بتوں کی قباحت بیان کرنے سے منع کرتے، مگر جب آپ اُن کی باتوں میں نہ آتے اور اپنے مشن کو جاری

کہتے تو وہ لوگ کہتے اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ (الطور - ۳۰) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کا نبی شاعر ہے، اور ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادثات کا انتظار کرتے ہیں۔ جونہی یہ شخص مرنے سے ٹھنڈا ہوگا اس کا سارا دھندا اور تبلیغ خود بخود ختم ہو جائے گی، پھر کسی سے جھگڑوں کو نپٹانے والا کوئی نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور کچھ عرصے کے لیے اس کی موت کا انتظار کرو۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ بے شک آپ بھی موت کا پیالہ پینے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں، مزا تو صبر کو ہے۔ یہ بدبخت آپ کی موت کا انتظار جب کریں جب ان کو مزا ہو۔ لہٰذا ان کی یہ بات لایعنی ہے۔ موت عام کے متعلق تو اللہ نے بارہا فرمایا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) موت کا مزا تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن، مخلص ہو یا منافق نیک ہو یا بد، کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ دوسرے مقام پر اللہ نے اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء - ۳۴) اگر آپ موت کی آغوش میں چلے جائیں گے تو کیا یہ ہمیشہ اس دنیا میں رہیں گے، نہیں، بلکہ ان کو بھی مرنا ہے، لہٰذا آپ کی موت کا انتظار ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

قیامت کے دن قیامت

فرمایا موت تو ہر ایک پر طاری ہونی ہے۔ ہر انفرادی موت کو قیامت صغریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ایک دن سب کی موت یعنی قیامت کبریٰ بھی واقع ہوگی۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ پھر اس دن تم اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے۔ اس خصومت کی تفصیل میں حدیث میں بہت سی باتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَهْلِهَا لوگوں کے حقوق ادا کرو۔ یہ حق قیامت والے دن خدا تعالیٰ کی عدالت میں دلائے جائیں گے۔ فرمایا اگر

دنیا میں کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو اذیت پہنچائی ہے تو قیامت کے دن اس مظلوم کا حق بھی دلوایا جائے گا۔ اُس دن ایک پڑوسی دوسرے کے خلاف اپنے حق کے لیے اللہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے گا اور کہے گا کہ پروردگار! اس شخص نے مجھے ستایا، کالی گالوچ دی اور میرا حق غصب کیا، جو مجھے دلایا جائے۔ بیوی اور خاوند بھی آپس میں جھگڑیں گے۔ بیوی اپنے خاوند کے ظلم و زیادتی کی شکایت کریگی اور خاوند اپنے حقوق کی عدم ادائیگی کی بات کریگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قاتل اور مقتول کا خاوند بھی بارگاہ الٰہیت کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ مقتول اپنے قاتل کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا۔ دربار خداوندی میں لائے گا۔ اُس کے جسم سے خون ٹپک رہا ہوگا اور وہ عرض پیش کرے گا، کہ مولا کریم! اس شخص نے ظلم و زیادتی کے ساتھ مجھے ناحق قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس جھگڑے کا فیصلہ بھی فرمائیں گے حضور کا یہ بھی فرمان ہے اَوَّلُ مَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ فِی الدِّمَآءِ یعنی قیامت والے دن سب سے پہلے قتلِ ناحق کے فیصلے ہوں گے۔

ایک موقعہ پہ حضرت زبیرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کیا دنیا میں پیش آنے والے جھگڑے قیامت کو پھر لپٹ کر آئیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہر چیز کے متعلق جھگڑے پیش ہوں گے۔ حضرت زبیرؓ نے کہا اِذًا لَشَدِیْدٌ پھر تو معاملہ بہت ہی دشوار ہوگا۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس مال و دولت اور روپیہ پیسہ نہ ہو۔ فرمایا قیامت والے دن مفلس آدمی وہ ہوگا جس کے تمام نیک اعمال ظلم و زیادتی اور ادائیگی حقوق کے سلسلے میں دوسروں کو تقسیم کر دیے جائیں گے۔ ظالم کی تمام نیکیاں ماسوائے ایمان ظلم کے بدلے میں مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اگر پھر بھی بدلہ پورا نہ ہوا تو پھر مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے۔ اور یہ شخص اس بوجھ کو لے کر جہنم میں داخل ہوگا۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ظالم حاکم کو بھی اللہ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا

رعایا شکایت کرے گی کہ اس نے ہمارے ساتھ فلاں فلاں زیادتی کی، ہمارے حقوق ادا نہیں کیے یا ہمارے مال و جان کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کی یا اس نے ظلم کو نہیں روکا۔ اس مقدمہ کے نتیجے میں ظالم حاکم مغلوب ہو جائے گا، اس سے کوئی جواب بن نہیں پڑے گا اور بالآخر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انسان کی روح اور جسم بھی آپس میں جھگڑیں گے۔ روح کہے گی کہ اے فلاں تو نے اس جسم کے ساتھ فلاں فلاں گناہ کیے لہٰذا سزا کا مستحق تو ہے۔ مگر جسم کہے گا کہ فلاں بات کا حکم تو نے ہی دیا تھا جس پر میں نے عمل کیا، لہٰذا سزا کا مستحق تو ہے۔ آپ نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی کہ ایک اندھا اور اپاہج ایک باغ کے قریب اکٹھے ہو گئے۔ وہ پھل چوری کرنا چاہتے تھے مگر اندھے کو نظر نہیں آتا ہے اور لنگڑا لولا چل کر نہیں جا سکتا۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اندھا آدمی معذور کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر باغ میں لے جائے اور اپاہج مگر بینا آدمی پھل توڑے گا تو فرمایا جس طرح یہ اندھا اور اپاہج دونوں مجرم ہیں، اسی طرح روح اور جسم دونوں کو مجرم ٹھہرا کر سزا دی جائے گی۔ الغرض! قیامت کے دن ہر شخص اپنا جھگڑا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کرے گا اور پھر سب کے قطعی فیصلے ہوں گے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ
بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ لَهُم مَّا
يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾
لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ
أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾
أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ
مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ
أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِن
سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ
مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ
مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾

ترجمہ :- پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا ، اور جھٹلایا سچی بات کو جب کہ اس کے پاس آگئی ۔ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا کفر کرنے والوں کا (۳۲) اور وہ شخص جو لایا ہے سچی بات اور تصدیق کی ہے اس کی ، یہی لوگ ہیں جو ڈرنے والے ہیں (۳۳) ان کے لیے ہوگا جو چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس ۔ یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا (۳۴) تاکہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ ان سے وہ بری بات جو انہوں نے کی ، اور بدلہ دے ان کو بہتر جو وہ کیا کرتے تھے (۳۵) کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا اپنے بندے کے لیے ، اور ڈراتے ہیں آپ کو ان سے جو اس کے سوا ہیں ۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے نہیں ہے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا (۳۶) اور جس کو اللہ راہ دکھا دے نہیں ہے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا

کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست اور انتقام لینے والا ﴿۳۷﴾
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے
آسمانوں اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ
کہہ دیں، بتلاؤ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ اگر اللہ تعالیٰ
ارادہ کرے میرے بارے میں کوئی تکلیف پہنچانے کا
تو کیا یہ ہٹا سکتے ہیں اس کی تکلیف کو۔ یا ارادہ کرے
اللہ تعالیٰ مجھے رحمت پہنچانے کا تو کیا یہ روک سکتے ہیں
اس کی رحمت کو۔ آپ کہہ دیجئے کافی ہے میرے لیے
اللہ۔ اسی پہ چاہئے کہ بھروسہ رکھیں بھروسہ رکھنے والے ﴿۳۸﴾
آپ کہہ دیجئے، اے میری قوم کے لوگو! عمل کرو اپنی
جگہ پہ، میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ پس عنقریب تم جان
لوگے ﴿۳۹﴾ کہ کس کے پاس آتا ہے عذاب جو اس کو رسوا
کرے، اور کس پہ اترتا ہے ہمیشہ ٹھہرنے والا عذاب ﴿۴۰﴾
بے شک ہم نے اتاری ہے آپ پہ کتاب لوگوں
کے لیے حق کے ساتھ۔ پس جس نے ہدایت پائی تو اپنے
نفس کے لیے اور جو گمراہ ہوا، پس بیشک وہ گمراہ ہوتا
ہے اسی پہ۔ اور نہیں ہیں آپ ان پہ کوئی کارساز ﴿۴۱﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ نے توحید اور شرک کی مثال بیان فرمائی کہ ایک غلام صرف ایک آقا کی ملکیت اور دوسرا کئی آقاؤں کا غلام ہے جو ہیں بھی ضدی اور جھگڑالو۔ تو ظاہر ہے کہ ایک آقا والا غلام سکون و اطمینان میں ہوگا جب کہ کئی آقاؤں کا غلام سخت مشکل میں ہوگا کیونکہ اسے کئی مالکوں کے احکام کی تعمیل کرنا ہوگی۔ اسی طرح موحد آدمی جو صرف ایک وحدہ لاشریک کو پکارتا ہے وہ اطمینان میں ہوگا اور کئی معبودوں کا پجاری شرک کی مشکل میں پھنس جائے گا

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت والے دن تم سب اکٹھے ہو گے اور آپس میں جھگڑا کرو گے۔ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ کی گئی کمی بیشی وہاں دہرائی جائے گی اور ہر ایک کو اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

سب سے بڑا ظالم

آج کی ابتدائی آیات میں بھی کفار و مشرکین کا رد ہو رہا ہے۔ وہ لوگ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہتے تھے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ نے آپ پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اور جس نے سچی بات کو جھٹلا دیا جب کہ وہ اس کے پاس آگئی۔ اللہ پر جھوٹ یہ باندھا کہ اس نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ نیز حضور نبی آخر الزمان علیہ السلام اور اللہ کے آخری کلام قرآن کی تکذیب کی جب کہ دونوں چیزیں ان کے پاس آگئیں۔ یہ دونوں کچی باتیں ہیں مگر ان کو جھٹلا کر سب سے بڑے ظالموں میں شمار ہو گئے شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ العیاذ باللہ اگر نبی نے اللہ کا نام جھوٹ موٹ لیا ہے تو اس سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ سچا ہے، اور یقیناً سچا ہے مگر کافر منکرین نے اس کو جھٹلایا ہے تو پھر ان سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا نبی کبھی غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف اس کو جھٹلانے والے خود جھوٹے اور ظالم ہیں۔ فرمایا یاد رکھو! اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ کیا یہ بات قطعی اور اٹل نہیں ہے کہ کفر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کو استفہام میں ادا میں بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ لازماً جہنم رسید ہوں گے۔ کوئی ظالم آدمی خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

سچائی کی قدر دان

جھوٹ کے برخلاف آگے سچائی کا ذکر ہو رہا ہے وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اور جو شخص سچی بات لایا اور اس کی تصدیق کی بعض فرماتے ہیں کہ سچی بات لانے اور اس کی تصدیق والا ایک ہی گروہ ہے

اور وہ انبیاء کرام ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں سچی بات لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے مختلف گروہ ہیں اور دونوں کی اللہ نے تعریف بیان کی ہے شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذات جو سچی بات لے کر آئی ہے، وہ اللہ کا نبی ہے اور جنہوں نے اس سچی بات کی تصدیق کی ہے۔ وہ مومن ہیں۔ گویا دونوں جملوں کے مصداق الگ الگ ہیں۔ اللہ کے نبی کے اولین مصداق بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، غلاموں میں حضرت زیدؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ ہیں۔ تو فرمایا کہ جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ وہ سب متقی ہیں یعنی خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ متقی کی تفسیر میں فرماتے ہیں اِتَّقُوا الشِّرْكَ سب سے پہلے شرک سے بچو، پھر کبیرہ گناہوں سے اور پھر درجہ بدرجہ صغائر سے۔ جس شخص کا عقیدہ گمراہ کن ہوگا، وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال فرمایا کہ جو سچی بات لائے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ یہ نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوگا لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے سرزد ہونے والی بُری بات کو معاف کرے وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اعمال کا ان کو بہتر بدلہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لیے بشارت بھی دی۔

خدا کا خوف

مشرک لوگ نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو کہتے تھے کہ تمہارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہو، اس سے باز آجاؤ، ورنہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اس طرح گویا وہ اہل ایمان کو اپنے معبودانِ باطل سے خوفزدہ کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں، یعنی وہ اس کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔ فرمایا وہ یقیناً اپنے بندے کے

لیے کافی ہے۔ وہ ضرور اس کی مدد کرے گا اور ہر شر سے محفوظ رکھے گا۔ حالانکہ
وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ یہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو
اللہ کے سوا دوسرے ہیں اور جن کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا
سکیں۔ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے وَمَنْ يُضْلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی ضد، عناد اور
سوء استعداد کی بنا پر گمراہ کرے۔ اس کو کوئی راہ راست دکھانے والا نہیں
ہے۔ اس کے برخلاف وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ
اور جس کو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی ہدایت دے دے۔ اس کو گمراہ کوئی نہیں کر سکتا
فرمایا اَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ کیا اللہ تعالیٰ کامل قدرت کا مالک
غالب اور انتقام لینے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ضرور ہے۔ وہ
مکذبین کو انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ انہیں ان کی کارگزاری کی ضرور
سزا دے گا۔

صحیح راہ باطل سے ڈرانے کا سلسلہ پہلی اقوام میں بھی موجود تھا۔ حضرت
ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے کہا تھا اِنْ نَقُولُ اِلَّا اعْتَرَاكَ
بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (ہود۔ ۵۴) میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی
اس بات کے گواہ رہو کہ میں تمہارے تمام شرکیہ باتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا
ہوں۔ تم جو تدبیر کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ میرا بھروسہ
اللہ کی ذات پر ہے جو میرا پروردگار ہے۔ اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ زمین پر
چلنے پھرنے والے تمام جانداروں کی پیشانی میرے پروردگار کے ہاتھ میں ہے
مطلب یہ ہے کہ مجھے ڈرانے کی بجائے ڈرنا تو تمہیں چاہیے تھا۔ میں مالک الملک
ہے جو بااختیار اور قدرت تامہ کا مالک ہے۔ تم اس کو چھوڑ کر مخلوق کی پوجا
کرتے ہو جو بے اختیار ہے۔ تو یہاں پر حضور علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا کہ
یہ لوگ آپ کو ماسوا اللہ سے ڈراتے ہیں۔ فرمایا کیا آپ کے لیے اللہ کافی نہیں

ہے۔ جو ان سے نہیں لے گا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض عقلی دلائل کے ذریعے اپنی توحید کا بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، تو یقینی بات ہے لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ کہ یہی کہیں گے کہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ ہے تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو۔ اگر اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں تو پھر وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر آگے ایک دوسرے طریقے سے یہی بات کہی ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں۔ اَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ بھلا دیکھو تو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے کس کام آسکتے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا ان میں سے کوئی اس تکلیف کو دور کر سکتا ہے؟ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی کوئی مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ معبودان باطل اس رحمت کو روک سکنے پر قادر ہیں؟ ظاہر ہے ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے کہ کوئی اللہ کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے اور نہ اس کی رحمت کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر ان کی عبادت کیوں؟ ان کی نذر و نیاز کیسی اور تکلیف کے وقت ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور وہی کسی تکلیف کو رفع کر سکتا ہے، ہر چیز کا مالک، مختار اور کارساز وہی ہے لہٰذا اس کے سوا کسی کو پکارنا محض جہالت اور ارتکاب شرک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو یہ نصیحت کی تھی اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اللّٰهُ تم دل میں اللہ کا خیال کرو، اللہ

تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو تجدہ تجھ کو تم اپنے سامنے پاؤ گے۔ فرمایا تعرف الی اللہ فی الرخاء یعرفک فی الشدۃ تم اللہ کو خوشحالی کی حالت میں پہچانو۔ وہ تمہیں تنگی کے وقت پہچانے گا۔ اگر تم نے آسودگی میں اس کو یاد نہیں رکھا تو وہ تنگدستی میں تمہاری طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ پھر فرمایا اذا سالت فاسئل اللہ جب بھی سوال کرو اللہ سے کرو اور جب بھی مدد طلب کرو تو اللہ سے، اور یقین جان لو کہ اگر ساری مخلوق بھی اکٹھی ہو جائے تو اللہ کی طرف سے تمہارے لیے مقرر کردہ چیز تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور جو چیز اللہ نے تمہارے مقدر میں نہیں کی، یہ سارے مل کر بھی تجھے کوئی نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ فرمایا صحیفے خشک ہو چکے قلمیں اٹھا لی گئیں، یقین اور شکر کے ساتھ نیک اعمال انجام دیتے رہو، تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں۔ رنج و غم کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے، اور ہر سختی اپنے اندر آسانی کو لیے ہوئے ہے۔

توکل علی اللہ

ارشاد ہوا ہے قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ آپ کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہر مشکل وقت میں وہی میری مدد کرے گا عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ بھروسہ کرنے والے صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی فرمایا مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ جو شخص لوگوں میں طاقتور بننے کا خواہشمند ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے کیونکہ قوت کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ اور جو شخص غنی ہونا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ اللہ کی مقبوضہ چیز پر اعتماد کرے اور اپنی مقبوضہ چیز پر اعتماد نہ کرے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ اسے لوگوں میں عزت حاصل ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ بہرحال فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

جزاء عمل کا انتظار

پھر آگے جزائے عمل کے متعلق ارشاد ہوا ہے قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اِنِّيْ عَامِلٌ میں اپنے مقام پر کام کرتا ہوں۔ پھر اپنے اور میرے اعمال کے متعلق سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تم عنقریب ہی جان لوگے کہ کس کا عمل درست تھا اور کس کا غلط تھا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں تمہیں اس بات کا بھی علم ہو جائے گا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ کہ رسوا کرنے والا عذاب کس کے پاس آتا ہے وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اور ہمیشہ رہنے والا عذاب کس کے حصے میں آتا ہے مطلب یہ کہ تمہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا، صرف مرنے کی دیر ہے معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ کی گرفت میں کون آتا ہے۔ تم اس آنے والے وقت کا انتظار کرو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے بنیادی مضامین میں قرآن کریم کی حقانیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ بے شک ہم نے یہ کتاب لوگوں کے لیے آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اس میں لوگوں کے لیے ہدایت اور فائدہ ہے۔ اللہ نے یہ کتاب نبی اور اس کی قوم کی زبان میں نازل فرمائی ہے کہ وہ لوگ اس کے پروگرام کو بخوبی سمجھ سکیں، نیکی اور بدی میں امتیاز پیدا کریں صحیح اور غلط کو پہچانیں، اور اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا فائدہ اسی صورت میں ہوگا۔ جب کہ اس کے پروگرام پر عمل کیا جائے گا، محض تلاوت ہی مفید نہیں ہوگی، بلکہ اپنی فکر و عمل کو بھی اس کے مطابق بنانا ہوگا۔

ہدایت کی راہ

اب رہی یہ بات کہ اس پروگرام کو اپنانے کا فائدہ کس کو ہوگا۔ ارشاد فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ جس نے اس کتاب کے راستے

ہدایت پالی اور وہ راہِ راست پر چل نکلا تو یہ اس کے اپنے ہی فائدے کے لیے ہے اُس کو حق نصیب ہوگی، اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور وہ آخرت میں سزا سے بچ جائے گا اس کے برخلاف وَمَنْ ضَلَّ جو شخص گمراہ ہو گیا، سچی راہ سے بھٹک گیا اس نے توحید کی بجائے شرک و کفر اور نیکی کی بجائے بدی کو اختیار کیا فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا تو اس گمراہی کا نقصان بھی خود اسی کی ذات کو ہوگا۔ اور آلاخر وہی جہنم کا ایندھن بنے گا۔ کسی کے بے راہ ہونے سے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اُس کی شان میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بگاڑ اس کا نقصان خود گمراہ شخص کا اپنا ہی ہوگا لہٰذا سب کو یہ راستہ اختیار کرتے وقت اس کے انجام کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

باقی رہا یہ سوال کہ لوگوں کی گمراہی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ آپ ان پر کوئی ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کو ضرور ہی جنت میں پہنچائیں۔ آپ کا کام تو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے جَآءَ الرَّسُوْلُ اِلَّا الْبَلٰغُ (المائدہ - ۹۹) آگے مانیا نہ ماننا ان کا کام ہے اور یہی بات مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرہ - ۱۱۹) تو اس کے متعلق آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، بلکہ خود ان سے سوال ہوگا کہ تم جہنم میں کیوں آئے۔ یہ خود جواب دیں گے کہ ہم نے توحید کا انکار کیا، نماز نہ پڑھی حقوق ادا نہ کیے، قیامت کو جھٹلایا، غرضیکہ اپنے جرائم کا خود اقرار کریں گے آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہیں ہوگی ہاں اگر آپ نے لوگوں تک پیغام نہ پہنچایا وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ - ۶۷) تو اگر یا آپ نے تبلیغ کا حق ہی ادا نہ کیا، آپ مکمل دین لوگوں تک نہ پہنچا دیں۔ اور صحیح کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، چنانچہ حضور علیہ السلام نے حق رسالت

ہو لیا اور آگیا اور وہ کہ جنت سے قریب اور دوزخ سے بعید کرنے والی
کوئی ایسی چیز نہیں جو میں نے تمہیں نہ بتلائی ہو۔ اب نہ ٹلنے والے خود فرما
ہوں گے، آپ اُن کے دلیل نہیں ہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ
لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا
لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ
الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْۗءِ الْعَذَابِ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾
فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
نِعْمَةً مِّنَّا ۭ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي
عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ
وَمَا هٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ
وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۶

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کھینچتا ہے جانوں کو ان کی موت
کے وقت، اور وہ جان جو نہیں مرتی نیند میں، پھر
روک دیتا ہے اس کو جس پر اس نے موت کا
فیصلہ کیا ہے، اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو
ایک مقررہ وقت تک۔ بیشک البتہ اس میں
نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے
ہیں ﴿۴۲﴾ کیا بنا لیا ہے انہوں نے اللہ کے سوا

دوسروں نے مخاطبوں آپ نے دیکھے رسولے پیغمبر آپ سے
پہلے جو کسی پیغمبر نے اور نہ وہ عقل رکھتے تھے (۴۳)
آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے سارے
مخلوقوں والی کے بیٹے ہوئے ہیں آسمانوں اور زمین کی
پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۴۴) اور جب وقت آتا
ایا جاتا ہے اللہ وحدہ لاشریک کا تو بگڑ جاتے ہیں دل
ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر اور جب
ذکر کیے جاتے ہیں وہ لوگ تو اس کے سوا ہی اور ہیں
وہ خوش ہو جاتے ہیں (۴۵) آپ کہہ دیجئے اے اللہ
جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کو جاننے والا
ہے پوشیدہ اور کھلی باتوں کا تو ہی فیصلہ کرے گا
اپنے بندوں کے درمیان اس چیز میں جس میں وہ اختلاف
کرتے تھے (۴۶) اور اگر ہو یقیناً ان لوگوں کے لیے
جنہوں نے ظلم کیا جو کچھ ہے زمین میں سارے کا سارا
اور اس جیسا مزید بھی اس کے ساتھ، البتہ وہ فدیہ دیں اس
کے ساتھ بُرے عذاب سے قیامت کے دن اور ظاہر ہو گا
قبول نہ کیا جائے گا اور ظاہر ہو گا ان کے لیے اللہ
کی طرف سے جس کا وہ خیال نہیں رکھتے تھے (۴۷) اور ظاہر
ہوں گی ان کے لیے وہ برائیاں جو انہوں نے کمائیں اور گھیر
لے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے
تھے (۴۸) پھر جب پہنچے انسان کو کوئی تکلیف تو پکارتا ہے ہمیں
پھر جب عطا کرتے ہیں ہم اس کو نعمت اپنی طرف سے تو کہتا ہے
کہ بلاشبہ یہ دی ہوئی ہے مجھے اللہ کی بنا پر نہیں بلکہ

آزمائش ہے۔ اور انہیں ہمارے پاس لوٹ کر نہیں جانا ہے (۴۹) کیا
یہ ہے بات ان لوگوں نے جو انہوں نے کمائے تھے
میں ہیں سے کوئی ان کو وہ چیز جو وہ کماتے تھے (۵۰)
اور جنہوں نے ان کے پاس وہ برائیاں جو انہوں نے کمائی تھیں،
اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے عنقریب
پہنچیں گی ان کو وہ برائیاں جو انہوں نے کمائی ہیں، اور
نہیں ہیں یہ عاجز کرنے والے (۵۱) کیا نہیں جانتے
لوگ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے روزی جس کی
چاہے اور تنگ کر دیتا ہے۔ بیشک اس میں نشانیاں
ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۵۲)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی تردید فرمائی، کچھ دلائل توحید بیان کیے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام پر طعن کرنے والوں کا تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ پھر اس کے تصرف فرمانے کا ذکر کیا کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے روزی بڑھا دے اور جس کی چاہے تنگ کر دے۔ بعض لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اور کفر کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کو سمجھتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں۔ اب آگے پھر اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول کر لے اور جس کی چاہے نہ کرے۔ اس کا اختیار ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت کو نہیں مانتے تو آپ کیوں غم کھائیں۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ یہ لوگ اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہوں گے۔

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو بڑی کمزوریوں کا ذکر فرمایا ہے

انسان کی دو بڑی کمزوریاں

کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور اس ضمن میں اپنے مکمل اختیار کا ذکر کیا ہے
ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا اللہ تعالیٰ
کی ذات وہ ہے جو وفات دیتے ہے جانوں کو اُن کی موت کے وقت یعنی اللہ تعالیٰ
کے فرشتے اُس کے حکم سے مقررہ وقت پر کسی انسان کی جان کھینچ لیتے ہیں۔ سورۃ انعام
میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا
(آیت - ۶۱) تو بھیجے ہوئے فرشتے اُس کی جان قبض کر لیتے ہیں۔ یہ تو عام
طبعی موت کا حال ہے کہ انسان بیماری کی حالت میں اپنے عزیز و اقارب کے
سامنے جان دے دیتا ہے۔ موت کی ایک دوسری صورت بھی ہے۔ وَالَّتِيْ لَمْ
تَمُتْ جس کو بیماری کی حالت میں عام موت نہیں آتی فِيْ مَنَامِهَا وہ بھی
نیند کے دوران موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ
قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ جس کے لیے اللہ تعالیٰ موت کا فیصلہ کر لیتا ہے
اُس کی روح کو نیند کی حالت میں روک لیتا ہے یعنی نیند کے دوران ہی اُس کی
موت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے معلم قاری عبدالحکیمؒ جو
لاہور میں مقیم تھے، اُن کی موت نیند کی حالت میں ہی واقع ہو گئی تھی۔ خود ہمارے
شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دوپہر کے وقت قیلولہ کی حالت
میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اسی طرح کے کئی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔
اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ
وَاَحْيٰى اے اللہ! میں تیرے نام پر ہی مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔ اسی طرح
آپ نے بیداری کے وقت کی دعا بھی سکھلائی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
اَحْيَانِيْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِيْ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے موت
طاری کرنے کے بعد پھر زندگی بخشی۔

بہرحال فرمایا کہ جس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس
کو نیند کی حالت میں ہی روک لیتا ہے وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى

---

ف بخاری ص۱۳۲ ج۲، مسند احمد ص۱۲۵ ج۵، بخاری ص۹۲۴ ج۲

اور دوسری جانوں کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو اللہ کے فرشتے اُن کو وفات دیتے ہیں۔

روح اور جسم کا تعلق

فیذا نامت الموت یعنی موت کی بہن کہلاتی ہے۔ جب انسان پر نیند طاری ہوتی ہے تو اُس سے روح کھینچ لی جاتی ہے البتہ اُس کی سانس اور نبض جاری رہتی ہے۔ اس ضمن میں دو قسم کی توجیہات پائی جاتی ہیں۔ امام بغویؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نیند کے دوران انسان کی جان اُس کے جسم سے کھینچ لی جاتی ہے مگر اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی قائم رکھا جاتا ہے۔ اس کی مثال سورج کا زمین کے ساتھ تعلق ہے کہ لاکھوں کروڑوں میل دُور ہونے کے باوجود سورج کی شعاعیں اس کی روشنی اور حرارت زمین تک پہنچاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح روح کا تعلق بھی جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اگرچہ نیند کے وقت اُسے جسم سے نکال لیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور بعض دیگر مفسرین اور محققین فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح حیوانی ہے، جو شکم مادر میں انسانی تخلیق کے روز اوّل سے انسانی جسم کے ساتھ منسلک رہتی ہے دوسری روح الٰہی یا روح آسمانی ہے جو حمل کے چوتھے ماہ میں انسانی جسم میں داخل کی جاتی ہے۔ روح حیوانی زندگی بھر جسم میں موجود رہتی ہے۔ یہ ایک لطیف قسم کا دھواں یا بخار ہوتا ہے جو موت کے وقت انسانی جسم سے نکل جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح اُس کے جسم سے پرواز کر گئی ہے۔ البتہ روح الٰہی نیند کی حالت میں جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اُس کی ملاقات دوسری زندہ اور مردہ روحوں کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے۔ اور خواب میں انسان کی ملاقات اور خبر کے سچے نکلنے یا سرجا نے والے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی ہو جاتی ہے۔ الغرض اس نظریہ کے مطابق یہ حیوانی اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَاِنْ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۔ (آل عمران ع ۴)

[illegible]

سفارش کا غلط عقیدہ

ارشاد ہوتا ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ۔ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے ۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض ہم سے ہمارے معبودان باطل ضرور ہی ہماری سفارش کریں گے جس کو غضب الٰہی سے بچا لیں گے ۔ سفارش کا یہی عقیدہ باطل ہے ۔ عدالتوں میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں علیہ السلام نے تو دعویٰ یہ لکھا کر دیا ہے [illegible]

سفارش قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا انہوں نے اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ اور نہ ہی سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے سفارش بعض تو بے جان اشیاء ہیں جیسے بت وغیرہ جنہیں کسی قسم کا شعور ہی نہیں۔ بلکہ وہ کیا سفارش کریں گے؟ اور بعض انسان، فرشتے یا جنات ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں۔ سفارش تو وہاں ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ فرمائے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ ۲۵۵) اس کی اجازت سے بھی کون سفارش کر سکتا ہے؟ ہاں! جب اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے حق میں فرشتے، نبی اور دوسرے نیک لوگ سفارش کرنے کی اجازت دے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ہی ہوگا کہ وہ کسی کی سفارش قبول کرے یا نہیں۔ آخر مشرکوں کا اپنے جھوٹے اور قہری سفارشی سے کیا تعلق ہے۔

فرمایا قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ سفارش کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت والے دن ساری مخلوق اللہ کی عدالت میں پیش ہوگی، پھر حساب کتاب ہوگا اور ہر ایک کو اعمال کا بدلہ ملے گا اور ہر ایک اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا جب تک اللہ کی رضا نہ ہو کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا اور سفارش اس کے حق میں ہوگی جس کا ایمان اور عقیدہ صحیح ہوگا۔ وہاں جھوٹی سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی ایک اور کمزوری بیان فرمائی ہے۔ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جب ان کے سامنے اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل بجھتے ہیں اور آخرت پر ایمان

نہیں سکتے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہی سننا گوارا نہیں کرتے۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ اور جس وقت اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ مشرک کی یہ بہت بڑی علامت ہے۔ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال، اس کی ثنا و شوکت اور اس کی ذات و صفات کا بیان تو پسند نہیں آتا۔ مگر جب دیوی دیوتاؤں کا ذکر ہو، شجر و حجر کی بات ہو، گنبد و مینار کا ذکر کیا جائے، اولیاء اللہ کے ساتھ خود ساختہ کرامات منسوب کی جائیں تو یہ لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اور نعرے مارتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جائے تو قریب ہے کہ مشرک لوگ ذکر کرنے والوں پر حملہ کر دیں۔

مشرکین کا یہ حال آجکل کے اہل بدعات و مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ خدا کی قدرت، عظمت، علم اور لامحدود وسعت کا ذکر ہو تو ان کے چہروں پر انقباض ہونے لگتا ہے اور ان کے دل سکڑنے لگتے ہیں مگر جب کسی پیر فقیر کی جھوٹی کرامات بیان کی جائیں تو دل میں خوشی کے جذبات اور چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ آج کل مشرک نواز لوگ دنیا میں کثرت سے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ کے ساتھ جھوٹی سچی باتیں منسوب نہیں کرتا اور ان کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملاتا وہ اولیاء اللہ کا منکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود اولیائے کرام اور بزرگان دین اپنی مجالس میں اللہ کی عظمت اور مواعظ ہی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی عظمت و جلال کی تلقین کرتے ہیں مگر آج ان کے نام لیوا انہی کی بات کو سننا کب پسند کرتے ہیں اس سے زیادہ بے انصافی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

**اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ**

ارشاد ہوتا ہے قُلِ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اے اللہ! پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا عٰلِمَ الْغَيْبِ جو پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ پوشیدہ چیزوں سے مراد وہ اشیاء ہیں جو

تفرق کے اعتبار سے مختلف ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار سے زمین و آسمان میں ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ تو فرمایا جو جاننے والا ہے چھپی ہوئی اشیا کو وَالشَّهَادَةِ اور ان چیزوں کو بھی جو مخلوق کے سامنے کھلی ہیں۔ یعنی تو ظاہر اور مخفی ہر چیز سے واقف ہے۔ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ آج تو مشرک اپنے شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اہل توحید کو گستاخ اور بے ادب کہتے ہیں، مگر جب قیامت کا دن آئے گا تو اے اللہ! تمام مختلف فیہ باتوں میں تیرا فیصلہ ہی حتمی فیصلہ ہوگا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے اللہ! تو ہی آسمان و زمین کا خالق ہے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ مختلف فیہ چیزوں میں میری حق کے ساتھ راہنمائی فرما کیونکہ راہ راست کی طرف تو ہی راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔

آخرت میں جان کا فدیہ

آگے اللہ نے معاصی اعمال کا ذکر اس انداز میں کیا ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ جب قیامت والے دن ظالم لوگ پکڑے جائیں گے، پھر اگر ان کے پاس

زمین کی جلد پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس سے وہ کسی بھی اور وہ جان بخشی کے لیے
سب کچھ فدیہ کے طور پر دینا چاہیں گے لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ
یوم القیامۃ ہو تو وہ اس کے بدلے عذاب سے چھٹکارے کے
لیے بھی کفایت نہیں کرے گا وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ
یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ
چیز ظاہر ہو جائے گی جس کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ یعنی ایسی گرفت آئے گی
جس کے متعلق انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ
مَا كَسَبُوْا اور ان کی وہ برائیاں بھی ظاہر ہو جائیں گی جو وہ کما کر لائے
تھے اپنے لرتوت نظر آئیں گے اور ان کا مجسم بھی ان کی نظروں میں گھوم
جائے گا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ اور
جن چیزوں کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ وہ سب ان کو گھیر لیں گی
دنیا میں وہ کہہ لیا کرتے تھے۔ خدا کے کلام اور وحی، وقوع قیامت
اور جزائے عمل کا مذاق اڑایا کرتے تھے ان کا کہا کرتے تھے کہ یہ سب خود ساختہ
باتیں ہیں۔ اللہ نے نہ کوئی نبی بھیجا ہے اور نہ کتاب، نہ کوئی قیامت ہے نہ
حساب کتاب اور نہ جزائے عمل، فرمایا اپنی باتوں کے انکار کی وجہ سے اللہ کا قہر
انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا

انسان کی ناشکر گزاری

فرمایا عام طور پر انسان اس قدر ناشکر گزار ہے فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ
ضُرٌّ دَعَانَا کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر ہمیں پکارتا ہے جب
کوئی مصیبت پڑتی ہے تو نہایت عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک
کو پکارتا ہے اور مصیبت ٹلنے کے بعد اس کے سامنے اپنے
پھیلا لیتا ہے جب ہر قسم کے ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو انسان اللہ ہی
کی طرف رجوع کرتا ہے ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا
پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کر دیتے ہیں تکلیف دور ہو جاتی ہے

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصص - ۷۸) یہ نعمت مجھے میرے علم، لیاقت اور استعداد کی بنا پر حاصل ہوئی ہے۔ میں کوالیفائیڈ ہوں، میں نے اس طرح منصوبہ بندی کی، فلاں تجارت میں مال لگایا، فلاں کارخانہ کھولا تو مجھے یہ سب کچھ حاصل ہو گیا۔ یہی خدا تعالیٰ کی ناشکری کی علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی راہنمائی نہ فرماتا تو وہ خیبت سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا تھا اور نہ اسے نعمت حاصل ہو سکتی تھی۔ قارون نے بھی یہی کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (القصص - ۷۸) یہ مال و دولت تو مجھے میرے علم و ہنر اور استعداد و قابلیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ بڑے بڑے متکبر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنی قابلیت پر محمول کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ۔ یہ تو آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگدستی کے ذریعے بھی آزماتا ہے اور خوشحالی کے ذریعے بھی۔ جو اس آزمائش پر پورا اترے انعامات الٰہیہ کو اللہ کی طرف منسوب کرے اس کا شکر ادا کرے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو اپنے اپنی استعداد کا مرہون منت سمجھے وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ تو آزمائش ہوتی ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ بے سمجھی میں جو خدائی نعمت کی قدردانی نہیں کرتے۔ فرمایا قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یہ بات ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی بات کی، وہ بھی اپنے مال و دولت پر اترانے لگے۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اسے اپنی محنت کا نتیجہ قرار دیا۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ مگر ان کی کمائی کسی کام نہ آئی۔ اس مال و دولت نے انہیں بچانے کی بجائے مزید سزا میں مبتلا کر دیا پھر فرمایا فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا پھر جو برائیاں ان کو دنیا میں پہنچیں اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے دنیا میں رہ کر کمائی تھیں۔ بالآخر ان کو اپنے گناہوں کی سزا مل کر رہی یہ سابقہ لوگوں کی بات تھی وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ اور اس

دور کے لوگوں میں سے بھی جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ان کو بھی ان کی اکتساب شدہ برائیاں ضرور پہنچیں گی انہیں بھی اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ اور وہ خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے یعنی نہ تو اُس کو تھکا سکیں گے اور نہ اُس کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا سکیں گے۔ جس طرح پہلے لوگوں کو سزا ملی۔ اسی طرح ان کو بھی ملا کرے گی۔

آخر میں پھر خدا تعالیٰ کے تصرف کا ذکر کیا گیا ہے کہ مال و دولت یا روزی کسی انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت انسان کی مصلحت کی خاطر کرتا ہے۔ اس میں انسان کی ذاتی کاوش و محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ فرمایا اَوَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ اللہ ہی روزی کشادہ کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کی چاہے روزی کا مدار نہ تو علم اور کم علمی پر ہے اور نہ عقل اور بے عقلی پر۔ اس میں انسان کی ذاتی استعداد و ذہانت کو کچھ دخل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے کم علم اور بے وقوف لاکھوں میں کھیلتے ہیں مگر بڑے بڑے صاحب علم، فلاسفر اور دانشور عسرت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ رزق کی تقسیم خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس کی مصلحت کو جانتا ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ اس میں البتہ نشانیاں اور دلائل ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے والے ان نشانات قدرت سے مستفید ہوتے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہوتا ہے مگر کفار و مشرکین ان دلائل سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے اور ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا
تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا
اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً
وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ۠ وَ
اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ
تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً
فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ
اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ
كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ

فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾
ع ۶ ۳

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر! میری طرف سے کہ
اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر
نہ مایوس ہوں اللہ کی رحمت سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخش
دیتا ہے سب گناہ۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا
اور نہایت مہربان ہے (۵۳) اور رجوع کرو اپنے پروردگار
کی طرف اور فرمانبرداری کرو اس کی، قبل اس کے کہ آئے
تمہارے پاس عذاب۔ پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائیگی (۵۴)
اور پیروی کرو بہتر بات کی جو اتاری گئی ہے تمہاری
طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے قبل اس کے کہ
آئے تمہارے پاس عذاب اچانک اور تم کو خبر بھی نہ
ہو (۵۵) اور یہ اس لیے (کہ) کہے کوئی نفس (اے افسوس
اس چیز پر جو میں نے کوتاہی کی ہے اللہ کے حق کے
اور بیشک تھا میں البتہ ٹھٹھا کرنے والوں میں (۵۶)
یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں یقیناً متقیوں
میں سے ہوتا (۵۷) یا کہے جب کہ عذاب کو دیکھے گا

کاش! میرے لیے دوبارہ پلٹ کر جانا ہوتا، پس ہوتا
میں یقین کرنے والوں میں ﴿۵۸﴾ کیوں نہیں، تحقیق آچکی ہیں
تیرے پاس میری نشانیاں، پس تو نے جھٹلایا ہے اُن
کو اور تکبر کیا تو نے، اور تھا تو کفر کرنے والوں میں
سے ﴿۵۹﴾ اور قیامت والے دن دیکھے گا تو اُن لوگوں
کو جنہوں نے جھوٹ باندھا ہے اللہ پر اُن کے چہرے
سیاہ ہوں گے۔ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا تکبر کرنے
والوں کا؟ ﴿۶۰﴾ اور بچا لے گا اللہ تعالیٰ اُن لوگوں
کو جو ڈرتے تھے اُن کی کامیابی کی جگہ میں۔ نہ پہنچے گی
اُن کو برائی، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۶۱﴾ اللہ ہی خالق
ہے ہر چیز کا، اور وہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے ﴿۶۲﴾ اُسی
کے پاس ہیں چابیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اور وہ لوگ
جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، یہی لوگ
ہیں نقصان اٹھانے والے ﴿۶۳﴾

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کی تردید فرمائی اور پھر عام انسانوں کی ناشکری کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے، آرام و راحت اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اپنے عقل، سمجھ، ہنر اور تدبیر کا کمال سمجھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو محض اسی کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے مجرموں کی سزا کا ذکر فرمایا اور اپنی قدرت اور تصرف کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور تنگی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے تحت ہوتی ہے۔ نیز فرمایا کہ مذکورہ تمام باتوں میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لیے واضح نشانیاں موجود ہیں۔

منفرت عام کا اعلان

اسلام کے ابتدائی دور میں جب لوگ کفر اور شرک کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے، تو بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ہم ایمان لا کر اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیں اور نیک اعمال بھی شروع کر دیں تو ہمارے سابقہ گناہوں کا کیا بنے گا۔ جو ہم دور جاہلیت میں انجام دیتے رہے۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی سابقہ گناہوں کی سزا بھگتنا ہے تو اسلام لانے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی سوال کیا کہ کیا ہمارے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جن کا ارتکاب ہم نے کفر و شرک کی حالت میں کیا؟

اس سوال کا جواب پہلے سورۃ الفرقان میں ہی گزر چکا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے سابقہ گناہوں سے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور اچھے اعمال انجام دینے لگے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (آیت ۷۰) پہلے لوگوں کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عفو عام کا ذکر دوسرے انداز میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ میری طرف سے میرے بندوں تک اعلان کر دیں يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے یعنی کفر، شرک یا معاصی کا ارتکاب کیا ہے، کوئی زندیق بن گیا ہے، مرتد ہو گیا ہے، یہودی، نصرانی یا مجوسی بن گیا ہے، فاسق فاجر ہو گیا ہے، غرضیکہ کوئی بھی جرم کیا ہے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نسخہ شفا نازل فرمایا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ عام لوگوں کے لیے کامژدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد وسیع ہے اگر کسی کو

معافی اور درگزر کی شان ہے۔ رفیع ہے۔ اللہ نے ہر قسم کے گناہ کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

شرائط معافی

اور اس کے لیے صرف دو شرائط کی پابندی لگائی ہے۔ جو شخص دو شرائط پوری کرے گا۔ اس کے لیے اللہ کی بخشش و رحمت موجود ہے۔ فرمایا پہلی شرط یہ ہے وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے جن جرائم کا ارتکاب کرتے تھے ان کو یکدم ترک کر دو اور ان سے توبہ کرو کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ اور دوسری شرط ہے وَاَسْلِمُوْا لَهٗ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرو۔ آئندہ کے لیے اس کے احکام سے انحراف نہ کرو۔ ان دو شرائط کی تکمیل موت کی علامت ظاہر ہونے سے پہلے پہلے ضروری ہے۔ حدیث میں آتا ہے اَلتَّوْبَةُ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ بندے کی توبہ کی قبولیت کا وقت موت کا غرغرہ طاری ہونے سے پہلے ہے۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اور انسان کا وقت قریب آ جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لہٰذا اس وقت سے پہلے پہلے توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اپنے بندے کا ہر گناہ سے بڑا گناہ بھی معاف کرے گا۔

مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر حقوق اللہ کا تعلق ہے حقوق سے ہے جن کی قضا ہو سکتی ہے تو انہیں قضا کرنے کی کوشش کرے اور اگر قضا نہیں ہو سکتے تو ان سے ہی استغفار کرے اور پھر آئندہ کے لیے طاعت گزار بن جائے۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک بندہ معاف نہ کر دے۔ لیے حقوق یا تو ادا کیے جائیں یا پھر متعلقہ اشخاص سے معاف کرا لیا جائے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں معافی کی درخواست پیش کی جائے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان دو شرائط کے ساتھ معافی عام کے قانون سے مطلع فرمایا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ

لہ تو بہ کا دروازہ

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب
کی آمد سے قبل تک ہے۔ اگر ایمان لائے اور توبہ کرنے سے پہلے عذاب آگیا
تو پھر بھی تو بہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ثُمَّ
لَا تُنْصَرُوْنَ پھر تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور تمہیں اپنی نافرمانی کی سزا
بھگتنا ہوگی۔

قرآن کریم کا اتباع

فرمایا وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً اور اس بہتر ہدایت کا اتباع کرو جو تمہاری
طرف نازل کی گئی ہے اچانک پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ تم پر اچانک
تمہارے پاس عذاب آجائے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اور تمہیں خبر بھی نہ
ہو۔ اللہ کی جانب سے بہترین نازل ہونے والی چیز قرآن کریم ہے جس کے
اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آیت ۲۳ میں اسے احسن الحدیث بھی کہا گیا ہے۔ اور
یہ ایسا قانون اور تعلیم ہے کہ اس سے بہتر کوئی چیز کرۂ ارض پر موجود نہیں ہے اور اچانک
عذاب آجانے کا مطلب یہ ہے کہ اچانک تمہاری موت واقع ہو جائے یا
اجتماعی طور پر تمہاری موت واقع ہو جائے یا اجتماعی طور پر قیامت برپا ہو جائے
لہٰذا اللہ کے اس بہترین کا اتباع اختیار کرو۔

یہ باتیں اس لیے کہی جا رہی ہیں کہ جس طرح کفر گناہ سے بے نیازی کے
لیے پُرامید ہونا کفر ہے اسی طرح اللہ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جانا بھی
کفر ہے۔ سورۂ یوسف میں اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا
ہے وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ
اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (آیت ۸۷) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔
کیونکہ یہ ایسی قوم کافروں کا شیوہ ہے۔ مومن کی شان ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ
کی گرفت سے ڈرتا رہتا ہے اور اس کی رحمت و بخشش کے لیے پُرامید ہوتا
ہے غرض مومن ہی ہے الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ یعنی ایمان لا

صحیح مقام خوف اور اُمید کے درمیان سے کسی ایک طرف کو جھکے۔ اور ہدایت پانے

گزشتہ سے پیوستہ

فرمایا ان حقائق کا اظہار اس لیے بھی ضروری ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
کل کو کوئی نفس یہ نہ کہے یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ
حَنْبِ اللّٰہِ۔ افسوس کہ میں نے اللہ کے سامنے کوتاہی کی ہے وَاِنْ کُنْتُ
لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ اور میں تو ٹھٹھا کرنے والوں میں تھا۔ میں دنیا میں
تواجتات کی اوجا کرتا تھا اور دوسروں کی دیکھا دیکھی حجاب رکھ میں جتلا تھا۔
افسوس میں نے اللہ اس کے رسولوں اور دین کے حقائق کی طرف توجہ ہی نہ
کی اور الشرک دین ہدایت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰہَ ھَدٰىنِیْ یا کوئی یہ نہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے
ہدایت دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا۔ الشر نے ایسے شخص کی حسرت کا حال بیان
کیا ہے دیگر انبیاء الشر نے تو ہدایت کے سامان مہیا کر دیے تھے۔ اپنے نبی بھیجے
کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کے بھیجے ہوئے مبلغ بھیجے جنہوں نے ہدایت کے راستے کو واضح
کیا۔ پھر جگہ جگہ دلائل قدرت بکھیر دیئے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے بعد الشر نے انسان کو
ہدایت کو اختیار کرنے کی صلاحیت بھی دی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت
کو قبول نہیں کرتا تو پھر اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہے اور اُسے قیامت
والے دن افسوس ہی کرنا پڑے گا۔ مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

الشر نے فرمایا کہ ہم نے یہ تمام چیزیں اس لیے بھی واضح کر دیں۔ اَوْ
تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ۔ کہ کوئی شخص عذاب الٰہی کو آتا ہوا دیکھ کر
یہی نہ کہے لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّۃً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ
کاش کہ میرے لیے دنیا میں پلٹ کر جانا ہوتا تو میں نیکی کرنے والوں میں ہوتا۔
مگر الشر کا قانون یہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے اُسے
دوبارہ واپس آنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ اسے اپنی زندگی کے اعمال کا

کا بھی بھگتان کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو بے وقت افسوس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

تکذیب کا انجام

آگے اللہ نے آنحضرت کے طور پر یاد دلایا کہ تم کیوں نہیں۔ وَقَدْ جَآءَكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ تحقیق تیرے پاس آئیں میرے پاس آئیں تیرے پاس آئیں حق میں سے تو نے ان کو جھٹلا دیا یعنی قبول نہ کیا۔ آیات سے مراد معجزات احکام اور دلائل ہیں۔ اللہ نے دنیا کی زندگی میں یہ سب کچھ تمہیں مہیا کر دیا۔ اللہ کی وحدانیت کے بے شمار دلائل ظاہر کیے۔ انبیاء علیہم السلام نے معجزات اور حلال و حرام اور جائز ناجائز کے احکام پیش کیے مگر تو نے کسی کو تسلیم نہ کیا۔ اور تیرا یہ جھٹلانا اس وجہ سے تھا وَاسْتَكْبَرْتَ تو نے تکبر کیا۔ حق کو قبول کرنا تو درکنار اپنی عقل کو بڑا سمجھتا رہا اور اپنے مال و دولت پر اترا رہا ہے کے نشے میں وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ تو کفر کرنے والوں میں شامل ہو گیا اور تو نے مذکورہ تمام چیزوں کا انکار کر دیا۔

فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ قیامت کے دن تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کو دیکھے گا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کفر، شرک اور معاصی کی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ سورۂ عبس میں ہے وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اس دن بعض چہروں پر گرد و غبار اور سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔ دوزخ سے بچا نہ پائیں گے۔ کہ یہ کفر، شرک اور معاصی والے لوگ ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔ اب دیکھ لو اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ ضرور ہے کہ ایسے لوگ یقیناً جہنم رسید ہوں گے۔

متقین کے لیے اجر

کفار کے برعکس متقین کے متعلق فرمایا وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ اور بچائے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کا راستہ

اختیار کیا اُن کی کامیابی کی جگہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفر، شرک، بدعقیدگی اور کبائر و صغائر سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ نے عورتوں کی شان میں یہ بھی فرمایا ہے وَالْحٰفِظٰتُ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (التوبۃ - ۱۱۲) اُن ایمان والی عورتوں کی کامیابی کی بشارت ہے جو اللہ کی حدود کی حفاظت کرتی ہیں۔ حدود اللہ کی حفاظت کا بھی تقویٰ کا معنی "محافظت بر حدود شرع" ہی کرتے ہیں یعنی اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ صفائر کا معنی کامیابی کی جگہ ہے جو یقیناً اللہ کی رحمت کا مقام جنت ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو حظیرۃ القدس اور جنت تک پہنچائے گا۔ اس کے علاوہ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ (کہ اُن کو کسی قسم کی برائی بھی نہیں چھوئے گی۔ اللہ کی رحمت کے مقام میں کوئی تکلیف جسمانی یا روحانی نہیں ہوگا۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ظاہر ہے کہ جب کوئی ظاہری باطنی تکلیف نہیں ہوگی تو غم بھی نہیں ہوگا۔ اُن کی کوشش ٹھکانے لگ چکی ہوگی اور وہ ہمیشہ کی پُر آسائش زندگی گذاریں گے جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔

پھر فرمایا۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے وہی مدبر اور متصرف ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ اور وہی ہر چیز کا کارساز یعنی ذمہ دار ہے۔ جب ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اس کی ذات، صفات اور عبادت میں کسی کو شریک بھی نہیں بنانا چاہیئے۔ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کی چابیاں بھی اُسی کے ہاتھ میں ہیں یعنی تمام کائنات پر اُسی کا کنٹرول ہے۔ لہٰذا اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے تمام معاملات اُس کے سپرد کر دینے چاہئیں، اور اس کے علاوہ کسی دوسری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کیوں؟

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی معجزات، دلائل اور احکام کا انکار کیا۔ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اُس کے

پروگرام کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا اور نہ اُس پر عمل پیرا ہوئے۔ فرمایا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ یہی لوگ حقیقی خسارے والے ہیں جن کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ نہ صرف خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے۔ بلکہ اُس کے غیظ و غضب کا نشانہ بھی بنیں گے اور یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿٦٤﴾
وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ
أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ
الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ
وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِي
الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَ
مَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ
نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿٦٨﴾
وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! تم مجھے حکم دیتے
ہو کہ میں اللہ کے سوا غیر کی عبادت کروں۔ (۶۴) اور البتہ تحقیق وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور آپ
سے پہلے لوگوں کی طرف کہ اگر شرک کیا آپ نے تو
البتہ ضائع ہو جائے گا آپ کا عمل، اور ہو جائیں گے
آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے (۶۵) ایسا نہیں، بلکہ
اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گزاروں میں ہو
جاؤ (۶۶) اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی جیسا کہ حق
ہے اس کی قدر کرنے کا، اور زمین ساری اس کے
قبضے میں ہو گی قیامت کے دن، اور آسمان لپٹے ہوئے
ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، پاک ہے اس کی ذات
اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک بناتے
ہیں (۶۷) اور پھونکا جائے گا صور میں، پس بیہوش ہو
جائے گا جو ہے آسمانوں میں اور زمین میں، مگر وہ
جس کو اللہ چاہے۔ پھر پھونکا جائے گا دوسری مرتبہ
پس یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھ رہے ہوں
گے (۶۸) اور چمک اٹھے گی زمین اپنے رب کے
نور سے، اور رکھی جائے گی کتاب، اور لائے گا نبیوں
کو اور گواہوں کو، اور فیصلہ کیا جائے گا ان کے درمیان
حق کے ساتھ، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۶۹)
اور پورا پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے
عمل کیا، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کام کاموں
کو جو یہ لوگ کرتے ہیں (۷۰)

شانِ نزول اور ترکیب

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید میں بعض دلائل بیان فرمائے اور مشرکین کے انجام کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان نیک کاروں کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اب آج کے درس میں وقوعِ قیامت، محاسبہ اعمال اور کافروں اور مشرکوں کی حسرت اور افسوس کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ساتھ توحید کی بات بھی سمجھائی گئی ہے۔ آج کی پہلی آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کافر اور مشرک لوگ حضور علیہ السلام پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو باطل اور خود ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے جو کہ سراسر غلط بات ہے۔ پھر آپ کو سابقہ دین پر قائم رہتے ہوئے معبودانِ باطلہ کی پرستش کی ترغیب دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس حرکت کا سختی کے ساتھ جواب دینے کا ارشاد فرمایا۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیں۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ اے نادانو! کیا تم مجھے اس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کروں؟ بعید از عقل کی بات ہے بلکہ غیر اللہ کی پوجا تو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کوئی بھی سلیم الفطرت آدمی اللہ وحدہٗ لاشریک، عالم الغیب، قادرِ مطلق اور تمام تصرفات کے مالک و مختار کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی تردید آئی ہے اور اللہ کے سارے نبیوں نے اسی ایک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

اعمال کی بربادی

آگے اللہ نے شرک کی تردید میں فرمایا وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اور بالتحقیق وحی کی گئی ہے آپ کی طرف وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔ اور وہ یہ بات ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ شرک کے ارتکاب سے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں، یہ ایسی قبیح چیز ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمان خداوندی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

ف ۱۵ ۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا (آیت ۱۱۰) جو لوگ ایمان لائے اور پھر انہوں نے
نیک اعمال کیے، شرک کی ملاوٹ نہیں کی، اس آیت سے اور وہ اوپر
بتائے ہیں۔ اگر اعمال میں ذرا بھی شرک کی آمیزش ہو تو معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی
سورۃ الانعام میں جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا اکٹھا ذکر کیا ہے، وہاں بھی فرمایا:
لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آیت ۸۸)۔ اگر اللہ کے پیغمبر بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے
اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ غرضیکہ شرک ایسی بری چیز ہے جس کے متعلق
اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ
وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء - ۱۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ
شرک جیسے اکبر الکبائر کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس کو چاہے
ضرور بخشش سے معاف فرمائے۔ فرمایا اگر بفرض محال آپ نے بھی شرک کا ارتکاب
کیا تو نہ صرف اعمال ضائع ہو جائیں گے وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ، بلکہ
آپ نقصان اٹھانے والوں میں بھی ہو جائیں گے۔ اس سے زیادہ اور کیا نقصان
ہوگا کہ انسان کے تمام نیک اعمال ہی برباد ہو جائیں اور وہ قیامت کے دن
مفلس ترین آدمی ہو۔

فرمایا غیر اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے صرف اللہ کی عبادت کرو
اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ اور اس
کے شکر گزار بن جاؤ۔ شرک کفران ہے۔ اس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت
جلال کو سمجھو اور اس پر یقین رکھو، شرک کے قریب نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے
تمام انعامات کا شکریہ ادا کرو۔

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے شرک کے بارہ میں فرمایا وَمَا
قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں کی جیسا
کہ اس کی قدر کا حق ہے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل شانہٗ کی بڑائی، بڑی اور اس کے

عظمت خداوندی کی بیان

جلال کر نہیں کھیلے۔ اگرچہ یہ معرفت الٰہی کے دعویدار ہیں مگر انہوں نے اللہ کی عظمت کو پہچانا ہی نہیں۔ اللہ کی شان اور اس کی عظمت بہت بلند ہے کہ یہ لوگ اللہ کی عظمت کو پہچان لیتے تو شرک کے مرتکب نہ ہوتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور قیامت کے دن کی کیفیت کے متعلق کہنے لگا۔ اے ابوالقاسم! قیامت کے دن جب زمین ایک انگلی پر ہوگی، آسمان ایک انگلی پر، پانی ایک انگلی پر، تمام چیزیں ایک انگلی پر، تو اس وقت کیا کیفیت ہوگی۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسکرائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ دیکھو! ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔

شرک کی تردید تو تورات میں بھی موجود ہے مگر یہ لوگ پڑھتے ہوئے اس میں مبتلا ہیں اور عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کیا پہچان ہے!

فرمایا حقیقت یہ ہے وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن ساری کی ساری زمین اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوگی۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کو مخلوق کے دائیں بائیں پر گھول کرنے سے خدا تعالیٰ کی توحید کا پہلو نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں مگر اس کی کیفیت ہمارے علم سے باہر ہے لہٰذا ہمیں یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ کا داہنا ہاتھ ایسا ہی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ دراصل لفظ یمین مقتضیات میں سے ہے جس کا معنی قوت معلوم ہے۔ مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے یعنی قوت اور طاقت پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو فرمایا زمین آسمان اس کے قبضہ

ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ اُن کی شان رفیع کی وجہ سے ہے سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور صادق ہی ذات بلند و برتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

صور پر پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے سلسلہ میں صور کے دو نفخوں کا ذکر کیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ، اور صور میں پھونکا جائے گا۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پس بیہوش ہو جائیں گے جو بھی آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔ اُس بیہوشی طاری ہونے کی، بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت اسرافیل اور حضرت فرشتے جبرائیل، میکائیل وغیرہ محفوظ رہیں گے۔ باقی سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ گویا سب پہلے صور پھونکا جائے گا۔ تو ہر چیز پر بیہوشی طاری ہو جائے گی، اور تمام کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى پھر صور میں دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ تو اچانک سب لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے۔

عام مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے مصداق صرف دو نفخے صور پھونکا جائے گا۔ پہلے صور کے بعد ہر چیز فنا ہو جائے گی اور دوسرے صور پر سب لوگ پھر سے زندہ ہو جائیں گے۔ حیات کے بعد اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کل چار صور ہوں گے پہلے صور پر عالم کے فنا کا پیش خیمہ ہوگا۔ دوسرے صور پر مخلوق پہلے سے زندہ ہو جائے گی، پھر میدان حشر کے میدان میں اور پھر جنت جانے کا۔ سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی اور چوتھے صور پر سب لوگ ہوش میں آجائیں گے۔ اور پھر عدالت خداوندی صادر کا فیصلہ ہوگا۔

کائنات بہرحال قیامت کے دن کیفیت یہ ہوگی وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

والشہادت ہے اور نہ ان لوگوں کی ضرورت ہے جو ہر معاملہ میں نظر کی کارروائی کے لیے متعلقہ گواہ پیش کرے گا۔ تو اوامر ثابت ہو جائے اور کسی کے لیے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ
حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ
يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا۟ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ
كَلِمَةُ ٱلْعَذَابِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ
ٱدْخُلُوٓا۟ أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۖ
فَبِئْسَ مَثْوَى ٱلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ
ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ رَبَّهُمْ إِلَى ٱلْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ
حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
فَٱدْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا۟ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ
ٱلَّذِى صَدَقَنَا وَعْدَهُۥ وَأَوْرَثَنَا ٱلْأَرْضَ
نَتَبَوَّأُ مِنَ ٱلْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَنِعْمَ
أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ
مِنْ حَوْلِ ٱلْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ:- اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا
اپنے پروردگار کی طرف گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے اس کے قریب
اور کھولے جائیں گے اس کے دروازے اور کہیں
گے ان کے لیے اس کے داروغے کیا نہیں آئے تھے
تمہارے پاس رسول تم میں سے جو پڑھتے تھے تم پر
آیتیں تمہارے پروردگار کی اور ڈراتے تھے تمہیں اس
دن کی ملاقات سے تو کہیں گے وہ لوگ بیشک ہیں
مگر ثابت ہو گئی عذاب کی بات کفر کرنے والوں پر ﴿۷۱﴾
کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں
ہمیشہ رہنے والے ہو گے اس میں پس کیا ہی برا ہے ٹھکانا
تکبر کرنے والوں کا ﴿۷۲﴾ اور چلائے جائیں گے وہ لوگ
جو ڈرتے تھے اپنے پروردگار سے جنت کی طرف
گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں گے اس
کے قریب اور کھولے جائیں گے اس کے دروازے
اور کہیں گے ان کو اس کے داروغے سلام ہو تم پر
خوش رہو داخل ہو جاؤ اس جنت میں ہمیشہ رہنے
والے ﴿۷۳﴾ اور کہیں گے وہ جب توفیق اللہ تعالیٰ
کے لیے ہیں جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور
وعدہ اور وارث بنایا ہے ہم کو اس سرزمین کا ہم
ٹھکانا پکڑتے ہیں جنت میں جہاں بھی چاہیں پس

کیا تھا سے بدلہ عمل کرنے والوں کو ﴿۴۳﴾ اور دیکھے
گا تو فرشتوں کو کہ گھیرنے والے ہوں گے عرش کے
گرد تسبیح کریں گے اپنے پروردگار کی تعریف کے
ساتھ۔ اور فیصلہ کیا جائے گا ان لوگوں کے درمیان انصاف کے
ساتھ۔ اور یہی بات کہی جائے گی کہ سب تعریفیں اللہ کے
کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۴۵﴾

ربط آیات

گزشتہ درس میں دو فریقوں کا ذکر ہوا پہلے فریق کی ہر چیز ضائع ہو جائے گی۔ اور جب دوسرا فریق بھی نیست و نابود ہو جائے گا تو سب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی۔ اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ نبی اور گواہ آئیں گے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا جس میں کسی کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جزائے عمل کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بھی بیان کی ہے کہ نافرمان لوگ جہنم تک اور اہل ایمان جنت تک کیسے پہنچیں گے۔

تعارف آیت

ارشاد ہوتا ہے وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا کفر کرنے والے جہنم کی طرف گروہ در گروہ چلائے جائیں گے۔ گروہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر جرم اور اس کے کرنے والے مطابق مجرمین جنہوں نے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں کی صورت میں جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ امام شاہ ولی اللہ صاحب دلچسپی فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں انفرادیت بھی آتی ہے اور اجتماعیت بھی۔ انسان کئی کئی افراد کی زندگی گزارتا ہے۔ پھر جب اس دنیا میں آتا ہے تو اپنے والدین اور اقارب کے ساتھ مل کر اجتماعی زندگی گزارتا ہے۔ جب بچپن کو عبور کر کے جوان ہوتا ہے تو گھر سے باہر عام معاشرے میں قدم رکھتا ہے۔ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ہنر سیکھتا ہے۔ پھر گلی محلے یا گاؤں کی اجتماعی زندگی میں عملی طور پر شریک ہو جاتا ہے۔ کسی عہدے پر فائز ہوتا ہے حلقے کا لیڈر بنتا ہے اور معاشرے میں اپنی طرز

مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی اجتماعی زندگی جملتی ہے۔ پھر دنیا کی زندگی پوری کر کے عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو وہاں پھر انفرادی زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ پھر جب محشر کے میدان میں سب لوگ جمع ہوں گے تو یہ پھر اجتماعی دور ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے وہاں لوگ اپنے اپنے عمل کے مطابق مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اور پھر ہر گروہ کی علیحدہ ٹولی ہوں اور اس طرح تمام گروہ در گروہ ان قطار در قطار جمع ہوں گے اور پھر مجرموں کے گروہوں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

اس آیت میں مجرمین اور متقین دونوں کے لیے جیسے کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی سب لوگ جہنم یا جنت کی طرف چلا دیے جائیں گے۔ تاہم سورۃ مریم میں ان دونوں طبقات کے لیے ان کی جزا یا سزا کے لحاظ سے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ متقین کے لیے فرمایا ہے یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (آیت ۸۵) ہم متقیوں کو رحمان کے پاس وفد DEPUTATION کی صورت میں اکٹھا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ کسی کے پاس جانے والا وفد معزز سمجھا جاتا ہے۔ اور میزبان اس کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندے اپنے پروردگار کے پاس وفد یعنی معزز مہمانوں کے طور پر جائیں گے۔ اور اللہ کی عزت افزائی ہوگی۔ برخلاف اس کے مجرمین کے متعلق فرمایا وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (آیت ۸۶) اور مجرمین کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔ ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ بلکہ پیاسے جانوروں کی طرح ہانک کر لے جایا جائے گا۔

بہر حال فرمایا کہ کفر کرنے والوں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا تو جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ

جب کفار کے آنے سے پہلے دروازے بند تھے اب ان کی آمد پر کھولے جائیں گے تاکہ انہیں اندر قیدیوں کو دروازے پھر سے بند کر لیے جائیں۔ دنیا کی جیلوں کا بھی یہی دستور ہے کہ قیدخانے کے دروازے بند ہوتے ہیں، جب کوئی مجرم جیل کے دروازے پر پہنچتا ہے تو پہلے کوئی کو اس کو اندر داخل کر دیا جاتا ہے، اور دروازہ دوبارہ بند ہو جاتا ہے۔ یہی سلوک جہنم کے قیدیوں کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ آگے جہنم کے دروازوں کی تعداد کا ذکر آرہا ہے، سورۃ الہمزہ میں ہے۔ عَلَيْهِمْ مُؤْصَدَةٌ (آیت ۸) اس کی تعداد نہیں ہے۔ بہر حال جب یہ کافر لوگ جہنم کے دروازے پر پہنچیں گے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا۔ اس کے داروغے ان سے کہیں گے اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے جو کہ تمہارے سامنے تلاوت کرتے اس دن کے عذاب سے ڈراتے۔ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ کیا تمہارے پاس سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں اس دن کی ہولناکیوں سے ڈراتے تھے۔ قَالُوا بَلٰى۔ وہ کہیں گے کہ ہاں آئے تھے۔ وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ لیکن کافروں پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تھا۔ ہم نے ان کی ہدایت کے لیے تمہارے پاس رسول بھیجے تھے، جنہوں نے تمہیں کفر اور شرک کو ترک کر کے توحید کی دعوت دی تھی۔ یہ ان کا مطلب ہے کہ ہر قوم کے پاس انہی میں سے یعنی ان کے خاندان اور وطن سے اور انہی کے ہم زبان پیغمبر اللہ نے بھیجے تاکہ وہ ان کی بات سمجھ سکیں اور ان کے اصول اختیار کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعۃ ۲) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے ان کی طرف آپ عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا۔ عرب کی اکثریت ان پڑھ تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ صرف ایک دو فیصدی لوگ کچھ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اسی لیے فرمایا کہ امیوں کی طرف ان میں سے ایک رسول بھیجا۔

جہنم کے داروغے بھی کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم میں سے کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر

حاملہ تھے (آیت سے مراد احکام، دلائل اور مسائل ہیں۔ اگرچہ آیات میں معجزات بھی داخل ہیں مگر ان معجزات مراد نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام مراد ہیں۔ جو اللہ کے رسول اپنی اپنی امتوں تک پہنچاتے تھے۔ فرمایا۔ اللہ کے رسول تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اور کیا وہ تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے نہیں تھے؟ بلا شبہ ڈراتے تھے تمہیں ہدایت کے یہ سامان نہیں پہنچے تھے۔ مگر تم کفر و شرک میں مبتلا ہوئے اور بالآخر جہنم کا منہ دیکھنا پڑا؟

قَالُوا (ان کو وہ آگے سے جواب دیں گے) کیوں نہیں۔ بیشک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے آیات الٰہی پڑھ کر سنائیں اور قیامت سے ڈرایا۔ مگر یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم نے ان کی آواز پر لبیک نہ کہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کفر کرنے والوں پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو گیا جب وہ اپنے جرم کا اقرار کر لیں گے۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ تو حکم ہو گا۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اب تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہو گا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ پس کتنا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا جنہوں نے عزو تکبر کی بنا پر اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا۔ ان کا یہی حشر ہو گا۔

حشر کی آیت ہیں استقبال

اس کے بعد متقین کا حال بیان کیا وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا چلائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے جنت کی طرف گروہ در گروہ۔ یہ وہ اچھے لوگ ہیں جو شرک کفر جرائم اور ضلالت سے بچتے تھے اور جنہوں نے دین اللہ کی حفاظت کی حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا یہاں تک کہ جب وہ جنت کے قریب پہنچیں گے وَفُتِحَتْ

بہرحال جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے جس نے ان سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر) جنت کی اس سرزمین کا وارث بنایا کہ جہاں چاہیں ٹھکانا بنا لیں۔ جنت کی وراثت کا ذکر سورۃ مریم میں بھی موجود ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (آیت ۶۳) یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنائیں گے۔ دوسری جگہ یہ بھی ہے کہ ہمارے بندوں نے دنیا میں جو نیکی کے کام انجام دیئے۔ ہم نے انہیں دیئے ان بندوں کو جنت کا وارث بنا دیا۔ اور جنت میں ٹھکانا پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چاہیں گے جا سکیں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ٹھکانا پکڑنے سے یہ مراد ہے اور علاقات مراد ہے۔ مختلف ٹھکانا تو ایک ہی ہوگا جنت۔ جہاں چاہیں جا آسکیں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن یاد رکھیں گے۔ اور وہ دن لوگ کہ جب ہم سب تیز رفتار سواریوں پر سوار ہو کر آپس میں ملاقات کریں گے۔ اور بازاروں سے خوشنما چیزیں بھی بالکل حاصل کریں گے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچائے تو کجاوہ کہ جنت کے تحفہ گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہتے ہو وہاں لے جائے۔ وہاں پر کسی رکاوٹ، وقت یا انتظار کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اسی قسم کے انعامات کے متعلق اللہ نے فرمایا فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ پس کتنا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیئے وہ جنت میں عیش و آرام کی دائمی زندگی گزاریں گے۔ یہ اُن کی نیکی کا کتنا ہی اچھا بدلہ ہوگا۔

ملائکہ کی تسبیح

ارشاد ہوتا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ اور تو دیکھے گا ان فرشتوں کو جو عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ تو ان کی حالت یہ ہے يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ تعریف کے ساتھ۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ فرشتوں کے مختلف طبقات میں سے حاملین عرش کا ذکر اس سورۃ مومن میں آیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ وہ جو عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ باندھے ہیں سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور سب لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ نہ صرف بنی نوع انسان کے اعمال و کردار کے فیصلے ہوں گے، بلکہ اگر جانوروں وغیرہ نے بھی ایک دوسرے پر زیادتی کی ہوگی۔ تو اس مظلوم کو بھی ظالموں سے بدلہ دلایا جائے گا۔ اور پھر آخر میں ہوگا۔ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ سورۃ یونس میں بھی اللہ نے مومنوں کی آخری پکار یہی بیان فرمائی ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت ۱۰) کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بہرحال جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا بیان کریں گے جس کے بعد جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

سورة

# المؤمن

مكتل

## سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مومن مکی ہے یہ پچاسی آیتیں ہیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ
اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ
فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ
الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ
اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۡ فَكَيْفَ كَانَ
عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

ترجمہ:- حٰمٓ ① آمد کتاب کا اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہے جو غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے ②
بخشنے والا ہے گناہ کو، اور توبہ قبول کرنے والا ہے
سخت عذاب والا ہے۔ طاقت والا ہے۔ نہیں
کوئی الٰہ اس کے سوا، اسی کی طرف لوٹ کر جانا
ہے ③ نہیں جھگڑا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ پس نہ آپ کو دھوکے
میں ڈالے ان لوگوں کا چلنا پھرنا شہروں میں ④
جھٹلایا ان سے پہلے قومِ نوح نے، اور جتھے نے
فرقوں نے ان کے بعد۔ اور ارادہ کیا ہر ایک امت
نے اپنے رسول کے بارے میں کہ اس کو پکڑ لیں۔ اور
جھگڑا کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تاکہ گرا دیں اس کے
ساتھ حق کو۔ پس میں نے پکڑا ان کو۔ پس کس طرح
ہوئی میری سزا ⑤ اور اسی طرح ثابت ہوا تیرے
رب کا کلمہ ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا، بیشک وہ
دوزخ والے ہیں ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المؤمن ہے۔ سورۃ کے آخری حصے میں فرعون کے خاندان کے ایک مؤمن آدمی کا تذکرہ ہے جس سے اس سورۃ کا یہ نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الغافر اور سورۃ الطول بھی اسی سورۃ کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں نام سورۃ ہذا کی تیسری آیت میں آمدہ الفاظ سے ماخوذ ہیں۔ یہ سورۃ مکی زندگی کے درمیانہ عرصہ میں سورۃ الزمر کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۹۲ الفاظ اور چار ہزار حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

اس سورۃ مبارکہ سے حوامیم سبعہ یعنی حٰمٓ والی سات سورتوں کی ابتدا

ہو رہی ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ سات سورتیں پورے قرآن کریم کا لب لباب اور نچوڑ ہیں اور گزشتہ سورۃ الزمر حوامیم سبعہ کی تمہید ہے۔ بعض روایات میں حوامیم کو دیباجۃ القرآن یعنی قرآن کی زینت بھی کہا گیا ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد توحید رسالت، معاد اور قرآن کی صداقت و حقانیت ہی کا بیان ہے جس سے عقیدے کی اصلاح مقصود ہے۔ دین میں عقیدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ درست ہو گیا تو نیک اعمال بھی مقبول ہوں گے اور اگر عقیدے میں ہی بگاڑ رہا تو پھر اعمال کسی کام نہیں آئیں گے، چنانچہ مکی سورتوں میں زیادہ تر اسی طرف توجہ دی گئی ہے۔ تاہم کچھ فقہی مسائل بھی آگئے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں مذکورہ مضامین کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے۔ اور کافروں کا انذار بھی کیا گیا ہے۔

حروف مقطعات
حٰمٓ

سورۃ کا آغاز حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتا ہے تمام حروف مقطعات کے بارے میں یہ مسلمہ ہے کہ ان حروف کا حقیقی معنی نہیں بتایا جا سکتا۔ مفسرین کرام کو امام جلال الدین سیوطیؒ کی اس بات سے اتفاق ہے اللہ اعلم بمراد بذالک ان حروف سے جو بھی مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ تاہم صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علیؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ سے تقریب فہم کے لیے ان حروف سے متعلق بعض باتیں منقول ہیں۔ اسی طرح بعض بزرگان دین نے قیاس کی بنا پر اور بعض نے کشف و الہام کی بنیاد پر بعض معانی بیان کیے ہیں، مگر حق بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔

شیخ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں بیان کرتے ہیں کہ حٰمٓ دو حروف پر مشتمل مکمل آیت ہے۔ ان حروف میں ح کا اشارہ حق کی طرف اور م کا اشارہ اللہ کی طرف سمجھیں گے، اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لوگوں

کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ سارا سرق پر مشتمل ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کا اشارہ حکیم اور قوی کی طرف ہے، گویا یہ حروف حکیم اور قوی کا مخفف ہیں اور اس لحاظ سے حٰمٓ کا مطلب یہ ہوگا کہ حکم بھی پروردگارِ عالم کا ہے اور بادشاہی بھی اُسی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ پوری کائنات کی بادشاہی رب تعالیٰ کی ہے اور اس میں حکم بھی اُسی کا چلتا ہے۔ تکوینی حکم تو خدا تعالیٰ کا کائنات میں ہر وقت جاری ہے اور شرعی حکم بھی اللہ نے اپنے انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر مکمل کر دیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کائنات کے تمام تغیرات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے انجام پا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور چوتھی صدی کے عظیم مفسر حضرت ابن ابی جریرؒ اور بعض دیگر حضرات کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات حروف حٰمٓ کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ الٓمٓ، حٰمٓ اور نٓ اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بابرکت نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام جنگ کے موقع پر اپنے مجاہدین کے لیے کوئی شعار یعنی شناختی نشان مقرر کر لیتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جنگ کا نشان حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ مقرر کیا گیا تھا۔ بعض شعراء کے کلام سے بھی حٰمٓ کے اسم الٰہی ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً

یُذَکِّرُنِیْ حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَی حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

جب جنگ چھڑ چکی ہے اور نیزے چل رہے ہیں تو اُس وقت حٰمٓ کا واسطہ پیش کرنا ہے بلکہ جنگ چھڑنے سے پہلے ہی واسطہ دینا چاہیے تھا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کے ذریعے سورۃ کا موضوع بتایا ہے

گیا ہے۔ حٰمٓ سے مراد حکمت یعنی پختہ کلام اور قرآن مراد ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہر سورۃ کا حصہ ہیں کہ پچھلے امور پر پختہ کیا جاتا ہے ترغیب دلائی جاتی ہے اور ناجائز کاموں سے روکا جاتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ان حروف کے ذریعے سورۃ کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح تعلیمی سند لیتے ہیں۔ ایسے ہی ان کے بعض الفاظ کے مختصر ہوتے ہیں جیسے نج، دھی یا میرے الفاظ سے ان کے طالبین کا حصہ اور ان کے فرائض سمجھ میں آتے ہیں۔ اسی طرح حٰمٓ کے حروف سورۃ کا عنوان ہیں۔ جن سے سورۃ کے مضامین پر روشنی پڑتی ہے

شاہ صاحب کشف کے ذریعہ ان حروف کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عالم بالا سے نازل ہونے والی نورانی چیز اس عالم ارض میں آکر یہاں کے اعمال خاسدہ اور کفار کے اقوال و اعتقاد باطلہ کے ساتھ ٹکراتی ہے جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ حروف حٰمٓ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہیں ظاہر ہے کہ ساری سورۃ کفار کے ساتھ گفت و شنید، ترغیب ترہیب، اظہار حق اور تردید حق و باطل پر ہی مشتمل ہے۔ لہٰذا ان مضامین کو حروف حٰمٓ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

تنزیل القرآن

حواریم جو کہ پہلی سورۃ میں تین حٰمٓ کے بعد قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ساتوں سورتوں کا خاصہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ یہ کتاب یعنی قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتدریج نازل کیا گیا ہے۔ یہ کسی انسان یا خود پیغمبر کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے برگزیدہ بندے پر نازل فرمایا ہے اور اس کو نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے جو الْعَزِيزِ کامل قدرت کا مالک ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ تمام غلبہ اور قوت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ ذات

ف الفوز الکبیر ص ۱۱۸ ۱۲

اَلْعَلِیْمُ بھی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے سے باخبر ہونا خاصۂ خداوندی ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جو علیم کل ہو۔ بکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (المجادلۃ - ۱۲) ہر چیز کو جاننے والا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اللہ نے اس بات کو دوسرے انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" (الملک - ۱۴) کیا اللہ تعالیٰ ہی کسی چیز کو نہیں جانتا جو کہ خود ہر چیز کا خالق ہے؟ وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ذرے کا علم رکھتا ہے اور یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔

نزول کتاب کے حوالے سے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی دو صفات تو بیان ہو گئیں کہ وہ عزیز اور علیم ہے۔ اب آگے تیسری صفت یہ بیان ہو رہی ہے غَافِرِ الذَّنْبِ۔ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے وہ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ جب کوئی بندہ نادم ہو کر اس کے دروازے پر آ جاتا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آ کر اس کی تمام خطائیں معاف کر دیتی ہے اللہ کی چوتھی صفت یہ ہے وَقَابِلِ التَّوْبِ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ کوئی شخص بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد بھی اگر سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ ہاں اس میں پابندی اس قدر ہے کہ یہ توبہ عذاب کے آنے یا موت کی حالت طاری ہونے سے پہلے کر لی جائے جب عذاب آ جائے یا انسان پر غرغرے کی حالت طاری ہو جاتی ہے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

---

اس مقام پر اللہ کی پانچویں صفت یہ بیان ہوئی ہے شَدِیْدِ الْعِقَابِ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب کوئی مجرم اپنے جرائم پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر وہ سخت عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر ہے۔ وہ کسی بات کو چھوڑتا نہیں۔ اللہ کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ ذِی الطَّوْلِ

یعنی صاحب ثروت، وطاقت سے طول کا معنی فضل بھی آتا ہے اور طاقت بھی جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا (آیت ۲۵) جو تم میں سے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ لونڈی کے ساتھ ہی کرے بہرحال تفضل اور مقدرت دونوں معنی طول میں داخل ہیں۔

پھر فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے۔ یہ اس کی ساتویں صفت ہے اور آٹھویں صفت یہ ہے اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ کہ سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ انسان کی یہ زندگی آخری زندگی نہیں کہ جس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا۔ بلکہ اسے برزخ اور آخرت کی زندگی بھی گزارنا ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کو پھر اٹھایا جائے گا اور ہر انسان کو اپنے پروردگار کی عدالت میں پیش ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے، اس لیے فرمایا کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آیات کی میں مجادلہ

پہلے نزول قرآن کا ذکر کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جس کی آٹھ صفات بھی بیان کیں۔ آگے اس کتاب الٰہی کے متعلق شکوک وشبہات کرنے والوں اور اس پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق فرمایا مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا انہیں جھگڑا کرنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں مگر وہی جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس جھگڑے سے مطلق جھگڑا مراد نہیں بلکہ ایسا جھگڑا مراد ہے جس کے ذریعے حق کو مغلوب کرنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ حق کو مٹانے کے پیچھے رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے قرآن سے بحث، مباحثے اور مناظرے کے علاوہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ ہاں دو بہت مباحثہ کرنے کی اجازت ہے جو احسن طریقے سے کیا جائے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور بہتر موعظت کے ذریعے دعوت دیں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل - ۱۲۵) اور جب کسی غیر

مذہب سے کبھی دعا شکر کی نوبت آئے تو احسن طریق سے انجام دیں۔ فرمایا
فَلَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ اور ان بے دین اور منکر خدا لوگوں
کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ کفار کی عیش و عشرت اور
آرام و آسائش کی زندگی دیکھ کر آپ دھوکہ میں نہ پڑیں۔ یہ سہولتیں ان کے اچھا
ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت دی جا رہی ہے۔
وہ جب چاہے گا انہیں گرفت میں لے لے گا۔

پھر آگے اللہ نے آپ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آپ کے زمانے
کے لوگ خدا تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اسی
طرح كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم
نے بھی تکذیب کی۔ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ اور ان کے بعد والوں
اور گروہوں نے قوم نوح کے بعد بھی تکذیب کی۔ نوح علیہ السلام کے بعد
بڑی طاقتور قومیں دنیا میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا۔ اور
وقوع قیامت کا انکار کیا۔ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ
لِيَأْخُذُوهُ ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اسے پکڑ کر ہلاک
کر دیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کی سعی کی گئی۔ اللہ کے کئی نبیوں کو قتل کر دیا گیا۔
خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی کفار نے قتل کا منصوبہ بنایا مگر ناکام رہے
وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ یہ ان لوگوں نے باطل کے
ساتھ مقابلہ کیا تاکہ اس کے ذریعے حق کو گرا دیں۔ کمزور کر دیں
یا مٹا دیں۔ فرمایا یہ اپنی سکیم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ فَأَخَذْتُهُمْ
میں نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے فَكَيْفَ كَانَ
عِقَابِ پھر میری سزا کیسی ثابت ہوئی جس نے مکذبین کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ کر
رکھ دی ہے اور وہ چند لمحوں سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔

آئے ہیں نزولِ قرآن کے زمانے کے کافروں کے متعلق فرمایا: وَكَذٰلِكَ
حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اسی طرح ثابت ہو گئی تیرے رب کی بات عَلَى
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ سابقہ
منکرین کی طرح یہ بھی عذابِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ فرمایا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ
بلاشبہ یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہونے والے ہیں۔ یہ بھی اپنی قبیح حرکات سے باز آنے
والے نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر جہنم رسید ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً
وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ
جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ
السَّيِّاٰتِ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمْتَهٗ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع

ترجمہ:- جو اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے
ارد گرد ہیں، وہ تسبیح بیان کرتے ہیں تعریف کے
ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر، اور
بخشش طلب کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان
لائے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو وسیع
ہے ہر چیز پر تیری رحمت اور علم۔ پس بخش دے
ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے

اور بچا اُن کو آگ کے عذاب سے ⑦ اے ہمارے
پروردگار! اور داخل کر اُن کو ہمیشہ کے باغوں میں جس
کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کو بھی جو
نیک ہوں اُن کے آباؤ اجداد میں سے اور اُن کی بیویاں
اور اولادوں میں سے۔ بیشک تو غالب اور حکمت
والا ہے ⑧ اور بچا اُن کو برائیوں سے۔ اور جس
کو تو بچائے برائیوں سے پس بیشک تو نے اُس پر
مہربانی فرمائی۔ اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی ⑨

ربط آیات

گذشتہ درس میں قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور اس کا وحی الٰہی کے ذریعے منزل من اللہ ہونا بیان ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات کا ذکر ہوا۔ اور انکار کرنے والوں کا شکوہ بیان ہوا۔ یہ کافر لوگ جھگڑا کرتے ہیں جو کہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ ان سے پہلے لوگوں کو بھی اللہ نے اس جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ باطل کے ذریعے حق کو مغلوب کرنے والوں کو اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام یاد کر لینا چاہیئے۔ فرمایا تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ کافر لوگ ضرور دوزخ میں جائیں گے۔

حاملین عرش فرشتے

اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت وحکمت اور جلال وبزرگی کا تذکرہ ہے۔ مضمون کی ابتداء حاملین عرش فرشتوں کے ذکر سے ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وہ فرشتے جو عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں وَمَنْ حَوْلَهٗ اور جو عرش کے اردگرد طواف کر رہے ہیں

عرش کے اردگرد گھومنے والوں کا تذکرہ گزشتہ سورۃ کے آخر میں بھی ہو چکا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (الزمر ۔ ۷۵) اور تو دیکھے گا فرشتوں کو جو عرش کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔

بہر حال حاملین عرش اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے عالم اعلیٰ میں رہنے والے کے فرشتے ہیں۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ آج تو عرش الٰہی کو تھامنے والے چار فرشتے ہیں مگر یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ (آیت ۱۷) قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر عزیزی میں بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حالات نازل ہیں اس لیے عرش کو تھامنے کے لیے چار فرشتے ہی کافی ہیں اور قیامت والے دن اللہ کی تجلیات نازل ہوں گی جس کی وجہ سے ثقل بہت بڑھ جائے گا۔ لہٰذا اس دن حاملین عرش کی تعداد دگنی کر دی جائے گی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اُذِنَ لِیْ اُحَدِّثَ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں حاملین عرش فرشتوں کے متعلق یہ بیان کروں کہ ہر فرشتے کی جسامت اس قدر بڑی ہے کہ اس کی لو سے لے کر کندھے تک سات سو سال کی مسافت ہے۔ فرشتوں کی تخلیق کے متعلق امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں کہ اللہ نے انسان کی مصلحت کی خاطر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے اربوں کھربوں سال پہلے پیدا فرمایا۔ فرشتوں کے سات طبقات ہیں۔ سب سے بلند طبقہ اعلیٰ کی جماعت ہے جن میں حاملین عرش بھی شامل ہیں۔ پھر حافین حول العرش فرشتے ہیں جو عرش الٰہی کا طواف کرتے ہیں۔ اس کے بعد علیین کے فرشتے ہیں۔ پھر جنت کے فرشتے، آسمانوں، فضا اور زمین کے فرشتے۔ یہ تمام طوائف اللہ کی لطیف مخلوق ہیں جو ہر وقت احکام الٰہی کی تعمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی چار صفات ابداع، خلق، تدبیر اور تعدیل کا اظہار ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبدع یعنی موجد ہے۔ اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور اسے کے پیدا کیا۔ وہ خالق ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہ مدبر بھی ہے کہ ہر چیز میں توازن برقرار رکھا اور ہر چیز کو تدریج کے کمال تک

تم حمد اللہ الباقی حیّ لا یموت الی الابد الکریم صمد

پہنچانا اُسی کا کام ہے۔ اور پھر اُس کی حضرت عدل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب تک ہر ایک میں انسان کی ساخت مکمل ہو جاتی ہے تو اس کی روح پر خدا تعالیٰ کی عظمت کا عکس پڑنا شروع ہو جاتا ہے جس کے ذریعے روح کا تعلق عالم بالا کے ساتھ قائم رہتا ہے

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو اس کائنات کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ چار صفات کا ظہور ہو رہا ہے مگر قیامت والے دن ان کے ساتھ چار مزید صفات شامل ہو جائیں گی۔ اُن میں سے ایک صفت انکشاف ہے کہ اُس دن ہر چیز کو کھول دیا جائے گا۔ یعنی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ فرماتے ہیں کہ دوسری صفت کمال ہے کہ اس دن ہر چیز اپنی حد کمال تک پہنچی ہوگی۔ چوتھی صفت تقدیس ہے۔ اُس دن ہر قسم کی نجاست دور ہو کر ہر طرف طہارت اور پاکیزگی کا دور دورہ ہوگا۔ اور چھٹی صفت عدل ہے۔ کہ اُس دن مکمل عدل و انصاف ہوگا۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ چونکہ یہ صفات آٹھ ہو جائیں گی۔ اس لیے حاملین عرش فرشتوں کی تعداد بھی چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

عرش عظیم کی ساخت

عرش عظیم کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہوں پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ کی آخری آیت میں ہے وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی عرش عظیم کا رب ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مخلوق ہے۔ مفسرین کرام عرش کی ساخت کے متعلق فرماتے ہیں کہ عرش کے علاوہ اس کے نیچے کی تمام کائنات کی نسبت اس کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک چھوٹا سا کڑا، چھلا یا انگوٹھی پڑی ہو۔ صاحب روح المعانیؒ بیان کرتے ہیں اور بعض آثار میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو ایک سبز رنگ کے جوہر سے پیدا کیا جس کی کیفیت کو مخلوق میں سے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے بہرحال عرش کی جسامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی تیز رفتار پرندہ

عرش کے پائے کے ساتھ اسی ہزار سال تک اڑتا رہے تو بھی پائے کی مسافت طے نہیں کر سکتا۔

فرشتوں کی تسبیح

فرمایا کہ حاملین عرش اور اس کے اردگرد طواف کرنے والے فرشتے یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ وہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کا ورد کرتے خدا تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ بیان کرتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ گویا یہ فرشتے ہر وقت تسبیح و تحمید میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وَالَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے پروا لائق اور ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان بہت بڑی حقیقت ہے، اسی لیے ان فرشتوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے ایمان کو درست کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، توحید، نبی، انبیاء اور قیامت پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کریں۔

بخشش کی دعائیں

فرمایا، فرشتوں کا ایک فرض منصبی یہ بھی ہے وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ وہ اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس سے ایمان والوں کے درجات کا اظہار مقصود ہے۔ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ کافر لوگ جہنم رسید ہوں گے۔ مگر مومنوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے لیے اللہ کی پاک مخلوق فرشتے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اے پروردگار! ان کی خطاؤں اور تقصیروں کو معاف فرما دے۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے کہ فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (آیت ۵) اور زمین کے ہر باسی کے لیے یعنی عام انسانوں کے لیے بھی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں کہ مولا کریم! ان کو دنیا کی سزا دے بلکہ مہلت دے دے شاید کہ یہ کافر اور مشرک بھی ایمان لے آئیں اور تیرے غضب سے بچ جائیں۔ البتہ اہل ایمان کے لیے خاص طور پر بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرشتے یہ بھی عرض کرتے ہیں رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ تو رحمان و رحیم اور علیم کل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خود اپنا بیان ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف - ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے سزا تو میں خاص مجرموں کو ہی دیتا ہوں مگر بھلائی کائنات میری رحمت سے ہی مستفید ہو رہی ہے۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں! مولا کریم! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر وسیع ہے فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا جو لوگ توبہ کرتے ہیں اے اللہ! جو اپنی غلطی کو تسلیم کر کے تیری طرف رجوع کرتے ہیں نیز وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ جو تیرے راستے پر چلتے ہیں۔ ایمان اور نیکی کا جو راستہ تیرے نبیوں نے بتایا وہ اس پر گامزن ہیں۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔ جو لوگ دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں

جنت میں داخل کی دعا

اللہ کے فرشتے یہ دعا بھی مانگتے ہیں رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اے اللہ! ذکر کردہ اہل ایمان کو ہمیشگی کے باغوں میں داخل فرما۔ جنت عدن کا معنی ایسا باغ ہے جو رہائش کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔ عام باغات میں تو درخت اور پودے وغیرہ ہی ہوتے ہیں مگر قابل رہائش باغات میں رہائش کا تمام سہولتیں بھی میسر ہوتی ہیں۔ تو فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے مولا کریم! اپنے ان بندوں کو رہائشی باغات (جنت عدن) میں داخل فرما الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ نہ صرف ان کو جنت عدن میں داخل فرما۔ بلکہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ ۔ اور ان کے آباؤ اجداد میں سے جو نیک لوگوں کو بھی یہ نعمت عطا فرما۔ اس کے علاوہ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ان کی بیویوں اور اولادوں کو بھی جنت میں داخل فرما۔ یہ سب ایمان کی برکت سے کہ فرشتے خصوصیت اہل ایمان کے لیے ان کے نیک آباؤ اجداد بیویوں اور اولاد کے لیے بھی ایسی ہی دعائیں کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے محبت رکھتا ہوں اگرچہ میں ان جیسے نیک کام تو نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ مجھے ان بزرگوں کی محبت نصیب ہوگی۔ مقصد یہ کہ ایمان اور فرشتوں کی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لواحقین کو بھی انہی کے ساتھ ملا دیگا۔

شاہ عبدالقادرؒ یہ نکتہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کوئی آدمی اچھا عمل کرتا ہے مگر اس کے لواحقین اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ایمان اور ان کے نیک جذبہ کی بدولت سے انہیں بھی اعلیٰ مقام عطا کرے گا۔ اگرچہ وہ نیک کام کثرت کے ساتھ نہیں کر سکے مگر ان میں جذبہ تو موجود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ہم بھی نیک کام انجام دیں ۱۲ سمری آیت میں موجود ہے۔ کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور پھر ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کو بھی اہل ایمان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔ اہل ایمان اس بات پر خوش ہو جائیں گے۔ کہ ان کے لواحقین بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ الغرض! فرشتے اہل ایمان اور ان کے لواحقین کے حق میں دعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کی صفات بھی بیان کریں گے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پروردگار! بیشک تو غالب ہے اور حکمت والا بھی۔ تو ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا غالب ہے اور اہل ایمان کو دئے انعامات تیری حکمت کے عین مطابق ہیں۔

معاصی سے بچانے کی دعا

اللہ کے مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ پروردگار! وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اپنے ان نیک بندوں کو برائیوں سے محفوظ رکھ کیونکہ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ جس کو تو نے آج برائیوں سے بچا لیا۔ بیشک تو نے اس پر مہربانی فرمائی۔ اگر کوئی شخص دنیا میں کفر، شرک، بدعات اور معاصی سے بچ گیا تو سمجھ لو کہ اللہ نے اس پر خاص مہربانی

فرمائی ہے۔ اس کی حقیقت تو قیامت کو ہی کھلے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو صحیح پتہ نہیں چلتا کہ کون شخص گناہوں میں ملوث ہے اور کس کو اللہ نے بچا لیا ہے۔ فرمایا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ دنیا میں ایمان نصیب ہو جائے۔ اللہ کے بتلائے ہوئے راستے پر عمل توفیق ہو جائے اور برائیوں سے بچ جائے۔ جو شخص ایسی حالت میں قیامت کے دن میدانِ حشر میں حاضر ہوگا۔ اس کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گئی۔ اللہ کی جنت اس کے شامل حال ہو جائے گی۔ عزت نصیب ہوگی اور وہ جنت عدن میں پہنچ جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ
مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى
الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا
اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾
ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ
وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ
الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾

ترجمہ:- بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ
اختیار کیا، وہ پکارے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا
اللہ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمہاری اپنی جانوں پر
ناراضگی سے۔ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا
تو تم کفر کرتے تھے ﴿١٠﴾ وہ کہیں گے، اے ہمارے
پروردگار! تو نے موت دی ہمیں دو دفعہ اور زندہ کیا
دو دفعہ۔ پس ہم اقرار کرتے ہیں اپنے گناہوں کا،
پس کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ ﴿١١﴾ یہ اس لیے کہ
جب پکارا جاتا تھا اللہ وحدہ لاشریک کو تو تم کفر کرتے
تھے اور اگر شرک کیا جاتا تھا اس کے ساتھ تو تم یقین کرتے
تھے۔ پس حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو بلند اور بڑا ہے ﴿١٢﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور اس کا وحی الٰہی ہونا ذکر ہوا، پھر اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات بیان ہوئیں اور کافروں کے طرز عمل کا شعور کیا گیا اللہ نے پہلی قوموں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبردار کیا۔ پھر اللہ کے رسول کے ساتھ مخالفت رکھنے والے ضدی لوگوں کی مخالفت کا حال بیان ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کے مرتبے اور ان کے انجام کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ حاملین عرش اور اس کے اردگرد طواف کرنے والے ملائکہ مقربین اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ انہیں جنت عدن میں داخلہ کا حکم فرمائے گا۔

کفار کی حسرت

اب آج کے درس میں کفار کی اس پشیمانی اور حسرت کا ذکر کیا ہے جو ان کو قیامت کے روز پیش آئے گی۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں کفر کا راستہ اختیار کیا یعنی اللہ کی ذات، صفات، توحید، ایمان، شریعت، انبیاء، کتب سماویہ، ملائکہ اور آخرت کے دن کا انکار کیا یُنَادَوْنَ ان کو پکار کر کہا جائے گا۔ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اللہ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے۔ قیامت والے دن جب کفار کو اپنا انجام نظر آنے لگے گا تو انہیں اپنی سابقہ کارکردگی پر سخت افسوس ہوگا جس کی بنا پر وہ اپنے آپ پر تفرت اور ناراضگی کا اظہار کریں گے کہ ہم دنیا میں غلط راستے پر کیوں چلتے رہے۔ جس کی وجہ سے یہ انجام بد دیکھنا پڑا۔ مگر اوپر سے آواز آئے گی کہ آج اللہ تعالیٰ تم سے جس قدر ناراض ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی تو اس کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی یعنی اللہ کی ناراضگی تو ہی ناراضگی سے زیادہ شدید ہے۔ فرمایا اللہ کی ناراضگی تو اس وقت بھی بڑی تھی اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی فَتَكْفُرُوْنَ تو تم اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ تمہارے پاس اللہ کے نبی آتے، کتابیں آتیں جن کے ذریعے تمہیں اللہ کے احکام اور شرائع پہنچائے گئے

منکر تھے اس وقت غفلت اور نشہ میں مبتلا تھے اور ہر چیز کا انکار کرتے تھے۔ جب
مجھیں دوزخ دکھائی جائے گی اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا۔ تو اس وقت ان انکار کرتے
تھے اور کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں، نہ کوئی محاسبہ اعمال ہے اور نہ کوئی
سزا اور جزا۔ اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی تم سے سخت ناراض تھا۔ اگر وہ کیوں
ناراض نہ ہوتا جب کہ تم حق کی بجائے باطل کے پرستار تھے اور اللہ کے سوا بتوں کو
اور قبر کی بجائے شرک و کفر کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

دنیا میں واپسی کی تمنا

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۝ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

اے کاش ہم دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں

اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبارہ حیات دی اور دوبارہ زندگی بخشی۔ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا پس ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے واقعی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہم نے بُرے کام انجام دیئے ہیں فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ پس کیا ہمارے نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کس طرح ہم واپس دنیا میں جا کر اپنے سابقہ اعمال کی تلافی کریں اور نیک اعمال انجام دینے لگیں۔ اس مرتبہ ہم کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کر کے ایمان اور توحید کو قبول کر لیں گے۔ تو کیا یہاں سے نکل کر واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ مگر یہ ناممکن ہوگا۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (آیت ۲۸) کہ اگر انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو پھر وہی برے کام ہی کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی استعداد کو جانتے ہیں لہٰذا وہ انہیں دنیا میں دوبارہ واپس نہیں بھیجیں گے۔

دوسری موت اور حیات

دوسرے موت و حیات کے متعلق مفسرین کہتے ہیں کہ پہلی موت اس دنیا میں آنے سے اور انسان کو پیدائش میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جانے اس کے بعد اس پر دوسری مرتبہ موت طاری ہوتی ہے اور حشر کے بعد اسے دوبارہ

زندہ کیا جائے گا۔ اس طرح گویا ہر انسان کے لیے دو موت اور دو زندگیاں ہو گئیں مگر جمہور مفسرین جن میں امام جصاصؒ، امام ابن جریرؒ، امام ابن کثیرؒ، صاحب بیان القرآنؒ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت قتادہؒ، امام ضحاکؒ اور دیگر بڑے بڑے مفسرین شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جب انسان پیدائش سے پہلے بے جان لوتھڑا تھا۔ پھر ماں کے پیٹ میں شکم مادر میں اس نے دعا مانگی اللہ سے دو بار اپنی ڈالی تو اس کو زندگی حاصل ہو گئی۔ پھر جب انسان پیدا ہو کر اپنی زندگی پوری کر لیتا ہے تو اس پر اس دنیا میں موت طاری ہو جاتی ہے، یہ اس کی دوسری موت ہو گئی اور قیامت والے دن دوبارہ زندگی اس کی دوسری زندگی شمار ہو گی۔ اس نظریے کے ثبوت میں مفسرین سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے تو اللہ نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تمہیں موت طاری کرتا اور قیامت کو پھر زندہ کرے گا۔

حضرت حقانیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کا آغاز عالم برزخ سے ہو جاتا ہے۔ جب کسی انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کی روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے اور پھر اس سے فرشتے قبر کے سوال و جواب کرتے ہیں۔ اس ابتدائی حساب کتاب کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی درجے میں قائم رہتا ہے۔ اسی لیے قبر میں راحت یا عذاب کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ قرآن کی بعض آیات اور متعدد احادیث صحیحہ سے برزخ کی سزا یا جزا کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض معتزلہ فرقہ کے فرقوں نے اس کا انکار کیا ہے جو یہ گمراہی اور کفر کے مترادف ہے۔ قبر کی زندگی کو مکمل قید کی بجائے ادنیٰ درجے کی حوالات کی زندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلی زندگی سے مراد عالم الست والی زندگی ہے۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ارواح انسانی کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (اعراف ۱۷۲) اللہ نے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو سب نے جواب دیا تھا کیوں نہیں، تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اس عہد کے بعد اللہ نے سب پر موت طاری کر دی اور یہ انسان کی پہلی موت ہے۔ پھر انسان کی پیدائش کے وقت دوسری زندگی دی اور پھر جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دوبارہ موت دے دیتا ہے پھر جب حشر قائم ہوگا تو انسان کو دوسری دفعہ زندگی نصیب ہوگی۔ اس طرح دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔

شرک کا تیسرا حصہ

فرمایا حشر والے دن کافر لوگ سخت مشکل میں ہوں گے اور خود سے آپ پر ناراضگی اور نفرت کا اظہار کریں گے۔ اللہ نے فرمایا ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ یہ اس وجہ سے کہ دنیا میں جب تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا جاتا کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معبود برحق مانو، اسی پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ تو تم اس دعوت کا انکار کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ کے علاوہ جن سفارشی بھی ہیں جن کو اللہ نے اختیار دے رکھا ہے، وہ ہماری بگڑی بنا دیتے ہیں اور اللہ کا قرب دلاتے ہیں۔ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور یہ ہماری مشکلات کو حل کروا دیتے ہیں۔ چنانچہ تم نے دنیا میں کسی کو خدا تعالیٰ کا بیٹا تسلیم کیا اور کسی کو بیٹی، اور بعض کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم براہ راست خدا کو راضی نہیں کر سکتے، ہم ان معبودوں کو راضی کرتے ہیں تاکہ یہ آگے اللہ کو راضی کر کے ہمیں بچا لیں۔ غرضیکہ تم نے کفر کے حق میں طرح طرح کے حیلے بنا رکھے تھے جس کی بنا پر اللہ وحدہ لاشریک کا انکار کرتے تھے فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے جو بلند اور بڑا ہے اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کیا جاتا تھا اور مشکل کشا کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا

ان کے حمایت مذہب و نیاز پیش کی جاتی تھی اور ان کو سجدے کیے جاتے تھے تو تم اس پر یقین کر لیتے تھے کہ یہ باطل ٹھیک ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ تم ایمان اور توحید کا انکار کرتے تھے اور شرک کے کاموں پر خوش ہوتے تھے۔ یہ اسی جرم کا نتیجہ ہے جو تمہارے سامنے ہے اور تمہیں اپنی سابقہ زندگی پر افسوس ہو رہا ہے۔ اور خود اپنے آپ سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہو۔ آج تم اس مصیبت سے نکلنے کی راہ تلاش کر رہے ہو اور دوبارہ دنیا میں جا کر سابقہ اعمال کی تلافی کرنا چاہتے ہو مگر اب یہ موقع نہیں مل سکتا۔ عمل کی دنیا ختم ہو کر جزائے عمل کی منزل آچکی ہے۔ اب تمہیں اپنی کرنی کا مزا چکھنا ہی ہوگا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو بلند و برتر اور بڑائی کا مالک ہے۔ آج کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکتا۔ ہر چیز اللہ وحدہ لاشریک کے اختیار میں ہے۔ تمہیں بھی وہی کرنا ہے اسی کے حکم کے سامنے اپنی گردن کو جھکانا ہوگا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ
السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾
فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ
يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ
بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ
لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾
الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا
ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾
وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ
حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَائِنَةَ
الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ يَقْضِي
بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ
بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٢٠﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی
نشانیاں اور اتارتا ہے آسمان سے روزی تمہارے لیے
اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہی شخص جو
رجوع رکھتا ہے (۱۳) پس پکارو اللہ تعالیٰ کو واسطے اس
کے کہ خالص کرنے والے ہو اسی کی اطاعت اگرچہ
ناپسند کرتے ہیں اس کو کفر کرنے والے (۱۴) وہ بلند
درجوں والا ہے، عرش کا مالک ہے، اتارتا ہے روح
(وحی) اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے
تاکہ ڈرائیں وہ ملاقات کے دن سے (۱۵) جس دن
وہ ظاہر ہونے والے ہوں گے۔ نہیں مخفی ہو گی
اللہ کے سامنے ان میں سے کوئی چیز۔ کس کے لیے
ہے بادشاہی آج کے دن۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جو اکیلا
اور دبا لینے والا ہے (۱۶) آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس
کو جو اس نے کمایا۔ نہیں زیادتی ہو گی آج کے دن۔
بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے (۱۷) اور
ڈرا دیں آپ ان کو قریب آنے والے دن سے
جب کہ دل گلوں کے پاس پہنچے ہوں گے، نہیں
ہو گا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی
جس کی بات مانی جائے (۱۸) وہ جانتا ہے آنکھوں کی
خیانت کو اور جس چیز کو سینے چھپاتے ہیں (۱۹) اور
اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ، اور جن کو
یہ پکارتے ہیں اس کے سوا، وہ نہیں فیصلہ کرتے کسی
چیز کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ سننے والا، دیکھنے والا (۲۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں فرمایا کہ قیامت کے دن کافر لوگ خود اپنے آپ پر غصے ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ کہ انہوں نے دنیا میں ایمان قبول کیوں نہ کیا۔ مگر ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے اس ناراضگی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس وقت بھی زیادہ تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے۔ اب جو وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے توبہ ظاہر کریں گے تو انہیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے سابقہ عقائد و اعمال کی تلافی کر سکیں۔ مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔ اگر کوئی سوال کرے گا۔ کیونکہ دنیا میں جب اللہ وحدہ لاشریک کو پکارا جاتا تھا۔ تو یہ لوگ انکار کر بیٹھتے تھے۔ اور جب شرک پائے ہوتی تھیں تو اس پر یقین کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آج کے دن فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کفر میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور ان کے ہر طرح کی توبہ صورت نہ ہوگی۔

نشانات قدرت

اب آگے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض نشانات پیش کیے ہیں جو توحید پر دلیل ہیں اور ساتھ ساتھ تھوڑے عمل کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمہیں اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ ان نشانیوں کو دیکھ کر عقل کی وحدانیت اور اس کی عظمت کو پہچان سکتی ہے۔ فرمایا ایک نشان یہ ہے وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وہ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے رزق نازل فرماتا ہے۔ سورۃ الذاریات میں وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۲۲ اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق اور جو چیز تم سے وعدہ کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ رزق کا خزانہ آسمان پر ہے اور نازل ہوتا ہے اور جو چیز تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے کہ وہ ضرور آنے والی ہے اس کو بھی عالم بالا سے ہی آنا ہے۔ بہرحال روزی کا آسمان کی طرف سے نازل ہونا ایک تو اس وجہ سے ہے کہ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش بھی گویا کہ اللہ کی طرف سے بادل

کے ذریعے آتی ہے۔ جس سے زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر رزق انسان انعام، بھل، سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ نے سورۃ نمل میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے قَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ءَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ (آیت ۶۴) تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون پہنچاتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ روزی رسانی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ بارش برسا کر زمین سے پھل اناج اور سبزیاں پیدا کر سکے۔ اگر انسان صرف ایک اسی دلیل میں غور و فکر کر لے تو اسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آجائے اور وہ شرک میں کبھی ملوث نہ ہو۔ مگر فرمایا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ نصیحت وہی شخص حاصل کرتا ہے۔ جو خدا کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ جو شخص اپنی غفلت سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے، وہی ان دلائل میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ سکے گا۔

ترجمہ یہ فرمایا جب آسمان کی طرف سے روزی اللہ تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے۔

استقامت فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ تو صرف بندگی اور اطاعت بھی خاص اسی کے لیے کرنے والے بنو اور کسی کو اس کا ساجھی اور شریک نہ بناؤ۔ خالص اللہ ہی کو پکارو وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ اگرچہ کفر کرنے والے اس چیز کو ناپسند ہی کریں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی شان بیان ہو رہی ہے کہ وہ ذات رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ بلند درجات والی ہے۔ یہاں پر درجات کا صیغہ ہے کہ اس کی تمام صفات کامل ترین ہیں گویا وہ ذات تمام خوبیوں کی صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اس کی صفات میں کوئی نقص یا عیب نہیں۔ وہ بلند صفات کا مالک ہے۔ یہ تو رفیع الدرجات کا لازمی معنی ہو گیا۔ لیکن بعض مفسرین اس کا متعدی معنی بھی کرتے ہیں۔ رفیع صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو فعل کے معنی میں آتا ہے یعنی وہ درجات کو بلند کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ

بندوں انبیاء، شہداء اور حسب المراتب دیگر صالحین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے۔ اُس کا ارشاد ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف - ۱۹) ہر شخص کے لیے اُس کے عمل کے مطابق درجات ہوں گے۔ وہی درجوں کو بلند کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ذُوالْعَرْشِ یعنی عرشِ عظیم کا مالک بھی ہے۔ یہ عرش الٰہی بہت بڑی چیز ہے۔ جس کو اللہ کے مقرب فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے ارد گرد والے فرشتے اس کا طواف اور اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں۔ عرش پر ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جو ساری کائنات کو رنگین بناتی ہیں۔ اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ پلٹ کر واپس جاتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

وحی الٰہی کا نزول

آگے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح اتارتا ہے۔ روح کا اطلاق وحی الٰہی پر بھی ہوتا ہے اور روح الساق پر بھی۔ وحی کا لفظی معنی پوشیدہ بات ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر وحی نازل فرماتا ہے جو اللہ کے احکام اور شریعت دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ نزولِ وحی کا سلسلہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کر کے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ وحی کے ذریعے نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کا پروگرام اب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے نافذ العمل ہے۔ اس کے بعد نہ وحی کا نزول ہوگا۔ نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔

فرمایا وحی الٰہی کے نزول کا مقصد یہ ہے لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ تاکہ جس پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے وہ ملاقات یعنی قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس وحی کے ذریعے لوگوں کو ڈرائے۔ تلاق کا لغوی معنی آپس میں مل جانا ہوتا ہے اور قیامت والے دن سب

لوگ پل جائیں گے یعنی اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ظالم اور مظلوم اکٹھے ہو جائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر کی گئی زیادتی کا بدلہ طلب کریں گے۔ اسی طرح عابد اور معبود اور قاتل اور مقتول بھی اکٹھے ہوں گے اور آپس میں جھگڑا کریں گے۔ غرض قیامت والے دن سب لوگ بکھرے اکٹھے ہو جائیں گے اور اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ حاصل کریں گے۔ فرمایا نزول دن کا مقصد یہ ہے کہ اس دن سے لوگوں کو ڈرایا جائے، کہ دنیا میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس کی اس دن سزا بھگتنی پڑے۔

بادشاہی صرف اللہ کی

اس قیامت والے دن کے متعلق فرمایا یَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ جس دن وہ ظاہر ہونے والے ہوں گے۔ بروز کا معنی باہر نکلنا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس دن لوگ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ اس وقت کھلے میدان میں ہوں گے جہاں کوئی شجر، حجر، پہاڑ یا آڑ نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر شخص دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا سامنے ملے گا۔ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ اللہ کے سامنے ان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہوگی۔ ہر ظاہر و باطن سامنے آجائے گا۔ دنیا میں تو انسان روپوش بھی ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات حکومت بھی انہیں تلاش کرنے میں ناکام رہتی ہے مگر اس دن کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔ حتیٰ کہ لوگوں کے سینوں کے راز بھی کھل کر سامنے آجائیں گے۔ اس وقت آواز آئے گی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اس وقت کوئی جواب نہیں دے سکے گا۔ دنیا کے بڑے بڑے حاکم ان اور فوجی جرنیل انگشت بدنداں ہوں گے اور کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوگی، سب خاموش ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دے گا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج بادشاہی صرف خدائے یکتا کی ہے جو واحد اور قہار ہے۔ اسی کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے۔ آج اسی کا حکم غالب ہے۔

مفسرین کرام تفسیری روایات بیان کرتے ہیں کہ جب صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی۔ سوائے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب کون باقی رہ گیا ہے۔ اسرافیل عرض کرے گا، پروردگار! تیری ذات ہے اور جبرائیل اور میکائیل ہیں۔ ان کے علاوہ تیرا یہ بندہ اسرافیل ہے۔ جو صور لیے ہوئے حاضر ہے۔ اللہ فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کی موت کے دو۔ پھر ایسا ہی ہو گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسرافیل سے کہے گا۔ کہ تم بھی مر جاؤ تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ اور کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے۔ بڑے بڑے ظالم، جابر اور جبار کہاں گئے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ پھر اللہ خود ہی فرمائے گا کہ آج کے دن بادشاہی صرف اللہ کی ہے جو واحد اور قہار ہے۔

جزائے عمل کی منزل

ارشاد ہوتا ہے اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ تو نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ دنیا میں اس نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہے اس کی جزا یا سزا ملے گی۔ سورۃ المدثر میں ہے كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (آیت ۳۸) اس دن ہر شخص اپنی کمائی کا سرہون ہو گا۔ یعنی اس میں پھنسا ہوا ہو گا۔ اس نے دنیا میں رہ کر اپنے اندر جو بھی اعمال کردار یا اخلاق جمع کیے ہیں۔ وہ سب محفوظ ہوں گے اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ضائع نہیں ہو گا بلکہ سب سامنے آجائے گا۔ اور ہر شخص کو اس کا بھگتان کرنا پڑے گا۔ مگر ایک بات ہے لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ آج کے دن کسی پر زیادتی نہیں ہو گی۔ دنیا میں تو لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا حق ناجائز طریقے سے غصب کرتے ہیں مگر آج حق و انصاف کا بول بالا ہو گا۔ اسی لیے اس دن کو یَوْمَ الدِّيْنِ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر ایک پورے پورے بدلے کا دن ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بے شک وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق فیصلہ کرے گا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔

پھر تاکیداً فرمایا وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ آپ ان کو قریب

آنے والے دن سے ڈرا دیں۔ اس سے مراد قیامت ہے کہ وہ قریب ہی آنے والی ہے۔ شیخ ابن عربیؒ کی زبان میں اس سے قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ دونوں مراد ہیں۔ قیامت صغریٰ تو ہر شخص پر بصورت موت وارد ہوتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جو مر گیا اس کی قیامت واقع ہو گئی۔ جنتی کی منازل میں پہلی منزل ہنوز ہے، دوسری منزل حشر نشر ہے اور پھر اگلی منزل دوزخ یا جنت ہے اور قیامت کبریٰ وہ ہے جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ حساب کتاب ہوگا اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ تو فرمایا ان لوگوں کو قریب آنے والے دن یعنی قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ سے ڈرا دیں۔ اور اس وقت حالت یہ ہوگی اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ کہ خوف و دہشت کے مائے دل اچھل کر گلوں تک آ جائیں گے اور وہ اُن کو دبائے ہوں گے۔ خاموشی طاری ہوگی اور کوئی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔ الغرض موت کے وقت بھی انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے اور اجتماعی قیامت کے وقت بھی ایسی ہی حالت ہو گی۔ فرمایا۔ ان کو اس دن کی سختی سے ڈرا دیں۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ اس دن ظالموں یعنی کافروں اور مشرکوں کے لیے کوئی مخلص دوست نہیں ہوگا، جو اُن کی رفاقت اور مجبوری کر سکے۔ دنیا میں تو بہت سے دوست غلوص و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہاں کوئی مخلص دوست نہیں ہوگا۔ وَلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے یعنی سفارش قبول کی جائے۔ اس دنیا میں تو لوگ رشوت اور سفارش سے کام نکال لیتے ہیں مگر وہاں ایسی بات نہیں ہوگی، تمام فیصلے حق و انصاف کی بنیاد پر ہوں گے۔

حق و انصاف کے فیصلے

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اللہ نے سورۃ المزمل میں

---

لہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۰۷ بحوالہ دیلمی عن انسؓ مرفوعاً

اور عورتوں دونوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔ حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر کسی نامحرم پر اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے اور اگر دوبارہ قصداً پڑے گی تو قابلِ مؤاخذہ ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دوسری جانب یا نہ جانے مگر اللہ تو آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور لوگوں کے سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ اور اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ہر مظلوم کی داد رسی کی جائے گی۔

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اور جن کو یہ کافر اور مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ اُن سے حاجت روائی اور مشکل کشائی چاہتے ہیں، فرمایا لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ اُن کے پاس طاقت ہے۔ لہٰذا ان کو پکارنا خود پکارنے والوں کے لیے وبالِ جان بن جائے گا۔ فرمایا۔ یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بے شک اللہ تعالیٰ وہی ہے سننے والا اور دیکھنے والا۔ اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے علم اور قائم کردہ نظام کے تحت فیصلہ کریگا جو قطعی اور آخری ہوگا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا
هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ
اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن
وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ
إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾
فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا
أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ
وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ
فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ
إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ
فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ ع
بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: کیا نہیں چلے پھرے یہ لوگ زمین میں پس
دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے تھے
پہلے، وہ ان سے زیادہ تھے طاقت میں اور نشانیوں
میں جو وہ زمین میں چھوڑ گئے ہیں، پس پکڑا ان کو
اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے بدلے میں، اور نہیں
تھا ان کے لیے اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا (۲۱)
یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس آتے تھے ان کے رسول
کھلی نشانیاں لے کر، پس انہوں نے کفر کیا تو پکڑا انکو
اللہ تعالیٰ نے، بیشک وہ قوت والا اور سخت سزا
دینے والا ہے (۲۲) اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا
موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور کھلی
سند کے ساتھ (۲۳) فرعون اور ہامان اور قارون کی
طرف، پس کہا انہوں نے کہ یہ جادوگر ہے اور بڑا
جھوٹا ہے (۲۴) جب وہ آئے ان کے پاس حق
لے کر ہماری طرف سے تو کہا انہوں نے قتل کرو
ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ
اور زندہ چھوڑو ان کی عورتوں کو، اور نہیں ہے داؤ
کفر کرنے والوں کا، مگر گمراہی میں (۲۵) اور کہا فرعون
نے کہ چھوڑ دو مجھے کہ میں قتل کروں موسیٰ علیہ السلام
کو، اور چاہئے پکارے اپنے پروردگار کو، میں خوف کھاتا
ہوں کہ کہیں یہ تبدیل نہ کر دے تمہارے دین کو یا
پھیلا دے زمین میں فساد (۲۶) اور کہا موسیٰ علیہ السلام
نے کر بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے اور تمہارے

خداوند کے ساتھ ہر تجربہ کرنے والے سے حساب کے
دن پہ ایمان نہیں رکھتا (۳۶)

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر تھا اور کچھ دلائل قدرت بھی بیان ہوئے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکیں اور اس کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا ادراک ہو۔ پھر اللہ نے وقوعِ قیامت اور وہاں پیش آنے والے بعض حالات کا ذکر کیا۔ اور جنہوں نے عمل کے متعلق باز پرس کرانی۔ اب آج کے درس میں بھی زیادہ کفر و شرک کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کی توجہ بعض سابقہ نافرمان اقوام کے حالات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے

سابقہ اقوام کا انجام

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ؟ یہ مخاطب قرآن کے زمانے کے کفار و مشرکین کے متعلق ہو رہا ہے۔ جو اللہ کی وحدانیت، حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت قرآن کی حقانیت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔ فرمایا کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ تاکہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ فرمایا ان سے پہلی قوموں کے لوگ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ وہ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور وہ زمین میں نشانیاں بھی زیادہ چھوڑ گئے تھے۔ وہ لوگ بڑے بڑے مضبوط قلعوں میں رہتے تھے، بعض پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر مکان بناتے تھے، بڑے بڑے گنبد اور محلات تعمیر کرتے تھے۔ ان کی عمارات کے کھنڈرات آج بھی کفر و شرک کی صورت میں گزرنے والوں کو درسِ عبرت دے رہے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں نے چل پھر کر ان کا انجام نہیں دیکھا ؟ جنگ کے لئے لوگ تجارتی سفر پر شام و فلسطین کی طرف جاتے تھے اور راستے میں آنے والے ہزاروں سال پرانے کھنڈرات دیکھتے گزرتے تھے یہ اجڑی ہوئی بستیاں بتلا رہی تھیں کہ ان کے بسنے والے بھی

بڑے طاقتور اور بہادر ہوتے تھے۔ بڑے بڑے اور صاحب جاہ و اقتدار تھے مگر آج اُن کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اللہ نے اُن کی نافرمانی کی وجہ سے دنیا سے اُنکو ناپید کر دیا اور آج ان کھنڈرات کے سوا اُن کا کچھ نہیں بچا۔ سورۃ سبا میں اللہ نے مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (آیت ۴۵) کہ ان کو تو پہلی اقوام کے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں دیا گیا۔ جب اُن کو اللہ نے اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا تو یہ لوگ اپنی نے اپنے قدم یہ کیا کہ اُس کی گرفت سے بچ سکتے ہیں؟

فرمایا جب سابقہ اقوام کے لوگ حد سے بڑھ گئے فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ تو اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کے بدلے میں پکڑ لیا۔ اور گناہوں میں سرفہرست کفر، شرک اور ظلم و زیادتی ہے۔ وہ لوگ اسی معاصی میں مبتلا تھے جن کی وجہ سے اللہ کا عذاب آگیا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ پھر اللہ کے سامنے اُن کو بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ کسی پر ہوا کا عذاب آیا، کسی پر طوفان باد و باراں مسلط ہوا کسی کو چیخ نے آلیا، کسی کو پانی میں غرق کر دیا گیا اور کسی کی شکلیں تبدیل کر دی گئیں مگر ان کو اس عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ان قوموں کے آثار دیکھ کر اُن سے نصیحت حاصل کریں محض سیر و تفریح کا موقع تلاش کرنا مناسب نہیں۔ اللہ نے ان نشانات کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان بنایا ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرہ کے سفر پر گئے تو راستے میں قوم ثمود کے کھنڈرات سے گزرے تھے۔ آپ وہاں سے عاجزی کے ساتھ سر کو جھکاتے ہوئے گزرے اور فرمایا کہ لوگو! خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو توبہ کرو، کہیں تم پر بھی ایسا ہی عذاب نہ آجائے جو اس قوم پر آیا تھا۔ ان آثار قدیمہ سے عبرت پکڑو۔ اور عاجزی کرتے ہوئے گزرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور ہمیں عذاب سے محفوظ رکھے۔

فرمایا ان اقوام پر عذاب آنے کی وجہ یہ تھی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا کہ ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے مگر انہوں نے انکار کر دیا اللہ کا نبی خود ایک نشانی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہر نبی کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب یا صحیفہ، نبی کی تعلیمات، اس کا عمل، اور اس کا چہرہ مبارک سب نشانیاں ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے مگر کفار نے کسی چیز کو تسلیم نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا اور عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور سخت سزا دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین اور مکذبین کو مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب کوئی قوم حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کو گرفت میں لے لیتا ہے جو کہ بہت سخت ہوتی ہے۔ پہلی اقوام کے یہ حالات اللہ نے نزول قرآن کے زمانے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر فرمائے ہیں۔

فرعون اور اس کے حواری

آگے اللہ نے چند سرکشوں کا حال ذکر کیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ۔ ان نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ ان میں دو معجزات عصا اور ید بیضا خاص طور پر مشہور ہیں۔ اللہ کی عطا کردہ عظیم المرتبت کتاب تورات بھی نشانی ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا تھا۔ اور کھلی سند سے وہ آیہ مراد ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے آپ بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے حق کا کلمہ پیش کرنے میں ذرا بھی ہچکچاتے نہیں تھے بلکہ دو ٹوک بات کہہ دیتے تھے۔

فرمایا ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف۔ ان میں سے فرعون تو سخت

جابر۔ ۲ النّٰزعٰت۔ جو کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النّٰزعٰت ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (البقرہ ۲۵۸) میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اور دوسرے شخص کا اللہ نے یہاں ذکر فرمایا ہے، وہ فرعون کا وزیر ہامان تھا۔ یہ شخص آجکل کی بیوروکریسی یعنی نوکر شاہی کا سکھل نمونہ تھا۔ یہی شخص تھا جو فرعون کو غلط مشورے دے کر لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ نوکر شاہی کا یہ پرانا طریقہ ہے کہ وہ ہر اقتدار شخص کے سامنے امور سلطنت کا ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں کہ اقتدار رکھنے والا شخص ان کا مشورہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح ظلم و جور کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اور تیسرا شخص قارون تھا جو اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا فرد تھا مگر اس نے فرعون کا اعتماد حاصل کر رکھا تھا۔ یہ بڑے بڑے کاموں کے ٹھیکے لیتا تھا جس کی وجہ سے اس شخص نے بے پناہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے بیان کے مطابق اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (القصص ۷۶) اس کے خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی۔ یہ شخص سرمایہ داری کا ایک نمونہ تھا۔ الغرض! یہاں پر مذکورہ تین شخصیات میں سے فرعون و ہامان بیوروکریٹ اور قارون سرمایہ دار تھا۔

برصغیر کی ہولناک تاریخ

برصغیر کی دو صد سالہ سابقہ تاریخ بڑی ہولناک تصویر پیش کرتی ہے ہزاروں میل دور سے آکر انگریز نے بیوروکریسی اور سرمایہ داری نظام کے بل بوتے پر ہی ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔ انگریز سولہویں صدی میں بطور تاجر برصغیر میں داخل ہوئے۔ سترہویں صدی میں انہیں تجارت پر مکمل غلبہ حاصل ہو گیا اور اٹھارویں صدی میں پوری گہری سازشوں کے ذریعے کابل سے لے کر رنگون تک کے علاقے پر سیاسی طور پر بھی قابض ہو گئے۔ یہاں پر انہوں نے اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے نوکر شاہی، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا نظام رائج کیا اور پھر دو سو سال تک اس برصغیر میں سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے

نے اس خطہ ارضی میں بالکل فرعونوں، ہامان اور قارون کا کردار ادا کیا۔ لوگوں کو خطاب بنے، بڑی بڑی جاگیریں دیں، فوجداریاں دیں اور اس بات کو نہیں چاہتے پہ آمادہ کیا چنانچہ انگریز کا یہ پروردہ طبقہ آج تک اسی کے مفاد کے تحفظ انگریزوں کے مفاد کی حفاظت کرتا رہا۔

اس زمانے میں بھی اللہ کے بعض بندے پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس ظالمانہ نظام کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی بھی انہی میں سے تھے۔ سرحدیوں نے تنگ آکر آپ کو جلاوطن کر دیا۔ آپ حج کرنے چلے گئے ایک دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ انگریز کا خفیہ پولیس والا پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو فرمایا۔ ظالم! تو خانہ خدا میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ مطلب یہ کہ انگریز آپ کی ہر حرکت سے خوفزدہ تھے کہ دیار غیر میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ پھر بعض حضرات کی کوشش سے آپ کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی۔ آپ نے واپس آکر یہ کہا کہ میں محض اس لیے یہاں واپس آیا ہوں تاکہ قوم کے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو بتا دوں کہ قرآن کے راستے پر چلتے ہیں۔ اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کی کوشش کرو۔ یہ ہے قرآن کا صحیح مفہوم جو ہمارے بزرگ ہمیں سمجھا گئے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس کو صحیح سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں۔

فرعون کا تباہ ہونا

فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تاکہ ان کو ہمارا حق سنائیں۔ جب انہوں نے حق کو قبول نہ کیا فَقَالُوا سٰحِرٌ كَذَّابٌ کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ یہ جادوگر ہے اور سخت جھوٹا آدمی ہے العیاذ باللہ۔ آگے اللہ نے مذکورہ تینوں شخصوں کی خیانت کا اس طرح ذکر کیا فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہماری طرف سے فرعون اور اس کے حواری کہنے لگے قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ کہ جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہیں ان

کے بیٹوں کو قتل کرو۔ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو بچوں کو قتل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد نہ بڑھنے پائے۔ اب ان میں سے کوئی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔ اور عورتوں کو زندہ رہنے دینے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کو لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لی جائے۔ چنانچہ فرعون نے ایسا ہی کیا۔ یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا اور تفسیری روایات کے مطابق نوے ہزار بچے ان کے والدین کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ تمہارے ظلم و استبداد کے باوجود وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ کافروں کا داؤ کچھ بھی ——— کی نہ ہوا۔ اُن کی ہر تدبیر ناکام ہوئی۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے اتنی کثیر تعداد میں قتل عام کئے مگر ان کا یہ منصوبہ ناکام ہوا۔ اللہ نے ایک بچے کے ہاتھوں اُن کا تختہ الٹ دیا جس کی ماں نے خود پرورش کی تھی۔ یہ موسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے فرعون کے محل میں پرورش پائی مگر آپ ہی ساری قوم کی غرقابی کا باعث بنے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئی۔

جب تمام تر سختیوں اور کارروائیوں کے باوجود موسیٰ علیہ السلام تبلیغ حق سے باز نہ آئے وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ تو فرعون اپنے حواریوں سے کہنے لگا، مجھے چھوڑ دو کہ میں خود موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کروں اور یہ اپنے رب کو پکارے جس کو اپنا محافظ اور کارساز سمجھتا ہے۔ پھر ہم دیکھ لیں گے کہ کون اس کو بچاتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ شاید فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو خود قتل کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ اس کے درباری حواری آپ کے معجزات دیکھ چکے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں اللہ کی گرفت میں نہ آ جائیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون خود بھی خوفزدہ ہو چکا تھا مگر لوگوں کے حوصلے بلند کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ رکھنے کی غرض سے اس قسم کی ڈینگیں مارتا تھا کہ لاؤ میں اس کو خود قتل کرتا ہوں۔ پھر کہنے

کہ اس شخص کو اپنے کئے سے ہٹنا ہی پڑے گا کیونکہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ کہنے سے ظاہر ہے کہ یہ تمہارا دین ہی تبدیل ڈالے یعنی تمہاری کفریہ اور شرکیہ رسم و رواج کو ہی نہ الٹ پلٹ دے لوگ اس کے وعظ سے اثر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ اس شخص کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

مکے کے مشرک خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق کہتے تھے کہ یہ لوگ صابی (بے دین) ہو گئے ہیں جو آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑ چکے ہیں، لہٰذا ان کے بہکاوے میں آ کر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دینا۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے کہا اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ہود - ۸۷) کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں۔

الغرض فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایک تو اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں یہ شخص تمہارا دین ہی تبدیل نہ کر دے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ کہیں یہ زمین میں فساد برپا نہ کر دے۔ اس کو عذاب یہ تھا کہ اگر تم لوگ اس کی بات مان گئے تو یہ حکومت کا تختہ الٹ دے گا اور اس طرح فساد فی الارض کا باعث بنے گا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون کے حواریوں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ (آیت - ۱۱۰) اور تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دینا چاہتا ہے تاکہ خود اقتدار پر قبضہ کر لے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے متنفر ہو جائیں اور ان کی بات نہ مانیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفر، شرک، ظلم و زیادتی اور قتل ناحق سے بڑھ کر اور بڑا فساد فی الارض ہے۔ جس کا فرعون اور اس کے حواری ارتکاب کر رہے تھے مگر الزام موسیٰ علیہ السلام پر لگاتے تھے

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اضلال فی الشرائع یعنی اللہ کے دین اور شریعت کو بگاڑنے کا کام ہی فساد ہے۔ کفر، شرک، معاصی اور بدعات سے زمین بگڑتی ہے اور ایمان، توحید، نبی اور اطاعت سے اس کی اصلاح ہوتی ہے، مگر فرعون اللہ موسیٰ علیہ السلام کو بداصلی کا طعنہ دے رہا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کا استغاذہ

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حواریوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ کہنے لگے میں ہر متکبر شخص سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں وہ متکبر لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ جس کو وقوع قیامت اور جزائے عمل پر یقین نہیں ہے وہ برائی اور گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے برائی سے تو وہ شخص بچے گا جو جانتا ہے کہ مجھے ہر عمل کا حساب دینا ہے اور جو حساب کے دن کو ہی نہیں مانتا وہ شتر بے مہار سے جدھر چاہے چلا جائے اور جو چاہے کرتا پھرے۔

موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا اللہ نے قبول فرمائی اور آپ کو فرعون اور اس کے حواریوں کی دست برد سے بچا دیا۔ وہ آپ کو قتل نہ کر سکے بلکہ خود سارے قوم بنی میں غرق ہو گئے۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اِنِّيْ عُذْتُ ... الخ ایک دعا بھی ہے۔ جو شخص دن میں سو مرتبہ اس کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے حفاظت فرمائی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ
كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
كَذَّابٌ ۝۲۸ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ
جَاۗءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى
وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۲۹ وَقَالَ
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ
يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا
اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ
مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

قل ترجمہ :- اور کہا مرد مومن نے جو آلِ فرعون میں سے تھا، اور چھپاتا تھا اپنے ایمان کو، کیا قتل کرتے ہو قتل کرے گا اُس شخص کو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ اور تحقیق لایا ہے وہ تمھارے پاس نشانیاں تمھارے پروردگار کی جانب سے، اور اگر ہو وہ جھوٹا تو اُسی پر ہے وبال اس کا جھوٹ کا، اور اگر ہو وہ سچا تو پہنچیں تم کو بعض وہ چیزیں جو وعدہ دیتا ہے تم کو، بیشک اللہ نہیں راہ دیتا جو مسرف اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو (۲۸) اے میری قوم کے لوگو! تمھارے لیے ہے بادشاہی آج، تم غالب ہو زمین میں، پس کون مدد کرے ہماری اللہ کی گرفت سے اگر وہ آگئی۔ کہا فرعون نے نہیں دکھاتا تم کو مگر وہی بات جو میں دیکھتا ہوں، اور میں نہیں راہ دکھاتا تمھیں مگر بھلائی کے راستے کی (۲۹) اور کہا اُس شخص نے جو ایمان لایا تھا۔ اے میری قوم کے لوگو! بیشک میں خوف رکھتا ہوں تم پر مانند دن کے بعض (۳۰) جیسا عادت اللہ نوح کی قوم کی، عاد اور ثمود کی قوم کی، اور اُن لوگوں کی جو ان سے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں ارادہ کرتا ہے ظلم کا بندوں کے اور (۳۱) اے میری قوم کے لوگو! بیشک میں خوف رکھتا ہوں تم پر دن پکارنے کے دن سے (۳۲) جس دن تم پیٹھ پھیر کر جاؤ گے۔ نہیں تمھارے لیے اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا۔ اور جس کو اللہ بھٹکا دے، نہیں ہے

اُس کے لیے کوئی راہ کھلانے والا (۳۴)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی تردید اور مشرکین کو تنبیہ کے انداز میں پہلے لوگوں کا حال ذکر کیا۔ اور اُن سرکشوں کا بھی جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ فرعون، ہامان اور قارون کے جنود نے غلط تدبیریں سوچ کر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مشن کو ناکام کرنا چاہا حتیٰ کہ آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ فرعون دل میں موسیٰ علیہ السلام سے خوف بھی کھاتا تھا کیونکہ وہ آپ کے ہاتھ پر واضح نشانیاں دیکھ چکا تھا مگر لوگوں میں اپنا رعب قائم رکھنے کے لیے کہتا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل سے مت روکو۔ یہ شخص تمہارے دین کو تبدیل اور زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے متکبر اور قیامت پر ایمان نہ لانے والے شخص سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔

مرد مومن کی حق گوئی

آج کی ابتدائی آیات میں ایک مرد مومن کا ذکر آ رہا ہے جس نے فرعون اور اُس کی قوم کو منع کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رہیں جس کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار تسلیم کرتا ہے۔ یہ وہی مرد مومن ہے جس کے نام پر اس سورۃ کا نام المومن ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعون کی قوم میں سے صرف تین آدمی مشرف بہ ایمان ہوئے۔ ایک تو فرعون کی بیوی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ وہ بلاشبہ بلند مرتبہ خاتون تھیں۔ دوسرا ایماندار شخص وہ ہے جس نے شہر کے دوسرے سرے سے آکر موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل کے بدلے میں اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ (القصص۔ ۲۰) لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا جان بچانے کے لیے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ تیسرا ایماندار شخص یہی مرد مومن تھا جس کا تذکرہ آج کے درس میں ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور کہا ایک مرد مومن نے جو فرعون کی قوم سے تھا یکتمُ ایمانہ اپنے

ایمان کو چھپا رکھا تھا۔ چونکہ فرعون اور اُس کے درباری اہلِ ایمان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے، اس لیے یہ واقعہ پیش آنے تک اُس شخص نے اپنا ایمان مخفی رکھا ہوا تھا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ بات سرے سے گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بن رہا ہے تو اُس سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنی قوم کے سامنے اپنے ضمیر کی آواز کو ظاہر کر دیا۔ اور کہنے لگا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا محض زبانی دعویدار نہیں بلکہ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی دلیلیں بھی لایا ہے۔ تم نے اُس کے معجزات خود اور یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں۔ اُس کی دانش کی تعلیم بھی سُن لی ہے مگر پھر بھی اس پر ایمان لانے کی بجائے اُس کے قتل کے درپے ہو گئے ہو کس قدر افسوسناک بات ہے۔

ایمان کا اخفاء

اس مردِ مومن نے بعرصہ تک اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔ مفسرین اس مسئلہ میں کلام کرتے ہیں کہ اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرنے والے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس ضمن میں یہ بات امام مالکؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ ایسا شخص ایماندار نہیں سمجھا جائیگا جس نے زبان سے ایمان کا اقرار نہ کیا ہو اگرچہ ایمان اُس کے دل میں موجود ہو۔ ہاں، اگر اُسے کسی ظالم اور جابر حکمران کی طرف سے خطرہ ہو تو وہ اس کے سامنے بیشک اظہارِ ایمان نہ کرے مگر اُسے تنہائی میں زبان سے اقرار ضرور کر لینا چاہیئے۔ ورنہ وہ صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوگا۔ بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر دل میں ایمان موجود ہے تو زبان سے اقرار ضروری نہیں کیونکہ زبان کا اقرار تو احکام کے اجراء کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص پر اسلامی قوانین اس وقت نافذ ہوں گے جب وہ زبان سے اپنے ایمان اور اسلام کا اقرار کریگا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا تو اس کے لیے نکاح و طلاق یا موت کی صورت میں تجہیز و تکفین اور وراثت کے احکام لاگو ہوں گے۔ تاہم

اگر وہ دل سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے احکام پر ایمان رکھتے تو وہ ایماندار ہی کہلائے گا اگرچہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے ایمان کو چھپا رہا ہو۔ تاہم تنہائی میں اقرار اُس کے لیے ضروری ہوگا۔

تقیہ کا باطل عقیدہ

یاد رہے کہ ایمان کا مذکورہ بالا شیعوں کے عقیدۂ تقیہ سے مختلف ہے اور اس سے وہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس عقیدہ کی رو سے شیعہ حضرات اپنے دین کے بعض اجزاء کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اسے جائز بھی سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ باطل ہے۔ آج کے پچیس کے زمانہ میں لوگ شیعوں کے اس قسم کے عقائد پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اب تک تو یہ خبائث اپنے بعض عقائد کو چھپاتے تھے مگر اب وہ کتابوں کی اشاعت کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ حق سے کس قدر دور ہیں۔ بایں ہمہ کفار و مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے اُن کے ساتھ ظاہری طور پر دوستانہ کی اجازت دی گئی ہے جیسے سورۃ آل عمران میں اللہ کا فرمان ہے کہ مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ واسطہ نہ رہا۔ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً۔ ہاں، اگر تمہیں اُن کی طرف سے جان و مال کا خطرہ ہو تو ظاہری طور پر دوستانے کے اظہار کی اجازت ہے۔ جس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کو ہر وقت چھپائے رکھو بلکہ جب بھی موقع ملے اپنے دین کا اظہار ضروری ہوگا۔

حضرت علیہ السلام کے واقعات سے مماثلت

اس مرد مومن نے جس طرح فرعونیوں کے سامنے حق بات پیش کی اور کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اسی طرح کے بعض واقعات تو حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے۔ ایک موقع پر حضرت علیؓ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے دوران خطاب لوگوں سے دریافت کیا کہ سب سے شجاع انسان بعد میں لوگوں میں بہادر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ اس پر آپ نے خود ہی فرمایا کہ ہمارے معاشرے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بہادر ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کے پاس

نماز پڑھتے تھے کہ مشرکین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بعض لوگوں کو آپ کے قتل کرنے کے لئے بھیجا اور زبان سے یہ الفاظ دہرائے اَلْقَتْلَ اَلْقَتْلَ اَلْقَتْلَ۔ اللہ اللہ ایسے شخص کے قتل کے لئے جو ہمیشہ کلمہ حق کا پرچار کرتا رہا ہے ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ حضرت علیہ السلام پر زیادتی نہ کرنا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ کو مشرکین کے ظلم و ستم سے بچانے کی کوشش کی تو مشرک کہنے لگے ہمارا کسی شخص سے جھگڑا نہیں ہے ہمارا جھگڑا تو محمد ابن ابی قحافہ سے ہے۔ مشرکین سے آپ کو بھی پیٹنا شروع کر دیا اور اس قدر مارا کہ آپ کے سر کے بال ہی اڑ گئے۔ آپ نے اس وقت بھی یہی آیت تلاوت فرمائی اور ظالمو! تم ایسے شخص کو مارتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رونے لگے۔

بہرحال اس مرد مومن نے کہا یا قوم کیوں موسیٰ علیہ السلام کے دشمن بنتے ہو۔ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ اگر یہ شخص تمہارے مذہب کے مخالف ہونے سے جھوٹا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا تم اس حادثہ میں کیوں پریشان ہوتے ہو۔ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا اور اگر وہ سچا ہے تو یُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ تو تمہیں اپنے ہی کیے ہوئے کی سزا مل جائے گی۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس کو اذیت پہنچائی تو پھر خدا کی گرفت تم پر یقیناً آئے گی۔ تم اس سے بچ نہیں سکتے۔ لہٰذا تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے اور سخت جھوٹے آدمی کو راہ نہیں دکھاتا۔ ایسا شخص نہ تو سیدھے راستے پر ہی رہتا ہے۔ لہٰذا تم کسی کا رائے سے پہلے انجام کو اچھی طرح سوچ لو۔

اس مومن آدمی نے یہ بھی کہا۔ یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِی الْاَرْضِ اے میری قوم کے لوگو! تمہارے پاس آج کے دن بادشاہی ہے اور زمین میں تم ہی غالب ہو۔ آج تو تم اس عارضی اقتدار پر اترا رہے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا بھلا کون ہماری مدد کرے گا اللہ

کے عذاب سے اگر وہ ہمارے پاس آگیا؟ آج تو تم لاؤ لشکر اور ساز و سامان رکھتے ہو جس کو چاہتے ہو قتل کر ڈالتے ہو اور جس کو چاہتے ہو زندہ چھوڑ دیتے ہو، ہر طرح سے بااختیار ہو، مگر جب اللہ کی گرفت آگئی تو پھر تمہارے ظاہری اسباب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس کے جواب میں قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون کہنے لگا مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى میں تو تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو مجھے سوجھ رہی ہے کہ یہ شخص ہمارے دین کو خراب کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کا کام تمام کر دینا چاہئے اور پھر اپنے طریقے سے کہنے لگا۔ وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ۔ میں تو تمہاری رہنمائی صرف بھلائی کے راستہ کی طرف کر رہا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہیں آنے والی مصیبت سے بچانا چاہتا ہوں لہٰذا میری رائے یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے اپنے دین اور اقتدار کو بچا لو۔ دنیا کے ہر ظالم اور مستبد کا یہی طریقہ کار ہے کہ وہ اپنے ظالمانہ نظام کو ہی صحیح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر گمراہی ہے۔ ظلم و ستم کفر و شرک کا راستہ ہے۔ بھلا وہ کیسے بہتر ہو سکتا ہے؟ آج دنیا کی سپر پاورز بھی فرعون کے نقش قدم پر چل رہی ہیں۔ وہ بھی اپنے اپنے مروجہ نظام کو ہی بہتر سمجھتی ہیں اور ساری دنیا میں اسے نافذ کرنے کی خواہش رکھتی ہیں اور اسی بنا پر ان دو بڑی طاقتوں میں آپس میں بھی کشمکش چل رہی ہے۔ امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کا داعی ہے۔ جب کہ روس اشتراکی نظام معیشت کا حامی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نظام باطل ہیں۔ صحیح پروگرام وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔

مردِ مومن کی طرف سے انذار

مردِ مومن نے قوم کو ان کے انجام سے ڈرانے کی کوشش بھی کی۔ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ اور کہا اہلِ ایمان آدمی نے يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر اگلی جماعتوں کے دن کا خوف کھاتا ہوں، یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی وہی گرفت نہ آجائے جو پہلی قوموں پر آئی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور ان کو تکالیف پہنچائیں

[illegible] کہیں قریب ہی عذاب کا وہی دن آ پہنچا
[illegible] قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۔ جیسا کہ قوم
نوح علیہ السلام اور قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا اور ان کے بعد کے قوموں پر بھی
آیا۔ قوم لوط کے حال سے تو قریشیوں بھی واقف تھا۔ ان کو قوم فرعون اور عاد کی تباہی
کے حالات بھی معلوم تھے اور ان کے کھنڈرات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو مخاطب کر کے یاد
دلایا کہ تم سے پہلے اقوام کی روش پر چل کر ان پر آنے والے عذاب کا شکار نہ ہو جانا
کیونکہ وہ بہت زبردست تھے اور یاد رکھو کہ تمہیں کوئی حیثیت نہیں دے گی تو
تمہارے نبی کا کہ لوگ کی وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ حقیقت
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔ وہ تو صرف ان کے جرائم کی ہی
کو سزا دیتا ہے۔

اس مرد مومن نے یہ بھی کہا وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ
اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر پکار کے دن سے ڈرتا ہوں۔ اس سے
مراد قیامت کا دن ہے جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ کہاں ہو فرعون
کا خاندان جسے دنیا سے تعبیر کیا گیا۔ مومن آدمی نے کہا میں تمہیں اس دن کی
سختی سے ڈراتا ہوں۔ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ جس دن تم پیٹھ پھیر کر
بھاگو گے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر سے کہیں چھپ نہ سکو گے۔ وہ کہے گے مَا لَكُمْ مِّنَ
[illegible] گویا اس دن تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا
اس دن کوئی بھی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔ اللہ رب العزت کے سامنے کسی کو دم مارنے
کی جرأت نہ ہوگی نہ ہی کوئی کسی کی مدد کر سکے گا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے
تمہیں کوئی سبب نہیں روکنا چاہیے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اور یاد رکھو! جس شخص کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے اس کو کوئی راہ
دکھانے والا نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت سے واقف

ہے۔ وہ اس آدمی کو گمراہ کرتا ہے جو اپنی ضد، عناد اور بہت دھرمی کی بنا پر اپنی
استعداد کو ہی بگاڑ چکا ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہی نہ کرے اُسے
صراطِ مستقیم کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تم ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اللہ کے
نبی کو اپنا لو۔ پھر اُس مردِ مومن نے اپنی قوم کو یہ نصیحت کی۔ اس کا بیان اگلی آیت
میں بھی جاری ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا
هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ
جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ
صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ
كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ
عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق لے کر آیا تمہارے پاس یوسف علیہ السلام اس

سے پہلے کھلی کھلی نشانیاں پھر برابر تم شک میں رہے
اس چیز سے جس کو وہ لے کر آئے یہاں تک کہ جب
وہ فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ ہرگز نہیں بھیجے گا

اللہ تعالیٰ اُن کے بعد بہت رسول اپنی اپنی طرف سے اللہ کی
نشانیاں لے کر آئے مگر وہ اس چیز کے ایمان لانے والے نہ تھے
جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے
والوں کے دلوں پر (۳۴) مہر کر دیتے ہیں
پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں
اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا
لیکن انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے (۳۵)
جب ان کے پاس ہماری طرف سے سچی بات پہنچی تو کہنے لگے
کہ یہ تو کھلا جادو ہے
موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں ایسا کہتے ہو جبکہ وہ
تمہارے پاس پہنچ چکا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کبھی
کامیاب نہیں ہوتے (۳۶)
وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس
طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہمیں پھیر دے
اور تم دونوں کو ملک میں بڑائی مل جائے ہم تو تم دونوں پر
ایمان لانے والے نہیں ہیں (۳۷)
اور فرعون نے کہا کہ تم میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آؤ
پھر جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تمہیں
ڈالنا ہے ڈالو (۳۸) پھر جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں
ڈالیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے
پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو یکایک وہ ان کی بناوٹی چیزوں
کو نگلنے لگا (۳۹) پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ بنا رہے
تھے سب غلط ہو گیا (۴۰) پس وہ وہیں مغلوب ہو گئے اور
ذلیل و خوار ہو کر لوٹے (۴۱)
اور جادوگر سجدے میں گر پڑے (۴۲) کہنے لگے ہم
ایمان لائے رب العالمین پر (۴۳) جو موسیٰ اور ہارون کا
رب ہے
فرعون نے کہا کیا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ
میں تمہیں اجازت دوں بیشک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں
جادو سکھایا ہے پس تم عنقریب جان لو گے میں تمہارے ہاتھ
پاؤں مخالف سمت سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی دوں گا (۴۴)
وہ کہنے لگے کوئی حرج نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں
ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف فرما دے گا
اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں (۴۵)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید اور عجز بے عمل کی بات سمجھانے کے لیے
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ جس وقت آپ نے فرعون، ہامان اور
قارون کے حلقے خدا تعالیٰ کو پہچاننے کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کا ساحر اور کذاب
کہا۔ فرعون خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کے لیے بڑی
تدبیریں سوچنے لگا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کو
قتل کرنے دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر قسم کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔
اس دوران میں فرعون کی قوم کا ایک مومن سامنے آیا جو اپنے ایمان کو چھپا
رہا تھا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا
چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہتا ہے۔ اور وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] یہی وجہ ہے کہ [illegible] علیہ السلام
[illegible] کیوں [illegible]

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال پہلے ہوئے ہیں مگر مورخین ان کا حوالہ اب دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فراعنہ مصر کے اس وقت کے فراعین نے بڑی لمبی عمر پائی تھی اور وہ وہی فرعون تھا جو یوسف علیہ السلام کے زمانے سے زندہ چلا آ رہا تھا۔ اس لئے مورخین نے اس کو پایا اور لکھا کہ یوسف علیہ السلام کا انکار کر کے پچھتائے تو اب موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بھی پچھتائے گے۔ البتہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جس طرح یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مختلف ہیں اسی طرح ہر دو زمانوں کے فرعون بھی مختلف تھے۔ اور جس یوسف علیہ السلام کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام نہیں بلکہ ان کے بعد کے دوسرے یوسف بن افراہیم علیہ السلام تھے اور یہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ بھی اللہ کے نبی تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو تبلیغ دین کی مگر قوم نے تسلیم نہ کیا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی کچھ آئی تو ایسا زوال آیا۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہا السلام نہیں۔ اہل مصر [illegible] نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ آپ [illegible] مصر کے سیاہ و سفید کے مالک بنے اور اس دوران میں انہوں نے نظام مملکت کو نہایت احسن طریقے سے چلایا۔ خاص طور پر قحط کے سات سالوں میں آپ نے غلہ کی فراہمی کا جو بندوبست کیا اور وہ نہایت ہی عمدہ تھا جس کی وجہ سے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں اہل مصر کو کوئی دقت پیش نہ آئی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوئی تو نظام سلطنت میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ تو اس وقت لوگوں کو آپ کی خوبیاں اور اس خدمات کی قدر معلوم ہوئی تو پھر انہوں نے اظہار کیا کہ ان کی زندگی میں ہم نے [illegible]

...لوگو! اس مرد حق کی قدر کرو کہ اللہ اپنی نعمت کو یاد کرا۔ تاکہ نعمت کی قدر اس کے زوال کے بعد ہوتی ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی قدر ان لوگوں کو ان کے جانے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنے پر ہمیں بعد میں افسوس ہوگا فرمایا۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے حد سے تجاوز کرنے والے شک کرنے والے کو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

الذین یجادلون

آگے مسرف اور مرتاب لوگوں کے کچھ کام بیان فرمائے اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ۔ وہ مسرف اور شک کرنے والے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جھگڑا کرتے ہیں۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان کا یہ جھگڑا اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے نزدیک بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے۔ یہ جھگڑا لوگوں کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ ہر متکبر اور سرکش دل پر۔ جو لوگ حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اکڑ دکھاتے ہیں۔ اور اللہ کی آیات پر جھگڑا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور وہ ہدایت کے لیے بند ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تکبر، تردد کی دلیل ہے۔ انسان گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جھگڑا کرنے کے نتیجہ میں اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ ہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔

فرعون کی ہامان کو فرعون کا وزیر مقرر کرنے کی درخواست

فرعون نے کہا يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ۔ اے ہامان میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا دو شاید کہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى یعنی میں آسمانوں کے راستوں پر پہنچ جاؤں اور موسیٰ (علیہ السلام) کے الٰہ کو دیکھ لوں۔ میرا خیال ہے کہ

---

روس کے بادشاہ نکولس نے بھی اس قسم کی ہرزہ سرائی کی تھی۔ یہ شخص مسلمان تھا مگر کسی ازم کا قائل ہو کر اشتراکی بن گیا۔ اس نے تیس سال تک روس پر مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کی۔ اس نے اپنے دور میں کوشش کی کہ روس میں اس قدر غربت پیدا کر دے کہ عوام کا کوئی نظریہ روس میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ یہاں کے لوگوں کی توجہ خدا کی طرف ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنی مملکت میں ایسے قوانین نافذ کیے جن کی رو سے ہر شخص کو خدا کا منکر ہونا ضروری تھا۔ اس نے اپنے ملک میں ایسے قوانین نافذ کیے جن کی رو سے ہر شخص کو خدا کا منکر ہونا ضروری تھا۔ اس نے اپنے ملک میں ایسے قوانین نافذ کیے جن کی رو سے ہر شخص کو خدا کا منکر ہونا ضروری تھا۔

بہرحال فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ ایسا اونچا مینار تعمیر کرے تاکہ وہ اوپر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکے۔ اس سے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعون نے یہ بات محض مسخرے پن سے کہی تھی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ

ارشاد ہوتا ہے وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ کی طریقے سے فرعون کا بُرا عمل اس کے لیے مزین کر دیا گیا تھا۔ سورۃ النمل میں ہے۔

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے تھے۔ سو وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں گمراہی اور کافروں کے ذہنوں میں ان کے اعمال باطلہ سے تزئین کرتے ہیں اور وہ ان کے کیے ہوئے اعمال پر اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح سرکشوں نے اعمال بد بھی خوشنما کر کے دکھائے ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا طریقہ بالکل صحیح ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی اعمال ان کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔

فرمایا اسی طرح فرعون کا عمل اس کو مزین کر کے دکھایا گیا تھا اور وہ [illegible] اس [illegible] رہتے ہوئے [illegible] عمل [illegible] فرمایا [illegible] فرعون [illegible] عذاب [illegible] کر لیا۔ فرمایا [illegible] فرعون [illegible] عذاب [illegible] کو [illegible] اس [illegible] کو [illegible] اس [illegible] کو [illegible] اس

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ
الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ
يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ
مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ
الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ
لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ
اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ
اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ
اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ
سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور کہا اُس شخص نے جو ایمان لایا تھا،
اے میری قوم کے لوگو! پیروی کرو میری بات کی
میں تمہیں راہ دکھاتا ہوں بھلائی کا (۳۸) اے میری قوم
کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی ایک برتنے کا
سامان ہے اور بیشک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے (۳۹)
جس شخص نے برائی کی پس نہیں بدلہ دیا جائے گا اُس
کو مگر اُس کے برابر۔ اور جس نے نیک عمل کیا،
خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس حال میں کہ وہ ایماندار ہو،
پس یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور روزی دیئے
جائیں گے اس میں بے شمار (۴۰) اور اے میری قوم
کے لوگو! کیا ہے تمہیں کہ میں بلاتا ہوں تمہیں نجات
کی طرف، اور تم مجھے بلاتے ہو آگ کی طرف (۴۱) تم
مجھے بلاتے ہو اس بات کی طرف کہ میں کفر کروں
اللہ کے ساتھ اور شریک ٹھہراؤں اُس کے ساتھ وہ
چیز کہ نہیں میرے علم میں اس کا، اور میں تمہیں دعوت
دیتا ہوں غالب اور بخشش کرنے والی ہستی کی طرف (۴۲)
ضرور کی بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف دعوت
دیتے ہو، نہیں ہے اُس کی دعوت دنیا میں اور نہ
آخرت میں، اور بیشک ہمارا پھر جانا اللہ ہی کی طرف
ہے، اور بیشک زیادتی کرنے والے وہی دوزخ والے
ہیں (۴۳) پس تم آگے چل کر یاد کرو گے میری بات

تو ہی تمہیں کہتا ہوں۔ اور میں سونپتا ہوں اپنا معاملہ اللہ
کی طرف۔ بیشک اللہ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو ﴿۴۴﴾
پس بچا لیا اللہ نے اس مرد مومن کو ان برائیوں سے
جو فرعونیوں نے سوچی تھیں۔ اور گھیر لیا آل فرعون کو
بُرے طرح کے عذاب نے ﴿۴۵﴾

ربط آیات

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اسی کی قوم کے ایک مرد مومن اللہ کے نبی کی جان بچانے کے لیے آگے آئے۔ اس شخص کا نام قرآن نے تو ذکر نہیں کیا، تاہم بعض مفسرین نے حزقیل یا حبقان نام بتایا ہے۔ اس شخص نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور بتایا کہ ایک شخص کو محض اس لیے قتل کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ رب العزت ہے۔ اس مرد مومن نے قوم کو فرعون کے عذاب سے ڈرایا اور ان کے کردار پر گفت و شنید کی۔ فرعون نے کہا میری بات مانو اور موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دو ورنہ یہ فساد ہی برپا کرے گا۔

تشریح

فرعون کی اس بات کے جواب میں مرد مومن نے اپنا دل ہلکا کیا وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ اور کہا اس شخص نے جو ایمان لایا یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اے میری قوم! میری بات کا اتباع کرو۔ میرے پیچھے چلو اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ میں تمہیں بھلائی کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ فرعون نے جس راستے کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ تو ظلم و زیادتی اور قتل ناحق کا راستہ ہے۔ اگر تم نے اختیار کیا تو سب خدا تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اور میں تمہیں بھلائی کا راستہ بتاتا ہوں۔ اور یہ وہی بات ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے پیش کی ہے۔ اور جس سے منع یہ ہے کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ۔ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ ظلم و زیادتی کو چھوڑ دو اور سرکشی اور بغاوت سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اس کے بجائے عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرو جو سچائی کا راستہ ہے۔

پھر اُس مردِ مومن نے یہ بھی کہا یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی تو برتنے کا سامان ہے۔ یہ دنیا تو ہے اور اس کی زندگی دو چار روز کی ہے۔ پھر ختم ہو جائے گی وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ اور آخرت کا گھر ہی دائمی عشرت کی جگہ ہے۔ یہ مضمون سورۃ العنکبوت میں بھی بیان ہوا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (آیت ۶۴) اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام آخرت کا گھر ہی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ اور لہو و لعب اور عیش و عشرت کا نام ہے۔ عقلمند آدمی کو اس زندگی پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرنی چاہیئے۔

بھلائی کا بدلہ

اس حقیقت کے پیش نظر مردِ مومن نے اپنی قوم کو یہ بات کہی۔ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا کہ جس شخص نے بُرا عمل کیا ہو گا اس کا بدلہ اُس برائی کے برابر ہو گا۔ یعنی جتنی برائی کی ہے اس سے زیادہ سزا نہیں ملے گی۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اور مرد یا عورت میں سے جس نے بھی نیک عمل کیا وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ مومن ہو فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ اور اُس میں انہیں بے شمار روزی نصیب ہو گی۔

بھلائی کا بدلہ کئی گنا ہو گا خواہ مرد کرے یا عورت اُن کو بدلہ اچھا ملے گا۔ کیونکہ مکلف ہونے میں مرد اور عورت برابر ہیں جس طرح مرد قوانین الٰہیہ کا پابند ہے اسی طرح عورت بھی ذمہ دار ہے اس لحاظ سے آخرت میں جزا و سزا کے معاملہ میں دونوں برابر ہیں۔ مرد کا کام ہے کہ وہ محنت کرے باہر سے کما کر لائے اور عورت کا فرض ہے کہ بچوں کی پرورش اور گھریلو نگہداشت کرے۔ بعض اوقات [illegible] کیے جاتے ہیں۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جو صرف مرد کے دائرہ کار میں یا صرف عورت کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ بہرحال قانون کے دونوں پابند ہیں اور مراتب کا فرق دونوں کے لیے یکساں ہے۔ اسی طرح انجام کی جزا بھی مردوں کے لیے بھی ویسی ہی

ہے۔ جیسی عورتوں کے لیے ناپسندیدہ ہے۔ بہرحال فرمایا کہ تم مرد یا عورت نے ایمان کی حالت میں کوئی نیک کام انجام دیا تو وہ قابلِ قدر ہوگا۔ اگر کسی کا ایمان درست نہیں وہ اس میں کفر، شرک یا نفاق کی ملاوٹ ہے تو اس کی کوئی نیکی بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی بلکہ اس کا بڑا عمل بھی ضائع جائے گا۔

نجات اور مغفرت کی طرف دعوت

قومِ فرعون کے ایماندار آدمی نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا وَيٰقَوْمِ مَالِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ اے میری قوم کے لوگو! کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں۔ کہ کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کو ترک کر کے ایمان، نیکی اور خیر خواہی اختیار کر لو ورنہ نجات پا جاؤ گے ورنہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس کے برخلاف وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ تم لوگ مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلا رہے ہو یعنی تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب کروں۔ اور شرک بھی ایسا جس لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ کہ جس کے علم ہی نہیں وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ اور تمہارے لیے میری دعوت غالب اور بخشش کرنے والے پروردگار کی طرف ہے۔ اس مردِ مومن نے اپنی دعوت اور قومی دعوت کا موازنہ کر کے کہا کہ عجیب بات ہے کہ میری اور تمہاری دعوت میں بعد المشرقین ہے۔ میں تمہیں ایمان، نیکی، توحید اور آخرت کی زندگی کی طرف بلا رہا ہوں جبکہ تم اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہو۔ ذرا غور تو کرو کہ تمہارا مدعا کیا ہے اور میں تمہیں کس طرف بلا رہا ہوں۔ نیکی اور ابدی راحت کا راستہ کون سا ہے اور دائمی عذاب کا مستحق ہونے کی راہ کون سی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تم اب بھی سنبھل جاؤ اور کفر و شرک اور اللہ کے نبی کی ایذا رسانی کو ترک کر کے خدائے غفار کی بخشش کے مستحق بن جاؤ۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ انسان سے بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ مہربانی فرماتا ہے اور سابقہ گناہوں معاف کر دیتا ہے انسان کو اپنی آغوش

رکھتے ہیں بے بس ہے۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اور ہر حاجت کا سبب

اور مشکل کشا ہے

فرمایا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۔ یا اصل ہی وہی ہے جسے اُسے پکارنا حق ہے

اِلَيْهِ لَيْسَ لَهُمْ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ ۔ جسے وہ

طرف دعوت دیتے ہیں اُس کی دنیا اور آخرت میں کوئی دعوت نہیں ہے۔ وہ نہ تو

کوئی کام کر سکتے ہیں یعنی کسی کی دعا کو قبول کر سکتے ہیں اور نہ وہ کسی سے قبول کرا

سکتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی پتھر وغیرہ بے جان چیزیں ہیں۔ مگر وہ جاندار

کسی کی دعا کیسے قبول کریں گے۔ انہیں تو کسی بات کا شعور ہی نہیں۔ اور جو

ہستیاں ذی شعور اور ذی جان ہیں وہ کسی کے لیے اختیار میں۔ اللہ نے انہیں کوئی

اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کریں یا اللہ تعالیٰ سے جبراً

کوئی بات منوا لیں۔ الحاصل تو سارے کا سارا قادر مطلق کے پاس ہے جو ہر چیز کا مالک

و مدبر اور متصرف ہے۔ اور میں تمہیں اُسی وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں جو

حاجت روائی اور مشکل کشائی پر قادر ہے۔

سورۃ احقاف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ

الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (آیت ۵)

اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسی ہستی کو پکارے جو قیامت تک

اُس کو جواب نہ دے سکے، اور اُن کو اُن کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔ دوسری جگہ

فرمایا کہ تم مجھے ایسی ہستیوں کی طرف دعوت دیتے ہو جو جواب دینا تو

درکنار وہ بات سننے سے بھی عاری ہیں۔ لہٰذا اس بات میں عقل کا تقاضا یہ ہے کہ

کہ قبول کرو جو سچی برحق ہے۔ ایسا ہی مضمون اللہ نے سورۃ الرعد میں بھی بیان

فرمایا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کنارے

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (آیت ۱۴)

[illegible] طرف پھیلائے کہ وہ خود بخود اس کے منہ [illegible] جائے حالانکہ [illegible] آسکتا [illegible] کہ اللہ کے مقرر کردہ ظاہری ذرائع [illegible] استعمال میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ [illegible] اور اہل قبور کو [illegible] سمجھتے اللہ وحدہٗ لاشریک کو [illegible] ہی کارآمد ہو سکتے ہیں۔

سورۃ الاحقاف میں اس طرح کی آیت وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (آیت ۶) جب قیامت کے دن تابع اور متبوع اکٹھے کیے جائیں گے اور بعض اپنے متبوعین سے مدد کی درخواست کریں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو تمہیں کبھی ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ تم نے تو شیطان کی بات مان کر کفر اور شرک کا راستہ اختیار کیا تھا۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ بہرحال اس مومن نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے قوم کو بات سمجھانے کی کوشش کی اور انہیں آخرت کی گرفت سے بھی ڈرایا اور پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کل غرض ہی ہے۔ قیامت کے دن سب اسی کی عدالت میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب ہوگا، جزا و سزا کی منزل آئے گی فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ فرعون، ہامان، قارون اور دیگر بڑے بڑے دشمنانِ اللہ اپنے پیروکاروں کے لیڈر ہوں گے۔

**خروج آخر** آخر میں اس داعی کے اعیانِ حضرت نے نہایت دلسوزی اور ہمدردی کے انداز میں قوم کو خطاب کیا فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ جو باتیں میں آج تمہیں بتا رہا ہوں ان کو آگے چل کر یاد کرو گے۔ میری یہ نصیحت اس وقت یاد آئے گی جب کہ تم پر عذاب الٰہی کا مزا چکھنے کے بعد میری نصیحت پر عمل کرنے کا وقت آئے گا۔ اور

ہے، اگر کچھ جادو کے ذریعے جادو کے لوگ نے ہمارا مقابلہ کیا تو جہنم ہی ہوگا، نیز فرمایا کہ جان
تک میری ذات کا تعلق ہے، میں نے حق نصیحت ادا کر دیا وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ
اِلَی اللّٰہِ اور اب میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، وہ جو چاہے گا میرے
ساتھ سلوک کرے گا۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ بے شک اللہ تعالیٰ
بندوں پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون سا بندہ کس طریقے پر جا رہا ہے
اور کیا ہے۔ اس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں، جزا یا سزا کا
فیصلہ وہ خود کرے گا۔ لہٰذا میں تو اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتا ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس ساحرانہ معاملے کا انجام بھی بیان فرمایا۔ فَوَقٰىهُ
اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا اللہ تعالیٰ نے اُسے کفار کی بُری تدبیروں سے بچا
لیا۔ اس تعاقب پر فرعون کی تمام مردِ مومن کی طرف لوٹائی جانے والی ہے تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ
نے اُسے کفار کی برائیوں سے بچا لیا۔ اور اگر اس ضمیر کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا
جائے تو یہ بھی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے
حواریوں کے شر سے بچا لیا۔ اور دشمنان کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون اور اس کے حواری موسیٰ علیہ السلام
کے قتل کے درپے تھے، تو وہ اُس مردِ مومن کو کیسے معاف کر سکتے تھے، جس نے
علی الاعلان موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ صاحب تفہیم القرآن
اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کا یہ بندہ مذکورہ نصائح کرنے کے بعد
بھاگ کر کسی پہاڑی علاقے میں روپوش ہو گیا۔ فرعون نے اُس کی گرفتاری کے لیے
ایک ہزار فوجی بھیجے۔ مگر خدا کی قدرت کہ اُن میں سے پانچ سو آدمی تو دورانِ
تلاش ہی کسی حادثہ کا شکار ہو کر مر گئے اور باقی پانچ سو آدمیوں نے سرتوڑ کوشش
کی مگر وہ مردِ مومن کو تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ پھر جب وہ فرعون کے پاس
ناکام واپس لوٹے تو اس نے اُن سب کو مروا دیا کہ یہ اپنے فرض کی انجام دہی میں
ناکام ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ایماندار آدمی کو کفار کی بُری تدبیر سے

بھیجا۔

"حضرت قتادہؓ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مرد مومن کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بچا لیا تھا۔ یہ وہی حضرت موسیٰ" اور یہ ایمان دار آدمی تو فرعون اور اس کے حواریوں کی بہت تدبیر سے بچ گئے وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اور برے عذاب نے آل فرعون کو گھیر لیا۔ چنانچہ فرعون اپنے لاؤ لشکر اور حواریوں سمیت کچر قلزم کی موجوں میں غرق ہو گیا۔ اور جتنے لوگوں سے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعاقب کیا تھا۔ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ بلکہ جو لوگ اپنے گھروں میں رہے اور تعاقب میں شریک نہ ہوئے وہ بھی ہلاک کئے گئے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ
تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾
وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا
اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا
رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا
بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ
ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

ع ۱۳

ترجمہ:- آگ پہ پیش کیے جاتے ہیں وہ (آل فرعون)
صبح اور شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرشتوں
سے کہا جائے گا) داخل کرو آلِ فرعون کو سخت عذاب
میں ﴿۴۶﴾ اور جب آپس میں جھگڑیں گے دوزخ میں تو
کہیں گے کمزور ان سے جنہوں نے تکبر کیا۔ بیشک
تھے ہم تمہارے تابع، پس کیا تم بچانے والے ہو

ہم سے کچھ حصہ دوزخ کی آگ کا (۴۷) کہیں گے وہ
لوگ جنہوں نے تکبر کیا، بیشک ہم سب اس میں پڑے
ہوئے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے بندوں
کے درمیان (۴۸) اور کہیں گے وہ لوگ جو دوزخ کے
اندر ہیں جہنم کے داروغوں سے کہ دعا کرو اپنے
پروردگار سے کہ وہ تخفیف کر دے ہم سے ایک
دن ہی عذاب سے (۴۹) کہیں گے وہ داروغے،
کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی
نشانیاں لے کر، وہ کہیں گے کیوں نہیں (وہ آئے تھے)
پس کہیں گے وہ (فرشتے) پھر پکارو اور نہیں ہے
پکار کفر کرنے والوں کی مگر ناکامی میں۔ (۵۰)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے توحید اور جزائے عمل کی بات سمجھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آل فرعون کا ذکر کیا کہ انہوں نے کس طرح سرکشی کی، حق کی مخالفت کرتے رہے، موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف پہنچائیں اور آخر میں قتل کے درپے ہوئے اس دوران میں قوم فرعون میں سے ایک مرد مومن نے آل فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی مخالفت کی اور پھر اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے حواریوں کی بری تدبیر سے بچا لیا اور خود انہی کو عذاب میں مبتلا کیا۔ دنیا میں تو وہ بحر قلزم میں غرق ہوئے اور اب عالم برزخ میں بھی ان کو سخت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ جب کہ آخرت کا دائمی عذاب ابھی آنے والا ہے۔

برزخ میں جزا و سزا کا مسئلہ

ارشاد ہوتا ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اُن کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس وقت فرعون اور اس کے حواری عالم برزخ میں ہیں اور اسی دوران کی کیفیت بتلائی جا رہی ہے کہ انہیں ابھی سے

صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں ابدی عذاب کا تھوڑا سا نمونہ ابھی سے چکھ لیں۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اور پھر جب قیامت برپا ہوگی، اس دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ کہ آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔ یہ سزا ان کو اس لیے دی جا رہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں یہ لوگ بڑے سرکش، متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

یہ آیت کریمہ ان دس آیات میں سے ہے جن میں برزخ یا عذاب قبر کا ذکر ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کفار، مشرکین اور دیگر گنہگاروں کو قبر میں تکلیف پہنچتی ہے۔ جب کہ اہل ایمان اور نیکی والوں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ تمام بڑے بڑے مفسرین امام ابوبکر جصاصؒ، امام رازیؒ، صاحب مدارکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے عذاب قبر برحق ہے، لہٰذا برزخ کے ثواب و عذاب کا مسئلہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ البتہ بعض گمراہ فرقے معتزلہ، رافضی، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ عذاب قبر کے منکر ہیں اور وہ عالم برزخ میں انسان کے جسم و روح کے تعلق اور پھر اعمال پر راحت و الم کو تسلیم نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے قبر کے عارضی عذاب اور پھر آخرت کے دائمی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اہل ایمان کے لیے راحت کا ذکر سنت میں مذکور ہے۔ عذاب قبر کا ذکر کرتے ہوئے ستر احادیث صحیحہ میں آتا ہے۔ قبر میں دفن کیے جانے والے شخص کا ذکر تو عام ہے کہ دفن کے فوراً بعد منکر نکیر نامی فرشتے قبر میں آکر مردے سے سوال و جواب کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس پر راحت یا تکلیف والی منزل ضرور آتی ہے۔ اور اگر کسی شخص کو دفن ہی نہ کیا گیا ہو۔ اسے جانوروں نے کھا لیا ہو۔ آگ نے جلا دیا ہو یا پانی میں غرق ہو گیا ہو۔ اس کے ذرات ہوا میں اڑ گئے ہوں یا مٹی میں مل گئے ہوں ہر صورت میں سوال و جواب کی منزل ضرور آتی ہے مگر اس کی کیفیت کا علم

ہیں اس وقت نہیں ہوتا۔ اس سائے سے کچھ بھی ادراک نہ کرنے کے با
ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر مردے
ہوتا اور تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مردوں کی مخلوق
جو کیفیت میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں بھی دکھائی جائے تو ایسی مخلوق کیفیت سے ا
اگر کوئی دیکھ لے تو مردوں کو دفن ہی نہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے عذاب قبر سے بچاؤ کی یہ دعا
بھی تعلیم فرمائی ہے جو نماز میں درود شریف کے بعد پڑھی جاتی ہے اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ
مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں
قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنے سے، اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔
صحیح حدیث میں آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ قبروں میں تمہاری بہت بڑی
آزمائش جو کی اور دجال کے فتنے کے وقت بھی۔ لہٰذا جو شخص عذاب قبر کا انکار
تاویل کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ گمراہ اور بدعتی ہے اور جو آدمی کسی سے بھی عذاب
قبر کا حدیث اس پر کفر لازم آتا ہے۔ یہ مسئلہ شفاعت کے مسئلہ کی مانند ہے
کہ جو اس کا تاویل کے ساتھ انکار کرے وہ گمراہ اور بدعتی ہے اور جو مطلقاً
انکار کرتا ہے اس پر تکفیر کا فتویٰ لگتا ہے۔

**قبر کا عذاب** عذاب قبر سے متعلق صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض گنہگاروں پر قبر اس
قدر سختی کرتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں یہ سخت
کہلاتا ہے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب کا ذکر بھی صحیح احادیث میں آتا ہے
اور یہ بھی کہ مومن آدمی صحیح جواب دیتا ہے تو فرشتے اس کو نعمتیں دیتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ آرام سے سو جا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک، بدعقیدہ آدمی صحیح جواب
نہیں دیتا تو اس کو سزا ملتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ فرشتے ایسے شخص
کو کانوں کے درمیان ہتھوڑے کے ساتھ اتنی شدید ضرب لگاتے ہیں کہ اگر
وہ ضرب کسی سخت ترین چٹان پر ماری جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس
ضرب کی آواز انسانوں اور جنوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ کچھ بعض لوگوں دیندار

[illegible] ذکر بھی ملتے ہوئے ڈستے ہیں۔ بہرحال عذاب قبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ آیات قرآنی بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ لہٰذا اس پر یقین رکھنا چاہیئے۔ بعض معتزلہ قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی حیثیت پتھر کی سی ہوتی ہے اور اس کے لیے نہ راحت کوئی اثر رکھتی ہے نہ عذاب۔ یہ نظریہ [illegible] ہے

جیسا احادیث میں عذاب قبر میں تخفیف کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اس قسم کے دو واقعات ملتے ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آپ بعض قبروں پر گزرے تو آپ نے ان پر دو چھڑیاں رکھوا دیں اور فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب سے اچھی طرح نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا۔ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

آپ کو دوسرا واقعہ دوران سفر کا ہے آپ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ درخت سے دو شاخیں کاٹ کر ایک اس جگہ پر رکھ دو اور دوسری اس جگہ پر۔ حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کر دیا اور پھر دریافت کیا۔ حضور! اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان جگہوں میں دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا تھا اور میں نے چاہا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کی سفارش کروں۔ لہٰذا یہ دو شاخیں رکھوا دی ہیں۔

عذاب کے احساس

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد قبر میں جو عذاب ہوتا ہے یہ صرف روح کو ہوتا ہے یا اس میں جسم بھی شریک ہوتا ہے۔ بعض حضرات تو صرف روح کے احساس عذاب کے قائل ہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ روح کو تکلیف جسم کے تعلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ البتہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اگر کسی شخص کا جسم معدوم ہو چکا ہے۔ مثلاً کوئی درندہ کھا گیا یا جل کر راکھ ہو گیا تو اس صورت میں جسم اور روح کا تعلق کیسے قائم ہوتا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر انسانی جسم کے تمام عناصر بھی گل سڑ جائیں تب بھی اس کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہتا ہے۔ مثلاً بخاری، مسلم، مسند احمد اور موطا امام مالک میں موجود ہے کہ

کہ انسان کی روح کی ہڈی ضرور باقی رہتی ہے اور پھر قیامت کو اسی سے انسان کا ڈھانچہ دوبارہ کھڑا کیا جائے گا۔ بہرحال جسم کے کسی حصے کے ساتھ روح کا تعلق بالکل قطع نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے جزا یا سزا کا تعلق اس مجموعے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کے جسم کی اگر کسی ایک انگلی کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ الغرض! عالم برزخ میں جزا یا سزا کا احساس روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ مگر اس کو کوئی دوسرا آدمی دیکھ نہیں سکتا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے مطابق عذاب قبر کو تسلیم کرے۔ اگر ہم اس کی کیفیت معلوم کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ آنکھیں نہیں جن کے ذریعے ہم عذاب و ثواب کا مشاہدہ کر سکیں۔ آپ اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے قریب ایک شخص سویا ہوا ہے۔ اس کو خواب میں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ جل رہا ہے۔ ڈوب رہا ہے، سانپ ڈس رہا ہے یا اس پر کوئی آفت آگئی ہے جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو کر کانپ رہا ہے اور بعض اوقات اس کی چیخیں بھی نکل جاتی ہیں مگر پاس والے آدمی کو اس کی تکلیف کا کچھ ادراک نہیں ہوتا۔ اسی طرح عذاب قبر کا ادراک انسان میں بسنے والوں کو نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو روح ہی محسوس کرتا ہے جو اس میں بسا ہوا ہے۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا سے چلے جانے والے مومنوں کی ارواح علیین میں چلی جاتی ہیں اور کافروں کی ارواح سجین میں۔ قرآن پاک میں دونوں کا ذکر موجود ہے اور ان کے اجسام قبروں میں ہوتے ہیں پھر ان دونوں کا تعلق اجسام کے ساتھ کیسے قائم رہتا ہے تو قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح اور جسم کے اس اتصال کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی اتصال کی وجہ سے جزا یا سزا کا احساس روح اور جسم کے مجموعے

کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی جہاں کی قبر پر جا کر سلام کہتا ہے تو اہل قبر اس کو سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر عالم کے احکام الگ الگ ہیں۔ کان کے عالم کو آنکھ نہیں جان سکتی۔ اور آنکھ کا عالم کان کے عالم سے بے بہرہ ہے۔ اسی طرح عالم برزخ کے احوال کو عالم دنیا والے نہیں جان سکتے۔ جب خود وہاں پہنچتے ہیں تو حقیقت حال واضح ہوتی ہے۔

برزخ دنیا کا تتمہ ہے

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ عالم برزخ کا تعلق عالم دنیا سے ہے یا عالم آخرت سے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عالم برزخ اسی جہان دنیا کا تتمہ ہے اس کو اس طرح سمجھیں کہ عالم برزخ کے واقعات اس جہان کی نسبت سے ایک بار یک جال یا پردے کے پیچھے پیش آتے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ جب حشر برپا ہوگا اور یہ پردہ اٹھ جائے گا۔ تو تمام چیزیں کھلی کر سامنے آجائیں گی۔ اس وقت عالم برزخ کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی خصوصی طریقے سے سمجھائے اس کی مثال یہ تعالیٰ کی ——— روایت والی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اس جہان میں نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک کہ مر کر دوسرے جہان میں نہ چلے جاؤ۔

امام غزالیؒ اس بات کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام پر نازل ہوتے تھے مگر صحابہؓ کی آنکھیں اس کا مشاہدہ نہ کرتی تھیں۔ جب حضور علیہ السلام خود بتاتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے تو پھر پتہ چلتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ حضور علیہ السلام ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ میری طرف سے عائشہؓ کو بھی سلام کہہ دیجئے آپ نے یہ پیغام دیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ حضور! میری طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سلام کہہ دیں۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہماری مسائل قبر کی حضور! جو کچھ آپ دیکھتے ہیں وہ ہم تو نہیں دیکھ سکتے۔ تاہم جو کچھ ہمارے نزدیک قرآن پر ایمان رکھتا ہے مگر آنکھ سے دیکھ نہیں سکتا اسی بات کا نام تو ایمان ہے تو پھر قبر میں فرشتوں کی آمد، سوال و جواب اور جزا و سزا

پر بھی ایمان رکھنا چاہیئے۔

بہرحال فرمایا کہ فرعونیوں کو عالم برزخ میں صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی، جہنم کی آگ میں آئے تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو سخت عذاب میں داخل کردو۔ اُن کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور یہ اُن کے لیے قطعی اور دائمی سزا ہوگی۔

تابع اور متبوع کا حال

اگلے اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں جانے والے بعض لوگوں کے آپس کے جھگڑے کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ اور جب کہ دوزخ میں پہنچنے والے آپس میں جھگڑا کریں گے فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا وہ لوگ جو دنیا میں کمزور اور مستضعف لوگوں سے کہیں گے اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے، تمہارے حکم پر چلتے تھے۔ تم ہی ہمارے بڑے تھے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ کیا تم دوزخ کے کچھ حصے ہمیں بچا سکتے ہو؟ ہم نے تمہارے کہنے پر کفر کیا ہے اب ہمارے لیے کچھ تو کفر کا عذاب اٹھاؤ۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اس وقت متبوع لوگ جواب دیں گے اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ہم تو سب دوزخ میں پڑے ہیں اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ اب اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔ اہل ایمان کو جنت کے مقام میں اور مجرموں کو دوزخ میں بھیج دیا ہے۔ اب ہمارے اور تمہارے عذاب میں نہ تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ ہم چھٹ جائیں۔ اب ہمیشہ کے لیے اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

تخفیف عذاب کی درخواست

جب تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو جائیں گے، تو پھر جہنم کے داروغوں کی طرف رجوع کریں گے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جہنم کے اندر پڑے ہوئے لوگ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے

اُدْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ عذاب میں ایک دن کے لیے ہی تخفیف کر دے۔ کم از کم اس دن تو ہمیں اس مصیبت سے نجات ملے قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وہ جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر نہیں آتے تھے؟ کیا انہوں نے تمہیں اللہ کے احکام، شرائع اور دلائل نہیں پہنچائے تھے کہ تم ایمان لے آتے؟ قَالُوْا بَلٰى وہ کہیں گے کیوں نہیں، اللہ کے رسول تو ہمارے پاس آئے تھے اور انہوں نے ہمیں ہر نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا، مگر یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم نے ان کی آواز پر لبیک نہ کہا اور کفر و شرک اور معاصی میں مبتلا رہے قَالُوْا فَادْعُوْا وہ کہیں گے اب جب پکڑے گئے اور چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ اور کافروں کی پکار کا گمراہی یعنی ناکامی کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ عذاب کے مختلف طبقے چلنے پر بھی عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ سورۃ المؤمنون میں بھی ایسا ہی مضمون گزر چکا ہے کہ مجرم لوگ کہیں گے کہ پروردگار! ہماری کمبختی ہم پر غالب آگئی، اور ہم گمراہ تھے جس کی وجہ سے ہمیں دوزخ کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے کہ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے، ہم آئندہ نافرمانی نہیں کریں گے، مگر وہاں سے جواب آئے گا قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (آیت ۱۰۸) دور ہو جاؤ ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ یہاں تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ مجرم لوگ ہزار سال تک رب العزت کی بارگاہ میں چیختے چلاتے رہیں گے مگر سننے کا جواب آئے گا کہ مجھ سے کلام نہ کرو اور ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑے رہو۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ
مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي
إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي
الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَ
اسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ
فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِنْ
فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبَالِغِيهِ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾
لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ
النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۙ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا
مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ

فِيهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ
رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ
دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ ع

ترجمہ: بے شک ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے
رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی
میں اور جس دن کھڑے ہوں گے گواہ (۵۱) جس دن نہیں
فائدہ دیگا ظلم کرنے والوں کو ان کا کوئی عذر اور
ان کے لیے پھٹکار ہوگی اور برا گھر (۵۲) اور البتہ
تحقیق ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت اور
وارث بنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا (۵۳) جو
ہدایت کرنے والی ہے اور نصیحت ہے عقلمندوں
کے لیے (۵۴) پس آپ صبر کریں بیشک اللہ تعالیٰ
کا وعدہ برحق ہے اور بخشش طلب کریں اپنے گناہ
کے لیے اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی تعریف
کے ساتھ پچھلے پہر اور صبح (۵۵) بیشک وہ لوگ جو
جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو
ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں
مگر تکبر نہیں ہیں وہ اس تک پہنچنے والے پس
آپ پناہ مانگیں اللہ کی ذات کے ساتھ بے شک
وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (۵۶) البتہ پیدا
کرنا آسمانوں اور زمین کا بڑا ہے لوگوں کی پیدائش

سے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۵۷) اور نہیں ہے برابر اندھا
اور بینا، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے
اچھے اعمال کیے اور نہ بدکار۔ بہت کم تم نصیحت حاصل
کرتے ہو (۵۸) بیشک قیامت البتہ ضرور آنے والی ہے
کوئی شک نہیں اس میں۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں
لاتے (۵۹) اور فرمایا تمہارے پروردگار نے پکارو مجھے میں
قبول کروں گا تمہاری پکار کو۔ بیشک وہ لوگ جو تکبر
کرتے ہیں میری عبادت سے عنقریب داخل ہوں گے
جہنم میں ذلیل ہو کر (۶۰)

**ربط آیات** سلسلۂ توحید کی تفسیر۔ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کی وضاحت

اور جذبۂ عمل کی تلقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ
بیان کیا اور یہود ان کا انجام بھی ذکر کیا۔ فرعونیوں کا غرور و تکبر اور سرکشی اور موسیٰ علیہ السلام
کے قتل کی منصوبہ بندی کا تذکرہ ہوا۔ ایسے حالات میں لوگوں کی نصیحت اور ثمر خواہی کی بات
ہوئی۔ آخر کار فرعون اور اس کے حواریوں کی تدبیر ناکام ہوئی اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام
اور مومن لوگوں کو بچا لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں تو آل فرعون اپنے قبائل کی بڑی
مثل اور عالیشان ہوتی ہیں وہ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کا آخری ٹھکانا
دوزخ ہوگا۔ جہاں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ پھر اللہ نے دوزخ میں
تابعین اور متبوعین کے جھگڑے کا ذکر کیا۔ تابعین اپنے متبوعین سے عذاب
میں تخفیف کرانے کے لیے کہیں گے مگر وہ اپنی بے بسی کا اظہار کر دیں گے
پھر اہل دوزخ جہنم کے داروغوں سے تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے
مگر ان کی یہ پکار بھی رائیگاں جائے گی۔ اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے
اب اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی
ہے، مشرکوں اور کافروں کی ایذاء رسانیوں کے مقابلہ میں صبر و استقلال کی تلقین کی ہے

اور آخر میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

نصرت الٰہی کا وعدہ

اہل ایمان کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۔ بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی اس دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی قیامت جب کہ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور لوگوں کے حق میں یا ان کے خلاف گواہیاں پیش کیے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں اپنے رسولوں اور اہل ایمان دونوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور انبیاء کی تسلی دی گئی ہے کافروں اور مشرکوں کی طرف سے جو تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں یا ان کی طرف سے جو بھی تکالیف پہنچیں آپ صبر سے کام لیں۔ دل پر واشتہ نہ ہوں۔ اس کا دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔

اس موقع پر امام ابن جریرؒ نے یہ احتمال پیش کیا ہے کہ دنیا میں تو بعض انبیاء اور ایمان والوں کو سخت تکالیف بھی پہنچی ہیں اور شہید بھی کر دیا گیا جیسے زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (البقرہ - ۶۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ذلت و مسکنت مسلط ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی وہ انبیاء کے ناحق قتل کرتے تھے۔ تو ایسی صورت میں نصرت الٰہی کا کیا مطلب ہے اس کا جواب خود انہوں نے اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے بعض انبیاء کو دنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائی جیسے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلافت الٰہی سے نوازا۔ اور یہی ان کی اس دنیا میں مدد ہے۔ البتہ جن انبیاء کرام اور مومنین کو دنیا میں غلبہ حاصل نہیں ہو سکا اور وہ تکالیف ہی برداشت کرتے رہے ان کی نصرت یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین سے عنقریب انتقام لیا ہے۔ جن کو

نیست و نابود کیا ہے اور پیغمبروں کے مشن کو دنیا میں جاری رکھا ہے۔ یہی اُن کی نصرت اور پھر کامیابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق پرستوں کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرتا خواہ درمیان میں کتنے ہی آتار چڑھاؤ کیوں نہ آئیں۔ جنگ مشن ہی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت میں تو اُن کی کامیابی یقینی ہے۔

بعض اوقات اہلِ ایمان میں کچھ کمزوریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وقتی طور پر ناکامی بھی ہوتی ہے مگر اللہ کا یہ واضح فرمان موجود ہے۔ غم نہ کھاؤ، پریشان نہ ہو وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران) بالآخر تم ہی بلند و برتر رہو گے بشرطیکہ تم سچے ایماندار ہو۔ یہ تو ظاہری فتح و شکست کی بات ہے۔ البتہ باطنی دلیل اور حجت تو حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اور پھر جب حشر برپا ہوگا تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے انبیاء اور اہلِ ایمان کو عزت اور غلبہ ہی عطا فرمائے گا، اور مخالفین وہاں بھی ذلیل و خوار ہی ہوں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم اپنے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جب قیامت برپا ہوگی اور اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

---

فرمایا وہ ایسا دن ہوگا لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ کہ اُس دن ظالموں کا کوئی عذر یا بہانہ مفید نہیں ہوگا۔ اُن کی کوئی دستگیری نہیں ہوگی وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ ان پر لعنت اور پھٹکار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور دھکیل دیے جائیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ کہ اُن کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد جہنم کا ٹھکانا ہے۔ جہاں پر سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

---

صبر استقامت کی تلقین

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت عطا فرمائی وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب سے مراد کتاب تورات ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر

نازل فرمائی، اور وارث بنانے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس کتاب کے احکام پر عمل درآمد کا مکلف بنایا۔ فرمایا یہ ایسی عظیم المرتبت کتاب ہے جو کہ ھدیً وَّذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ عقلمندوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت کی بات ہے اللہ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دلا کر انہیں اس کتاب کا وارث بنایا اور یہ ایسی کتاب ہے جو قرآن پاک کے بعد شمع ہدایت ہے۔

پھر اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے، وہ اپنے وعدے کے مطابق آپ میں ضرور کامیابی اور بلندی سے سرفراز فرمائے گا۔ اور ساتھ ساتھ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ آپ اپنے گناہ کی بخشش طلب کریں یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے گناہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے تمام نبی صغائر اور کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام یہاں فرماتے ہیں کہ ہر شخص کا گناہ اس کے درجے کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض لوگ صغائر میں ملوث ہوتے ہیں اور بعض کبائر میں بھی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صغائر و کبائر دونوں سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے نبی ہیں جن کی معمولی لغزش بھی ان کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ گناہ نہیں ہوتا۔ تو یہاں پہ گناہ سے مراد عام لوگوں کا گناہ نہیں بلکہ نبی کی معمولی سے معمولی لغزش مراد ہے کہ آپ اس پر بھی استغفار کریں۔ کیونکہ بعض اوقات معمولی لغزش پر بھی اللہ کی گرفت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کا واقعہ سورۃ الصّٰفّٰت میں گزر چکا ہے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام دن میں سو سو بار استغفار کیا کرتے تھے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ ہر بندے کی تقصیر اپنے درجے کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر بندے کو ہمیشہ استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام اگرچہ صغائر اور کبائر سے پاک ہوتے ہیں مگر ذرا سی غفلت پر بھی سو سو بار استغفار کرتے ہیں۔

گناہ سے بخشش طلب کرنے کا یہی مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تسبیح و تحمید

پھر ارشاد ہوتا ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ اور پروردگار کی تسبیح بیان کریں اُس کی تعریف کے ساتھ پچھلے پہر بھی اور صبح کے وقت بھی۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ تسبیح و تحمید میں نماز بھی داخل ہے اور پچھلے پہر سے مراد ظہر سے عشاء تک کی چار نمازیں اور ابکار سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اس طرح گویا اس آیت میں پانچوں نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔ اس قسم کا اشارہ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی موجود ہے وہاں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (آیت ۷۸) اس آیت کی تفسیر میں بھی مفسرین بیان کرتے ہیں کہ دلوک الشمس سے لے کر رات کے اندھیرے (غسق اللیل) میں چار نمازیں ظہر تا عشاء آجاتی ہیں اور فجر کی نماز قرآن الفجر میں آجاتی ہے۔ بہرحال تسبیح و تحمید سے عام ذکر و اذکار سبحان اللہ الحمد للہ وغیرہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور پانچوں نمازیں بھی اس میں آجاتی ہیں کیونکہ نماز بھی تسبیح و تحمید اور دعا کا مرکب ہے تو فرمایا اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کیجئے پچھلے پہر اور صبح کے وقت۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی سند کے جو اُن کے پاس پہنچی ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ کہ ان کے سینوں میں غرور بھرا ہوا ہے مگر وہ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں یعنی کامیاب نہیں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلائل، احکام اور مسائل آ چکے ہیں مگر یہ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر بلاوجہ ان میں جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرنا چاہتے تمام بڑے بڑے ڈکٹیٹر، دولت مند اور سرکش لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کے اتباع سے گریز کیا ہے کیونکہ

اگر وہ غیبوں کی خبریت کو تسلیم کریں تو پھر اُن کی اپنی چودھراہٹ جاتی رہتی ہے۔ تو فرمایا کہ ان نابکاروں کے لیے غرور و تکبر جچتے ہیں مگر یہ اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکیں گے یعنی کامیاب نہیں ہوں گے۔ ہاں ہمہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ آپ ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں تاکہ یہ لوگ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ایسے موقع پر پناہ طلب کرنے کا طریقہ بھی حضور علیہ السلام نے سکھایا ہے کہ یوں دعا کیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ اے اللہ ہم تیری ذات کو ان دشمنانِ دین کے مقابلے میں لاتے ہیں اور ان کے شر سے پناہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا تو ہی ہماری حفاظت فرما

بعث بعد الموت کی دلیل

ارشاد ہوتا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کی پیدائش سے بڑا کام ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے اور انسانوں کی بعث بعد الموت کو محال خیال کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا جو ذات آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی اشیاء تخلیق کر سکتی ہے اس کے لیے انسان جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل کام ہے جب کہ پہلے اس کا نمونہ بھی موجود ہے۔ تو انسان کس غرور و تکبر کی بنا پر وقوعِ قیامت، بعث بعد الموت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اتنی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟

پھر فرمایا ذرا غور کرو وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ دو کرایک اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دینے والے اور بدکار اور گنہگار لوگ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ جب یہ ہماری نظروں میں بھی برابر نہیں ہو سکتے تو پھر جزائے عمل کے اعتبار سے کیسے برابر ہو سکتے ہیں کہ سب

کر یونہی چھوڑ دیا جائے اور اُن کے اعمال و کردار کا کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ فرمایا قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ بہت ہی کم لوگ اِن حقائق سے نصیحت حاصل کرتے ہیں ورنہ اکثر گمراہ ہی رہتے ہیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا بلاشبہ قیامت برپا ہونے والی ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کریگا اور اُن سے اِس زندگی کے اعمال کا حساب لے گا اور پھر جزا و سزا کا حتمی فیصلہ کرے گا۔ اس واضح حقیقت کے باوجود فرمایا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ لوگوں کی اکثریت وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر یقین نہیں رکھتی اگر قیامت پر ایمان ہوتا تو اُس کے لیے تیاری کرتے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے اور آخرت کے لیے توشہ تیار کرتے مگر یہ تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اُن کی اکثریت کے سامنے قیامت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہ اُس کے لیے تیاری کیا کریں گے؟

**دعا کی اہمیت** آگے اللہ تعالیٰ نے دعا کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اور تیرے پروردگار کا فرمان ہے، کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ نیز فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ آیت کے پہلے حصے میں اُدْعُوْنِيْٓ کا لفظ ہے یعنی مجھے پکارو یا میرے سامنے دعا کرو اور دوسرے حصے میں عَنْ عِبَادَتِيْ ہے یعنی جو لوگ میری عبادت سے عزور کرتے ہیں وہ جہنم رسید ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا اور عبادت ایک ہی چیز ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں دعا بھی عبادت ہی کا حصہ ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ عبادت کا اطلاق نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کے علاوہ دعا پر بھی ہوتا ہے۔ اس مقام پر عبادت سے مراد خاص طور پر دعا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

کے سامنے دست دعا دراز نہیں کرتا وہ گویا متکبر ہے اور خدا اللہ کے نزدیک بہت ہی بری خصلت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے آپ کا یہ بھی فرمان ہے لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ یعنی اللہ کے ہاں دعا سے زیادہ کوئی چیز عزت والی نہیں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ ترمذی شریف میں یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَةُ کہ دعا ہی عین عبادت ہے۔ اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ الخ

حضرات کرام فرماتے ہیں کہ دعا کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ والی دعا فرض ہے جس میں درخواست کی جاتی ہے کہ مولا کریم! ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اس پر چلا۔ ایک دعا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم تشہد میں بیٹھو تو درود شریف کے بعد جو دعا پسند ہو وہ مانگو۔ اسی طرح میدان عرفات میں حاجی کے لیے دعا کرنا سنت کے درجے میں ہے۔ دعا کی ایک قسم حرام اور مکروہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف دنیا کی لذات طلب کرے اور آخرت کو فراموش کر دے، قطع رحمی یا معصیت کی دعا مانگے یا کوئی ایسی چیز طلب کرے جو محال ہو، تو ایسی دعائیں درست نہیں ہیں بلکہ مکروہ اور حرام ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ دنیا میں اپنی جائز ضروریات کی دعا کرے اور آخرت میں بھی بھلائی کا سوال کرے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے شر سے پناہ مانگنی مستحب ہے۔

مستجاب الدعوات لوگ

حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق بعض لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ان کی دعا کو رد نہیں کیا جاتا جیسا والد کی دعا اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔ اور اگر والد اولاد پر ناراض ہے تو اس کی بددعا فوراً لگے گی۔ اسی طرح مسافر کے دوران سفر کی دعا قبول ہوتی ہے مظلوم کی دعا بھی رد نہیں ہوتی۔

---

لہ مشکوٰۃ ص۱۹۴

اسی طرح روزے دار اور حاکم عادل کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے بیمار کی دعا بھی مقبولیت کے درجے میں ہوتی ہے جب تک وہ صاحبِ فراش رہے حاجی جب تک حج کر کے واپس اپنے گھر نہ پہنچ جائے اس کی دعا مقبول ہوتی ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے پیٹھ پیچھے دعا کرے تو فرشتہ آمین کہتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی عطا فرمائے بغرضیکہ بعض لوگوں کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

ترکِ دعا کا مسئلہ

بعض بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ عام طور پر دعا کا کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن بعض اوقات اس کا ترک بھی افضل ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جانے لگا۔ تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بچاؤ کی دعا کریں تو آپ نے فرمایا عِلْمُہٗ تَعَالٰی حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ یعنی میرے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم میرے سوال سے بہتر ہے، وہ خود میری حالت سے واقف ہے لہٰذا سوال کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے بعض فرماتے ہیں کہ اگر معاملے کو خدا تعالیٰ کی طرف سونپ دیا جائے تو ترکِ دعا بھی دعا ہی کی ایک قسم ہے۔ انسان کہے کہ مولا کریم! میں تیری رضا پہ راضی ہوں۔ تو میرے متعلق جو بھی فیصلہ کرے مجھے منظور ہے۔ برصغیر کے مولانا حسرت موہانی بڑے دین دار آدمی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے شعر میں کہا ہے۔

؎ مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو
اس لیے لوگ میرے لیے دعا نہ کریں

اسی طرح گوجرانوالے کے مجید لاہوری کہتے ہیں:۔

خواجہ را در حضرت جاناں چہ حاجت
کہ تو گویا کہ چوں آخر خدائے

یہ تفویض کا مقام ہے کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور اسی قسم کا تصور زاہد لوگ رکھتے ہیں۔ عام آدمی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہاں عام

قانون کے مطابق ہر وقت دعا مانگتے رہنا چاہیئے۔ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ میرے سامنے دعا نہیں کرتے وہ گویا اپنی بڑائی اور تکبر کا اظہار کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ایسے لوگ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ
كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ
فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾
هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ
الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّیْ
نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ

ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ
مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا
قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾ ع ۱۲

ترجمہ:- اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائی ہے
تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام پکڑو اس میں۔ اور دن
بنایا ہے دیکھنے کے لیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضل کرنے
والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿٦١﴾
یہ ہے تمہارا پروردگار، جو خالق ہے ہر چیز کا۔ نہیں
کوئی معبود اس کے سوا، پس تم کدھر پھیرے جاتے
ہو ﴿٦٢﴾ اسی طرح پھیرے گئے وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں
کے ساتھ انکار کرتے تھے ﴿٦٣﴾ اللہ کی ذات وہ ہے
جس نے بنائی ہے تمہارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ،
اور آسمان کو چھت۔ اور تم کو صورت بخشی ہے پس
بہت اچھی صورت۔ اور روزی دی ہے تم کو پاکیزہ چیزوں
سے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار۔ پس بڑی برکت والا ہے
اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿٦٤﴾ وہی زندہ
ہے۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ پس اسی کو پکارو اس
حال میں کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔ سب
تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار
ہے ﴿٦٥﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے، بیشک مجھے
روکا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم

پکائے ہو اللہ کے سوا جب کہ پہنچ چکی ہیں میرے پاس
کھلی نشانیاں میرے رب کی طرف سے ۔ اور مجھے حکم دیا
گیا ہے کہ میں فرمانبرداری کروں تمام جہانوں کے رب کی (۶۶)
وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے
پھر نطفہ آب سے ، پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے
سے ۔ پھر نکالتا ہے تم کو بچے کی شکل میں ۔ پھر تاکہ تم
پہنچو اپنے پورے زور پر ، پھر تاکہ تم ہو جاؤ بوڑھے ۔ اور
بعض تم میں سے وہ ہیں کہ جن کو وفات دی جاتی ہے
اس سے پہلے ۔ اور تاکہ پورا کرو تم ایک مقررہ مدت
کو ، اور تاکہ تم عقل سے کام لو (۶۷) وہی ذات ہے
جو زندہ کرتی ہے اور مارتی ہے پس جب فیصلہ کرتا ہے
وہ کسی کام کا پس بے شک وہ کہتا ہے اس کو کہ ہو جا تو ہو جاتا ہے (۶۸)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کا ذکر تھا اور ساتھ ساتھ ہدایت اور گمراہی کی وضاحت بھی کی گئی تھی ۔ قیامت کے برحق ہونے کی بات تھی اور دعا کا مسئلہ بھی بیان ہوا تھا ۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہر وقت اس کے سامنے دست بدعا رہو ۔ جو شخص تکبر کی بنا پر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے گریز کریگا ۔ اس کو ذلیل و خوار کر کے جہنم میں داخل کیا جائیگا ۔

جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے حوامیم کی ساری سورتیں اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، قرآن کی حقانیت اور معاد پر مشتمل ہیں ، چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی یہی مضامین مختلف انداز سے بیان ہوئے ہیں توحید کا مسئلہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اور آج کے درس میں بھی توحید کے عقلی دلائل کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ دعا ، قیامت اور محاسبہ اعمال کی بات بھی کہی گئی ہے ۔

رات کی افادیت

ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا ہے تاکہ تم اس میں سکون پکڑ سکو۔ اللہ تعالیٰ نے رات کی وضع ہی ایسی بنائی ہے کہ اس میں قدرتی طور پر سکون ہوتا ہے۔ کبھی روشنی اور کبھی تاریکی ہوتی ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں درندوں، چرندوں، اور کیڑے مکوڑوں کو بھی آرام کرنے میں مدد دیتی ہے۔ انسان ہوں یا جانور جو بیمار گھنٹے تو کام نہیں کر سکتے۔ اپنے اعضاء کی تحلیل شدہ قوتوں کی بحالی کے لیے سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ رات کو پھیلا کر اس کے لیے آرام و سکون کا موقع بہم پہنچا دیتا ہے۔ بیشتر جاندار رات کے وقت آرام کرتے ہیں اور اگلے دن کے کام کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ نے رات کو اپنی حکمت اور جانداروں کی مصلحت کے لیے بنایا ہے تاکہ اس میں آرام کر سکیں۔

فرمایا وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے دن کو دیکھنے والا بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دن کو سورج کی روشنی کی وجہ سے انسان ہر چیز آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور پھر اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ انسان جو بھی پیشہ اختیار کرتا ہے، وہ صنعت ہو یا زراعت، تجارت ہو یا کوئی اور ملازمت ہو یا کوئی محنت مزدوری اس کے لیے عام طور پر دن کا وقت ہی موزوں ہوتا ہے جس طرح اللہ نے رات کو آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی طرح دن کو کام کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اگر رات اور دن کی یہ تقسیم نہ ہو تو مخلوق کے لیے معمول طریقے سے زندگی گذارنا مشکل ہو جائے۔ ایک جگہ اللہ نے دن میں سونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص رات کی ڈیوٹی پر متعین ہے۔ لازم ہے کہ وہ دن کے وقت آرام کرے گا۔ چونکہ ہر جاندار کے لیے آرام ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا یہ نظام قائم کر دیا ہے۔

رات اور دن دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ (بنی اسرائیل - ۱۲) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے، رات کو تاریک اور دن کو روشن کیا ہے تاکہ تم دن کے وقت روزی تلاش کرو اور رات کے ذریعے تعداد کا حساب رکھ سکو۔ یہ لیل و نہار خود بخود کسی حادثے کے نتیجے میں نہیں پیدا ہوئے بلکہ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (النور - ۴۴) اللہ تعالیٰ ان کو بدلتا رہتا ہے کہ ان میں تغیر پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے کہ جس کے ذریعے رات اور دن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا اور کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی نظام قدرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ان مختلف موسموں کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطوں میں ہر موسم کی الگ الگ پیداوار ہوتی ہے جس سے انسان اور جانور پرند، چرند اور کیڑے مکوڑے اپنی اپنی خوراک اور گرمی سردی کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے رات کو آرام کے لیے اور دن کو کام کاج کے لیے وضع کیا ہے

انسان کی ناشکر گزاری

اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی سہولت کے لیے دن رات جیسا یہ مفید نظام قائم کیا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وہ لوگوں پر بڑا ہی فضل اور مہربانی کرنے والا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ۔ مگر اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں یعنی اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ اس منعم حقیقی کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لاکھوں، کروڑوں نعمتیں عطا کی ہیں جن میں سے رات اور دن کی تخلیق کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان اپنی زبان، عقل اور اعضاء جوارح سے ہر ہر نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر فرمایا کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہی ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے

خواہ وہ عالم بالا میں ہو یا عالم زیریں میں۔ جنت، دوزخ، ملائکہ، جنات و انسان اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ ہر قسم کے جانور اور کیڑے مکوڑے خواہ وہ ادنیٰ ہوں یا بڑی جنگلی ہوں یا بحری، سب اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی سب کا خالق ہے۔ جب ہر چیز کا وہ خالق ہے تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں۔ عبادت صرف اسی کی کی جا سکتی ہے فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ مگر تم خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر کدھر پھیرے جاتے ہو۔ جب خالق وہ ہے، نعمتیں اس نے عطا کی ہیں، وہی اور متصرف وہ ہے تو پھر تم کس کی نذر و نیاز لیتے ہو، کس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہو اور کس کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہو۔ کیا یہ بے عقلی اور شقاوت کی بات نہیں ہے؟

فرمایا كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے مطلب یہ کہ تم سے پہلے منکرین بھی اسی طرح اندھیرے میں ٹکریں مارتے تھے، اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کے پیچھے بھاگتے تھے، اُن سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہتے تھے۔

جس طرح وہ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر ناکام ہوئے۔ اسی طرح تم بھی اسی کے نقشِ قدم پر چل کر دائمی ناکامی کا منہ دیکھو گے۔ انسان اگر صرف تخلیق کی نشانی میں غور و فکر کرے تو اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آ سکتی ہے مگر یہ تو اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے لاکھوں دلائل میں سے کسی میں غور ہی نہیں کرتے۔ پھر یہ راہِ راست پر کیسے آ سکتے ہیں؟

زمین و آسمان کے فوائد

ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا زمین کی ذات تو وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ یعنی ٹھہرنے کی جگہ بنا دیا زمین کے علاوہ دوسرے کرّے۔ چاند، سورج، ستارے، مریخ وغیرہ انسان کے لیے قیام گاہ نہیں بن سکتے کیونکہ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کی

انبیاء پیدا ہی نہیں کیں۔ اگر کوئی مسافر ان زمین کے علاوہ فضا یا کسی اور سیارے میں جائے گا تو بالکل عارضی طور پر جائے گا۔ انسان کی مستقل اور طبعی قیام گاہ زمین ہی ہے جہاں اس کی ضرورت کی ہر چیز میسر ہے فرمایا ایک تو زمین کو قرار گاہ بنایا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً اور آسمان کو چھت کے لیے بمنزلہ چھت کے بنا دیا۔ یہ بھی نظر آتا ہے جیسے کوئی قبہ یا گنبد ہو جو زمین کے اوپر تنا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ سے زمین آفات سماویہ سے محفوظ ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (آیت ۳۲) ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ بہرحال اللہ نے زمین اور آسمان کی تخلیق اور اس کی افادیت کا ذکر کیا ہے۔

کفر تصویر تشبیہ

پھر فرمایا، اللہ کا یہ احسان بھی یاد کرو وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اس نے تمہیں شکل و صورت بخشی اور بہت اچھی صورت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ مصور حقیقی ہے اس نے انسان کو فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین ۴) بہترین صورت میں پیدا کیا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ (آیت ۶) خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو رحم مادر میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کی شکل و صورت واجبی ہوتی ہے اور بعض بدشکل بھی ہوتے ہیں لیکن کلیت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بہتر شکل و صورت میں پیدا فرمایا ہے اور اسے تمام مخلوق پر شرف عطا کیا ہے۔ تصویر سازی مصور حقیقی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس لیے کسی شخص کو کسی جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تصویر بنانے والے سے کہے گا کہ میں نے تو تصویر بنا کر اس میں جان بھی ڈالی تھی۔ اب تم بھی اس میں جان ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اللہ تعالیٰ سخت مؤاخذہ کرے گا۔ ترہیب و ترغیب کے لیے بے جان اشیاء، عمارت پہاڑ، دریا، سورج، چاند وغیرہ کی تصویر تو بنائی جا سکتی ہے مگر کسی جاندار کی تصویر بنانا اور پھر اسے دیوار کی زینت بنانا قطعی حرام ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو تو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال اللہ نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا ہے۔

پاکیزہ رزق

فرمایا وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اے انسان! اللہ نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے روزی عطا کی ہے۔ روزی تو حلال حرام دونوں، دودھ دوہ، پیشاب اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی مل رہی ہے مگر اُن کی روزی کے ساتھ پاکیزگی کی شرط نہیں ہے پاکیزہ رزق اللہ نے صرف انسان کو عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف رزق انسان کے لیے حلال اور طیب کیا ہے جو اس کی جسمانی اور روحانی صحت اور پاکیزہ اخلاق کے لیے ضروری ہے۔ اور جن چیزوں سے جسم، روح اور اخلاق میں نجاست پیدا ہوتی ہے، وہ حرام قرار دی گئی ہیں۔ چنانچہ مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ جسمانی اور روحانی نجاست پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ نے انہیں انسان کے لیے حرام کر دیا ہے۔ روحانی نجاست میں غیر اللہ کی نذر کے علاوہ غصب شدہ اور چوری کا مال، رشوت اور دھوکہ دہی سے حاصل ہونے والی چیزیں بھی مالِ حرام میں شمار کی گئی ہیں۔ ان کے استعمال سے ذہن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اللہ نے صرف حلال اور پاک چیزیں ہی بطور رزق استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ تمہیں بہترین صورت میں تخلیق کیا اور پھر طیبات میں سے روزی بہم پہنچائی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پس بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی حقیقت میں هُوَ الْحَيُّ زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے وہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کوئی اور اس لائق نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔ لہٰذا فَادْعُوْهُ اپنی حاجات اور مشکلات میں اسی کو پکارو، اس حال میں کہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ خالص اسی کے لیے اطاعت

کرتے تھے ہو۔ اس کی عبادت و ریاضت میں شرک اور ریا کی آلودگی نہ کرو۔ گذشتہ سورۃ الزمر میں بھی گزر چکا ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (آیت ۲) آپ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ خالص اُسی کی اطاعت کرنے والے ہوں۔ ریا کی وجہ سے نیک اعمال نامقبول ہو جاتے ہیں۔ جب کہ شرک سے تو اصلاً سارے اعمال برباد ہی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں کسی قسم کی آلودگی نہیں ہونی چاہیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی تمام کائنات اور خوبیوں کا مالک ہے اور وہی ہر قسم کی عبادت کا حق دار ہے۔

شرک کی قباحت

ارشاد ہوتا ہے نبی (قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ خاص طور پر (لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ) جب کہ میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں اور دلائل قدرت بھی آ چکے ہیں۔ لہٰذا میں تو اللہ کی ذات اُس کی صفات اور اُس کو پکارنے میں کسی کو شریک نہیں بنا سکتا۔ فرمایا آپ یہ بھی اعلان کر دیں (وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا ہی تابع فرمان بن جاؤں۔ اسلام کا معنیٰ انقیاد اور اطاعت ہوتا ہے یعنی قلب، قالب، دل و جان اور پوری عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنا۔ فرمایا میں تو اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا مکمل اطاعت گزار ہوں

تخلیق انسان کے حوالے سے قیامت کی بات بھی سمجھائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ) وہ اللہ کی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی جیسی حقیر اور بے جان چیز سے پیدا کیا۔ لوگ اس مٹی کو پاؤں تلے روندتے ہیں اس پر گندگی پھینکتے ہیں اور اس کو بڑی بے قدری سے استعمال کرتے ہیں۔ نوع انسانی کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق فرمایا اور پھر نسل انسانی کو

تخلیق انسان کے اطوار

اللہ کے مقرر کردہ وقت تک زندہ رہتے ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کی عمر کیاں نہیں بنائی اور ہر ایک کے لیے جو مدت مقرر کی ہے وہ پورا کرتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر اپنی طرف قدم ہو جاتا ہے۔

سورۃ یٰسین

فرمایا انسانی زندگی کے تمام ادوار ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ تاکہ تم عقل سے کام لو اور سوچو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام حیات کس حکمت اور مصلحت کے تحت قائم کر رکھا ہے۔ اور اس بات میں بھی غور کرو کہ جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں نیست سے ہست میں لا کر زندگی میں اتنے تغیر و تبدل پیدا کیے ہیں، وہ تمہیں مرنے کے بعد آخرت کے دن میں بھی ضرور پہنچائے گا۔ جس طرح ہر انسان کی زندگی اور موت کا ایک وقت مقرر ہے، اسی طرح کائنات کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ہر چیز پر موت وارد ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کرے گا۔ تمام انسانوں اور جنوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ حشر کا میدان قائم ہو گا اور سب کا حساب اعمال ہو گا اور پھر جزائے عمل کے فیصلے ہوں گے اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ جس اللہ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اسی طرح وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس طرح معاد کا مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

فرمایا هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ خدا کی ذات وہی ہے جو تمہیں زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا پھر جب وہ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے۔ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اللہ انسان کی ابتدائی تخلیق بھی اسی حکم سے کرتا ہے۔ پھر وہی ہر ایک کو موت سے ہمکنار کرتا ہے اور پھر آخر میں وہی دوبارہ بھی زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۖ أَنَّىٰ
يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا
أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾
إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾
فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾
ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾
مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ
نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ
الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ
فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ

کر دیئے گئے ہیں ان کی طرف ہی ... ہے
فرمائے جائیں گے (۷۷) اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے
رسولوں کو تجھ سے پہلے بعض ان میں سے وہ ہیں کہ
جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیئے ہیں
اور بعض وہ ہیں کہ نہیں ہم نے ان کے حالات آپ
پر بیان نہیں کیے۔ اور نہیں ہے کسی رسول کے لیے
کہ وہ لائے کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے پس جب
آگیا اللہ تعالیٰ کا حکم تو فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ
اور نقصان اٹھائیں گے اس موقع پر باطل پرست لوگ (۷۸)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے سلسلے میں اپنی قدرت کی کچھ نشانیوں کا ذکر کیا۔ ان نشانیوں میں انسانی تخلیق کے مختلف ادوار کا بیان ہوا۔ زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنانے کا تذکرہ ہوا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور پاکیزہ روزی عطا کی اور ساتھ یہ بھی کہ موت و حیات کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ پھر اللہ نے انسان کو عقل کی کہ ان دلائل قدرت میں غور و تفکر کرے توحید الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

اب آج کے درس کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی شرارتوں کا تذکرہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ واضح نشانیوں کے باوجود یہ لوگ ان میں جھگڑا کرتے ہیں اور ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں؟ آیات سے مراد کونیات ... دلائل اور احکام ہیں۔ بعض لوگ ان پر خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کی وجہ محض ان کا عناد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر نہ ہو تو یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ آیات الٰہی میں جھگڑنے

سے مقصود حق کو کمزور اور باطل کو غالب کرنا ہے۔ فرمایا ان قسم کی باتیں کرنے والے
يُصَدِّقُونَ یہ لوگ کہ جو بھیجے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ پہلے لوگ صادقِ مصدوق کو چھوڑ
کر گمراہی کے رستے پر چل رہے ہیں۔

فرمایا جھگڑا کرنے والے لوگ وہ ہیں اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ
جنہوں نے الکتاب یعنی قرآن کریم کو جھٹلا دیا اور اُسے وحی الٰہی ہونا تسلیم نہ
کیا۔ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَآ اور اُس چیز کو بھی جھٹلا دیا جو ہم نے
رسولوں کو دے کر بھیجا ہے۔ الکتاب کے منکروں کو دی جانے والی چیز میں دین شریعت
احکام اور معجزات شامل ہیں۔ کفار و مشرکین نے ان سب چیزوں کی تکذیب کی
فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ کہ ابھی کچھ عرصہ میں جان جائیں
گے کہ یہ کس قدر غلطی میں مبتلا تھے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ جب کہ
طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے وَالسَّلٰسِلُ اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اغلال
غُلٌّ کی جمع ہے جس کا معنی گلے کا طوق ہے اور یہ ذلت کی علامت ہے۔ سلاسل
یعنی پاؤں کی بیڑیوں کے متعلق سورۃ الحاقہ میں آتا ہے فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا
سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (آیت ۳۲) کہ یہ ستر گز لمبی ہوں گی جن میں مجرموں کو
جکڑا جائے گا يُسْحَبُوْنَ پھر ان کو گھسیٹا جائے گا فِي الْحَمِيْمِ
کھولتے ہوئے پانی میں۔ لفظ حمیم اضداد میں سے ہے اس کا معنی
مخلص دوست بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ گرم اور ٹھنڈے پانی پر بھی بولا جاتا ہے
اس مقام پر سخت گرم کھولتا ہوا پانی مراد ہے۔ جب مجرموں کو پیاس تنگ کرے گی۔
اور وہ پانی مانگیں گے تو انہیں گھسیٹ کر کھولتے ہوئے پانی کے قریب لایا جائے گا
جسے وہ پی نہیں سکیں گے۔ اور ایک آدھ گھونٹ اندر چلا بھی گیا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ
(محمد ۱۵) تو وہ ان کی آنتیں کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟
ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ان کو آگ میں جھونک دیا جائے گا یعنی جہنم میں
پھینک دیا جائے گا۔ فرمایا اس وقت ان بدبختوں کو پتہ چلے گا کہ یہ آیاتِ الٰہی

اور انبیاء کی طرف سے لائے جانے والے معجزات، شرائع اور احکام کو کس طرح نظر انداز کیے ہوئے تھے۔

مشرکوں سے کی جانے والی پوچھ

فرمایا ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ پھر ان سے کہا جائے گا کہ آج کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے تھے۔ مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے علاوہ، دنیا میں جن سے غلط توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور ان کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے، بتلاؤ آج وہ کہاں ہیں اور تمہاری مدد کے لیے کیوں نہیں آتے؟ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا جواب دیں گے کہ ہمارے وہ معبود تو آج ہم سے گم ہو گئے ہیں، ہمیں نظر نہیں آتے۔ صاحب تفسیر کشاف علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اتنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ سوال ہوگا کہ وہ سامنے نہیں آسکیں گے۔ مجرم کہیں گے کہ وہ تو آج ہمارے لیے بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتے تھے کہ اس سے قبل ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ مطلب یہ کہ جن معبودان باطل پر تکیے لگائے بیٹھے تھے آج پتہ چلا کہ ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، وہ اصل میں کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ ہم نے ان کو بلاوجہ حاجت روا سمجھ رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ یہ ہمیں مشکل وقت میں چھڑا لیں گے مگر آج تو وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں اور ہمارے کسی کام نہیں آسکتے۔ دنیا میں یہ ہماری سخت بھول تھی اس وقت یہ لوگ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے۔ فرمایا جس طرح یہ وقت کا اعتراف مفید نہیں ہوگا۔

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہ کر دیتا ہے، اُن کی نیت اور ارادے اچھے نہیں ہوتے۔ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہیں، تکبر اور غرور میں مبتلا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں دنیا میں راہِ راست نصیب نہیں ہوتا اور وہ زندگی بھر بھٹکتے رہتے ہیں۔

جہنم اور سزا

فرمایا آج ان کی گردنوں میں طوق، پاؤں میں بیڑیاں اور جہنم رسید ہونے کی اس وجہ سے ہے ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ کہ تم دنیا کی زندگی کے دوران ناحق خوشی مناتے تھے وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ

اور اس وقت سے ہی کفار آپ سے بغض رکھتے تھے۔ قریش طائف بھی پہنچے اور
سب نے مل کر آپ کو ایذا دی۔ آپ لہولہان ہو گئے۔ جبرئیل آئے اور کہا کہ اگر آپ
چاہیں تو ان کو پہاڑوں سے کچل دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ شاید ان کی
نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی عبادت کریں۔ فرمایا چونکہ دنیا میں انہوں نے
جہنم کو اپنے لئے پسند کیا ہے اس لئے ان کو جہنم میں داخل ہونا ہوگا۔ خالدین
فیہا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دوزخیوں کا مطلب یہ ہے کہ جو کفر کی فرعونیت
کے اعتبار سے مجرمین اپنے اپنے مخصوص دوزخوں سے جہنم میں داخل ہوں گے
فرمایا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ پس کتنا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں
کا۔ ان تکبر کی وجہ سے کفر اور شرک کا ارتکاب کیا۔ اللہ کی کتاب، احکام اور
آیات کو جھٹلایا۔ انبیاء کی تکذیب کی۔ لہٰذا اب اس غرور کی سزا بھگتو۔

اب آگے نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے
زمانہ کے کفار مشرکین اللہ کے نبیوں کی نافرمانی کی وجہ سے بڑی تکلیف دہ باتیں سنتے پڑتی ہیں اور
جسمانی اذیت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان مصائب پر فاصبر
ان وعد اللہ حق صبر کریں کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے
گا اور فرمایا ان کو خوف نہ آئے۔ سورۃ الروم میں فرمایا ہے وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (آیت ۴۷) اہل ایمان کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری
ہے آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اپنا کام جاری رکھیں۔ صبر اور استقامت کا دامن نہ چھوڑیں
اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا اور بالآخر آپ ہی کامیاب ہوں گے
یہی دور کے آخری حصے کی سورتیں ہیں جب مسلمان مکہ میں بڑی سخت زندگی بسر
کر رہے تھے۔ پھر علانیہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اسلامی ریاست
کی بنیاد پڑی اور پھر جب کفار کے ساتھ جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو اللہ کی مدد
کے ساتھ آپ ہر محاذ پر کامیاب ہوئے۔ اللہ کی نصرت آپ کے شامل حال رہی

[illegible] ظاہری دنیا کی [illegible] پورا فرما دیا۔

[illegible] کفار کے ستر بڑے بڑے لیڈر قتل ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے [illegible] کی دنیا کی [illegible] کفار کی لاشیں ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھیں۔ حضور علیہ السلام اس کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو کے اور بڑے بڑے [illegible] کے نام لے لے کر کہنے لگے۔ اے ابوجہل، اے عتبہ، اے شیبہ، اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ تو اس نے آج پورا کر دیا۔ تمہارے اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، تم نے بھی کسے سچا پایا ہے یا نہیں؟ آج تمہیں تمہارے کرتوتوں کی سزا مل رہی ہے۔

ایفائے عہد کا وقت

فرمایا ہے صبر کریں۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ بس اگر ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیز جو ان سے ہم وعدہ کرتے ہیں، اور آپ کی زندگی میں وعدہ پورا ہو جائے صَيْحَةً الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر - ۴۵) کہ عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے۔ مطلب یہ کہ یہ وعدہ یا تو آپ کی زندگی میں ہی پورا کر دیں گے۔ اور آپ اسے پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے اور اس کے بعد یہ وعدہ پورا ہوگا۔

آخر کار یہ ہوئے کہ عرب کا قطعہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں اسلام کے زیر نگیں آگیا۔ کفر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور یہ واقعہ بدر کے بعد فتح مکہ تک پیش آیا۔ اللہ نے آپ کو دکھا دیا۔ پھر آہستہ آہستہ عرب کفار کے تسلط سے پاک ہو گیا۔ البتہ اردگرد کے ممالک آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں جا کر مفتوح ہوئے جن میں عراق، شام، روم، فلسطین اور افریقہ وغیرہ آپ کے بعد فتح ہوئے۔ بہرحال اللہ نے جو وعدہ کیا تھا، اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں پورا ہو گیا اور کچھ حصہ بعد میں پورا ہوا۔ فرمایا فَإِنَّمَا

يُرْجَعُوْنَ یا آخر یہ سب ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ سب کو قیامت والے دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے اور اپنے اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے، پھر ہم جزائے عمل کے فیصلے کریں گے۔ آپ تسلی رکھیں، ان کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔

سابقہ انبیاء کا ذکر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کے سلسلے میں ہی پہلے نبیوں کا حال بھی بیان کیا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو بھیجا مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ اور بعض کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیے۔ اللہ نے قرآن پاک میں بعض انبیاء علیہم السلام کے نام ذکر کر دیے ہیں اور بعض کے حالات تفصیل کے ساتھ اور بعض کے اجمالاً بیان کیے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء اور رسل کو اپنے احکام اور دین کی سربلندی کے لیے دنیا میں بھیجا اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں ہر قسم کی مخالفت برداشت کر کے حق کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ نے کتنے نبیوں کو دنیا میں مبعوث فرمایا ہے، تو آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صاحب کتاب و شریعت رسول تین سو پندرہ اور باقی سارے صاحب وحی انبیاء علیہم السلام تھے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بعض کے حالات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں اور بعض کے نہیں۔

سورۃ الانعام میں اللہ نے ایک جگہ پر اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (آیت ۹۰) یہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، لہٰذا آپ بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ سورۃ الانعام ہی میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

الاصفیاء من ولد آدم ۔ ۳۰ ، ہم نے ہر رسول کو بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے کاموں پر نظر کی بشارت دیتے ہے اور کفر و شرک اور بداعمالی پر ڈراتے تھے ۔ مطلب یہ کہ انبیاء و مرسلین اور رسل کے فرائض منصبی میں شامل ہے ۔ بہرحال اللہ نے بعض انبیاء و رسل کے تفصیلی حالات بیان کیے ہیں اور بعض کے بالکل نہیں کیے ۔ تاہم ہر اہل ایمان کے لیے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ یہ تفصیل کہ

معجزہ غیر اختیاری چیز ہے

کس کو کیا معجزہ ملا ، ضروری نہیں ۔ اگلے حصہ آیت میں اللہ نے اصولی طور پر یہ بات بیان کر دی ہے وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کسی رسول یا نبی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے ۔ مکی زندگی میں کفار و مشرکین طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے تھے کبھی کہتے یہ ہو کبھی کہتے وہ ہو ۔ کبھی کہتے تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہونے چاہئیں ۔ کبھی کہتے سر پر آسمان کو کوئی ٹکڑا گرا دے ۔ کبھی کہتے سونے کا گھر ہونا چاہیئے یا آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے کتاب لے کر آ جب ہم پڑھ لیں ۔ اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے ۔ مگر اللہ نے اپنے نبی کو کہہ دیا کہ آپ کہہ دیں سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ( آیت ۹۳ ) میں تو ایک انسان رسول ہوں ۔ مطلب یہ کہ معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے ۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ اپنی نشانی ظاہر کر دیتا ہے ۔ اسی اصول کو یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے ۔ اللہ نے اپنے انبیاء کے ہاتھوں پر بے شمار معجزات عطا کیے اور خود حضور خاتم النبیین علیہ السلام کو اللہ نے سب سے زیادہ معجزات عطا کیے مگر یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ۔ کسی نبی کے اختیار میں نہ تھا ۔ لہٰذا من اللہ نبی آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ صبر سے کام لیں ، سابقہ انبیاء علیہم السلام کا

سورہ یونس نظر رکھیں اور اپنا حال کمزور نہ ہونے دیں۔

ترجمہ: فرمادیں آپ کہو کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو راہ بتائے سچ کی طرف کہو اللہ راہ بتاتا ہے سچ کی طرف تو جو راہ بتائے سچ کی طرف وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کا حکم مانا جائے یا وہ جو راہ نہ پائے مگر جب اس کو راہ بتائی جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔ اور ان کے اکثر نہیں چلتے مگر اٹکل پر بیشک اٹکل کچھ کام نہیں دیتی حق کے مقابل بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

کلمات: فرمادیں آپ کہو کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو راہ بتائے سچ کی طرف کہو اللہ راہ بتاتا ہے سچ کی طرف تو جو راہ بتائے سچ کی طرف وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کا حکم مانا جائے یا وہ جو راہ نہ پائے مگر جب اس کو راہ بتائی جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔ اور ان کے اکثر نہیں چلتے مگر اٹکل پر بیشک اٹکل کچھ کام نہیں دیتی حق کے مقابل بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقائد کا رد فرمایا ہے۔ جب ان کے عقائد پیش ہوں گے تو ان کا غلط فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس کی وجہ یہ ہوگا۔ وَاتَّبَعَ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا کہ اکثر لوگوں کو محض اٹکل پچو سے کام لیا ہوگا۔ مشرکین اور غلط کار کرنے والوں اور غلط فیصلہ کرنے والوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ان کو اپنا کیا کا مزہ چکھنا پڑے گا اور ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ اللہ نے جیسے عمل کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا۔

اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا
وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ
فَأَيَّ آيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا
فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ
قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ
الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾
فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا
بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ
فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بنائے

میں تمھارے لیے بنوایا تاکہ تم سواری کرو ان میں سے بعض
پر اور ان میں سے بعض سے تم کھاتے بھی ہو (۷۹) اور تمھارے لیے ان میں
بہت سے فائدے ہیں۔ اور تاکہ پہنچو ان پر جو مراد ہو تمھارے
اس کام تک جو تمھارے دلوں میں ہے۔ اور تم ان
ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر سوار کیا جاتا ہے (۸۰)
اور دکھاتا ہے وہ تم کو اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ
کی کونسی نشانی سے تم انکار کرو گے (۸۱) کیا یہ لوگ نہیں
چلے پھرے زمین میں تاکہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان
لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ تھے وہ زیادہ
ان سے تعداد میں اور قوت میں بھی زیادہ تھے۔ اور
نشانیوں میں بھی جو وہ زمین میں چھوڑ گئے تھے۔ پس نہ
بچایا ان کو اس چیز نے جو وہ کماتے تھے (۸۲) پس جب
آئے ان کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر
تو اترانے لگے اس کے ساتھ جو ان کے پاس علم تھا۔
اور گھیر لیا اُن کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا
کرتے تھے (۸۳) پس جب دیکھا انھوں نے ہمارے
عذاب کو تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر
جو اکیلا ہے۔ اور ہم انکار کرتے ہیں اس چیز کا
جس کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے (۸۴)
پس نہ فائدہ دیا اُن کو اُن کے ایمان نے جب دیکھا
انھوں نے ہمارے عذاب کو۔ یہ اللہ کا دستور ہے اُن
لوگوں میں جو گزرتے ہیں اس کے بندوں میں۔ اور نقصان
اٹھایا اس جگہ کفر کرنے والوں نے (۸۵)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تردید فرمائی اور ساتھ ساتھ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی بھی دی کہ پہلی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔ اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں مگر آخر کامیابی اللہ کے نبیوں کو ہوئی اور کفار دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکام اور واصل عذاب کے مستحق ٹھہرے اب آج کی آیات میں پہلے کچھ دلائل توحید بیان ہوئے ہیں اور پھر کفار و مشرکین کی توجہ سابقہ اقوام کی طرف دلائی گئی ہے جو ان سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ طاقتور تھے مگر وہ اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہوئے۔ اُس وقت انہوں نے توبہ کی مگر اُس بے وقت ایمان لانے کا کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے

ترجمہ

ارشاد ہوا! ہے اللہ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ اللہ تعالیٰ کی

تشریح

ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے مویشی پیدا کیے ہیں۔ ان جانوروں کی تخلیق اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد میں غور کیا جائے تو اللہ کی قدرت اور اُس کی وحدانیت کی دلیل آتی ہے۔ یہ جانور انسان کی نسبت جسامت اور قوت میں بہت بڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت و حکمت سے انہیں انسان کے تابع کر دیا ہے اور وہ ان سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں۔

انعام کا لفظ مویشیوں میں سے خاص طور پر اونٹ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور سورۃ الانعام میں مذکور جملہ الانعام سے انسان نے خدمتاً آٹھ قسم کے نر و مادہ مویشی مراد ہیں جن میں اونٹ، گائے جنس، بھیڑ اور بکری شامل ہیں۔ یہ وہ جانور ہیں جن کو انسان گھروں میں پالتے ہیں جو انسان سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان کو مسخر کر کے انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے اور لوگ ان سے سواری اور بار برداری کا کام لینے کے علاوہ ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور ان کی کھالیں بال چمڑی اور ہڈیاں بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ ان جانوروں کے علاوہ بعض دیگر جانور بھی انسان کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتے ہیں جن کے متعلق سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

جانوروں کے قربانی

بہرحال اللہ تعالیٰ نے انعام یعنی چوپایوں کو قربان کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ان میں سے بعض تمہارے سواری اور بار برداری اور بعض تمہارے کھانے کے لئے ہیں۔ جو جانور کھانے کے علاوہ ہیں، جیسے سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں۔ اور بعض جانور دونوں کام دیتے ہیں۔ یعنی سواری اور بار برداری کے بھی کام آتے ہیں اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ جانوروں کی اقسام میں سے بعض جانور ایسے ہیں جو صرف سواری اور بار برداری کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ ان کا گوشت کھانا بہت کم ہوتا ہے۔ جیسے گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ۔ ان جانوروں کا گوشت کھانا اگرچہ جائز ہے۔ مگر اس لحاظ سے اس کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے عام طور پر ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ باقی وہ حلال جانور جو صرف گوشت کے لئے پالے جاتے ہیں، جیسے بکری، بھیڑ اور دنبہ وغیرہ۔ ان کا گوشت کھانا بہت زیادہ مفید ہے۔ اس لئے ان کو قربانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ان کی قربانی کے علاوہ قرآن پاک نے ان کے دودھ کو بھی بہت مفید قرار دیا ہے۔ اور ان کے علاوہ بیل بھی کسی حد تک سواری اور بار برداری کے کام آتا ہے۔ مگر اس لحاظ سے اس کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے بیل کو بھی قربانی کے لئے منتخب کیا گی

یہ ایک عقیدہ جائز ہے جس کی پیشانی پر اللہ نے خیر کو باندھ دیا ہے۔ اس زمانے میں جہاد آلاتِ حرب و ضرب کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کی جنگی اہمیت بہت حد تک کم ہو گئی ہے۔ مگر پھر بھی یہ جہاد نہیں ہوئی اور آج بھی دنیا کی کوئی فوج گھوڑ سواروں کے ایک حصہ سے خالی نہیں۔ پہاڑی علاقوں میں جہاں مشینی ذرائع سے سامان اور خوراک پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہاں آج بھی گھوڑے، خچر اور گدھے ہی کام آتے ہیں۔

سورۃ النحل میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اس وقت تو تمہاری سواری کے لیے اونٹ، خچر اور گدھے موجود ہیں مگر آئندہ زمانے میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت ۸) وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرے گا جنہیں آج تم نہیں جانتے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے سواری اور باربرداری کے لیے بہت سے جدید ترین ذرائع بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں نقل و حمل کے لیے مشینی ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں جن میں موٹر گاڑیوں سے لے کر ہوائی اور بحری جہاز تک شامل ہیں جو انسانوں کی روزافزوں آبادی کے استعمال میں آ رہے ہیں۔

فرمایا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ تمہارے لیے مویشیوں میں مزید کئی فوائد بھی ہیں۔ سواری کرنے اور گوشت کھانے کے علاوہ لوگ ان کا دودھ بھی استعمال کرتے ہیں جو کہ انسان کی بہترین اور متوازن غذا ہے۔ بھیڑ، بکری اور اونٹوں کے بالوں سے طرح طرح کے کام لیے جاتے ہیں۔ ان سے گرم کپڑے اور قالین بنائے جاتے ہیں۔ ان کی کھالیں جوتے بنانے کے کام آتی ہیں اور ہڈیاں مختلف کاموں میں استعمال ہوتی ہیں۔ غرضیکہ ان جانوروں کے جسم کا کوئی حصہ بھی فائدے سے خالی نہیں، اس لیے فرمایا کہ اس میں تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں اور وہ لِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ تمہارے دلوں میں جو کام ہیں ان تک تم ان جانوروں پر سوار ہو کر پہنچ سکو۔ معاشرے میں ہر شخص کو دوسرے سے کام پڑتا ہے اور اس کے لیے جانا آنا پڑتا ہے تجارت اور حصول علم کے لیے دور دراز کا سفر بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ

تمہارے دل میں جو بھی حاجت ہے اُس کے حصول میں یہ جانور معاون بنتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ فرمایا ان چوپایوں کی سواری بھی ایسی کی جاتی ہے اور کشتیوں پر بھی سوار کیا جاتا ہے۔ خشکی پر جانوروں کے علاوہ تمہیں گاڑیاں بھی اور کثیر سفر کے لیے تمہیں بڑی بڑی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ آج کے اس جدید دور میں بھی سامان کی نقل و حرکت بھری اسٹیمروں سے ہوتی ہے جو کہ خشکی اور ہوائی راستوں کی نسبت سستی پڑتی ہے خشکی پر سفر کے لیے بسیں، ویگنیں، اور کاریں گاڑیاں عرض وجود میں آچکی ہیں۔ بڑے بڑے ٹرک اور ٹرالر باربرداری کے لیے مصروف عمل ہیں۔ اب ہوائی جہاز جیسی تیز رفتار سواری بھی دستیاب ہے جس کے ذریعے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک صرف چند گھنٹے قبل وقت میں پہنچا جا سکتا ہے اور سامان کی ترسیل ہو سکتی ہے۔ ہوائی جہاز کی ایجاد کے لیے گزشتہ آٹھ صدیوں سے لگ بھگ دو درجن کے قریب بڑے بڑے سائنسدان جان سے گئے کہ کوئی ایسی سواری ہونی چاہیئے جس کے ذریعے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑا جا سکے۔ لوگ آٹھ سو سال تک تجربات کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۰۳ء میں ہوائی جہاز کی پہلی اڑان معرض وجود میں آئی۔ اب یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر چکی ہے کہ لوگ فضائی سیاحت پر کمپنیاں قائم کر رہے ہیں۔ اب تک جو کچھ سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اب آگے آگے پتہ نہیں کیا کچھ ایجاد ہونے والا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان سواریوں کی ایجاد کو ذکر کر کے ان کی افادیت کا احسان جتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کس قدر آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

فرمایا وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کے ذریعے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ مگر اللہ کی کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔ اللہ نے تو بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے ایسی

[illegible] ہے اور اس طرح گزشتہ امتوں کی بستیوں کو عبرت ہوتا ہے۔

قرآن کا انداز

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سرکشی اور ان کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تاکہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ فرمایا: یہ توان کے مقابلے میں بہت کمزور تھے کَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ پہلے لوگ تعداد میں بھی زیادہ تھے وَاَشَدَّ قُوَّةً اور طاقت میں بھی بڑھے ہوئے تھے وَاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ اور زمین میں اپنے نشانات چھوڑنے کے لحاظ سے بھی یہ لوگ ان سے بہت آگے تھے۔ اکثر مفسرین کرام نے قدیم اقوام عاد، ثمود، فرعون اور قوم سبا کے حالات کا حوالہ دیا ہے۔ عاد اور ثمود کی قومیں قوم نوح کے بعد آئی تھیں۔ قوم لوط اور قوم سبا کے حالات مذکور ہیں۔ یہ لوگ نزول قرآن کے زمانے کے عربوں سے بہت کثیر تعداد میں اور بڑے طاقتور تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے محلات اور صنعتی شہر آباد کیے تھے جو پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بنایا کرتے تھے اور بڑی بڑی عمارات تعمیر کرتے تھے۔ فرمایا جب ہماری گرفت آئی فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ تو ان کی اس جمعیت نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے صفحہ ہستی سے نابود کر دیا۔

خلاصہ خطبہ

فرمایا ان لوگوں کا حال یہ تھا۔ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ تو وہ اس علم کی بنا پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا۔ اس غرور و تکبر کی وجہ سے انہوں نے انبیاء کے پیغام کو، ان سے نازل شدہ شریعت اور کتابوں کو تسلیم نہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے پاس علم ہے جو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے یعنی دنیا

کی زندگی گزارنے کا علم تو تھا۔ مگر اُن کے پاس علم معاد نہیں تھا۔ جس کے پیشِ نظر وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتے تھے، بلکہ آخرت کی ابدی زندگی کو بھی بہتر بنا سکتے تھے۔ اُن کے پاس دین کا علم نہیں تھا جس کے ذریعے وہ عقیدہ، اعمال اور اخلاق کو درست کر سکتے۔

محض معاش کا علم تو آج بھی دنیا میں بہت زیادہ ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے، علم طب و جراحت اپنے عروج پر ہے، صنعت و تجارت کی بدولت نئی نئی چیزیں سامنے آ رہی ہیں۔ مگر وہ علم نہیں ہے جو اللہ کے نبیوں پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ موجودہ زمانے میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ اپنے آپ کو بڑا ترقی یافتہ کہتے ہیں مگر اُن کا سارا علم و ہنر معیشت کے گرد گھومتا ہے اور وہ اسی کو علم کہتے ہیں اور اصل علم کی طرف نہیں آتے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کسی نے ایک بہت بڑے فلسفی سے کہا کہ آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے اکتسابِ فیض کریں اور اُن کی دعوت کو قبول کریں، تو وہ شخص کہنے لگا کہ ہم تو خود عالم، فاضل اور مہذب آدمی ہیں۔ ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی کوئی ضرورت نہیں۔ جاہلوں کی تعلیم و تربیت تو جاہل لوگوں کے لیے ہوا کرتی ہے، وہ اُن کی بھلائی کرتے ہیں، ہمیں تو ضرورت نہیں۔

یہ فلسفی نے تو محض اسی قسم کا تکبر اور تعصب پایا جاتا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس دانشور لوگ موجود ہیں، جو تعلیم یافتہ ہیں، ہماری حکومت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے، ان گورکھ دھندے والے غریب شہد والوں کو کس چیز کا علم ہے، یہ ان پڑھ لوگ ہیں، جو ان سے کہیں گے یہ لوگ وہی کریں گے، یہ لوگ حواریوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حتیٰ کہ قرونِ وسطیٰ میں بھی اسی قسم کا تکبر پایا جاتا ہے کہ یہ غریب سے محنت کش لوگ ہیں، انہیں کسی چیز کا علم ہے؟ مغربی مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ارسطو یا کسی دوسرے بڑے فلاسفر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو اس فلسفی نے عیسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینا چاہا۔ کہتے ہیں کہ اس نے آپ سے

سوال کیا کہ اگر زمین و آسمان ایک کمان کی شکل اختیار کر لیں اور دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام حوادث کو تیر تصور کر لیا جائے اور اس تیر کمان کو چلانے والا خود خدا ہو تو پھر اس تیر کمان سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بچنے کی صورت یہ ہے کہ دوڑ کر خدا تعالیٰ کے دامن میں پناہ حاصل کر لی جائے۔ قرآن مجید میں موجود ہے فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ۔ اس سے پناہ حاصل ہو جائے گی۔ اس شخص نے یہ جواب سن کر اقرار کیا کہ ایسے مشکل سوال کا جواب نبی کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ واقعی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ ہم خود مہذب لوگ ہیں۔ نبی تو جاہلوں کی تربیت کے لیے آتے ہیں۔ اس طرح وہ انبیاء کی تعلیمات کو ٹھکرا دیتے تھے اور اپنے تعصب کو ہی برقرار رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ کہ انہیں اسی چیز نے گھیر لیا جس کو وہ انبیاء سے استہزاء کا ذریعہ بناتے تھے اس نے خود ساختہ فلسفے اور اس کا علم و ہنر ہی اس کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔

بے وقت ایمان غیر مقبول ہے

پھر کیا ہوا؟ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ لیا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ کہنے لگے، ہم ایمان لے آئے یعنی ایک خدا کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا۔ اللہ کے انبیاء، صحیفوں اور کتابوں پر ایمان لائے وَنَكْفُرُ بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ اور جن چیزوں کو ہم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اب ان کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا مگر ہمارا عذاب دیکھنے کے بعد ان کا ایمان لانا ان کے لیے کچھ مفید نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسان کا ایمان اس وقت تک قبول ہوتا ہے جب اس پر غرغرے کی حالت طاری ہو جائے یعنی وہ قریب المرگ ہو جائے، غیب کے پردے اٹھ جائیں اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں۔ دوسری غیر مقبول صورت وہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے آثار نظر آنے لگیں۔ پوری تاریخ انسانی میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہے کہ عذاب کے

آثار شدید ہو گئے تو انہوں نے توبہ کی۔ مگر جونہی آثار ٹلے ان کی توبہ بھول کے
عذاب کو ٹال دیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قومِ یونس پر بھی عذاب آیا تھا۔ صرف
بعض نشانیاں ہی ظاہر ہوئی تھیں کہ اللہ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا۔ بات یوں
ہے جب خدا کا عذاب پورے طریقے سے نظر آنے لگے تو اس وقت توبہ کا دروازہ بند
ہو جاتا ہے۔ فرعون نے بھی غرقابی کے وقت کہا تھا۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (یونس - ۹۰) میں موسیٰؑ کے
خدا پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر اللہ نے اس وقت کا ایمان لانا
قبول نہ کیا اور فرمایا اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ (یونس - ۹۱) اب ایمان لانے
کا جب جان حلق تک پہنچ چکی ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتے رہے۔
بہرحال فرمایا کہ سابقہ نافرمان قوموں نے بھی عذاب کو دیکھ کر توحید کا اقرار اور شرک
کا انکار کیا۔ مگر اللہ نے فرمایا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ
یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ عذاب
کو دیکھ کر غلطی کا اقرار کرتے ہیں تو پھر ان کا ایمان اور اقرار کچھ نہیں ہوتا۔ وَ
خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ چنانچہ ایسے وقت پر کافروں نے بہت نقصان
ہی اٹھایا۔ ان کی توبہ قبول نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ
اہل ایمان کو اس خسارے سے محفوظ رکھے۔

سورة

# حم السجدة

مكية

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حٰمٓ سجدہ مکی ہے۔ یہ چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُوْنٍ ۝۸

ترجمہ: حٰمٓ ۝۱ یہ کلام اتارا ہوا ہے رحمان

اور رحیم کی طرف سے (۲) ایک کتاب ہے جس کی آیتوں
کی تفصیل کی گئی ہے، یہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ ان
لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۳) یہ خوشخبری دینے
والا اور ڈر سنانے والا ہے، پس اعراض کیا ہے ان
میں سے اکثر نے، پس وہ نہیں سنتے (۴) اور کہا انہوں
نے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے کہ جس کی
طرف آپ بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے
اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے پس
آپ اپنا کام کرتے جائیں، بیشک ہم اپنا کام کرتے
ہیں (۵) آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر! بیشک میں تو انسان
ہوں تمہارے جیسا۔ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ بیشک
تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس سیدھے ہو اس
کی طرف اور بخشش طلب کرو اس سے۔ اور ہلاکت
ہے شرک کرنے والوں کے لیے (۶) وہ جو نہیں دیتے
زکوٰۃ اور آخرت کا وہ انکار کرنے والے ہیں (۷) بیشک
وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے
ان کے لیے غیر منقطع اجر ہے (۸)

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ حٰمٓ السجدۃ ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام فصلت اور اقوات بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔ آخر زیادہ مشہور نام حٰمٓ السجدۃ ہی ہے۔ یہ سورۃ حٰمٓ سیریز کی دوسری سورۃ ہے۔ ساتوں سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ پہلی سورۃ کے آخری رکوع میں پہلے بعد دیگرے اس ترتیب کے ساتھ نازل ہونے کی وجہ یہ ہے۔ جیسا کہ پچھلی سورۃ المؤمن کی تشریح میں بیان کیا تھا۔ یہ تمام سورتیں کتاب القرآن یعنی ہمارے قرآن پاک کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

۸۰۹

اس سورۃ مبارکہ کی چون آیات اور چھ رکوع ہیں اور سو آٹھ سو نو الفاظ اور
اور ۳۴۰۶ حروف پر مشتمل ہے۔

خلاصہ سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح تو حید سب سے بڑھ کر اسلام کے بنیادی اصول
عقیدۂ توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد ہی کا ذکر ہے۔ گزشتہ
سورۃ الفرقان میں توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کا مضمون غالب تھا تو اس
سورۃ میں بھی توحید کا ذکر ہے۔ رسالت کا ذکر بھی ہے کہ یہی دین کا بنیادی رکن
ہے جس کو نزول قرآن کے زمانے کے کفار و مشرکین اس کا انکار کرتے تھے۔
قرآن کریم کی طرف بھی دعوت دی گئی ہے اور اس کی حقانیت اور صداقت
کو بیان کیا ہے۔ وقوع قیامت اور جنت کے حال کے ذکر بھی اس سورۃ میں
خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ بہرحال دعوت الی التوحید، دعوت الی الرسالت اور
دعوت الی القرآن اس سورۃ مبارکہ کے خاص موضوعات ہیں۔

اس سورۃ میں کافروں اور قریش لوگوں کا حال اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو سلوک
کیا اس کو بھی بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کافروں کی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔
استقامت علی الدین بھی اس سورۃ کا ایک موضوع ہے جس کا ذکر پہلے بھی درس میں
آیا ہے اور پھر آگے بھی آئے گا۔ ہر انسان خطا کار ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنے گناہوں
اور خطاؤں سے معافی طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور شاہ ولی اللہؒ وغیرہ
کی اصطلاحات کے مطابق دین کے چار بنیادی اصولوں طہارت، اصابت، عبادت
اور عدل بھی اس سورۃ میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ ہی کی اصطلاح میں تین قسم کی
یعنی حجاب طبع، حجاب حکم اور حجاب سوء معرفت کا ذکر بھی آیا ہے۔ چنانچہ ایک
حجاب کا ذکر پہلے درس میں ہی آگیا ہے۔ بہرحال ان تمام حوالوں سے دین کے
بنیادی عقائد و اصول بیان ہوئے ہیں اس لیے ان کو لباب القرآن یعنی سارے
قرآن کا خلاصہ اور نچوڑ کہا جاتا ہے۔

ربط مضامین

بعض سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات حٰمٓ سے

۳ ۱

سے جزا ہے۔ بعض مفسرین نے تقدیم و تاخیر کے لیے ان قرائن میں سے جو کہ اشارہ
کرتا ہے اور جو کہ اشارہ رحمان اور رحیم کی طرف کرتا ہے۔ اس طرح ترتیب بنائے کہ
ہر قسم کی استدلال کے بعد سے ہو رحمان اور رحیم ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ کا اشارہ
خالق کی طرف سے جس سے قرآن کا نزول ہوا ہے۔ اور مکر سے مراد
مکاسی یعنی مٹانے والے سے۔ اس سورۃ کے پڑھنے اور اس پر ایمان لانے سے ان لوگ
کے غم اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور انسان جس راستے پر گامزن ہو کر منزل مقصود
تک پہنچ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ سورۃ علوم حقہ پر حاوی ہے۔ بعض لوگ بھی فرماتے ہیں
کہ ح کا اشارہ علم اور قدرت کا اشارہ رحمان و رحیم کی طرف ہے اور علم سے
کہ یہ سورۃ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل علم پر مبنی ہے

اب ہم سب سے بہتر بات وہی ہے جو اللہ جل جلالہ نے فرمائی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر
جانتا ہے۔ اس کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ہمیں اس کے معانی میں
کریدنہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص
فرما لیا ہے۔ جیسے کہ ہر شخص نے پڑھا ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ وَفَوْقَ
كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (آیت ۷۶) ہر علم والے کے اوپر ایک اور علم والا ہے
کہ جو اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ مرجع تمام علوم حقہ اور آیات محکمات ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات جل جلالہ سے
قرآن کریم
آغاز سے۔ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کو بیان کرنے کے لیے
الآیات
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ یہ کتاب بڑے غلبہ والے اور تعریف کیے گئے خدا نے

---

۱؎ جلالین ص ۴۷۷

عزوجل کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام
شعبوں کے حل کے لیے اصول بیان کیے گئے ہیں کتاب مفصلات ایسی
کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ اس کتاب میں ترغیب اور
ترہیب ہے، وعدہ اور وعید ہے اجمال اور تفصیل ہے۔ ہر چیز اور ہر ذرہ کی
ارض و سما کی مختلف اشیاء کی تفصیل ہے۔ دلائل عقائد اور ان کی تشریح کی تفصیل ہے۔

قرآن عربیاً یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو
اس کو کسی دوسری زبان میں بھی نازل کر سکتا تھا جس نے تورات اور انجیل کو عبرانی
اور سریانی زبان میں نازل فرمایا مگر چونکہ حضور علیہ السلام خود عربی تھے اور اس کتاب
کے اولین مخاطبین بھی عربی زبان جانتے تھے، لہٰذا اللہ نے اس کو عربی زبان میں
اتارا۔ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہوا ہے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ
(المزمل ۲۰) جتنا ہو سکے قرآن پڑھیں۔ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے۔ لہٰذا نماز میں
اس کے اصل الفاظ کی تلاوت ضروری ہے۔ اگر عربی الفاظ کی بجائے اس کا ترجمہ
کسی دوسری زبان میں پڑھا جائے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس میں قرآن پڑھنے کا
حکم ہے اور اس کا ترجمہ قرآن نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف ترجمہ ہوگا۔

فرمایا یہ قرآن عربی زبان میں ہے لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ان لوگوں کے لیے
جو سمجھ اور علم رکھتے ہیں۔ جو لوگ اس سے اعراض برتتے ہیں اور اس کو جاننے اور
سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ان کے لیے یہ قرآن کیسے مفید ہو سکتا ہے؟

قرآن سے اعراض

جس طرح پیغمبر اسلام کو اللہ نے بشیر اور نذیر کا لقب عطا فرمایا ہے اسی
طرح اس قرآن کے متعلق بھی ارشاد ہے بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا کہ یہ بھی خوشخبری
سنانے والا اور ڈر سنانے والا ہے مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ کہ اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا ہے یعنی اس کی طرف
توجہ ہی نہیں دی۔ فرمایا فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وہ کیا اس قرآن پاک کو سننے
کے لیے بھی تیار نہیں۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پوری بنی

ہوا کوئی حل موجود ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ اور بعض
دنیا داروں کا حال تو یہ ہے وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ
کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں۔ ہمارے دل اس چیز کی طرف سے
پردے میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی دعوت ہمارے دلوں میں اترتی ہی
نہیں۔ سورۃ البقرہ میں ہے وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ (آیت ۸۸) وہ کہتے ہیں
کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ہم تمہاری کتاب کو دل میں جگہ نہیں دے
سکتے کیونکہ ہم اپنی کتاب کو ہی مانتے ہیں۔ مشرک لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کسی کتاب
کو نہیں جانتے۔ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے علاوہ ان کی روایات کو ہی مانتے ہیں۔
اور انہی پر عمل پیرا ہیں گے۔

فرمایا قرآن پاک کی طرف سے ایک تو ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے
ہیں اور دوسرے وَقْرٌ اور بہرا پن ہے کانوں میں۔ یعنی ہماری کان قرآن پاک یا وحی الٰہی کی طرف کھلتے ہی نہیں اور ان میں تمہاری کوئی
بات داخل ہی نہیں ہوتی۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب قرآن پاک سے
اعراض کرتے تھے اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے دور رہتے تھے۔ یہی
کفار و مشرکین لوگ یہ بھی کہتے تھے وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے
اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ ہر ایک دوسرے کے خلاف باتیں
کرتے تھے۔ لہٰذا ہم سے توقع نہ رکھو کہ ہم قرآن کی باتوں پر کان دھریں گے۔
فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ آپ اپنا کام کرتے رہیں ہم اپنا کام کرتے رہیں گے
آپ کے مطلب یہ تھا کہ ہم قرآن کی باتیں سننے سے بالکل طور
پر انکاری ہیں۔

نبی اکرمؐ کی بشریت

کفار و مشرکین کی اس ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔ قُلْ
اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے واضح فرما دیں إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ میں
تو تمہاری طرح انسان ہی ہوں۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں کوئی نرالی

ہوں یا تعویذ بات مجھ میں کوئی الوہیت والی بات ہے۔ میں تو کسی سے حاجت روا اور
مشکل کشا نہیں ہوں بلکہ میں تو خاندان اور قبیلے کا تمہارے جیسا انسان ہوں۔ البتہ مجھ
میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی
کی جاتی ہے جس کی وجہ سے میں اور ہر نبی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔
رسول وحی اور اعتماد دینے کا مظہر ہے جو اللہ کے نبیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ نبی اور
رسول بھی انسان ہی ہوتے ہیں مگر وہ اس وحی الٰہی کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے پر مامور
ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
کہ بے شک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں
وہ معبود قدوس اپنی ذات و صفات، عبادت و اختیار اور علم و قدرت میں یکتا
ہے کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق، مالک، رازق اور متصرف ہے۔ وہ ہر
غائب و حاضر، ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے۔ لہٰذا مستحق عبادت بھی صرف وہی ہے۔ انسان کا فرض
ہے کہ وہ اس کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرے۔ اسی کے سامنے
سر نیاز خم کرے۔ اسی سے دعا مانگے۔ حاجات میں اسی کو پکارے اور اسی
کی طرف رجوع کرے اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے
علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

استقامت علی اللہ

فرمایا جب الوہیت صرف اسی کی ہے فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ اسی کی طرف
سیدھے ہو جاؤ۔ اپنے عقیدے اور اعمال میں استقامت اختیار کرو۔ دل میں غیر اللہ کی
محبت نہ پیدا ہونے دو۔ اس کو اپنا خالق، مالک اور معبود سمجھو اور اسی سے
سر نیاز خم کرو۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو استقامت اس وقت
نصیب ہوتی ہے، جب اس میں یہ چار دل صفات یعنی عبادت، انابت،
محبت اور عدالت پائی جائیں۔ امام رازیؒ اس کو آسان تعبیر سے بیان
کرتے ہیں کہ استقامت دو چیزوں کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے اور وہ یہ

لِتَعْظِيمِهِ وَتَعْظِيمِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے جرم کی تعظیم و تعمیل کی جائے وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کیا جائے۔ ان اوصاف کے حامل شخص کو متقی تصور کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل وہی شخص کرے گا جس کا دل پاک ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہوگا۔ اور صرف اس کی عبادت کرتا ہوگا۔ فرمایا ایک اللہ کی طرف سیدھے ہو جاؤ، اسی کی طرف رجوع رکھو اور وَاسْتَغْفِرُوهُ اپنے گناہوں، خطاؤں اور غلطیوں کی اس سے بخشش طلب کرتے رہو۔ ہر انسان خطا کار ہے مگر بہتر خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لیتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے یہ احکام بھی دیا کہ ہر وقت اپنے پروردگار سے استغفار کرتے رہو۔ خود حضور علیہ السلام ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے حالانکہ اللہ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام غلطیوں معاف کر دینے کا اعلان فرما دیا تھا۔

مشرکین کے لیے وعید

فرمایا ان تمام واضح حقائق کے باوجود اگر مشرک لوگ ایمان نہیں لاتے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ تو ان کے لیے بڑی تباہی اور بربادی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ فرمایا یہ وہ مشرک ہیں الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ۔ یہ لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا کوئی مطلب ہے اور نہ ہی اچھے اعمال پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی جزا بھی ملے گی۔ جو شخص بعد الموت کی زندگی پر یقین رکھتا ہے وہ تو ہمیشہ آخرت کے لیے تیاری کیا کرے گا۔ وہ تو ساری عمر عبادت میں [illegible] فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مدنی زندگی میں جا کر ہوئی تھی مگر اس مکی سورۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق دو باتیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مدنی زندگی کے دوسرے سال میں ہوئی جس کے بعد زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی شروع ہو گئی

اور اول سے مراد وہ مال مویشیوں یا غلہ وغیرہ سے زکوٰۃ کا مقررہ حصہ نکالنے لگے۔ تاہم جہاں تک زکوٰۃ کی فرضیت کا تعلق ہے تو یہ مکی دور میں ہی لازم ہو چکی تھی۔ جبکہ بنا بریں ہر مسلمان کو اپنے مال کا کچھ نہ کچھ حصہ غربا و مساکین کے لیے علیحدہ کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نبوت کے پہلے ہی سال میں نازل ہونے والی سورۃ المزمل میں بھی موجود ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (آیت - ۲۰) یعنی نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

مفسرین کرام دوسری بات یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ خطاب چونکہ مشرکین سے ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو اس سے سارا مال کی زکوٰۃ نہیں بلکہ دل کی زکوٰۃ مراد ہے۔ زکوٰۃ کا لغوی معنی پاکیزگی ہے اور مشرکین سے زکوٰۃ کے مطالبے سے مراد ان کی طہارت قلب ہے کہ وہ اپنے دلوں کو کفر، شرک اور معاصی سے پاک کر کے اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آئیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر انسان پاک نہیں ہو سکتا۔ اور مشرکوں کے متعلق تو اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ - ۲۸) بلاشبہ مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ لہٰذا انہیں مسجد حرام کے قریب آنے سے منع کر دیا گیا۔ بہرحال ہدایت و بیداری کی دعوت ان لوگوں کو سنائی گئی ہے جو اپنے دلوں کو نور ایمان سے منور نہیں کرتے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

**اعمال والوں کے لیے لامتناہی اجر**

مشرکین کو سخت وعید سنانے کے بعد فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو اللہ کی وحدانیت، اس کے رسولوں، ملائکہ، اس کی کتابوں اور وقوع قیامت پر ایمان لے آئے۔ اور پھر نیک اعمال بھی انجام دیے۔ انہوں نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے اچھے کام کیے۔ صدقہ و خیرات کیا، جہاد کیا۔ اللہ کے راستے میں قربانی کی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ فرمایا لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ان کے لیے اجر لامتناہی ہے۔ ممنون کے دو معانی آتے ہیں۔ ایک معنی تو قطع کرنا آتا ہے یعنی ایسا اجر جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ دوسرا اہل ایمان کو آخرت میں جنت کے لیے ملتا رہے گا۔ اس دنیا میں کسی درخت سے ایک دفعہ پھل اتار

لیا جائے تو بھی وہ اگلے موسم میں دوبارہ آئے مگر جنت کے درخت ایسے ہوں گے کہ جو نہی کوئی پھل توڑا ، اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل لگے اور اس طرح بے غیر خدمی انعام کا سلسلہ جاری رہے گا ۔

---

غیر ممنون کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کے انعام پر احسان نہیں جتایا جائے گا۔ جس کا بھی احسان بھی ہوتا ہے ۔ جیسے سورۃ بقرہ میں فرمایا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (آیت ۲۶۴) اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو۔ مفسرین نے یہ دونوں معانی بیان کیے ہیں ۔

---

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ
يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا
وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً
لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ
اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ
يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا
السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

تو (اے پیغمبر) کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کیا تم لوگ کفر کرتے ہو اس ذات کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو تم اس کے لیے شریک یہ ہے پروردگار سب جہانوں کا ۹ اور رکھے ہیں اس نے اوپر زمین میں بوجھل پہاڑ اس کے اوپر اور برکت رکھی ہے اس میں اور مقدر کی ہیں اس میں اس کی خوراکیں چار دن میں یہ برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے ۱۰

پھر ارادہ کیا اُس نے آسمان کی طرف اور وہ دھواں تھا
پس کہا اُس سے اور زمین سے، آؤ تم خوشی سے یا
ناخوشی سے، کہا اُن دونوں نے کہ آئے ہیں ہم خوشی سے ⑪
پھر بنایا اُن کو سات آسمان دو دن میں اور وحی کی ہر
آسمان میں اُس کے حکم۔ اور سنگار بخشی ہم نے آسمان دنیا
کو چراغوں کے ساتھ اور محفوظ کر دیا اس کو۔ یہ ہے ٹھہرایا
ہوا اندازہ زبردست خدا کا جو سب چیزوں کی خبر
رکھتا ہے ⑫

ربطِ آیات

پہلے قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت اور اُس کا وحی الٰہی ہونا بیان کیا اور ساتھ ہی کہ یہ مفصل کتاب ہے۔ جو عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے اس کی غرض و غایت بیان کی اور ساتھ مشرکوں کا رد فرمایا۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے کہلوایا۔ کہ میں تو تم جیسا انسان ہوں اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ اس کے بعد اللہ نے استقامت علی الدین کا حکم دیا اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی ترغیب دی۔ مشرکین کا شکوہ بیان ہوا کہ وہ پاکیزگی اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اُن کے برخلاف ایمان اور نیکی والوں کے لیے اللہ کے ہاں بے انتہا اجر ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے اپنی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو کہ اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہیں۔

تخلیقِ ارض بطور دلیلِ توحید

ارشاد ہوتا ہے قُلْ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا! زمین کی پیدائش کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اتنے بڑے کرے کو بنانا جس میں سات حصے پانی اور صرف ایک حصہ خشکی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ دیگر سیاروں کی طرح یہ بھی ایک سیارہ ہے جو اتنے حجم کے باوجود فضا میں معلق ہے اور جدید سائنس کے مطابق یہ زمین اپنے محور کے گرد چوبیس گھنٹے میں

جنریٹر کرتی ہے اور سال بھر میں عورت کے گردے کا کتنی ہے۔ اتنے بڑے نظام کو
کنٹرول کرنا اللہ وحدہ لاشریک کا ہی کام ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔
وَيَخْلُقُونَ لَهُ اَنْدَادًا کہ اللہ کے لیے شریک ٹھہراتے ہو۔ ہر چیز کا خالق اللہ
ہے۔ باقی ہر چیز اس کی مخلوق ہے مگر تم دوسروں کو اس کا ساجھی اور شریک
بناتے ہو حالانکہ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کا پروردگار تو وہ ہے۔ یہ
اللہ تعالیٰ نے شکر گزاری کا شکوہ بیان کیا ہے۔

فرمایا زمین کو اللہ نے جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا اور اسی میں
سے اس نے اوپر پہاڑ رکھ دیئے کہ زمین کا توازن برقرار رہے اور اس میں خرابی
نہ پیدا ہو۔ پھر اللہ نے زمین کی برکت بیان فرمائی وَبٰرَكَ فِيْهَا کہ اللہ
نے اس میں برکات رکھ دی ہیں جن سے مخلوق خدا زیادتی کو پاتی ہے۔ لوہا اللہ نے زمین
کی بہت سی عطاؤں میں سے پیدا فرمایا ہے جس سے ہر جاندار کی ضروریات زندگی
کو اس نے ساتھ وابستہ کر دیا۔ انسان، حیوان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور تمام
آبی جانور اپنی غذائی اور دیگر ضروریات اسی زمین سے حاصل کرتے ہیں۔ پھر عام طور
پر فرمایا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا اللہ نے جانداروں کے لیے خوراک کا سامان اسی
زمین میں رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی صلاحیت رکھ دی ہے کہ
وہ انسانوں کے لیے علاقہ وار مختلف چاول، گندم وغیرہ پیدا کر رہی ہے اور اپنی چیزوں
کا بیشتر حصہ جانوروں اور مویشیوں کی خوراک بنتا ہے۔ پھر اللہ نے زمین کے مختلف
حصوں میں مختلف آب و ہوا اور درجہ حرارت رکھا ہے اور اسی کے مطابق وہاں
انسان، حیوان اور چارہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض چیزیں مختلف علاقوں میں مشترکہ طور پر پائی
جاتی ہیں اور بعض چیزیں خاص خاص خطوں کی خصوصیت ہوتی ہیں۔ بعض علاقوں میں
خاص قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور بعض علاقوں کی ہی خطے میں ہر چیز کی کمی یا بیشی ہوتی
ہے وہ درآمد کے ذریعے سے حاصل کر لی جاتی ہے اور اس طرح دنیا کے مختلف
حصوں میں بسنے والے لوگوں کو ہر خطے کی پیداوار پہنچتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

زمین کی تخلیق اپنی حکمت اور اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی ضرورت کے مطابق کی ہے۔ زمین کی سطح نہ تو اتنی نرم ہے کہ اس پر رکھی جانے والی چیز دھنس جائیں اور نہ ہی اتنی سخت ہے کہ اس میں کاشتکاری ہی نہ ہو سکے۔ اسی زمین کو زرخیز کرتے اس میں کاشتکاری ہوتی ہے اور خوراک کا بندوبست کیا جاتا ہے اور پھر یہ ہے کہ مردوں کو سمیٹنے والی بھی یہی زمین ہے۔ فوت ہونے والے انسان کو اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اگر زمین میں یہ صلاحیت نہ ہوتی تو مردوں کے تعفن سے جانداروں کا رہنا بھی مشکل ہو جاتا۔ اس کے علاوہ کتنی ہی چیزیں ہیں جو انسان کے فائدے کے لیے اس کے اندر سے معدنیات کے طور پر نکال لی جاتی ہیں۔ تمام دھاتیں جو ضروریات زندگی کا اہم حصہ ہیں اسی زمین سے نکلتی ہیں۔ لوہا، تانبا، کوئلہ، تیل اور چاندی بھی زمین کی پیداوار ہے جو انسانی زندگی کے اہم عناصر ہیں۔ الغرض زمین کی ترتیب پانی کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر لیے ہیں جن سے کنوئیں اور نہریں کے ذریعے چپے چپے میں گھنے پانی نکلتا رہتا ہے مگر یہ ذخائر ختم نہیں ہوتے۔ پانی ایک ایسی نعمت ہے کہ ہوا کے بعد ہر جاندار کی زندگی کا انحصار اسی پر ہے۔ آبی کے مشتق زمین پٹرول کی حیثیت رکھتے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو تمام متحرک عناصر کی زندگی ختم ہو جاتی۔ سمندر کی تہہ میں بہت سے معدنی ذخائر موجود ہیں اور دریاؤں کے ساتھ بہہ کر آنے والی مٹی سے زرخیز ہو جاتی ہیں۔ یہ پٹرول، تیل اور کوئلہ وغیرہ سب زمین کی پیداوار ہیں بغرضیکہ تمام ضروریات زندگی زمین کی مرہون منت ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق دو دنوں میں کی، پھر اس میں بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کیے، اس میں برکت رکھی اور مختلف غذاؤں کو سال بھر میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ چار دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ سوال کرنے والے یہ سوال کرنے گئے تھے کہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس کے مطابق تو آسمان و زمین کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی ہے اور آپ نے آٹھ دن کیوں بیان کیے۔ اللہ نے جواب دیا کہ دو دن میں زمین کی باقی اشیاء کو تخلیق کیا اور اس طرح زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں

ہی مکمل ہو گیا۔

عالمین سے مراد مخلوق لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے محتاج مخلوق کے لیے زمین میں یہ سب کچھ رکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ انسان ہوں یا حیوان، چرند ہوں یا پرند، کیڑے مکوڑے ہوں یا آبی مخلوق سب اسی کے در کے محتاج ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان اپنی حاجات زبانِ قال سے یعنی بول کر طلب کرتا ہے جب کہ دیگر مخلوق زبانِ حال سے مانگ رہی ہے۔ ہر جاندار حتیٰ کہ درخت بھی اپنی بے زبانی اور عاجزی کے ساتھ اپنی ضروریات کا اظہار کر رہے ہیں۔ درخت کا ایک ایک پتہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے پانی، روشنی، گرمی اور آکسیجن کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ برابر اسے یہ چیزیں بہم پہنچا رہا ہے۔ غرضیکہ عالمین سے محتاج مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے۔

آسمانوں کی تخلیق

زمین کی چار دن میں تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ارادہ کیا وَهِيَ دُخَانٌ اور یہ ایک دھواں سا تھا۔ اس کے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کا مادہ ایک ہی تھا۔ اسی کے ایک حصے سے آسمان اور اس کے ستارے اور سیارے بنائے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (النازعات ۳۰) اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ زمین بھی ایک گول کرہ ہے مگر بہت بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی سطح کچھ ہموار معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ نے آسمان کا ارادہ کیا۔ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ پھر ان کو سات آسمان بنا دیا دو دن میں۔ چار دن میں زمین اور اس کی اشیاء تیار کی تھیں اور پھر دو دن میں ساتوں آسمان مکمل کیے۔ گویا چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان کا سارا سلسلہ قائم کر دیا۔ اس بات کا ذکر قرآن کے مختلف مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف میں ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (آیت ۵۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ

دن میں تخلیق کیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقام پر اللہ نے جس دن کا ذکر کیا ہے، اس کی مقدار کیا ہے۔ ہماری زمین تو نظامِ شمسی کا ایک حصہ ہے اور اس کا ایک دن چوبیس گھنٹوں کا شمار ہوتا ہے مگر جب ابھی یہ نظام ہی تو قائم نہیں ہوا تھا، اُس وقت دن کی مقدار کیا تھی۔ اس ضمن میں سورۃ السجدۃ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ ایک دن اس کی طرف صعود کرے گا۔ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (آیت ۔ ۵) جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر اس سے یہ دن مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ ہزار سال کے وقفہ میں پیدا کیا۔ اور قیامت والے دن کے تذکرہ میں ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے۔ جیسے فرمایا۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج۔ ۴) جس کی طرف جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ بہرحال زمین و آسمان کی چیزوں کی تخلیق سے اس دنیا کے دن مراد نہیں بلکہ ایک خاص وقفہ مراد ہے۔

یہاں پر ایک یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہتا تو زمین و آسمان کے نظام کو ایک لمحے میں بھی پیدا کر سکتا تھا مگر اس نے چھ دن کا وقفہ کیوں لگایا؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں بھی اللہ نے انسانوں کے لیے بہت سی حکمتیں اور ایک تعلیم بھی ہے کہ کوئی کام جلد بازی میں نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہر کام آہستہ آہستہ تدریج اور اطمینان کے ساتھ انجام دینا چاہیئے کیونکہ "تعجیل کار شیاطین است" یعنی جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ آہستگی رحمان کی طرف سے ہے جبکہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اطاعت گزاری کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ہے فرمایا ائتیا طوعا او کرھا تم دونوں آؤ اور تعمیل حکم کرو خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اس کے جواب میں زمین اور آسمان نے کہا قالتا اتینا طائعین ہم دونوں خوشی سے اطاعت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ سوال و جواب یا تعمیل حکم صرف انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کوئی حکم دیتا ہے اور وہ چیز جواب دہی کی صلاحیت سے اللہ نے پہاڑوں کے متعلق فرمایا لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر ۔ ۲۱) اگر ہم یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں بھی اتنی صلاحیت اور اتنا شعور رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھتے ہیں اور تعمیل حکم کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ ہم نے زمین اور آسمان کو اطاعت گزاری کے لیے کہا تو انہوں نے بسر و چشم اسے قبول کیا

اس قسم کی مثال حضور علیہ السلام کے فرمان میں بھی ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ احد جبل یحبنا و نحبہ (احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جامد چیزوں میں اللہ تعالیٰ کا علم و شعور اور تعمیل حکم کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

فرمایا ہم نے سات آسمان دو دنوں میں تخلیق کیے۔ سورۃ الملک میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (۳) ۔ اس نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنایا وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا اور ہر آسمان میں اس نے کام کے متعلق حکم بھیجا۔ یقینی بات ہے کہ جس طرح زمین پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق آباد ہے، اسی طرح آسمانوں پر ہوگی، لہٰذا اللہ نے اس مخلوق کے مناسب حال ہی پیدا کر دیا۔ پھر آسمان و زمین کے متعلق فرمایا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجا کر مزین کر دیا ہے اور ہم نے چھوٹے ستارے اور بڑے بڑے سیارے اور چمکتے ہوئے چراغوں کی ترتیب روشن نظر آتے ہیں۔ سب سے بڑا چراغ سورج ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو باقی سارے چراغ ماند پڑ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ الغرض زمینی باتوں میں ان کی سرخ پیلی، زرد اور نیلی روشنی خوب روشن نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ ان ستاروں اور سیاروں کو ہم نے وَحِفْظًا حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ قرآن سے پہلے شیاطین کا اوپر آسمانوں پر جانا بند ہو۔ وہ فرشتوں سے کچھ باتیں سن لیتے اور پھر آکر اپنے کاہنوں کو بتاتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے حامیوں کو بتاتے۔ نزول قرآن کے بعد اللہ نے شیاطین کو روک دیا۔ اس کا ذکر سورۃ جن میں موجود ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نے آسمانوں کو چھوا تو ان کو سپاہیوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ چنانچہ اب جو بھی شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں آگ کے شعلے تباہ کر دیتے ہیں اور اس طرح اللہ نے حفاظت کا انتظام بھی کر دیا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو کمال قدرت کا مالک، غالب اور ہر ذرے ذرے کا علم رکھنے والا ہے وہ ہر ایک کے اعمال، احوال اور ضروریات سے واقف ہے۔ الَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (ملک ۱۴) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ باریک بین اور ہر شے کی خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور پھر اپنے علم اور حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ نے توحید کے عقلی دلائل بیان کیے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں اور شرک سے باز آجائیں۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ
رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾
وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیں کہ
میں نے تمہیں ڈرا سنا دیا ہے سخت عذاب کا جیسا

کہ سخت عذاب آیا قومِ عاد اور ثمود پر (۱۳) جب آئے
اُن کے پاس اللہ کے رسول اُن سے آگے سے اور
پیچھے سے (تو انہوں نے کہا کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت
نہ کرو۔ تو وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر چاہتا ہمارا پروردگار تو
نازل کرتا فرشتوں کو۔ بیشک ہم تو اُس چیز سے جو تم
لے کر آئے ہو، انکار کرتے ہیں (۱۴) بہرحال
قومِ عاد نے تکبر کیا زمین میں ناحق اور کہا انہوں نے
کہ کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا۔ کیا انہوں
نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس نے اُن کو پیدا
کیا ہے وہ زیادہ طاقت والا ہے۔ پس وہ لوگ ہماری
نشانیوں کا انکار کرتے تھے (۱۵) پس بھیجی ہم نے اُن پر
بڑے زور کی تند ہوا کئی دن جو منحوسیت کے تھے، تاکہ
ہم چکھائیں اُن کو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں۔
اور آخرت کا عذاب تو بہت رسوا کُن ہوگا، اور اُن
کی مدد نہیں کی جائیگی (۱۶) اور بہرحال قومِ ثمود، پس ہم
نے اُن کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ پس انہوں نے پسند کیا
اندھے پن (گمراہی) کو ہدایت کے مقابلے میں۔ پس
پکڑا اُن کو سخت ذلت ناک کڑک کے عذاب نے اس
وجہ سے جو کچھ وہ کماتے تھے (۱۷) اور بچا لیا ہم نے
اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ بچتے تھے (۱۸)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بعض عقلی دلائل پیش کیے اور اپنی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ اللہ نے زمین کو پیدا کیا اور اُس پر اٹل پہاڑ رکھ دیے تاکہ اُس کا توازن برقرار رہے۔ زمین میں انسانوں اور جانوروں

کی سعادت کے لیے روزی کے اسباب پیدا کیے اور اس کو ہدایت بنا دیا۔
پھر اللہ نے سات آسمانوں کو جدا جدا کر دیا۔ ہر آسمان کو اس کی مخلوق کے مناسب
حال حکم جاری فرمایا۔ آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا اور اسے شیاطین کی دست
کی رسائی سے محفوظ کر دیا۔ یہ سب انعامات الٰہیہ ہیں اور توحید کے عقلی دلائل بھی ہیں۔
اگر انسان ان میں غور کرے تو اسے اللہ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے
اور وہ کفر و شرک سے بچ سکتا ہے۔

سخت عذاب کی وعید

ارشاد ہوتا ہے کہ ان تمام تر دلائل قدرت کے باوجود فَاِنْ اَعْرَضُوْا
اگر یہ کافر اور مشرک لوگ اعراض کریں، توحید کا انکار کریں اور نصیحت کی بات کو قبول
نہ کریں فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ تو اے پیغمبر! آپ ان سے واضح طور پر کہہ دیں اَنْذَرْتُكُمْ
صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ میں تمہیں ڈراتا ہوں یعنی خبردار
کرتا ہوں اس سخت عذاب سے جیسا کہ وہ قومِ عاد اور قومِ ثمود پر آیا تھا۔ ان قوموں نے
بھی خدا کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کا انکار کیا تھا اور نصیحت کی باتوں سے
اعراض کیا تھا تو ان پر بڑی سخت قسم کی افتاد پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ اگر
تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تمہارا عنصر بھی ان افراد سے مختلف نہیں ہوگا۔
امام زمخشریؒ نے اپنی تفسیر کشاف میں محمد بن اسحاق اور بعض محدثین کے
حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک موقعہ پر ابوجہل اور دیگر سرداران قریش جمع
تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد نے ہم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ یہ ہمارے
دین کی عیب جوئی کرتا ہے۔ اس کو مغلوب کرنے کے لیے کوئی ایسا شخص اس کے
پاس جائے جو جادو، کہانت اور شعر و شاعری میں ہم سے آگے ہو۔ انہوں نے اس
مقصد کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو موزوں ترین آدمی قرار دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ عتبہ نے جناب
علیہ السلام سے پہلا سوال یہ کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا باپ عبداللہ۔ پھر یہ کہ تم بہتر
ہو یا تمہارے دادا عبدالمطلب اور ہاشم۔ آپ خاموش رہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر

تو اپنے آباؤ اجداد کو اچھا کہتا ہے تو پھر وہ تو انہی معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن
کی ہم کرتے ہیں۔ اور اگر تو نے آپ کو جھٹلانا ہے تو بات کر کہ ہم تیری بات
بھی نہیں۔ پھر کہنے لگا خدا کی قسم اپنی قوم کے لیے تجھ سے زیادہ خیر خواہ کوئی نہیں
ہوا جس نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ کر ہمارے اتفاق کو نفاق میں بدل دیا ہے
سن! اگر تجھے مال کی طلب ہے تو ہم میں عرب کا امیر ترین آدمی بنا سکتے ہیں۔ اگر تجھے
اچھے نکاح کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی چاہے اس کے ساتھ نکاح
کروا سکتے ہیں۔ جب یہ لڑکا عتبہ سے خاموش ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
بس جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا؟ کہنے لگا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اب میری بات سنو!
چنانچہ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اسی سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی تلاوت شروع
کر دی اور اس کی تیرہویں آیت مِثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک پڑھ
دیا۔ عتبہ سنے تو رہ گیا اور اس نے اپنا ہاتھ حضور علیہ السلام کے منہ پر رکھ دیا۔ اور کہنے
لگا۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ پھر وہ شخص اکابرین قریش کے پاس واپس چلا گیا
بجائے اپنے گھر میں آ کر بیٹھ گیا اور کسی سے بات تک نہ کی۔ اس پر سرداران قریش
کو تشویش ہوئی کہ شاید عتبہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دام میں آ کر بے دین ہو گیا ہے
پھر جب انہوں نے خود عتبہ سے گفتگو کر کے تفصیلات معلوم کرنا چاہیں تو وہ غصے
میں آ کر کہنے لگا کہ میں نے کاہنوں اور شاعروں کا کلام سنا ہے۔ ساحروں کی باتوں
سے بھی واقف ہوں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کچھ اور ہی ہے۔ تم جانتے ہو
کہ محمد نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اب مجھے خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ وہیں تم پر اور تمہارے
کسی عذاب نہ لے آئے۔ وہ عذاب کہیں تم پر بھی نہ آ جائے۔ اس پر سرداران قریش
کہنے لگے کہ شاید عتبہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دام میں آ کر بے دین ہو گیا ہے
اس واقعہ کے پس منظر میں اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے
اعراض کریں تو آپ اعلان کر دیں کہ میں تمہیں اس سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں
جو قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا۔

رسولوں کی پے در پے آمد

آگے اللہ نے ذکر کیا قوموں میں رسولوں کی آمد اور ان کی بغاوت کا کچھ حال بیان

لیے ہے۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ جب ان کے پاس اللہ کے رسول آئے اُن کے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی اس بیان پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قومِ عاد کے پاس تو اللہ کے ایک رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے اور قومِ ثمود کی طرف اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا مگر یہاں پر رسولوں کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ ہر قوم کے پاس بہت سے رسول آئے تھے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کے پاس بہت سے رسُول آئے ہوں مگر ہمارے پاس اُن کی تفصیل نہیں ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی رسول کے لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہو کیونکہ اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں۔ سب کا مشن تو ایک ہی تھا۔ اس کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ آپ اپنی قوم کی طرف واحد رسول تھے مگر قوم کی طرف سے جہاں آپ کی تکذیب کا ذکر ہے وہاں اللہ نے فرمایا وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (الفرقان - ۳۷) جب قومِ نوح نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو غرق کر دیا۔ جس طرح سب رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح کسی ایک کی تکذیب سب کی تکذیب کے مترادف ہے۔ تو قومِ عاد اور ثمود نے اپنے ایک ایک رسُول کی تکذیب کر کے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی۔ اسی لیے فرمایا کہ جب اُن کے آگے اور پیچھے سے بہت سے رسول آئے۔

رسولوں کے قوم کے آگے اور پیچھے سے آنے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو ماضی کے حالات بھی بتائے اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے بھی آگاہ کیا۔ یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسُولوں نے ہر جہت، ہر طریقے اور ہر اسلوب سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کی مثال ابلیس کے مکالمہ میں بھی ملتی ہے۔ جب اُس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ نے اُسے راندۂ درگاہ ٹھہرایا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندے میٹھوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ

أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (الاعراف - ۱۷) اور پیچھے سے آگے سے، پیچھے دائیں اور بائیں سے آکر تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا یہاں بھی دائیں بائیں آگے پیچھے سے مراد دنیا، عقبیٰ، خواہشات اور دین ہیں کہ ان راستوں سے آکر تیرے بندوں کو تجھ سے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ الغرض! یہاں بھی آگے اور پیچھے سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے رسولوں نے لوگوں کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اُن کی دعوت یہ تھی اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ خالق، مالک، مدبر، متصرف، حاجت روا اور مشکل کشا صرف وہی ہے۔ لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

دعوت قبیلہ کا ردعمل

اس دعوت کا ردعمل یہ تھا قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً کہنے لگے، اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو نصیحت کرنے کے لیے کسی فرشتے کو بھیج دیتا اور اس طرح ہم اُس کی دعوت کو قبول بھی کر لیتے۔ فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ مگر جو چیز تم لے کر آئے ہو اُس کو ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اُس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کسی فرشتے کو تو اللہ کا فرستادہ تسلیم کر سکتے ہیں مگر اُس کو اللہ کا نبی کیسے مان لیں جو ہر طرح کا انسان اور ہمارے خاندان اور برادری کا آدمی ہے۔ اس طرح کہ انھوں نے نہ صرف اپنے نبیوں کا انکار کیا بلکہ اُن کی لائی ہوئی کتابوں، دین اور شریعت کا بھی انکار کر دیا۔ اور اس طرح وہ توحید اور رسالت دونوں چیزوں کے منکر ٹھہرے۔

قوم عاد کا تعارف

آگے اللہ نے قوم عاد کی خباثت اور اُس سزا کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بہرحال قوم عاد، پس انھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا۔ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ انھیں اپنی جسمانی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ بڑے کڑیل جوان تھے۔ بڑے صنّاع اور کاریگر تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور پہاڑیاں

کو تراش تراش کر خوبصورت مکان بناتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے جب کی مصیبت ہمیں ڈراتے ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس قوم کو اپنی جسمانی قوت پر بڑا غرور تھا اور یہی چیز ان کی تباہی کا باعث بنی۔

اللہ نے ان کے اس تکبر کے جواب میں فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ طاقتور ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، یہ لوگ اپنی قوت کی طرف تو دیکھتے ہیں مگر اس خدا تعالیٰ کی طاقت کی طرف دھیان نہیں کرتے جو ان کا خالق ہے اور جس نے ان کو بھی قوت عطا کی ہے جس پر وہ اترا رہے ہیں۔ فرمایا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ اور اس طرح وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ انہوں نے دلائل توحید، رسالت اور انبیاء کی تمام نصائح کی باتوں پر یقین نہ کیا بلکہ صاف انکار کر دیا۔

تند ہوا کا عذاب

اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا پس ہم نے ان پر تند ہوا بھیج دی۔ اللہ نے قوم عاد کا غرور توڑنے کے لیے ہی ایک کمزور سی مخلوق ہوا کو ان پر مسلط کر دیا جو تیز سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور پوری قوم کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یہ اس قدر تیز ہوا تھی کہ کوئی انسان زندہ نہ بچا۔ درخت، مکان اور دیگر تعمیرات بھی تباہ و برباد ہو گئیں۔ سورۃ الحاقہ میں اللہ کا فرمان ہے کہ اس قوم کے کڑیل جوانوں کی لاشیں اس طرح پڑی تھیں كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ) گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہوں۔ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (الحاقہ) اب کیا تم نے دیکھا کہ ان میں کوئی بھی باقی بچا۔ نہیں بلکہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ فرمایا یہ تند ہوا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ نحوست کے دنوں میں۔ ان دنوں میں خود تو کوئی بھی نحوست والا نہیں ہوتا، سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں مگر یہاں نحوست سے مراد ہے کہ ان لوگوں کے لیے یہ دن نحوس ثابت ہوئے جن پر ایک ہفتے

عذاب آگیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ ہمارے ہاں بعض دنوں کو جو منحوس خیال کیا جاتا ہے یہ مشرکانہ بات ہے۔ فرمایا ہم نے یہ تند ہوا اُن پر اس لیے چلائی لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تاکہ ہم اُن کو دنیا کی زندگی میں رسوا کن عذاب کا مزہ چکھائیں۔ چنانچہ اسی ہوا سے وہ تباہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ نے تو عاد کو صرف چلنے والی گرم ہوا کے ذریعے تباہ کیا۔ فرمایا یہ سزا تو اُن کو اس دنیا میں ملی وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى اور آخرت میں ملنے والا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہے۔ اخزیٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ رسوا کرنے والا۔ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ اور پھر اُن کی کسی جانب سے کوئی مدد نہیں کی جائے گی جس سے اُن کی مصیبت ٹل سکے۔

قومِ ثمود کی ہلاکت

پھر اللہ نے دوسری قوم کا حال ذکر کیا وَاَمَّا ثَمُوْدُ اور بہرحال قومِ ثمود فَهَدَيْنٰهُمْ ہم نے اُن کو بھی ہدایت کا راستہ بتلایا فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى مگر انہوں نے ہدایت کی بجائے اندھاپن یعنی گمراہی کو پسند کیا۔ انہوں نے نجات کے راستے سے آنکھیں بند کر لیں اور ہلاکت کے راستے کو اختیار کر لیا۔ وہ ہدایت کے راستے کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چل پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ پس اُن کو ذلت ناک عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا۔ اس قوم پر دو قسم کی سزائیں آئیں۔ ایک تو اوپر سے سخت قسم کی کڑک یا چیخ آئی اور نیچے سے اللہ نے زلزلہ بھی بھیج دیا۔ اللہ نے فرمایا فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود، ۹۴) وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گر پڑے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب زلزلہ کی صورت میں زمین حرکت کرتی ہے تو آدمی کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ گر پڑتا ہے۔ قومِ ثمود کا بھی یہی حال ہوا اور وہ دونوں قسم کی سزاؤں سے ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوری نافرمان قوم میں سے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ فرمایا یہ اس وجہ سے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کہ جو کچھ وہ کماتے تھے۔ انہوں نے جس قسم کے اعمال بد کا ارتکاب کیا اُس کی

پاداش میں ہلاک ہو گئے۔

---

اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ نَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا ۔ اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ جو لوگ صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے وہ بچ گئے وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔ جو متقی تھے اور وہ کفر و شرک اور معاصی سے بچتے تھے۔ اللہ نے ان کو اس دنیا کے عذاب سے بھی بچا لیا اور آخرت کے عذاب سے بھی بچا لیں گے۔

---

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾
حَتَّىٰ إِذَا مَا جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ
وَأَبْصَٰرُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾
وَقَالُوا۟ لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوٓا۟
أَنطَقَنَا ٱللَّهُ ٱلَّذِىٓ أَنطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ
أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَٰرُكُمْ وَلَا
جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ ٱللَّهَ لَا يَعْلَمُ
كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ
ٱلَّذِى ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَىٰكُمْ فَأَصْبَحْتُم
مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن يَصْبِرُوا۟ فَٱلنَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا۟ فَمَا هُم مِّنَ
ٱلْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا۟
لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ
ٱلْقَوْلُ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ
ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿٢٥﴾ ع

ترجمہ:- جس دن اکٹھے کیے جائیں گے اللہ کے دشمن دوزخ
کی طرف، پس وہ روکے جائیں گے (۱۹) یہاں تک کہ جب
وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو گواہی دیں گے ان پر
ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس چیز کی
جو کچھ وہ کرتے تھے (۲۰) اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں
سے کہ تم کیوں گواہی دیتی ہو ہمارے خلاف، وہ کہیں گی
کہ ہم کو بلوایا ہے اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا
ہے، اور اسی نے تمھیں پیدا کیا پہلی مرتبہ، اور اس کی طرف
تم لوٹائے جاؤ گے (۲۱) اور نہیں تھے تم پردہ کرتے
اس بات سے کہ گواہی دیں گے تم پر تمھارے کان
اور نہ تمھاری آنکھیں اور نہ تمھاری کھالیں، لیکن تم نے
گمان کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں جانتا بہت سی وہ
باتیں جو تم کرتے ہو (۲۲) اور یہ وہی ہے تمھارا گمان
جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا، اسی نے
تمھیں ہلاک کیا، پس ہو گئے تم نقصان اٹھانے والوں
میں (۲۳) پس اگر وہ صبر کریں تو دوزخ ہی ان کا
ٹھکانا ہے، اور اگر وہ منانا چاہیں گے، پس نہیں ہوں
گے وہ کہ انہیں منانے کا موقع دیا جائے (۲۴) اور ہم
نے لیے ہم نے ان کے ساتھی ساتھی، پس انہوں نے مزین
کیا ان کے لیے جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان
کے پیچھے ہے، اور ثابت ہو گئی ہے ان پر بات
ان امتوں میں جو پہلے گزر چکی ہیں ان سے جنوں اور انسانوں
میں سے، بیشک یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے (۲۵)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا اللہ نے قوم عاد اور ثمود کی سرکشی اور انکار نبوت اور پھر ان کے ساتھ دنیا میں ہونے والے معاملات کا ذکر کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ نے کسی کو نبی بنانا تھا تو کسی فرشتے کو اپنا پیغام دے کر بھیج دیتا تو ہم ایمان لے آتے۔ ہم کسی انسان کو نبی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ کے رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو ہر ممکن طریقے سے اللہ کا پیغام پہنچایا اور لوگوں کو سمجھایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ مگر ان قوموں نے توحید و رسالت کا انکار کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے ان پر تند و تیز ہوائیں چلائیں اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہیں جس سے وہ ہلاک ہو گئے حتیٰ کہ ان نافرمان اقوام کا فرد واحد بھی زندہ نہ بچا البتہ اللہ نے ان لوگوں کو بچا لیا جو اللہ کے نبیوں پر ایمان لا کر توحید کو اختیار کر چکے تھے۔

دشمنان خدا کا انجام

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی قیامت اور جزائے عمل اسلام کے دیگر عقائد توحید، رسالت اور قرآن کی حقانیت کی طرح ایک اہم عقیدہ ہے۔ اللہ نے قیامت کے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ جس دن اللہ کے دشمن یعنی کافر، مشرک، منکرین توحید، منکرین رسالت، اور منکرین معاد دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ فَهُمْ يُوزَعُونَ تو وہ وہاں پر روک لیے جائیں گے۔ وزع کا معنی تقسیم کرنا، روکنا یا ہانکنا ہوتا ہے۔ یہاں پر روکنا زیادہ موزوں ہے ان مجرموں کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا جائیگا تاکہ سب اگلے پچھلے جمع ہو جائیں اور ہر ایک کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سب کی الگ الگ نشاندہی کر دی جائے۔ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا وہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے جرائم کی حقیقت ان کے سامنے کھول دی جائے گی۔

اعضاء انسانی کی گواہی

پھر جب وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

اُس دن فرشتوں کے گروہوں پر ظاہر کریں گے اور ان کے ذریعہ باطل والوں کو جہنم میں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کر دیں گے۔ اب انسانوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا اور ان حجتوں کو ختم کر دیا جائے گا۔

امام ابن کثیرؒ نے حضرت ابو عبیدہ الخزاعیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت کی طرف ہجرت کر کے جانے والے اصحاب رسول جب وہاں سے واپس آئے تو حضور علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے ہجرت حبشہ کے دوران کوئی عجیب و غریب واقعہ بھی دیکھا ہے؟ اس پر چند نوجوانوں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ ہم کسی مقام پر بیٹھے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ ایک بوڑھیا اپنے سر پر پانی کا مشکیزہ اٹھائے جا رہی ہے۔ اتنے میں ایک بدقماش قسم کا نوجوان آیا جس نے بڑھیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو زور سے دھکا دیا کہ وہ نیچے گر گئی اور اس کا مشکیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ اس پر بڑھیا نے کہا کہ اے غدار! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی عدالت کی کرسی پر برحق اور عدل فرما ہوں گے اس وقت تمام مجرموں کو حاضر کیا جائے گا۔ اُن کی زبانیں بند ہوں گی اور اُن کے اعضاء جرائم کے خلاف گواہی دے رہے ہوں گے۔ اے غدار! تجھے اس وقت پتہ چلے گا کہ میرے اور تیرے مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اُن نوجوانوں کی گزارش پر حضور علیہ السلام نے اُس نوجوان سے یہ بات سن کر فرمایا صدقت اے بڑھیا نے سچ کہا۔ آپ نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے۔ چونکہ اُس بڑھیا کے پاس کوئی طاقت اس لیے اُس نے اپنی کمزوری کے عالم میں نوجوان کو اُس کے بُرے انجام سے خبردار کیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کیف یقدس اللہ قوما لا یؤخذ لضعیفھم من قویھم۔ یعنی وہ قوم کیسے پاک ہو سکتی ہے جو اپنے کمزوروں کو طاقتوروں کے ظلم سے نہ بچا سکے۔ اس قوم کے لوگ نیز دولت اور کمزوروں میں غلط ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی

کے گی تو اللہ تعالیٰ خود اُن مجرموں سے انتقام لے لیگا۔

اعضاء کی جواب دہی

پھر جب اعضاء جوارح کی گواہی پیش ہونے پر مجرم لوگ اس پر حیرت کا اظہار کریں گے تو انسان کے ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء خود انسان کے خلاف گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو اُس رب العزت نے قوت گویائی بخشی ہے جس نے تمام چیزوں کو یہ چیز عطا کی ہے وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا۔ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ انسان کے اعضاء یہ بھی کہیں گے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ تم اس بات سے پردہ نہیں کرتے تھے یعنی یہ چیز تمہارے تصور میں بھی نہیں تھی أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ تم تو کفر کے کاموں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اگر تمہیں علم ہوتا کہ تمہارے اعضاء و جوارح تمہارے خلاف بطور گواہ کھڑے ہو جائیں گے تو پھر کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب نہ کرتے۔

اللہ کے متعلق بدگمانی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ آپ نے گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے۔ تم کسی سے اور لوگوں کی نظروں سے تو پوشیدہ طور پر کر لیتے تھے مگر خدا تعالیٰ سے ذرا شرم نہیں کھاتے تھے حالانکہ اُس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں مگر تم سمجھتے تھے کہ یہ برائیاں خدا تعالیٰ سے بھی پوشیدہ رکھے ہوئے ہو اور ان کو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ کوئی جانتا ہے۔ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ یہی وہ تمہارا گمان ہے جو تم نے رب تعالیٰ کے متعلق کر رکھا تھا۔ أَرْدَاكُمْ اسی گمان نے تمہیں تباہی میں ڈالا اور پھر نتیجہ یہ نکلا فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ کہ تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہاری اس بدگمانی نے تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیا جو بڑا سنگین

کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ لوگو! تم میں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر ایسی حالت میں کہ اللہ کے
ساتھ حسن ظن یعنی اچھا گمان رکھنے والا ہو۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ الْبَقَرَة ۲۹
وہ ہر شے کا علم رکھنے والا اور اس کے کل چیز محیط ہے ہر چیز پر حاطہ کیے ہوئے ہے۔
فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ اگر یہ صبر کریں تو
یعنی اپنے رب کے متعلق بگمانی پر قائم رہیں گے اور یہی سمجھتے رہیں گے کہ ان کے
حالات سے کوئی واقف نہیں ہے تو پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہو سکتا ہے۔
سورۃ الطور میں ہے فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ آیت ۱۶ اب صبر کرو یا نہ کرو تمہیں
اپنے برے اعمال کی سزا جہنم میں جانا ہوگا۔
وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا اگر یہ مجرم لوگ عتبیٰ یعنی راضی کرنے کا موقع
طلب کریں گے کہ کسی طرح اللہ کو منا کر راضی کر لیں یا درحقیقت الفاظ میں اپنے سابقہ
جرائم سے توبہ کریں گے فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ تو انہیں راضی کرنے کا موقع بھی نہیں دیا
جائے گا۔ ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں
کر سکیں گے۔ انہوں نے عمل کی زندگی کو دنیا میں ہی ضائع کر دیا جب کہ وہ توبہ
کرنے کی پوزیشن میں تھے مگر اب دنیا کی زندگی ختم ہو کر جزائے عمل کی منزل آ چکی
ہے۔ لہٰذا اب سابقہ اعمال کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔
فرمایا۔ ان کا دنیا میں تو یہ حال تھا۔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ ہم نے
ان کے ساتھ ایسے ساتھی لگائے تھے فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ پس انہوں نے ان کے لئے اور پچھلے حال مزین کر کے
دکھائے۔ اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں موجود ہے وَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ آیت ۴۳ شیطان نے ان کے برے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا
فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ
لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا
يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا
الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ
أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ
قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ
الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي
أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ
غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾

تاکہ تم غالب ہو جاؤ (۲۶) پس ہم ضرور چکھائیں گے ان
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا سخت عذاب، اور ہم بدلہ
دیں گے ان کو اس بُرے کام کا جو وہ کرتے تھے (۲۷)
یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی دوزخ کی آگ، اس کے
لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہوگا، اور یہ بدلہ ہوگا
اس کا جو ہماری آیتوں کے ساتھ وہ انکار کرتے تھے (۲۸)
اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اے ہمارے
پروردگار! دکھا ہمیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا
جنوں اور انسانوں میں سے تاکہ ہم ان کو پامال کریں اپنے
پاؤں کے نیچے، تاکہ وہ ہو جائیں پست لوگوں میں سے (۲۹)
بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے
پھر وہ اس پر مستقیم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے
اور کہتے ہیں، کہ مت خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو، اور
خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا
تھا (۳۰) ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا کی زندگی میں اور
آخرت میں بھی، اور تمہارے لیے اس میں ہوگا، جو
تمہارے جی چاہیں گے، اور تمہارے لیے وہ بھی ہوگا
جو تم طلب کرو گے (۳۱) یہ مہمانی ہوگی پروردگار کی
طرف سے جو بہت بخشش کرنے والا اور نہایت
مہربان ہے (۳۲)

ربط آیات گزشتہ آیات میں اللہ نے جزائے عمل کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ کے دشمن کافروں اور مشرکوں کا دوزخ کے قریب اجتماع ہوگا۔ پھر ان کو ان کے جرائم کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جب اعمال کی تول آئے گی تو خود انہی کے

اعضاء وجوارح کو اُن پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر پوچھیں گے کہ تم
ہمارے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو تو وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اُس مالک
الملک نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بولایا ہے۔ اب آج کی آیات
میں بھی انہی لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اس درس میں قرآن کریم کی تلاوت پر کفار
کے ردِ عمل کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ جوابی عمل کا مسلمانوں کو بھی بیان ہو رہا ہے۔

تلاوتِ قرآن پر ردِ عمل

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ کافر لوگ
کہتے ہیں کہ اس قرآن پر کان نہ دھرو یعنی اس کو سننے کی کوشش نہ کرو بلکہ وَالْغَوْا فِيْهِ
اس کی تلاوت کے دوران شور و غل بپا کرو لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تاکہ تم غالب آجاؤ
گزشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے کہ کافر لوگ قرآن پاک کو وحی الٰہی تسلیم کرنے کے
لیے تیار نہ تھے اور نہ وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو اللہ کا فرستادہ ہی مانتے تھے۔ اُن کا
خیال تھا قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (حٰمٓ السجدۃ - ۱۴) اگر اللہ چاہتا تو کسی
فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتا تو ہم اس کی بات مان بھی لیتے۔ مگر نہ ہم اپنی ہی برادری
کے ایک شخص کو کیسے رسول مان لیں جس میں ہم سے بڑی وال کوئی خصوصیت
بھی نہیں ہے۔ اسی بنا پر وہ کہتے تھے کہ جس چیز کو یہ قرآن بنا کر پیش کر رہا ہے
یہ اس کا من گھڑت ہے۔ لہٰذا نہ تو خود اس کو سنو اور اگر کوئی دوسرا بھی سنانا چاہے
تو درمیان میں شور و غل بپا کر دو تاکہ نہ کسی کے پلے کچھ پڑے اور نہ وہ اس سے متاثر ہو
کہنے لگے ہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام کے ماننے میں بندیا رہو گے تو نہ یہ
ہمہ ہو کر بپا کرے جائے گا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ قرآن سننے والوں پر یہ لوگ
حملہ آور بھی ہو جاتے تھے تاکہ وہ اس قرآن کو نہ سن سکیں۔ یہ تھی کفار کی تدبیر جس کے
ذریعے وہ قرآن کے حسن کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ نہایت ہی حماقت
کی بات تھی کیونکہ کلام الٰہی کو اس بیہودہ طریقے سے روکا ممکن نہ تھا قرآن کا مقابلہ
تو دلیل کے ساتھ ہی کیا جا سکتا تھا جو اُن کے پاس نہیں تھی۔ قرآن کے حسن کا مقابلہ
اس سے بہتر پیرائے اور بہتر تعلیم پیش کر کے کیا جا سکتا تھا۔ مگر کافروں کے پاس

قرآن پاک کی تلاوت

آواب قرآن کے سلسلے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا جب قرآن پاک کی تلاوت ہو تو اس کو سننا اور خاموش رہنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کے ساتھ قرآن کے معنی میں غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہم اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ یہ چیز بھی آداب قرآن کے خلاف ہے۔ علم والعمل فیہ کی زد میں بھی آتی ہے۔ بعض لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں قرآن کی عظمت نہیں ہوتی یا اس کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں قرآن کی عظمت نہیں ہوتی۔ تو لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہوتے ہیں اور قرآن پاک

کرتے تھے انہوں نے تو خود اس کو سنا اور دوسروں کو سننے دیا۔ لہٰذا اگر کسی کا اعمال
کا ریکارڈ بُرا ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ الخ
کے بدلہ میں جو دوزخ کی آگ ہی دیا جائے۔ جو ان کا اصل گھر ہے۔ لَهُمْ
فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ الخ کے لئے تو ہمیشہ کا گھر ہوگا یعنی وہ ہمیشہ اسی
میں رہیں گے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی جَزَآءً بِمَا
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ بدلہ ہے اس جرم کا کہ وہ ہماری آیتوں
کا انکار کرتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کی توحید ہی کی نہ تھی۔ اس کے حکم اور
اور خدا کی قدرت کے دلائل جو خدا نے دنیا میں اور خود انسان کے نفس میں
ظاہر کیے تھے اور جن کو ماننے کے لئے ہر طرح کے سامان مہیا کیے تھے
سب کا انکار کیا تھا اور ان کی تکذیب کی تھی۔

**منکرین کے خیالات و جذبات**

پھر جب یہ لوگ عذاب الٰہی کے مستوجب ہو جائیں گے تو اس وقت
کی باتوں کا ذکر فرمایا کہ کیا کہیں گے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کہیں
گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا یعنی توحید، رسالت، معاد اور
قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کا انکار کیا۔ رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا
مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ لوگ دکھا جنہوں نے
ہمیں گمراہ کیا اور جو جنوں اور انسانوں دونوں انواع میں سے ہیں۔ فرمایا ہم
ہر ایک دکھاتے ہیں اور ہم ہی عقارت کے ذریعے آخرت کی ہر بات کی تحقیق
کرتے ہیں۔ آج یہ ہمیں نظر نہیں آتے ہیں۔ ذرا ان کو ہمیں دکھا تو دے کہ ہم ان سے
کچھ سوال و جواب ہی کر لیں۔ اے اللہ! اگر آج یہ لوگ ہمارے سامنے آجائیں
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا تو ہم انہیں اپنے پاؤں سے روندیں گے
کہ لیکن کونا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ کہ یہ پست اور ذلیل لوگوں میں سے
ہو جائیں۔ اس وقت ہم انہیں اپنے تصور میں سخت ہیرا بنوں گے۔ اور
چاہیں گے کہ انہیں ان کی غلطی کا کچھ نہ کچھ تو ضرور سزا دے۔ حدیث میں بھی
کہ آیا ہے اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ الخ

یہ بالکل سچی بات ہے کہ اہل دوزخ ضرور آپس میں جھگڑا کریں گے اور ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے مگر اللہ فرمائے گا کہ تم تابع اور متبوع دونوں جہنم میں جاؤ کیونکہ تم خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ لہٰذا تم کو دگنی سزا دی جائے گی۔ بہرحال فرمایا کہ متبوعین کے خلاف خود اُن کے تابعین استغاثہ پیش کریں گے۔

حب استقامت والے لوگ

فرمایا گفار و مشرکین کے برخلاف اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر اس پر مستقیم رہے یعنی پختہ رہے۔ استقامت کی تشریح میں امام مفسرین اور دوسرے مفسرین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول کہ استقامت قول اور فعل دونوں سے ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کی توحید پر مستقیم الحال رہے اور کسی دوسرے الٰہ کی طرف توجہ بھی نہ کرے۔ اللہ کی توحید میں شک و شبہ یا شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی سیدھے راستے یعنی ایمان و توحید اور سنت کے راستے پر قائم رہے اور لومڑی کی طرح ادھر اُدھر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مانے اور عمل میں اخلاص پیدا کرے تاکہ اس میں شرک یا ریاکاری کی ملاوٹ نہ ہو اور محض اللہ کی خوشنودی مدنظر ہو۔ یہی استقامت ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توحید کو ماننا۔ ایمان کو صحیح طریقے سے اختیار کرنا اور فرائض کو ادا کرنا استقامت میں داخل ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی جامع مانع نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ اقرار کرو کہ میں اللہ کی وحدانیت کو مانتا ہوں، اور پھر اس پر مستقیم رہو یعنی ڈٹ جاؤ اور تمام فرائض حسب استطاعت ادا کرو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو حاصل ہونے والے کمالات دو قسم کے

کہتے ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ انسان کو یقینی علم حاصل ہو۔ اور یہ صرف وحی الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ باقی تمام علوم یا تو تجرباتی ہوں گے یا ظنی۔ علمی لحاظ سے کامل انسان وہی ہوگا جس کو یقینی علم حاصل ہوگا۔ انسانی کمالات کا دوسرا ذریعہ عمل صالح ہے۔ جو شخص اچھے اعمال انجام دے گا وہ کامل آدمی سمجھا جائے گا۔ الغرض اکمل آدمی وہ ہے جو علم الیقینی کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی انجام دیتا ہو۔

علوم و معارف میں سب سے اعلیٰ درجے کا علم معرفت الٰہی ہے انبیاء علیہم السلام لوگوں کو دلائل کے ذریعے اللہ کی پہچان کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور نبی کو پہچاننا اور پھر اس پر عمل کرنا ہی معرفت ہے۔ جس شخص کو اللہ کی پہچان نصیب ہو گئی، وہ فلاح یافتہ ہے۔ اسی لیے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اُطْلُبُوا الْاِسْتِقَامَةَ یعنی استقامت کو تلاش کرو۔ کسی کو پرکھنا ہو تو اس کی کرامتیں نہ ڈھونڈتے پھرو بلکہ یہ دیکھو کہ اس کے ایمان اور تقویٰ کا کیا درجہ ہے کیا شخص مستقیم کے درجے میں ہے یا ابدال کے درجے پر فائز ہے۔ یاد رکھو استقامت کرامت سے بہتر چیز ہے۔

فرشتوں کی طرف سے بشارت

فرمایا جنہوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اے خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اللہ کے مستقیم بندوں پر فرشتوں کے نزول سے متعلق مفسرین کی رائے آراء ہیں۔ امام بغوی اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کسی مستقیم کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ کی جنت کے فرشتے اترتے ہیں اچھے شخص سے پردہ غیب اٹھ جاتا ہے اور فرشتے اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس بشارت کا تعلق قبر سے ہے یعنی اچھے شخص

کہ اللہ کے فرشتے قبر میں نہیں چھوڑتے ہیں اور اسے اچھے انجام کی بشارت سناتے ہیں۔
اور پھر جب سیدھے آدمی حشر کے دن قبروں سے باہر نکلیں گے تو اس وقت بھی فرشتے
ان کو خوشخبری دیں گے اور کہیں گے کہ گھبراؤ نہیں تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس
کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حدیث کی کتاب مجمع الزوائد کے حوالے سے معلوم ہوتا
ہے کہ جان کنی کے لیے کلمہ الموت کے ساتھ مزید اٹھارہ فرشتے ہوتے ہیں جو
سیدھے آدمی کو جنت کی بشارت سناتے ہیں جب کہ عیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔

حضرت کعب یہ بھی فرماتے ہیں کہ نیکی، ایمان، توحید، تقویٰ اور طہارت والے
لوگوں کو دنیا میں بھی فرشتے القائے خیر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ
فرشتے ایسے لوگوں کی طبیعتوں میں نیکی ڈالتے رہتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی بشارت
ہی ہوتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے دل میں نیکی کا خیال آئے
تو اللہ کو یعنی اللہ کی تعریف بیان کرو اور سمجھ لو کہ اللہ کے فرشتوں نے تمہیں نیکی
کی تلقین کی ہے۔ اور اگر دل میں کوئی برا خیال پیدا ہو تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا اثر ہے
چنانچہ ایسے موقع پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے

اللہ کی طرف سے بشارتیں

فرمایا، اللہ کے فرشتے سیدھے لوگوں کو جنت کی بشارت سناتے ہیں۔ اور
ساتھ یہ بھی کہتے ہیں نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ
ہم دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھی ہیں۔ دنیا میں موت کے
وقت جنت کی خوشخبری دیتے اور آخرت میں قبروں سے اٹھتے وقت بھی یہی کہتے ہیں
اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فکر نہ کرو وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ
جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ہر وہ شے ہوگی جو تمہارے جی چاہیں
گے۔ یعنی تمہاری ہر اچھی خواہش پوری کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جنت میں بری
خواہش کا پیدا ہی نہیں ہونا لہٰذا ہر خواہش اچھی ہی ہوگی جس کو پورا کیا جائے گا۔
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ اور تمہیں وہاں ہر وہ چیز میسر ہوگی جس کا تم

طلب کرے گے۔ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں، وہ تمہارے ہر مطالبہ پورا کرے گا اور تمہیں من مانی مراد دیگا۔ فرمایا یہ تمام نعمتیں لَنْ لَّا مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ بہت بخشش کرنے والے اور نہایت مہربان اللہ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی اللہ کی میزبانی بہت بڑی عزت کا مقام ہے جسے نصیب ہو جائے۔ انسان ذرا سا غور کرے تو جان لے گا کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ ایک کمزور انسان عظیم پروردگار کا مہمان بنے گا۔ دنیا میں بھی مہمان کی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ جیسے حضرت علیہ السلام کا قرآن اکْرِمِيْ الضَّيْفَ کہ اپنے مہمان کی عزت کرو۔ تو جو آدمی اللہ کے مہمان ہوں گے اللہ ان کی کتنی عزت کریگا اور یہ کس قدر شرف کی بات ہوگی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور اُس سے بہتر بات کس کی ہو گی جو بلاتا ہے اللہ کی طرف اور نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ﴿۳۳﴾ اور نہیں برابر نیکی اور برائی۔ آپ ہٹائیں اُس خصلت کے ساتھ جو بہتر ہے۔ پس آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اور جس کے درمیان عداوت ہے، وہ گویا کہ دوست اور قرابتدار بن جائے گا ﴿۳۴﴾ اور نہیں دی جاتی یہ خصلت مگر اُن لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا اور نہیں دی جاتی یہ خصلت مگر اُس کو جو بڑا خوش قسمت ہے ﴿۳۵﴾ اور اگر کچھ چھیڑ چھاڑ ہو آپ کے لیے شیطان کی طرف

سے تو آپ بیاد نگہیں اللہ کے ساتھ رہی ہے
سننے والا اور جاننے والا (۳۶)

گذشتہ رکوع کے آغاز میں اللہ نے کفار کا شکوہ بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے آیات کرامت ہمارے سامنے کیوں نہیں آتیں جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو۔ تو شور و غل مچاؤ تاکہ دوسرے بھی اس کو نہ سن سکیں۔ قرآن پاک نے پروگرام کو اس طرح بھی ناکام بنایا جا سکتا ہے کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے سے روک دیا جائے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو سخت سزا دیں گے۔ پھر اللہ نے دوزخ میں تابعین اور متبوعین کا ذکر کیا کہ تابعین اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہمیں ہمارے متبوعین دکھا دیئے جائیں تاکہ ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں کیونکہ انہوں نے ہی ہمیں دنیا میں گمراہ کیا۔ پھر اللہ نے حقانیت والی بات بیان کی کہ جنہوں نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیا اور پھر اس پر مستقیم رہے ان پر اللہ نے فرشتے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں جہاں انہیں من مانی نعمتیں میسر ہوں گی۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اور اس سے بہتر بات کس شخص کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور خود نیک عمل کرتا ہے۔ وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اس مقام پر اللہ نے اس شخص کی بات کو بہترین بات قرار دیا ہے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں۔ یعنی دوسروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہو، خود اچھے اعمال انجام دیتا ہو اور اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونے کا اقرار کرتا ہو۔

دعوت الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے۔ جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، وہ یقیناً اللہ کی طرف بلاتا ہے اور جو اس قرآن کو سننے کی بجائے شور و غل پیدا کرتا ہے تاکہ اس کی آواز دوسروں تک نہ پہنچے کے اس سے بدبخت انسان بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ تھا کہ قرآن کریم کے پیغام

کوئی کلام پیش کیا جائے اور اس سے بہتر پروگرام اور بہتر تعلیم پیش کی جائے۔ مگر اس کی بجائے اس کی آواز کو ہی دبانے کی کوشش کی جائے تو یہ کس قدر غلط بات ہے

صفر قرآن ابو سعودؒ فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ سے مراد دعوت الی التوحید والطاعت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلایا جائے اللہ کا قرآن اور اس کا حامل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہی دعوت پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ مطلب یہ کہ جس طرح دعوت الی اللہ بہتر بات ہے، اسی طرح داعی الی اللہ یعنی خدا کی طرف بلانے والا بھی بہترین آدمی ہے

امام ابو بکر جصاصؒ اس مقام پر یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس شخص سے کس کی بات بہتر ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور اپنے آپ کو فرمانبردار بناتا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے جب کسی علاقے میں اللہ کی توحید ایمان اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والا کوئی نہ ہو تو وہاں پر یہ دعوت دینا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور جہاں دوسرے لوگ اس کام کے لیے موجود ہوں وہاں یہ دعوت فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ایک عام کلیہ ہے کہ فرض نفل کی نسبت افضل ہوتا ہے۔ اگر دعوت الی اللہ کو فرض نہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل فرض سے افضل ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت، نیکی اور اطاعت کی طرف دعوت دینا فرض ہے۔

مؤذن کا مرتبہ

حضرت سعدؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کا کلمہ بہترین بات ہے اور یہی دعوت الی اللہ ہے۔ وہ لوگوں کو خدا کی عبادت، اطاعت اور وحدانیت کی طرف بلاتا ہے۔ اور پھر جب اذان کہہ کر نماز ادا کرنے والے لوگ اچھے کام انجام دیتا ہے حدیث میں آتا ہے۔ کہ قیامت والے دن مؤذن کا حصہ مجاہد کے حصے کی طرح ہوگا۔ گویا اذان کہنا اپنی جان و مال کو خدا میں پیش کرنے کے برابر ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

مؤذن کا اذان کے بعد نماز کے لیے انتظار کرنا مجاہد کے خون میں لت پت ہونے کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو نفلی حج اور جہاد کی پروا نہ کرتا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا، تو قیام اللیل اور صوم النہار یعنی نفل نماز روزے کی پروا نہ کرتا، کیونکہ اذان کی نسبت بڑا عمل ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے اذان دینے والوں کے لیے تین دفعہ یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ اے اللہ! اذان دینے والوں کو معاف فرما۔ آپ نے یہ دعا بھی کی اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ اے اللہ! امام کی اقتدا کرنے والوں کے لیے رشد و ہدایت مقدر فرما۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک ایسا دور بھی آئے گا جب لوگ اذان کو کمزوروں پر چھوڑ دیں گے یعنی بڑے آدمی اذان دینا گوارا نہیں کریں گے۔ حالانکہ مؤذنین کے گوشت کو اللہ نے دوزخ کی آگ پر حرام قرار دیا ہے بشرطیکہ اذان کہنے میں خلوصِ نیت ہو۔ محض معاوضہ لینا مقصود نہ ہو۔ اس روایت کو امام ابن کثیرؒ نے مسند ابن ابی حاتم کے توسط سے نقل کیا ہے۔

برائی کا دفاع نیکی سے

آگے اللہ نے نیکی بھی دی ہے۔ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اور کہ! بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ بُری چیز کا اچھائی کے ساتھ دور کرو۔ برائی کا دفاع نیکی سے کرنا سلف سے بھی ثابت ہے کسی شخص نے حضرت ابوجرہ سلمیؓ کو برا بھلا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر تو سچا ہے تو پھر میں گنہگار ہوں اور اللہ مجھے معاف فرمائے اور اگر تو اس معاملہ میں جھوٹا ہے اور تم نے غلط کام کیا ہے تو پھر اللہ تجھے معاف فرمائے۔

ایک بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ جب کوئی شخص ان کو خبر دیتا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت کرتا ہے یا آپ کو گالیاں دیتا ہے تو آپ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے اور اس کی تعریف کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ اس شخص سے برائی کی بجائے نیکی کی خبر آتی۔ یہی بات اللہ نے

فرمائی ہے کہ برائی کا دفاع نیکی کے ساتھ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ گو آپ کے اور اس شخص کے درمیان کوئی عداوت ہو كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ گرمجوش دوست اور قرابتدار جیسا بن جائیگا اور آخر برائی کا سلوک نہیں کرے گا۔ الغرض! برائی کا دفاع ہمیشہ نیکی، شائستگی اور اخلاق کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ تمہارے اسی سلوک کی وجہ سے تمہارے دشمن دوستوں میں بدل جائیں گے۔ اور اگر اینٹ کا جواب پتھر سے دو گے تو آئندہ کے لیے نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ بلکہ اس سے لڑائی اور عداوت میں مزید اضافہ ہوگا۔

برائی کا جواب بھلائی سے دینا بہت بڑی خصلت ہے جو ہر شخص میں پیدا نہیں ہو سکتی اور اکثر اوقات انسان کو غصہ آجاتا ہے فرمایا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا یہ اچھی خصلت تو اچھے لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ کسی کی بھلائی کے جواب میں فوراً طیش میں نہیں آجاتے بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ اور یہ خصلت نہیں کسی عام آدمی کو مگر ایسے شخص کو جو بڑا ہی خوش قسمت ہو۔ برائی کا جواب نیکی کے ساتھ دینا بڑی اولوالعزمی کی علامت ہے اور یہ عالی ظرف صابر و شاکر اور خوش بخت لوگوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

استعاذہ کی ضرورت

جب کسی شخص کے ساتھ کوئی برائی کی جائے تو فطری امر ہے کہ اس کو غصہ آئیگا یا پھر شیطان کی طرف سے وسوسہ پیدا ہوگا۔ غصے کی حالت میں انسان برائی کا جواب بھلائی سے دیتا ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے برائی کی طرف راغب ہوتا ہے ان حالتوں کا علاج بھی اللہ نے تجویز فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ جب شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو اور انسان برائی اور زیادتی کی طرف مائل ہونے لگے تو ایسی حالت میں فرمایا فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ صحیح مسلم اور مستدرک حاکم میں یہ روایت موجود ہے کہ دو شخص حضور علیہ السلام کی مجلس کے دوران آپس میں الجھ پڑے۔ ایک شخص کو شدید

غصہ آیا۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اس کلمے کو اپنی زبان سے ادا کرے تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ کلمہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ جیسے ہی شخص کہنے لگا۔ کیا تم لوگ مجھے مجنون خیال کرتے ہو؟

بہر حال شیطان کی وجہ سے غصہ آتے تو اس کا علاج حضور علیہ السلام نے اور خود قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ ایسے وقت میں اللہ کی پناہ طلب کی جائے۔ کیونکہ شیطان کا وسوسہ اللہ کے ذکر سے ہی دور ہو سکتا ہے اِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ الشَّیْطٰنُ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا اثر انسان کے قلب پر ہوتا اور شیطان بھاگ جاتا ہے جب کفار و مشرکین قرآن کی آواز کو نہ سنتے ہوں، توحید کی آواز کو دبانے کی کوشش میں ہوں تو ایک مومن کو غصہ آتا۔ ایک فطری امر ہے تو اس کا علاج یہی بتایا ہے کہ ایسے موقع پہ اللہ کی پناہ مانگو اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بے شک وہ سب کچھ سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے

وہ شیطان کی چھیڑ چھاڑ کا علاج کرے گا۔ جو شخص بھی آپ کو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا
تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا
فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَهُمْ لَا يَسْـَٔـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ سجدہ ۱۱ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى
الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ
الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ
اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ
اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات
اور دن سورج اور چاند ہیں نہ سجدہ کرو سورج
کے لئے اور نہ چاند کے بلکہ سجدہ
کرو اللہ کے لئے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم
خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۳۷﴾ پس اگر یہ لوگ
تکبر کریں تو وہ جو تیرے پروردگار کے پاس ہیں وہ

تسبیح بیان کرتے ہیں اُس کی ذات اور وہ تنہا اور وہ تنہا
نہیں ہوتے (۴۸) اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی
ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو پڑی ہوئی پس جب ہم اتارتے
ہیں اُس پر پانی تو وہ تازہ ہو جاتی ہے اور اُبھر آتی ہے
بیشک وہ ذات جس نے اس کو زندہ کیا ہے وہی البتہ
زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو، بیشک وہ ہر چیز پر قدرت
رکھتا ہے (۴۹) بیشک وہ لوگ جو ٹیڑھا چلتے ہیں ہماری
آیتوں میں، وہ ہم پر مخفی نہیں۔ بھلا وہ شخص جس کو ڈالا جائے گا
دوزخ میں وہ بہتر ہے یا وہ جو آئے گا امن کے ساتھ قیامت
کے دن عمل کرو جو کچھ تم چاہتے ہو، بیشک جو کام تم کرتے
ہو وہ اُس کو دیکھنے والا ہے (۵۰)

ربط آیات — گزشتہ درس میں دعوت الی اللہ کا ذکر تھا۔ قرآن پاک نے اس کا بہترین
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت
دیتا ہے، خود نیک کام کرتا ہے اور زبان سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور
اطاعت کا اقرار بھی کرتا ہے۔ پھر اللہ نے نیکی اور بدی کا تقابل فرمایا۔ اور پھر
کرنیکی کے ساتھ پیش آنے کا اصول بتلایا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شیطان سے
اور خوش بخت انسانوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر اللہ نے شیطان کی چیرہ دستیوں
اور پھر اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غصے یا وسوسے کا علاج یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ کی
پناہ پکڑو، وہی تمہیں ان شر سے محفوظ رکھے گا۔ اب آئندہ درس میں اسلام کے
بنیادی عقائد توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد میں سے توحید کے بعض دلائل
بیان کیے جا رہے ہیں اور ساتھ وقوع قیامت اور جزائے عمل کا بیان بھی ہے۔ اس سے
اگلی آیات میں پھر قرآن کی حقانیت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر آئے گا۔

اب اللہ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے کچھ عقلی دلائل بیان فرمائے

بیان بیان کرنے سے اس کی وحدانیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے کے دلائل اللہ نے قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن والشمس والقمر سورج اور چاند۔ اللہ نے ان چار چیزوں کو اپنی قدرت کی نشانیوں کے طور پر بیان کیا ہے۔ سورج کا تعلق دن کی روشنی اور چاند کا تعلق رات کی ٹھنڈک سے ہے۔ اس طرح سورج اور چاند رات اور دن کے تغیر و تبدل کا ذریعہ ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الزمر۔ ۵) اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے یعنی ان کاموں اور خدمات پر مامور کر دیا ہے یہ دونوں سیارے اللہ کے حکم کے مطابق اپنی اپنی ڈیوٹی کیے جا رہے ہیں اور یہ ان کے فرائض سے پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ رات اور دن، گرمی اور سردی، روشنی اور تاریکی سے ساری مخلوق بالخصوص انسان مستفید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے سورج اور چاند کو جاندار وں کی مصلحت کے لیے کام پر لگا دیا ہے۔ دن کے وقت انسان اور دیگر جاندار اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر جب رات آتی ہے تو آرام کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں جس میں سکون حاصل کرتے اگلے دن کے لیے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ سب نظام دن اور رات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

غیر اللہ کو سجدہ کی ممانعت

اللہ نے تو ان چیزوں کو اپنی قدرت کی نشانیوں کے طور پر پیدا فرمایا ہے مگر بعض بدنصیب دنیا میں ایسے بھی ہیں جو ان چیزوں کے خالق خدا تعالیٰ کی بجائے انہی چیزوں کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ اللہ نے اس بات سے سختی سے منع فرمایا لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بعض جاہل لوگ سورج اور چاند کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس گروہ سے آگے دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو زیادہ راسخ ان چیزوں میں اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہماری مرادیں بلاواسطہ پوری کر سکتے ہیں۔ یہ

لوگ چاند اور سورج میں اسی طرح رہتے کو مانتے ہیں جس طرح انسانوں اور دیگر جانداروں میں پائی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ان سورج اور چاند کو بے جان سمجھتے ہیں مگر ان کو واسطہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو سجدہ کرنا گویا اللہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے۔ بہرحال دونوں اعتقادات شرکیہ اور باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اعتقادات کی تردید یعنی سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کی ممانعت کرتے فرمایا وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ یعنی سجدہ اس ذات کے سامنے کرو جس نے سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ سجدہ کے لائق خالق ہو سکتا ہے نہ کہ مخلوق۔ سجدہ تعظیم القعدہ لا شریک کے لیے روا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک بھی ہے کہ اگر مخلوق کو سجدہ مخلوق کے لیے روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کے سامنے سجدہ کرے مگر یہ بھی جائز نہیں۔ فرمایا سجدہ صرف ذات واحد کے سامنے کرو جس کو ان تعبدون الا ایاہ تعبدون الگ آپ کی توحید کو ان کر خالص اسی ایک اللہ کی عبادت کرنے والے بنو۔

سجدہ دو قسم کے ہے یعنی سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت ابتدائے تخلیق سے لے کر قیامت تک کسی کے لیے جائز نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی مخلوق کے سامنے ——— کسی بھی حالت میں کسی بھی زمان و مکان میں جائز نہیں۔ البتہ سجدہ تعظیم پہلی امتوں میں روا تھا مگر ہماری امت میں یہ بھی حرام قرار دیا گیا ہے اس قسم کا سجدہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا تھا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ اس سجدہ میں سجدہ عبادت والی نیت نہیں ہوتی بلکہ محض ادب بجا لانا مقصود ہوتا ہے۔ بہرحال ہماری امت میں یہ بھی حرام ہے خواہ کسی بادشاہ کے سامنے کیا جائے۔ کسی بھی ولی، پیر، مجتہد، مفتی، صاحب قبر، سورج، چاند، فرشتہ کی تعظیم کے لیے ہو سب حرام ہے۔ البتہ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ایسا سجدہ شرک کی حد میں نہیں آتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی قبر پر سجدہ کرتا ہے تو اس سے توبہ کرانا پڑے گا کہ اس سے اس نے کیا مراد لی

اگر وہ انتہائی تعظیم یعنی عبادت والا سجدہ کرے۔ اور وہ شخص یقیناً کفر کا مرتکب ہوا ہے اور مشرک بن جائے گا۔ اور اگر اُس نے تعظیمی ملاقات کا سجدہ کیا ہے، تو وہ گناہ کا مرتکب تھا۔ اب اُس پر کفر اور شرک کا فتویٰ نہیں لگے گا۔ بہرحال یہ اُس شخص کی نیت اور ارادے پر منحصر ہے کہ وہ کس نیت کا سجدہ کرتا ہے۔

الغرض! سجدہ تعظیم بعض صورتوں میں کفر اور بعض صورتوں میں حرام ہوتا ہے بعض ایسی صورتیں بھی سامنے ہیں کہ وہاں تعظیم مراد نہیں لی جا سکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے جیسا کہ کافر اور مشرک کرتے ہیں تو ایسی صورت میں کسی کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ اُس نے تعظیمی سجدہ کیا ہے۔ کیونکہ پتھر، اینٹ یا لکڑی کی کیا تعظیم ہو سکتی ہے ——— ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کی توہین کا مرتکب ہوتے تو اُس پر کفر کا قطعی حکم لگے گا۔ جو شخص نبی کا قاتل ہے، اس کی بھی کوئی تاویل قابلِ قبول نہیں اور وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر تاویل ہو سکتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص والدین، پیر و مرشد یا بادشاہِ وقت کی تعظیم کرتا ہے جو کہ عبادت کے درجہ میں نہیں آتی۔ تو اس قسم کا تعظیمی سجدہ کفر تو نہیں ہوگا مگر فعلِ حرام ضرور تصور ہوگا۔ اور ایسا کرنے والا شخص سخت گناہ گار ہوگا۔

جس طرح تعظیمی سجدہ کی ممانعت ہے۔ اسی طرح تعظیمی رکوع کرنا بھی منع ہے حضور علیہ السلام نے ملاقات کے وقت انحنا یعنی جھکنے سے بھی منع فرمایا ہے بلکہ فرمایا کہ سیدھے رہو کیونکہ کسی کے سامنے انحنا بھی مکروہ ہے۔

فرشتوں کی تسبیح

وَإِنِ اسْتَكْبَرُوا اگر یہ لوگ عزت و تکبر کا مظاہرہ کریں اور اپنے خالق و مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے دوسروں کے سامنے سجدہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تسبیح و تمجید سے گریز کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت میں سرمو فرق نہیں پڑتا کیونکہ فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وہ مخلوق جو تیرے رب کے پاس ہے وہ رات دن

اس کی تسبیح میں مصروف رہتی ہے۔ اس سے مراد اللہ کی مقرب مخلوق ملائکہ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (۲۱/۱۹) اپنا کرنے سے تنگ دل نہیں ہوتے یعنی تھکتے بھی نہیں۔ وہ ہر وقت تمام کاموں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا اگر بعض انسان اللہ کی عبادت نہ بھی کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس مقام پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ امام رازی میں قدرے اختلاف ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سجدہ گذشتہ آیت کے اقامہ الصلوٰۃ پر لازم آتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت کے اختتام لَا يَسْتَكْبِرُونَ پر لازم آتا ہے جب کہ پورا سجدہ ہو جاتا ہے۔

بعث بعد الموت کی مثال

آگے اللہ نے مرنے کے بعد پھر اٹھنے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم زمین کو پست، خشک اور دبی ہوئی دیکھتے ہو۔ پانی کی عدم موجودگی میں زمین میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے اور اس پر سبزہ کا نام و نشان تک نہیں ہوتا فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ پھر جب ہم اس پر بارش کی صورت میں پانی نازل کرتے ہیں اِهْتَزَّتْ وَرَبَتْ تو یہی خشک زمین تر و تازہ ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے۔ اس میں ایک قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس میں نشوونما کی قوت ابھر آتی ہے۔ اب یہ زمین اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس میں کوئی بھی چیز کاشت کی جائے تو اللہ کی قدرت سے بار آور ہو گی پھر اس کا فلسفہ بیان کیا اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى جس ذات نے اس مردہ زمین کو زندہ کر دیا ہے۔ وہ قیامت کے دن مردوں کو بھی زندہ کرے گا۔ فرمایا اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک وہ ذات ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے جس مالک الملک نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرما دیا ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں اس مضمون کو اس

طرح بیان فرمایا ہے كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ جس طرح ہم نے خلق کو پہلی دفعہ پیدا کیا، اسی طرح اس کو دوبارہ بھی لا دیں گے۔ اس میں نشانات قدرت، توحید اور وقوع قیامت کی دلیل بھی آگئی۔

آگے الحاد اور اس کا انجام بیان کیا گیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا بے شک وہ لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں۔ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں یعنی ایسے بدکرتوں کو ہم ایسی طرح جانتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کریں گے۔

الحاد کا معنی ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ عام کہ لحد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قبر کے ایک کنارے پر ترچھی ہوتی ہے۔ الحاد کو اختیار کرنے والا ملحد اس لیے کہلاتا ہے۔ کہ وہ افعال کو اپنی جگہ قائم رکھتے ہوئے ان کے معانی میں ٹیڑھا پن کر کے کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے اس قسم کی بدکی بہت سی مثالیں ہمارے اس زمانے میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً لفظ اللہ خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اس کے بہت سے صفاتی نام بھی ہیں مثلاً رحمان، رحیم، قدوس، عزیز، جبار، قہار، وہاب، رزاق وغیرہ۔ اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (آیت ۱۱۰) تم اے اللہ کا ذاتی نام لے کر پکارو یا صفاتی نام رحمان وغیرہ کے ذریعے پکارو، ان کے تمام نام اچھے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (بخاری، مسلم) اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ منکر قرآن پرویز لفظ اللہ کو خدا کا ذاتی نام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ کہتا ہے کہ اللہ سے مراد قانون ہے۔ گویا لفظ کو تو اپنی جگہ پر تسلیم کیا مگر اس کا معنی بدل دیا ہے اور یہی الحاد ہے۔ مترجموں نے بھی کئی مقامات میں الحاد کا ارتکاب کیا ہے مثلاً سورۃ الفتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (آیت ۲۹) اس کا صاف معنی یہ

---

لہ الانبیاء رکوع ۷ آیت ۱۰۴

ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر مرزا قادیانی اس کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں میرا نام محمد بھی رکھا ہے اور رسول بھی۔ سرسید کے نزدیک جنت کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ اس کا معنی مسرت و شادمانی ہے۔ جو شخص اچھے اعمال انجام دیتا ہے۔ اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ دوزخ سے حسرت اور افسوس مراد لیتا ہے یعنی برے اعمال انجام دینے والے آدمی کو حسرت اور سخت افسوس ہوگا۔ اسی طرح علامہ مشرقی نے لکھا ہے کہ شیطان سے مراد کوئی خاص شخصیت نہیں بلکہ اس کا معنی غصہ ہے۔ اور جبرائیل کوئی فرشتہ نہیں بلکہ ایک پاکیزہ قوت کا نام ہے۔

فرقہ ثنا اکابرین اسلام میں سے ایک رکن سے مگر ملحد لوگ نے مخصوص ایام میں مخصوص اعمال انجام دینے کی بجائے اس کو مرتبہ عالی کا نفرنس کہتے ہیں۔ یہ بھی پرویز ہی کا اکھاڑ ہے کہ اطیعوا اللہ سے مراد اللہ کی اطاعت نہیں بلکہ مرکزی گورنمنٹ کی اطاعت مراد ہے۔ اس نے حورعین کا معنی پاکیزہ فکر کیا ہے حالانکہ اس سے مراد وہ خوبصورت عورتیں ہیں جو اہل جنت کو میسر ہوں گی۔ اسی طرح اصلاحی صاحب نے تیمم کا انکار کیا ہے کہ یہ کوئی حکم نہیں ہے۔ واقعہ معراج اور دو خواب کا واقعہ بتاتے ہیں کہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی فوقیت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ تو ختم ہو چکا ہے اب شیطان کی کوئی کہانی نہیں ہے کہ اس کی جنس باقی ہے۔ یہ اکھاڑ لیہ مثالیں ہیں اور یہ بھی کفر کی ایک بدترین قسم ہے۔

دراصل قرآن و سنت کی بعض اصطلاحات ایمان، کفر، شرک، نفاق، تقدیر، تکبر، لیلۃ القدر اکھاڑ بھی ایک اصطلاح ہے جس سے مکمل معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایمان سے مراد اللہ کی ذات، صفات، انبیاء، کتب، ملائکہ، تقدیر اور بعث بعد الموت کو صدق دل سے تسلیم کر لینا ہے۔ اسی طرح کفر ان چیزوں کے انکار کا نام ہے۔ شرک یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو تسلیم کرتا ہے۔ مگر اس کی

ذات، صفات، تصرف اور تدبیر میں دو حصوں کو بھی شریک نہیں مانتا ہے۔ اسی طرح نفاق کا مذہب منافق اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہو۔ وہ بظاہر تو اسلام کا اقرار کرتا ہے اور کسی حد تک اس کے ارکان پر عمل بھی کرتا ہے مگر دل سے اللہ کی توحید اور اس کے نبی اور دین کو سچا نہیں سمجھتا۔ اسی طرح متدین شخص ہوتا ہے جو دین اسلام کو اپنا لیتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے۔ یعنی یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ، مجوسی یا دہریہ بن جائے۔ اسی طرح الحاد بھی قرآن و سنت کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کے الفاظ کو تو تسلیم کرتا ہے مگر اس کا مطلب و مفہوم الٹا بیان کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، نہ اس کے رسول کی اور نہ سلف صالحین کی۔ پہلے ہی خدوں کے متعلق اللہ نے اس مقام پر فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کے مرتکب ہوتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ آگے اُن کے انجام کے متعلق فرمایا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی وہ شخص بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ موخر الذکر ہی بہتر ہے۔ اب یہ لوگوں کا کام ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ آیات قبول کرکے امن حالت میں اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچنا چاہتے ہیں یا الحاد کو اختیار کرکے ہمیشہ کی ذلت اور سزا کے مستحق بننا چاہتے ہیں۔ پھر اللہ نے وعید کے انداز میں فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ تم جو چاہو کرتے رہو اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ تمہارے خواص، ایمان، کفر، شرک، الحاد ہر چیز سے واقف ہے تم جب جیسا کام کرتے رہو وہ تمہارے سامنے ہے اس وجہ سے تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ البتہ قیامت کے دن تمہارے عقائد و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔

فمن اظلم ۲۴
دوسرا شتم ۸

تحزالمجید ۴۱
آیت ۴۱ تا ۴۶

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ
عَزِيزٌ ﴿۴۱﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ
خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ
إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ
لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ
وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ
عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۴۴﴾ ع ۱۹
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿۴۵﴾
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نصیحت کے
ساتھ جب کہ اُن کے پاس آگئی۔ اور بیشک وہ

البتہ آپ کتاب سے محفوظ (۴۱) نہیں آسکتا اس کے
پاس باطل نہ آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے ۔ یہ
اتاری ہوئی ہے حکمت اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف
سے (۴۲) نہیں کہا جاتا آپ کے لیے مگر وہی کچھ
جو کہا گیا رسولوں کے لیے آپ سے پہلے ۔ بیشک آپ
کا پروردگا البتہ بخشش کرنے والا ۔ اور دردناک عذاب دینے
والا ہے (۴۳) اور اگر ہم بناتے اس قرآن کو عجمی زبان میں
تو یہ لوگ کہتے کہ کیوں نہیں تفصیل سے بیان کی گئیں اس
کی آیتیں ۔ کیا عجمی زبان اور عربی لوگ ، آپ کہہ دیجئے وہ ایمان
لوگوں کے لیے ، جو ایمان لائے ہیں ہدایت اور شفا ہے
اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ، ان کے کانوں میں بوجھ ہے
اور یہ قرآن ان کے لیے اندھاپن ہے یہی لوگ ہیں کہ ان
کو پکارا جاتا ہے دور جگہ سے (۴۴) اور البتہ تحقیق ہم
نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ، پس اختلاف کیا گیا
اس میں ، اور اگر پہلے سے آپ کے رب کی بات نہ ہوتی
تیرے پروردگار کی طرف سے تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا
ان کے درمیان ۔ اور بے شک وہ البتہ شک میں ہیں
اس کی طرف سے جو تردد میں ڈالنے والا ہے (۴۵) جس
نے عمل کیا اچھا پس اپنے نفس کے لیے ، اور جس
نے برائی کی پس اسی کے نفس پر پڑے گا اس کا وبال
اور نہیں ہے تیرا پروردگا ، ذرہ بھر بھی ظلم کرنے والا
بندوں پر (۴۶)

ربط آیات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بعض عقلی دلائل پیش کیے اور واضح

کیا کہ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس پروردگار عالم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ فرمایا اگر مشرک لوگ اپنے ظاہر و مجسم بتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تو اس کی مقرب مخلوق ملائکہ موجود ہیں جو تسبیح و ثنا میں مصروف ہیں۔ پھر اللہ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ ایسی مثال کے ذریعے سمجھایا کہ جس طرح خشک زمین پر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اس کو ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ یعنی مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ پھر ہر ایک نیک و بد اور اچھے عمل کی جزا آگ کی اور ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ مل جائے گا۔ پھر اللہ نے دین میں اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی اور انہیں اگلے بُرے انجام سے ڈرایا۔

اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت پر سے آج کے درس میں کتاب الٰہی اور رسالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ جن لوگوں نے نصیحت کا آگئی کیا جب کہ وہ ان کے پاس آگئی۔ ذکر کا لغوی معنی کسی چیز کو چھپا دینا اور اصطلاحی معنی صفت کی ذات، اس کی صفات، اس کی کتب، اس کے رسولوں اور قیامت کو یاد کرنا ہے اسی طرح ذکر کا لغوی معنی نصیحت ہے۔ قرآن پاک بھی چونکہ ایک نصیحت ہے لہٰذا یہاں پر ذکر سے مراد کتاب الٰہی ہے۔ فرمایا جو لوگ کتاب الٰہی کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آگئی وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ حالانکہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے عزیز کا لغوی معنی غلبے والا ہوتا ہے جب کہ اس مقام پر محفوظ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۹) اس ذکر یعنی قرآن کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ کہ اس میں باطل دخل اندازی نہیں کر سکتا یعنی اس میں کوئی غلط تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی۔ جب اس کتاب کو جبرائیل کے ذریعے نازل ہوتے تھے۔ تو رہے ہیں

پہ سے بٹھائے جاتے تھے تاکہ جنات اور شیاطین کوئی دخل اندازی نہ کر سکیں۔ ان میں سے جو بھی کسے بڑھنے کی کوشش کرتا اُس پر شہاب پھینکے جاتے پھر قرآن کریم رب العالمین نے روح الامین کے ذریعے عَلٰی قَلْبِكَ (الشعراء ۱۹۴) حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر نازل فرمایا اور فرمایا سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (الاعلیٰ ۶) کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھول نہیں سکیں گے۔ نیز فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیامۃ ۱۷) اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ ہاں اگر ہم خود کسی آیت کو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو یہ الگ بات ہے نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ ۱۰۶) ایسی صورت میں ہم اُس سے بہتر یا کم از کم اُس جیسی دوسری آیت لے آئیں گے۔ پھر نزول کے بعد اس کی تفسیر اور آگے تبلیغ کی ذمہ داری بھی اللہ نے اٹھا رکھی ہے۔ غرضیکہ یہ ایک مکمل طور پر محفوظ کتاب ہے جس میں باطل دخیل نہیں ہو سکتا مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ نہ اس کے آگے کی طرف سے اور نہ پیچھے کی طرف سے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں آگے پیچھے سے عدم مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً کسی قسم کی مداخلت نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جائے کہ رات اور دن میں فلاں کام ممکن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ کام کسی بھی وقت نہیں کیا جا سکتا۔ یا جیسا سورۃ الملک میں سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ آپ خدائے رحمان کی تخلیق میں کوئی تفاوت نہیں پائیں گے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (آیت ۴) اگرچہ آپ اپنی نگاہ کو دو دفعہ اٹھا کر دیکھیں۔ تو یہاں بھی كَرَّتَيْنِ کا مطلب صرف دو دفعہ نہیں بلکہ بار بار ہے۔ ہزار دفعہ بھی آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اس میں کوئی نقص نہیں پائیں گے بہرحال آگے اور پیچھے سے حفاظت کا مطلب مکمل حفاظت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس سے آگے سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کے نزول سے پہلے متعدد کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں ان کے حوالے سے اس کتاب میں

کوئی غلط بات ثابت نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ تو خود سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے آنے سے یہ مراد ہے کہ اب اس کے بعد نہ کوئی کتاب آئے گی، نہ کوئی شریعت اور نہ احکام جو اس کتاب کے کسی حکم یا آیت کو منسوخ کرے۔ یہ اللہ کا آخری پیغام ہے۔ اس کے بعد کوئی نیا حکم اور نئی کتاب نہیں آئے گی اور نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و نسخ ہو سکے گی۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (المرسلات) تو پھر اس کے بعد کس چیز پر ایمان لاؤ گے۔ اس کے بعد تو کوئی کتاب نہیں آئے گی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آگے سے عدم مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سابقہ اقوام کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں۔ کوئی شخص ان کو باطل ثابت نہیں کر سکتا۔ اور اچھے سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب میں جو آئندہ کے لیے پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان میں بھی کوئی باطل یا خلاف واقعہ بات ثابت نہیں ہو سکے گی۔

فرمایا تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ یہ کتاب حکمتوں والے اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور اس کتاب کی حفاظت کا انتظام ہے کہ جب بھی کسی نے اس کتاب میں مداخلت کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کو کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے متعلقہ خرابی کی نشاندہی کر کے اس ناپاک جسارت کو ناکام بنا دیا۔ چنانچہ اب نہ تو اس کے الفاظ کو بدلا جا سکتا ہے اور نہ ان معانی اور مطالب کو تبدیل کیا جا سکتا ہے جو حضور علیہ السلام، صحابہ کرامؓ اور اصحاب خیر القرون سے ثابت ہیں اس سلسلہ میں جس نے بھی کوئی مذموم کوشش کی اس نے منہ کی کھائی۔ اللہ نے حفاظت کتاب کا یہ ذمہ قیامت تک کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ وہ مالک الملک جو شب تاریکیوں اور ستائشوں کے لائق ہے جس نے اپنی کامل حکمت سے یہ سارا انتظام فرمایا ہے۔

لفظ رسول کی تعریف

آگے تسلی کا مضمون آرہا ہے مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ کہا گیا آپ سے مگر وہی کچھ جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔ سابقہ اقوام نے بھی اپنے اپنے رسولوں اور ساحر، کاہن، کذاب اور مفتری وغیرہ کہا، اب آپ کی قوم بھی آپ کے ساتھ یہی کچھ کہتی ہے۔ یہ شکوہ کا مقام نہیں ہے لہٰذا آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں تو خود ان سے نپٹ لے گا۔ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ بے شک آپ کا پروردگار بخشش کرنے والا ہے۔ وَ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ اور دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔ جو لوگ اس سے معافی کی معافی طلب کر لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے صحیح راستہ اختیار کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سابقہ کوتاہیوں کو معاف فرما دیتا ہے، اور جو لوگ ضد اور تعصب پر اڑے رہتے ہیں ان کو سزا بھی دے گا۔ بہرحال جیسی پیشینگوئیاں اور تسلیاں پہلے انبیاء کو آئیں وہی آپ کو بھی آ رہی ہیں، آپ ان پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور معاملہ اللہ کی طرف سونپ دیں۔

قرآن اور عربی زبان

اس سورۃ کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور یہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (آیت ۳) قرآن پاک سمجھدار لوگوں کے لیے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۔ ۴) ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ احکام الٰہی کو وضاحت کے ساتھ بیان کر سکے۔ اگر نبی کی زبان قوم کی زبان سے مختلف ہوتی تو تبلیغ دین میں دقت پیش آتی۔ اس طرح اللہ نے جو بھی کتاب بھیجی ہے وہ اس زبان میں نازل کی ہے جو اس نبی اور قوم کی زبان ہے۔ اس اصول کے تحت اللہ نے اپنا آخری کلام اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان عربی میں نازل فرمایا۔ نزول قرآن کے زمانہ میں عربی زبان دنیا کی فصیح و بلیغ اور ترقی یافتہ زبان مانی جاتی تھی لہٰذا قرآن بھی اسی زبان میں نازل فرمایا

اور بطور تمام حجت کے فرمایا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا اور اگر اس قرآن کو ہم کسی عجمی زبان میں نازل فرماتے لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ تو یہ لوگ اعتراض کرتے کہ اس کی آیات کی تفصیل کیوں نہیں بیان کی گئی۔ مطلب یہ کہ اگر قرآن ہماری اپنی عربی زبان میں ہوتا تو ہم اس کی تفصیلات کو آسانی سے جان سکتے۔ ان کا یہ اعتراض بجا ہوتا اَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قرآن کریم ان میں سے جب کہ ہم عربی لوگ ہیں۔ تو فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے معترضین اعتراض کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اب ان پر حجت تمام ہو چکی ہے اور یہ لوگ اس کی عدم تفہیم کا اعتراض پیش نہیں کر سکتے۔

قرآن کی اثر انگیزی

ارشاد ہوتا ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ قرآن جو اہل ایمان کے لیے سراسر ہدایت اور شفا ہے جو لوگ اس کلام کو سنتے ہیں اور اس کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت کو واضح کرتا ہے اور ان کی تمام روحانی اور اخلاقی بیماریوں کے لیے شفا بن جاتا ہے قرآن پاک شرک، کفر، عناد، نفاق، بداخلاقی، حسد، کینہ اور بغض جیسی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اس کے برخلاف جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ان کے کانوں میں یہ قرآن بوجھ بن جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی باتیں ان کے کانوں میں داخل ہی نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی حقیقت کو سننے کو تیار نہیں وہ سمجھے گا کیسے اور اس پر عمل کیسے کرے گا؟ ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے قرآنی تعلیمات سے بہرا کر دیا ہے وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اور یہی قرآن ایسے لوگوں کے لیے اندھا پن ہے۔ انہیں اس کی کوئی اچھی بات نظر نہیں آتی لہٰذا وہ اس کی تفہیم کرنے اور اس پر عمل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ گویا کہ وہ کسی دور کے مقام سے پکارے جاتے ہوں۔ ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص انہیں آواز دے رہا ہے جو ان کی

بات کچھ بھی نہیں آدمی کو وہاں کھڑا ہونا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے اور کافروں کی مثال اس شخص کی ہے مَثَلُ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرہ ۱۷۲) جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سنتے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی جانور کو آواز دے رہا ہے وہ قرآن کی زبان تو نہیں سمجھتا۔ اُسے کیا پتہ کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے اسی طرح قرآن کو تسلیم نہ کرنے والوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ کوئی انہیں زور سے پکار رہا ہے مگر اُن کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

کتاب الٰہی کی مخالفت کا فیصلہ

اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ قرآن پاک کے ساتھ ضد، عناد اور تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ اس قسم کے عنادی ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے ہیں وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ قرآن سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی فَاخْتُلِفَ فِیْهِ مگر اس میں اختلاف کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو تسلیم نہ کیا۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے بالکل اسی طرح جو لوگ اللہ کی آخری کتاب قرآن پر ایمان نہیں لائے۔ وہ بھی ناکام رہیں گے۔ فرمایا وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ اگر ایک بات تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کا فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور اللہ کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (السجدۃ ۲۵) جن چیزوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کرے گا۔ یعنی اس دنیا میں کسی معاملے کا فیصلہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ یہ آخرت میں ہوگا۔ فرمایا وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ اور بیشک یہ لوگ قرآن پاک کی طرف سے شدید شک میں مبتلا ہیں۔ یہ اس کو کلام الٰہی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ لہٰذا اس پر عمل پیرا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر پہلے سے طے شدہ اصول نہ ہوتا کہ سب کا حتمی فیصلہ

قیامت کے دن ہوگا۔ تو ان بدبختوں کا فیصلہ ابھی دُنیا میں کر کے ان کو سزا میں مبتلا کر دیا جاتا۔

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ جس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس نے اپنی جان کے لیے کیا یعنی اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اور جس نے کسی بدعمل کا ارتکاب کیا تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ مطلب یہ کہ کسی ایک کی نیکی دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ کسی کی بدعملی دوسرے کے سر پر تھوپی جائے گی۔ ہر شخص کو اس کے اعتقاد و عمل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور تیرا پروردگار ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ وہ ہر معاملے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا۔ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

الجزء ٢٥
سورة حم السجدة ٤١
آيات ٤٧ إلى ٥٤

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ
مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثٰى وَلَا تَضَعُ
إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِي ۙ
قَالُوٓا ءَاذَنّٰكَ ۖ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم
مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن
مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْـَٔمُ ٱلْإِنسَٰنُ مِن دُعَآءِ ٱلْخَيْرِ
وَإِن مَّسَّهُ ٱلشَّرُّ فَيَـُٔوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ
رَحْمَةً مِّنَّا مِنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي
وَمَآ أَظُنُّ ٱلسَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ
إِلَىٰ رَبِّيٓ إِنَّ لِي عِندَهُۥ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ ٱلَّذِينَ
كَفَرُوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ
غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾ وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ أَعْرَضَ وَنَـَٔا
بِجَانِبِهِۦ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ فَذُو دُعَآءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾
قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم
بِهِۦ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾
سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى ٱلْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ
اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ
مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ
مُّحِيْطٌ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور
نہیں کوئی پھل نکلتا اپنے غلاف سے اور نہیں کوئی حاملہ
عورت حمل رکھتی ہے اور نہیں وہ جنتی مگر اس کے علم
سے اور جس دن وہ پکاریں گے اُن کو (اور) کہے گا
کہاں ہیں میرے شریک؟ تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے
آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار
نہیں کرتا (۴۸) اور گم ہو جائیں گے اُن سے وہ جن کو
وہ پکارتے تھے اس سے پہلے اور وہ یقین کر لیں گے
کہ نہیں ہے اُن کے لیے خلاصی کی کوئی جگہ (۴۹) نہیں
تھکتا انسان بھلائی کی دعا مانگنے سے اور اگر پہنچے اُس کو
کوئی برائی تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے (۵۰) اور اگر
ہم چکھائیں اس کو مہربانی اپنی طرف سے تکلیف کے بعد
جو اُس کو پہنچی تھی تو کہتا ہے کہ یہ میرے لیے ہے
اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے اور
اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کے پاس تو بے شک میرے
لیے اس کے پاس بھلائی ہو گی۔ پس ہم جتا دیں گے اُن
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا، جو کچھ وہ عمل کرتے تھے اور
ہم چکھائیں گے اُن کو سخت عذاب (۵۰) اور جب ہم

انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب پہنچتی ہے اُس کو کوئی تکلیف تو لمبی چوڑی دُعا کرنے والا ہوتا ہے ﴿۵۱﴾ آپ کہہ دیجئے، بھلا بتلاؤ اگر یہ اللہ کی جانب سے ہو، پھر تم نے کفر کیا اس کے ساتھ، کون گمراہ ہے اُس سے زیادہ جو مخالفت میں دُور جا پڑا ہے ﴿۵۲﴾ عنقریب ہم دکھائیں گے اِن کو اپنی نشانیاں اطراف میں اور اُن کی جانوں میں بھی یہاں تک کہ واضح ہو جائے گی اِن کے لیے بات کہ وہی حق ہے۔ کیا کافی نہیں ہے یہ بات کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۵۳﴾ آگاہ رہو، بیشک یہ لوگ شک میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے آگاہ رہو بیشک وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾

ربط آیات

پہلے شرک کا رد کیا، کتاب اللہ کی حقانیت اور صداقت بیان کی کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے جو کہ منزل من اللہ ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے ہدایت اور تغلبے اور ایمان نہ لانے والوں کے لیے انذار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دور سے کسی کو آواز دے اور وہ اُس کی بات کچھ نہ سمجھ سکے۔ فرمایا آپ سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی۔ مگر لوگوں نے اُس میں بھی اختلاف کیا۔ اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات طے نہ ہوتی، کہ ہر شخص کے عقیدے و عمل کا قطعی فیصلہ قیامت کے دن ہونا ہے تو پھر ان نافرمانیوں کا ابھی فیصلہ کر دیا جاتا اور ان کو اپنی غلط کاری کا ابھی بدلہ مل جاتا۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔

علم محیط کا مالک

اکثر لوگ حضور علیہ السلام سے وقوع قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے جس کے جواب میں فرمایا اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ

ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اللہ نے وقوعِ قیامت کی تاریخ اور وقت کا علم کسی کو نہیں دیا، فرشتے، جن کو نہیں دیا۔ البتہ قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہونے والی بعض نشانیوں کا ذکر اللہ نے اپنے انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے۔

آگے دلائل توحید اور قدرت الٰہی بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اور کوئی مادہ اپنے حمل کو نہ اٹھاتی ہے، وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى اور نہ کوئی عورت پیٹ میں اٹھاتی ہے۔ وَلَا تَضَعُ اور نہ وہ جنتی ہے اِلَّا بِعِلْمِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ۔ جب یہ کروڑوں بچے ماؤں کے پیٹ میں آتا اور وضع حمل کے وقت تک رہتے ہیں، ان کی آمد اور عورت کا حمل اور وضع حمل سب اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حمل کی برداشت کب اور کتنی قرار پائے گی۔ حمل کے تمام مراحل کو صرف وہی جانتا ہے کیونکہ علم محیط کا مالک وہی ہے۔ کوئی بچہ کب پیدا ہوگا، پیدائش سے پہلے بعض سائنسی تجربات کی بنا پر بعض پیشین گوئیاں بھی کی جا سکتی ہیں مگر صحیح اور پورا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ علم جدید سائنس تمام تر ترقی کے باوجود یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ بچے کی پیدائش کا صحیح وقت کیا ہوگا، بچہ کیا بنے گا، بدبخت ہوگا یا خوش بخت، کتنی عمر پائے گا اور کیا اعمال انجام دے گا۔ یہ سب علوم اللہ کے پاس ہیں۔ علم محیط انہی کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

کچھ زمانہ کی مثالیں

دنیا میں لوگ مختلف چیزوں کو معبود مان لیتے ہیں۔ کوئی نجومی کو پوجتا ہے تو کوئی چاند سورج میں کرشمہ تسلیم کرتا ہے۔ کوئی درختوں سے حاجت روائی کرتا ہے تو کوئی مردوں کی قبروں کا طواف کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قِيْلَ اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ جس دن وہ لوگوں کو پکار کے کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جن کی قسم دنیا میں پیش کرتے تھے اور نہیں حاجت روا جانتے تھے۔ ان کو بلا کر آج دکھا دو مدد کریں۔ تب لوگ کہیں گے اٰذَنّٰكَ ہم نے آپ کو بتا دیا کہ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ہم میں سے کوئی بھی ان کو حاجت روا نہیں جانتا

سوا نہیں کوئی بچا سکتا ہے یا ہماری مدد کر سکتا ہے۔ دنیا میں تو ہر مشکل کا حل انہی معبودانِ باطل کے ساتھ وابستہ کرتے تھے مگر قیامت کو صاف کہہ دیں گے کہ آج بادشاہی صرف اللہ کی ہے، کسی دوسرے کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ اور وہ سب معبودانِ باطل گم ہو جائیں گے جن کو یہ اپنی مشکلات میں پکارا کرتے تھے۔ اس وقت کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا۔ اور یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفتارِ بلا ہوں گے۔ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ اور ان کو یقین آجائے گا کہ آج عذابِ الٰہی سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

انسان کی بے صبری اور ناشکری

فرمایا دنیا میں انسان کا یہ حال ہے لَّا يَسْـَٔمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ اور وہ اپنے لیے بھلائی کی دعا کرتے ہوئے تھکتا نہیں اور ہر وقت اپنے لیے بہتری مانگتا رہتا ہے۔ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ پھر اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ تو مایوس ہو کر ناامید ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں مصائب ہی لکھ دیے ہیں اور وہ اپنے مالک حقیقی کا گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔ فرمایا اس کے برخلاف وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ اگر ہم اس کو اپنی مہربانی کا مزا چکھائیں اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی تھی لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي تو کہتا ہے کہ میرے لیے یہ تو مناسب حال ہے یعنی مجھے یہ نعمت میرے علم، ہنر اور استعداد کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ اچھائی برائی ہے وہ اسی دنیا تک محدود ہے وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے۔ کوئی قیامت نہیں، نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ جزا و سزا کا عمل واقع ہوگا۔ اور اس طرح وہ گویا قیامت کا ہی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر بفرضِ محال قیامت واقع بھی ہوگئی وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي تو میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا گیا إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ تو وہاں بھی میرے لیے بہتری ہی ہوگی، جس طرح اس دنیا میں عیش و آرام کی زندگی

بسر کرتا ہوں۔ اسی طرح آخرت میں بھی مجھے ہر طرح کی سہولت حاصل ہوگی۔ انسان کی ناشکری اور بے صبری کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ سَيِّئَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ پس ہم کافروں کو ان کے کردہ اعمال کے متعلق آگاہ کریں گے اور بدلہ دیں گے کردہ دنیا میں کیا کچھ کرتے تھے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزا ضرور چکھائیں گے۔ حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ انسان عجیب قسم کی مخلوق ہے۔ جب یہ دنیا میں خوشحال زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے تو بڑی ڈینگیں مارتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے آخرت میں بھی اسی طرح کی آسودگی اور عیش و عشرت حاصل ہوگی۔ مگر جب صورتحال اس وقت سامنے آتی ہے جب قیامت برپا ہوگی اور منکر آدمی بعد افسوس کے کہے گا يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (النبا ۔ ۴۰) کاش کہ میں انسان کی بجائے مٹی ہوتا کہ حساب اعمال سے بچ جاتا۔

انسان کی مذہبی

فرمایا انسان کی عمومی فطرت یہ ہے وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ تو اعراض اور پہلوتہی کرتا ہے یعنی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے۔ اس کے برخلاف وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ تو پھر لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ انسان فطرت کے یہ دو رخ اللہ نے بیان کئے ہیں کہ جب وہ خوشحال اور آسودہ حال ہوتا ہے تو اپنے مالک کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور اس کو بھی یاد نہیں کرتا اور جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو مشکل کشائی کے لیے ہاتھ کر کے دعائیں مانگتا ہے۔ اس بات کو اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح ذکر کیا ہے وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا (آیت ۶۷) جب تمہیں سمندر میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ گم ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ تمہیں

کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو۔ جبکہ انسان پر بڑی مصیبت آتی ہے

اس آیت کریمہ میں تکلیف کے وقت لمبی دعا کو مذمت کے انداز میں بیان کیا گیا ہے حالانکہ دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ انسان سے مطلوب ہے۔ انسان تکلیف کے وقت جتنی بھی عجز و انکساری کے ساتھ دعائیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، مگر اس مقام پر دعا کی اس لیے توصیف نکلی ہے کہ اس کے ساتھ اعراض اور بے توجہی کی آمیزش ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ خوشحالی آتی ہے تو انسان اپنے خالق و مالک کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا اور جب تکلیف آتی ہے تو گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگتا ہے اگر آسودگی کے وقت بھی انسان اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو قائم رکھے تو پھر وہ جب بھی دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ دعا بہرحال ایک اچھی چیز ہے۔

آگے پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت کو دو طریقے سے بیان کیا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ

اے پیغمبر! آپ ان کفار سے کہہ دیں کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ تو اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو مخالفت میں دور جا پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ اے منکرین توحید و قرآن ذرا اس بات پر غور کرو کہ اگر اللہ کے ہاں جا کر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ قرآن واقعی جناب اللہ سے ہے تو پھر تمہاری گمراہی کا کیا بنے گا۔ اس وقت تمہاری اس گمراہی کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکے گا۔ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اس بات میں اچھی طرح غور و فکر کر لو۔

آفاق اور اندرونی نشانیاں

ارشاد ہوتا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں یعنی بیرونی دنیا میں اور اندرونی طور پر ان کی اپنی جانوں میں بھی۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے برحق ہے۔ بیرونی دنیا میں اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں جنہیں لوگ صبح و شام

مشاہدہ کرتے ہیں۔ سورج، چاند ستارے، زمین، ہوائیں، پہاڑ، اشجار، نباتات، حیوانات وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہیں۔ کبھی خوشحالی آجاتی ہے، کبھی قحط سالی، کبھی طوفان، زلزلہ یا سیلاب آجاتا ہے، یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت تامہ کے دلائل ہیں۔ اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ آفرینش کائنات کا ایک مقررہ نظام کے تحت کون چلا رہا ہے۔ اسی سے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے اور وقوع قیامت سے متعلق شبہ بھی دور ہو سکتا ہے۔

جہاں تک انسان کی اندرونی نشانیوں کا تعلق ہے تو سب سے پہلے اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہیئے کہ کس طرح اللہ نے ایک حقیر قطرۂ آب سے اس کو پیدا فرمایا۔ اس میں روح پھونکی۔ اس کو اچھی شکل عقل، حواس ظاہرہ اور باطنہ سے انسان بنا کر بھیجا۔ اس کے لئے اور ہر عنصر کو نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ پیدا کیا۔ دنیا کی کوئی مصنوعی چیز بھی اتنی پائیدار نہیں ہو سکتی جتنی باریک چیز اللہ نے انسانی جسم کی بنائی ہے۔ دنیا کی ہر چیز کو تیل اور گریس درکار ہوتی ہے۔ بعض پرزے گھس جاتے ہیں۔ ٹوٹ جاتے ہیں تو ان کو بدلنا پڑتا ہے مگر اللہ کی تیار کردہ انسانی مشین کو کوئی چیز درکار نہیں ہوتی اور نہ اس کے پرزے جلد تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہاں ہوائے وقتی بیماری کے اللہ نے ہر انسانی مشین کی بھی عمر مقرر کر دی ہے وہ اتنا عرصہ کام کرتی رہتی ہے اور پھر جب مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

نشانیاتِ قدرت میں یہ بھی شامل ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں اہل عرب کی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ چند قطعوں کے سوا سب میں اللہ نے ان کو غلبہ عطا فرمایا اور پورے عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی صرف پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ نے نصف دنیا کو مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیا۔ یہاں تک کہ بیرونی دنیا میں کسی قوم کو مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کی

دشمنانِ اسلام کو دکھا دیں گے جب سے اِلٰہی برحق واضح ہو جائے گا۔ فرمایا اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے یعنی وہ ہر شے پر حاضر ناظر اور گواہ ہے۔ کوئی چیز اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں لہٰذا مشرک اور کافر لوگ اُس کے عتاب سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

جزائے عمل میں تردد

پھر ارشاد ہوا اَلَآ اِنَّہُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّہِمْ آگاہ ہو کہ یہ لوگ پروردگار کی ملاقات سے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو ابھی تک یہ شبہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملنی ہے یا نہیں اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل بھی آنے والی ہے یا نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بلا وجہ تکالیف کی ہوا کیوں اور آخرت کے دائمی عذاب سے ڈراتے ہیں دراصل حقیقت میں ایسی کوئی چیز پیش آنے والی نہیں ہے۔ جب انسان مر کر مٹی میں منتشر ہو جائے گا تو پھر اُس کے ذرات کو کون جمع کریگا اور پھر کون اس کو زندہ کرے گا یہ سب قصے کہانیاں ہیں۔

ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ منبر پر وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اَلَآ اِنَّہُمْ ..... الخ اور فرمایا کہ اس آیت کے مصداق دو قسم کے لوگ ہیں۔ جو شخص سرے سے آیت پر یقین ہی نہیں رکھتا وہ تو نافرمان ہے اور جو اس پر ایمان رکھتے ہوئے قیامت کے لیے تیاری نہیں کرتا وہ بیوقوف ہے۔ لہٰذا جان لینا چاہیئے کہ قیامت بلاشبہ ضرور آنے والی ہے اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل بھی لازماً آئے گی اور مجرم اُس کی گرفت سے بچ کر نہیں جا سکیں گے کیونکہ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور حیطۂ قدرت میں ہے لہٰذا وہ جب چاہے گا نافرمانوں کو پکڑ لے گا۔

سورة

# الشورى

مكية

الجزء ۲۵
ربع اوّل ۱

الشوریٰ ۴۲
آیت ۱ تا ۶

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الشوریٰ مکی ہے اور یہ ترپن آیات اور اس کے پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ۝٦

ترجمہ:- حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ اسی طرح وحی کرتا ہے
آپ کی طرف، اور ان کی جنہوں نے وحی نازل کی ہے، اگلے
لوگوں کی طرف۔ جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ

...شکر جو غالب اور حکمت والا ہے ③ اسی کے لیے
ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں
اور وہ بلند اور عظمت والا ہے ④ قریب ہے
کہ آسمان پھٹ پڑیں اُوپر سے، اور فرشتے تسبیح بیان
کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ، اور بخشش
طلب کرتے ہیں ان کیلئے جو زمین میں ہیں آگاہ رہو بیشک اللہ تعالیٰ بخشش
کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ⑤ وہ لوگ جنہوں
نے بنائے ہیں اُس کے سوا کارساز، اللہ ہی نگہبان ہے
اُن پر اور آپ نہیں ہیں اُن کے ذمہ دار ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الشوریٰ ہے۔ اس کی آیت ۳۸ میں اہل ایمان کی باہمی مشاورت کا ذکر ہے اور اسی سے اس سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں ہجرت سے پہلے تیسرے دور میں پہلی سورۃ حٰمٓ السجدۃ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی ترپن ۵۳ آیات ہیں اور یہ پانچ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس میں ۸۸۲ الفاظ اور ۳۵۹۸ حروف ہیں۔

مضامین سورۃ

یہ سورۃ مبارکہ بھی حوامیم سبعہ میں شامل ہے۔ ان سورتوں کو قرآن کریم کا لب لباب کہا گیا ہے کیونکہ ان میں عام طور پر اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد ہی کا ذکر ہے، تاہم بعض ضمنی مسائل بھی آگئے ہیں۔ اگرچہ حوامیم میں مذکورہ چاروں بنیادی اصولوں کا ذکر ہے تاہم مختلف سورتوں میں مختلف مضامین پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً گزشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں آیات آفاق و انفس کے دلائل پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا زیادہ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ دعوت الی القرآن بھی اس سورۃ کا موضوع ہے۔ پھر توحید باری تعالیٰ، شرک کا رد، اللہ کی صفات، ایمان اور اس کی نعمتوں اور حکمتوں کا تذکرہ ہے۔ کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے اہل ایمان کو سخت مخالفت کا سامنا تھا، لہٰذا اس سورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور آپ کے پیروکاروں کے بے تعلق ہو جانے کا مضمون بھی آگیا ہے۔ دین کے بنیادی اصولوں میں صفائی اور جرأتِ عمل کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں دنیوی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے دنیا کے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا مگر ساتھ تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان دنیا کی دولت میں اس قدر منہمک نہ ہو جائے کہ آخرت کو فراموش ہی کر دے بلکہ آخرت کی فلاح کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ اللہ نے اہلِ ایمان اور ان کے نیک اعمال کا ذکر کیا ہے اور اچھی جزا کی خوشخبری سنائی ہے۔ اور دوسری طرف کفار و مشرکین کے قبیح اعمال اور ان کے بُرے انجام کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورۃ میں اللہ نے اجتماعیت، شوریٰ اور خلافت کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔

ترکیب و تفسیر مقطعات

باقی حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروفِ مقطعات سے کیا گیا ہے اور اس کی پہلی دو آیات انہی حروف پر مشتمل ہیں۔ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ ان حروف سے متعلق مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے سورۃ کا نام بتانے ہیں یعنی اس سورۃ کا نام الشوریٰ کے علاوہ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ بھی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف کسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں یہاں پر ان حروف کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سورۃ حکمت اور معارف پر مشتمل ہے۔ چنانچہ یہ مفسرین فرماتے ہیں حٰ سے حکمت اور عٓ سے معارف مراد ہے۔ اس طرح سٓ سے سورۃ ق سے قرآن اور ع سے علم مراد ہے۔ جو شخص حکمت اور معارف کی ان باتوں کو پیشِ نظر رکھے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ تمام حروفِ مقطعات میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں پر حٰ سے مراد علم کہ ہو یا کی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ حٰ سے مراد مجد ہے اور مجید اللہ کی صفت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ع کا اشارہ علم کی طرف ہے ق کا سنا یعنی خدا کی بلندی کی طرف اور ق سے قدرتِ خداوندی مراد ہے۔ آپ

فرماتے ہیں کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے علم، عجیب اعلم، بلندی اور قدرت کی قسم اٹھا کر اٹل بات کی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ تے سے وحی الٰہی مراد ہے اور قرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم باسم تمہارے جس پر آپ قیامت کے دن نادم ہوں گے۔ بعض نے تے سے توحید کو مراد اور قرے سے کفر مراد لیا ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ (الشعراء ۱۹۳-۱۹۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا علم حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر بذریعہ وحی نازل فرمایا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کو امام ثعلبیؒ نے حضرت علیؓ کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ان حروف سے قرب قیامت میں ہونے والے فتنوں کی طرف اشارہ ہے، تے سے حق یعنی جلاء، قرے سے ہلکہ یعنی ہلاکت غے سے عذاب، من سے منع اور قاف سے قذف کے اشارات ملتے ہیں۔ گویا قرب قیامت میں آتش زدگی، ہلاکت، عذاب کا نزول، زمین میں دھنس جانے جیسے اکثر واقعات پیش آئیں گے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کے قطعی معانی تو کوئی نہیں بیان کر سکتا کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی وضاحت کی ہے اور نہ حضور علیہ السلام سے تشریح منقول ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے جو بات مجھے کشفی یا ذوقی طور پر سمجھائی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حروف مفصل مضامین کے مخففات ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص بی۔ اے، ایم۔ اے یا پی ایچ ڈی سے جان لیتا ہے کہ یہ حروف کسی شخص کے علم و فن کی طرف دلالت کرتے ہیں یا جس طرح کوئی شخص قاضی، مفتی یا سلطان وغیرہ الفاظ سے وسیع حقیقت اخذ کر لیتا ہے، اسی طرح حروف مقطعات کے بیچے بھی سورۃ کا مکمل موضوع پایا جاتا ہے جو ان حروف سے ظاہر ہوتا ہے۔ گویا یہ حروف سورۃ کے تفصیلی مضامین کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ

عالم بالا سے بعض حقائق اس مادی جہان میں لوگوں کے باطل عقائد و اعمال کے بدلنے
ہیں۔ باطل پرست لوگوں کے بعض عقائد و اعمال کے جس کے پیچھے ہیں باطل عقیدہ و
اعمال کا رد ہوتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ ان حروف سے اسی بات کی طرف
اشارہ ہوتا ہے۔

آگے مفسر رحمہ اور خصوصاً امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات
یہ ہے کہ ان حروف سے متعلق جو مراد ہو جائے اللہ اعلم بمرادہ
بذالک اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔ اور ان حروف
سے جو بھی اللہ کی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کو ہر چیز کا
علم حاصل ہونا تو ممکن نہیں لہٰذا العلم میں ہر حال پر ایمان بالغیب ہی کام آتا ہے۔
تو ان حروف سے متعلق بھی ایمان بالغیب ہی ہونا چاہیئے کہ ان کا جو بھی اللہ کے
نزدیک مطلب ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ پانچ حروف مقطعات دو آیتوں میں دہرائے گئے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
کی روایت میں آتا ہے کہ قرآن کریم کے ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں
حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان پانچ حروف کی تلاوت کرتا ہے۔ اگر یہ حروف کو
صحیح مخرج سے ادا کرتا ہے تو اس کے قرآن کے مطابق دو کم از کم پچاس نیکیوں کا مستحق ہو
جاتا ہے۔ ان حروف کی مجموعی تعداد ۱۴ ہے۔

**وحی الٰہی کا نزول**

اس سورۃ کا آغاز بھی اللہ نے وحی الٰہی کے بیان سے کیا ہے اور پھر سورۃ
کے آخری حصے میں بھی زیادہ تر یہی مضمون ہے۔ وحی کا لغوی معنی ہے مخفی اشارہ کرنا
جو متعین کے ساتھ واقع ہو۔ چونکہ اللہ کا فرشتہ وحی کا القاء نہایت تیزی کے ساتھ مخفی طور
پر نبی کے قلب پر کرتا ہے اس لئے اس کو وحی کہا جاتا ہے۔ نزول وحی کی کیفیت
کو صاحب وحی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جان سکتا۔ وحی الٰہی بہرحال ایمان
چیز حق ہے۔ جیسا کہ صاحب فرماتے ہیں کہ نزول وحی کے وقت ایک قسم کا الجھاؤ
ہوتا ہے یعنی صاحب وحی کی ذات ماہیت بالبشریت سے نکل کر ملکیت کی ذات

---

ف جلالین ص ۲

جل جاتی ہے۔ اور اس کا ربط اُس طرف ہوتا ہے۔ پھر فرشتہ عالم بالا سے کلام الٰہی لاکر نبی کے قلب میں ڈال دیتا ہے اور اس طرح وحی کا نزول عمل میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے كَذٰلِكَ يُوحِيٓ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ

اسی طرح آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے جس طرح آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی بھیجتا رہا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے تمام انبیاء کی طرف اللہ نے وحی نازل فرمائی۔ کسی پر کم اور کسی پر زیادہ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام پر اللہ نے ان کی پوری زندگی میں صرف چار وحیاں نازل فرمائی۔ بعض پر پچاس ہزار اور بعض پر چار سو مرتبہ۔ اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار وحیاں نازل فرمائی۔

عظمت خداوندی

ارشاد ہوتا ہے کہ وحی کو نازل کرنے والی وہ ذات خداوندی ہے اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ جو کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے۔ وہ زبردست ہے کہ تمام قوتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور وہ سب پر غالب ہے۔ اور حکیم اس معنی کر اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ فرمایا لَهُۥ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ ہر چیز کا خالق ہی وہ ہے اور مالک بھی وہی ہے۔ تمام مخلوقات بھی اسی کی ہے اور سب پر علم بھی اسی کو حاصل ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ وہ باعتبار ذات اور اوصاف بلند ہے۔ سب سے حق تر اس کی ذات ہے کسی مخلوق کی مجال نہیں اور اپنی صفات کے اعتبار سے وہ بڑا عظمتوں والا ہے

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِن فَوْقِهِنَّ قریب ہے کہ اللہ کے جلال و عظمت کی وجہ سے اوپر سے آسمان پھٹ جائیں۔ قرآن پاک میں اس قسم کے الفاظ اس موقع پر استعمال کیے ہیں۔ جہاں اُس کی ناراضگی جوش میں ہوتی ہے۔ مثلاً سورۃ مریم میں فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے تو نہایت بُری بات ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (آیت ۹۰) قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ ایسی باتوں سے خدا تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ غفور اور رحیم بھی ہے اس لیے مہلت دیتا رہتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا مقررہ وقت پر ہی محاسبہ کرتا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اور فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی اس کی تعریف کے ساتھ۔ فرشتوں کی تسبیح و تحمید کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آسمان پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ رکوع و سجود اور اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف نہ ہو۔ فرشتے ہمہ تن اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اور اہل زمین کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ پہلی سورۃ المؤمن میں گزرچکا کہ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (آیت ۷) حاملین عرش اور اس کے اردگرد والے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اہل ایمان کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے۔ سورۃ المؤمن میں صرف اہل ایمان کے لیے بخشش کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ جب کہ آیت زیر درس میں زمین پر بسنے والے ہر شخص کے لیے بخشش عام کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ فرشتوں کی ان دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کی جلد گرفت نہیں کرتا اور انہیں مہلت دیتا رہتا ہے تاکہ وہ باز آجائیں اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں۔ علامہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ اگر وہ فوری گرفت کرنا تو زمین پر چلنے پھرنے والی کوئی چیز نظر نہ آتی۔ فرمایا اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ آگاہ ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے جو فرشتوں کی دعاؤں

کو قبول کر کے اپنے بندوں کی خطائیں معاف کرتا رہتا ہے اور کافروں اور نافرمانوں کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔

غیر اللہ سے کارسازی کی ممانعت

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا اور سرپرست کارساز بنا لیے ہیں اللہ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ ہی ان پر نگران ہے، وہی ان کے کاموں کو جانتا ہے اور وہی ان سے انتقام لینے والا ہے۔ فرمایا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ اے پیغمبر! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ کا کام تو پیغام الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔ بات کہی دینا اور اس کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرنا ہے۔ ان کے اعمال کی حفاظت کرنا اور پھر ان اعمال پر گرفت کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ ان کے کاموں سے واقف ہے وہ قیامت کے دن ہی ان کو سامنے لا کھڑا کرے گا۔ پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی اور ٹھیک ٹھیک فیصلے ہوں گے۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ وقت آنے پر وہ خود ہی ان سے باز پرس کر لے گا۔ انہوں نے غیر اللہ کو کارساز بنا کر اللہ کی غیرت کو چیلنج کیا ہے اللہ تعالیٰ خود ان سے نپٹ لے گا۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ
الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ
فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝٧ وَلَوْ
شَآءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَٰكِن يُدْخِلُ
مَن يَشَآءُ فِي رَحْمَتِهِۦ ۚ وَالظَّٰلِمُونَ مَا لَهُم مِّن
وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝٨ أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۖ
فَٱللَّهُ هُوَ ٱلْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ
شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝٩ ع ١ وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ
فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبِّى عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝١٠ فَاطِرُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ
جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَمِنَ ٱلْأَنْعَٰمِ
أَزْوَٰجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ
وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ۝١١ لَهُۥ مَقَالِيدُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ
وَٱلْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ ٱلرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ
إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ۝١٢

ترجمہ:- اور اسی طریقے سے ہم نے وحی آپ کی
طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ اور
اس کے اردگرد والوں کو، اور آپ ڈرائیں جمع ہونے
کے دن سے جس میں کوئی شک نہیں ایک فریق جنت
میں اور دوسرا فریق بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوگا ⑦ اور اگر
چاہتا اللہ تعالیٰ تو کر دیتا ان کو ایک ہی امت، لیکن وہ
داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں، اور ظلم کرنے
والوں کے لیے نہیں ہوگا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار ⑧
کیا بنا لیے ہیں ان لوگوں نے اس کے سوا کارساز، پس
پس اللہ ہی کارساز ہے، اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ⑨ اور جس بات
میں تم اختلاف کرو، پس اس کا حکم اللہ کی طرف ہے
یہ ہے اللہ میرا پروردگار، اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں، اور
اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ⑩ بنانے والا ہے
آسمانوں اور زمین کا، اس نے بنائے ہیں تمھارے لیے
تمھاری جانوں میں سے جوڑے اور مویشیوں میں سے بھی
جوڑے، پھیلاتا ہے تمھیں اس میں، نہیں ہے اس کی
مثل کوئی چیز، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ⑪
اسی کے پاس ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی، کشادہ
کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا
ہے، بیشک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ⑫

وحی الٰہی پر ایمان لانا دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، سورۃ
ہذا کی ابتدا بھی وحی الٰہی کی حقانیت سے ہوئی جیسا کہ گزشتہ درس میں بیان ہوا

وحی الٰہی کی حقانیت

كَذٰلِكَ يُوحِيٓ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اسی طرح ہم نے
وحی بھیجی آپ کی طرف جیسا کہ وحی بھیجی آپ سے پہلے لوگوں کی طرف۔ اور اب اس درس کا آغاز بھی وحی الٰہی کی حقانیت سے ہو رہا ہے، البتہ سابقہ درس کی نسبت وحی الٰہی کا ذکر اس مقام پر قدرے تفصیل سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا اور اسی طرح ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف ایک قرآن جو عربی زبان میں ہے۔ قرآن پاک میں وحی الٰہی اور دیگر بنیادی عقائد کا تذکرہ بار بار آیا ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گزشتہ درس میں وحی الٰہی کا ذکر سابقہ انبیاء کے تسلسل میں کیا گیا تھا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء پر کم و بیش وحی کا نزول ہوتا رہا ہے اور اب یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ ہر وحی کا تنزیل نبی کی قومی زبان میں ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (آیت ۴) ہم نے ہر رسول کو اس کی قومی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو بات اچھی طرح واضح کر سکے جب نبی اور قوم کی زبان ایک ہو گئی تو لامحالہ وحی الٰہی بھی اسی زبان میں نازل ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی کی قرآن پاک جو کہ آپ کی قومی زبان عربی میں ہے۔

**جزائے عمل کیوں ضروری ہے؟**

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے جزائے عمل کا واقع ہونا چار وجوہات کی بنا پر ضروری ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق، فطرت اور اس کے تقاضے ظاہر و باطن چاہتے ہیں کہ اس کو عمل کا بدلہ ضرور ملنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہیمیت دونوں قسم کی قوتیں ودیعت کی ہیں۔ اور انسان ذاتی طور پر چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت اس کی بہیمیت پر غالب رہے تاکہ اس کے حالات فطرت کے مطابق درست رہیں۔ اس کے برخلاف اگر بہیمیت ملکیت پر غالب آگئی تو اس کا نتیجہ الٹ نکلے گا۔ اب ملکیت کو غالب رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں ایسے امور کی انجام دہی کے لیے طہارت یعنی پاکیزگی پائی جائے۔ اگر

نہایت ٹلے کام کرے گا۔ خواہ وہ ظاہری نجاست ہو یا روحانی۔ تو اس سے اس کا
مزاج بگڑ جائے گا۔ علاوہ ازیں حکمت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان نباتات
یعنی عاجزی کو اختیار کرے۔ اگر عزور و تکبر میں مبتلا ہو تو ناکام رہ جائے گا۔ انسان کے
لیے تیسری خصلت سماعت بھی ہونی چاہیئے یعنی وہ فیاض اور رحم دل ہو۔ اور خود غرضی
اور شہوت سے پرہیز کرتا ہو۔ اور چوتھی صفت یہ ہے کہ انسان میں عدل پایا جائے
یعنی وہ ظلم و تعدی سے پاک ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان میں حکمت
کے غلبہ کے لیے اسمیں مذکورہ چار صفات یعنی طہارت، انابت، سماحت اور عدل
کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس کا مزاج بگڑ کر بہیمیت کی طرف چلا جائے گا۔ شاہ صاحب
مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ لوگ اس جانور یعنی بکری کو کھاتے ہیں۔ اونٹ وغیرہ
جب تک گھاس اور چارہ کھاتے رہیں گے ان کا مزاج درست رہیگا۔ اور جب یہ
گوشت کھانے لگیں گے تو ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح انسانی فطرت کا تقاضا
بھی یہی ہے کہ وہ ایسے کام اختیار کرے جس سے اس میں حکمت کا عنصر بہیمیت
کے عنصر پر غالب رہے۔ غرضیکہ جزائے عمل کی پہلی وجہ تو خود فطرت انسانی کا تقاضا
ہے کہ یہ ضرور واقع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد انسان کے اچھے اور برے اعمال
میں تمیز بے معنی ہو جاتی ہے۔

جزائے عمل کے واقع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی مقرب مخلوق
یعنی ملاء اعلیٰ کے فرشتے ہر انسان کے لیے دعا یا بد دعا کرتے ہیں۔ جو انسان اچھے عمل
انجام دیتے ہیں تو فرشتے ان کے حق میں بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن
کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاملین عرش اور اس کے اردگرد حلقہ
باندھنے والے فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ
ایمان رکھتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا اور اہل ایمان کیلئے بخشش کی دعا
کرتے ہیں۔ جب اللہ کے بندے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دیتے ہیں
تو فرشتوں سے خوشی کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو ایک طرف تو اس نیک آدمی پر پڑتی

ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی بڑے کام کرتا ہے تو فرشتوں سے غضب کی شعاعیں اٹھتی ہیں اور ان کے جسموں سے بددعائیں نکلتی ہیں۔ تو اس دعا یا بددعا کا نتیجہ بھی جزائے عمل کی صورت میں ملنا ضروری ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پر شرائع نازل فرمائے ہیں اور انسانوں کو ان کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ ان شرائع کا تقاضا بھی ہے کہ جزائے عمل ضرور واقع ہو تاکہ شرائع کی پابندی کرنے والوں کو اچھا صلہ اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو سزا ملے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء - ۶۴) ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ لوگ اس کی پیروی کریں اب اگر کوئی شخص اپنے نبی کی پیروی کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا، تو دونوں برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا بعثت انبیاء علیہم السلام کا تقاضا بھی ہے کہ اطاعت کنندہ کو جزا اور عاصی کو سزا دی جائے اور یہی جزائے عمل ہے۔

تبلیغ قرآن کے ذرائع

جزائے عمل کے دن سزا سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور شرائع اپنے انبیاء کے واسطے سے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ہر نبی اپنے طریقے سے حق تبلیغ ادا کرتا ہے اور پھر اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایمان کو قبول نہیں کرتا تو وہ سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل - 15) ہم کسی قوم کو سزا نہیں دیتے جب تک کہ اس کے پاس اپنا رسول نہ بھیج لیں۔ اور نبی اپنی قوم کی زبان میں کلام کرتا ہے۔ اگر نبی کی زبان قوم کی زبان سے مختلف ہو تو یہ اعتراض آئے گا۔ کہ ہم اللہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ نہیں پائے۔ یہ اعتراض گزشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں ہماری زبان میں کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ کیا خوب ہے ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ (آیت - ۴۴) کہ قرآن عجمی زبان میں ہے

جب کہ ہم عرب ہو نے ڈالے ہیں۔ الغرض تبلیغ قرآن کا ایک ذریعہ تو عربی زبان ہے۔ جو اس کے اولین مخاطبین کی زبان ہے۔ انہوں نے پہلے خود اس کو سمجھا اور پھر آگے دوسروں تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل فرمایا ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ آپ (مکہ) بستیوں کی جڑ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد والوں کو۔ چونکہ آپ عربوں کی طرف اُنہی کی زبان میں مبعوث ہوئے۔ اس کمال سے آپ قرآنی نبی ہیں قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف - ۱۵۸) کہہ دیجئے آپ کہ میں تم سب لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ گویا اس لحاظ سے آپ عربی قرآنی نبی ہیں۔ مگر آپ کی یہ حیثیت آپ کی اپنی قوم یعنی عربوں کے واسطے ہوگی سب سے پہلے آپ نے اپنی قوم کو دین کا علم سکھایا اور پھر انہوں نے آگے دنیا میں اس کو پہنچایا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں امت معتدل بنایا ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ - ۱۴۳) تاکہ تم تمام دنیا کے معلم بن جاؤ اور اللہ کا رسول تمہارا معلم ہو جائے۔ بہرحال تبلیغ قرآن اور تبلیغ دین کا کام حضور علیہ السلام کی قوم کے واسطے سے لہٰذا بعد نسلی چلا آرہا ہے جو تاقیام قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔ چنانچہ اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں اس کے ذریعے ڈراؤں وَمَنْۢ بَلَغَ (انعام - ۱۹) اور اس کو بھی جس تک یہ پہنچے۔

**نزولِ قرآن کی غایت**

بہرحال اللہ نے نزول قرآن کا ایک مقصد تو یہ بیان فرمایا ہے آپ مکہ والوں اور اردگرد والوں کو ڈرا دیں۔ اس مقام پر شہر مکہ کے لیے ام القریٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی بستیوں کی جڑ یا بنیاد ہے۔ ابتدا میں کرہ ارض مکمل طور پر پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ والی جگہ پر خشکی کا ابھار پیدا کیا اور پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین بنا دی گئی۔ اسی لیے شہر مکہ کو زمین کی ناف بھی کہتے ہیں کہ

زمین کا پھیلاؤ اسی مقام سے شروع ہوا۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لحاظ سے بھی کہتے ہیں کہ اسکو دنیا بھر کی بستیوں میں فضیلت حاصل ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ کو چھوڑ رہے تھے تو آپ نے پلٹ کر اس بستی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا اے مکہ کی سرزمین! تم اللہ کے نزدیک تمام خطوں سے بہتر خطہ ہو۔ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تیری گلیوں کو چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اردگرد والوں کو ڈرا دیں وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ اور جمع ہونے کے دن یعنی قیامت کے روز سے بھی ڈرائیں جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اُس دن مجرموں کے غول کی منزل آئے گی جس کے نتیجے میں فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ کا شکار ہوگا۔ ایمان لا کر توحید کے راستے پر چلنے والا اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا، اور کفر، شرک اور معاصی کا مرتکب جہنم رسید ہوگا۔ فرمایا آپ اُس دن کی ہولناکیوں سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں۔ بہرحال یہ ذمہ داری سب سے پہلے علماء پر عائد ہوتی ہے اور پھر اُن کے واسطے سے اگلی نسلیں ذمہ دار ہیں کہ وہ خدا کا دین آئندہ نسلوں تک پہنچائیں۔ آج ہم بھی ذمہ دار ہیں کہ دین حق کو صحیح طریقے سے آنے والی نسلوں تک پہنچائیں اور اسی طرح ہر دور کے لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اسلام میں جبر نہیں

دو فریقوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا یعنی سب کو جبراً اطاعت پر مجبور کر دیتا، مگر یہ اُس کی حکمت کے منافی ہے۔ اُس کا عام اعلان ہے کہ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹) اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کرے۔ اگر کفر کرے گا تو آگے اُس کے لیے جہنم بھی تیار ہے

اللہ نے خبردار کر دیا ہے مگر جبر نہیں کیا۔ اس کا قانون یہ ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ-۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ اب یہ انسان کے اپنے اختیار پر ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے یا گمراہی کا۔

بعض لوگوں نے اس ضمن میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض مسلمان حکمرانوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا ہے۔ اس قسم کا پروپیگنڈا اورنگ زیب عالمگیرؒ کے خلاف خاص طور پر کیا جاتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کسی مسلمان حکومت نے غیر مسلموں کو دین میں زبردستی داخل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ فتوحات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ساتھ ایک سلوک ضرور کیا ہے۔ سپین میں دو کروڑ مسلمان آباد تھے مگر عیسائیوں نے یا تو انہیں قتل کر دیا یا جبراً عیسائی بنا لیا۔ وہی لوگوں کو زبردستی عیسائی بناتے ہیں اور اسی طرح ہندو، بدھ اور سکھ بھی اپنا اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

فرمایا اللہ کسی پر جبر نہیں کرتا وَلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اور جو لوگ ظالم ہیں یعنی کفر و شرک کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں، ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ ایسے لوگ قیامت والے دن پکڑے جائیں گے اور پھر سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ وہ خالق اور مالک ہے اور نبی کی اطاعت اس لیے فرض ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان حکام علمائے حق، مبلغ دین، قاضی اور مفتی کی اطاعت بھی ضروری ہے مگر اس وقت تک جب تک وہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص خلاف قرآن و سنت بات کرے گا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے اے ایمان والو! خدا کی

اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی بھی۔ اور اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آیت ۵۹) تو ایسے معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، کسی حاکم، عالم، قاضی، مفتی وغیرہ کی خلاف قرآن و سنت کوئی بات قابل قبول نہیں ہوگی۔

فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے۔ حالانکہ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ کارساز تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اسی کو کارساز سمجھنا چاہیئے اور اسی کی توحید پر ایمان لانا چاہیئے۔ اور تمام حاجات اسی کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔

اختلافی مسائل میں فیصلہ

ارشاد ہوتا ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ تو اس کا حکم یعنی فیصلہ اللہ کی طرف سونپ دینا چاہیئے۔ یہ ایک اہم اصول ہے مگر لوگ اسے نہ سمجھ کر اکثر مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر تمام اہم اختلافات اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حل کر لیے جائیں تو دنیا میں جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ہر فرد، جماعت گروہ یا حکومت من مانی کرتے ہیں اور اپنے اس کے لیے جواز تلاش کر لیتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے تمام معاملات اللہ کے دین اور شریعت کے سامنے پیش کر دیتے۔

دیکھ لیجئے، ایران اور عراق کے درمیان ایک چھوٹے سے خطے شط العرب کا جھگڑا ہے جس پر سات سال سے جنگ ہو رہی ہے دونوں مسلمان ملک ہیں مگر کسی فیصلے پر پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اغیار نے مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتیں ہتھیا رکھی ہیں وہ تو واپس نہیں لے سکتے مگر یہاں ایک چھوٹی سی چھڑ کے لیے کشت و خون ہو رہا ہے جس میں اب تک سات لاکھ ایرانی اور پانچ لاکھ عراقی ہلاک ہو چکے ہیں

اور جو مال نقصان ہو رہا ہے، اس کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ سورۃ الحجرات میں اللہ کا فرمان ہے کہ اگر دو شخصوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (آیت ۹) تو ان میں صلح کرا دو۔ مگر یہاں صلح پر کوئی بھی فریق آمادہ نہیں حالانکہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتیں اس کے لیے کوششیں کر چکی ہیں۔ آخر یہ اللہ کے فیصلے سے روگردانی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو اب یہ جنگ ختم ہو جانی چاہیے۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں۔ پھر جب ندامت ہوتی ہے تو اس کا ازالہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ علماء کے پاس اس وقت آتے ہیں جب طلاق واقع ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم نے غصے میں آ کر طلاق دے دی ہے، اب اس کا کوئی حل نکالو۔ آئندہ بیوی سے غلطی کی نوبت نہ آئے افسوس یہ ہے کہ لوگ طلاق دینے سے پہلے نہیں پوچھتے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے تاکہ بعد میں مشکلات پیش نہ آئیں۔ بات وہی ہے کہ لوگ اپنے معاملات کو اللہ کی طرف لوٹانے کی بجائے من مرضی کرتے ہیں اور پھر مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے اصول بتا دیا ہے کہ جس بات میں اختلاف پیدا ہو جائے اس میں اللہ کا فیصلہ حاصل کرو۔

**توکل علی اللہ**

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ یہ ہے اللہ میرا پروردگار، میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اس نے بنائے ہیں تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تفریق جنس کر کے کسی کو مرد بنا دیا اور کسی کو عورت وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا اور جانوروں کے بھی جوڑے جوڑے یعنی نر اور مادہ بنائے ہیں۔ اسی سلسلہ توالد و تناسل کو اسی طرح قائم رکھنے کے لیے یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے تم کو اس میں۔ فیہ سے مراد تدبیر یا تکثیر ہو سکتا ہے یا پھر یہ بات زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زمین میں پھیلا دیتا

ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ لفظ ذرء میں تو عربی یہ مؤنث ہے جب کہ ذبح کی ضمیر مذکر ہے۔ تو اس کا لحاظ سے فیہ کا معنی اس زمین میں نہیں بلکہ اس مقام پر ہوگا۔ سورۃ الملک میں بھی زمین پر پھیلنے کے لیے ذرأ استعمال ہوا ہے قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (ملک - ۲۴) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور پھر تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔

بے مثال ذات الٰہی

آگے ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ عام طور پر لوگ دو بیماریوں کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں، ایک شرک اور دوسری تشبیہ۔ شرک یہ ہے کہ اللہ کی صفت انسان یا کسی دوسری مخلوق میں مان لی جائے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کے علاوہ فلاں انسان، جن یا فرشتہ بھی عالم غیب، قادر مطلق یا خالق مطلق ہے۔ اور تشبیہ یہ ہے کہ انسان کی صفت خدا تعالیٰ میں مان لی جائے۔ مثلاً یہ کہنے لگے کہ انسان کی صفت مخلوق ہے۔ یہ بھی صفت خدا تعالیٰ میں مان لی جائے۔ فلاں آسمان کی طرح اولاد ہے۔ جیسے عقیدہ ابنیت والے کہتے ہیں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا (مریم - ۸۸) کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ گود لیا ہوا۔ اور نہ ہی اس نے مسیح علیہ السلام کو حاجت روائی کا اختیار دیا ہے۔

فرمایا وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اللہ کی ذات سننے والی اور دیکھنے والی ہے لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ آسمان اور زمین کی چابیاں اسی کے پاس ہیں یعنی ہر چیز کا تصرف وہی ہے۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ کشادہ کرتا ہے روزی جس کی چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کی چاہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق رزق تقسیم کرتا ہے کیونکہ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہر چیز کو جاننے والا وہی ہے وہ اپنے علم کے مطابق ہی تصرف کرتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا
وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ
يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ
يُّنِيْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ
اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴

ترجمہ:۔ مقرر کیا (اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لیے وہ دین
جس کی تاکید کی (اللہ نے) نوح علیہ السلام کو۔ اور وہی
جس کی وحی کی ہے ہم نے آپ کی طرف۔ اور جو تاکید
کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو (اور کہا)
کہ قائم رکھو دین کو اور نہ تفرقہ ڈالو اس میں۔ بھاری ہے
مشرکوں پر وہ چیز جس کی طرف آپ ان کو دعوت
دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف جس

کو چاہتا ہے۔ اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو
رجوع لاتا ہے ﴿۱۳﴾ اور نہیں تفرقہ ڈالا ان لوگوں نے
مگر بعد اس کے کہ آچکا ان کے پاس علم۔ سرکشی کرتے
ہوئے آپس میں۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے
طے ہو چکی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ایک
مقررہ مدت تک تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان
اور بیشک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے ان کے بعد
البتہ وہ اس میں تردد انگیز شک میں ہیں ﴿۱۴﴾

ربط آیات — پہلے وحی الٰہی کی حقانیت کا ذکر ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی زبان میں نازل قرآن
اور اس کی غرض و غایت بیان فرمائی رسالت کا مسئلہ بیان کیا اور شرک [illegible]
مشاہدہ معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کرو۔ پھر اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا
اور اس کی یہ صفت بیان کی کہ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ نے انسانوں اور
جانوروں کو جوڑوں کی شکل میں مذکر و مؤنث پیدا کیا ہے۔ وہ ان سب کو اپنی قدرت تامہ
سے زمین میں پھیلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ تمام چیزوں
کی چابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہے بہتے پر تصرف حاصل ہے۔ رزق میں
وسعت اور تنگی بھی وہی فرماتا ہے۔ وحی الٰہی کوئی انوکھی چیز نہیں بلکہ یہ تو ہر نبی
پر نازل ہوتی رہی ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء کو یہی تلقین فرمائی کہ دین کو قائم رکھیں اور
تمام لوگوں کو بھی دین اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اس طرح اللہ نے متحد دین کا ذکر
بھی فرمایا۔

متحد دین — اب اللہ نے دین حق کا اتحاد کہ سب نبیوں کا شروع کیا ہوا دین تو ایک
حقیقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شرع لکم من
الدین اللہ نے تمہارے لیے ایک دین مقرر کیا ہے۔ شریعت و منہاج کی
کر سکتے ہیں جس پر آج کل لوگ چل رہے ہیں۔ اسی مناسبت سے شریعت

کو بھی دین کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے ذریعے اپنی روحانی بھوک کو دور کرتے ہیں۔ شریعت کے احکام معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں سے بچ جاتے ہیں اور اپنی زندگی کو درست کر لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ہے مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا جس کی تاکید اللہ نے نوح علیہ السلام کو کی وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اور یہ وہی دین ہے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھی کی ہے۔ نیز فرمایا کہ یہی وہ دین ہے وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی جس کی تاکید ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کی۔ اس مقام پر اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمیت پانچ اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ کرتے فرمایا کہ ان سب کو یہی تاکید کی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کہ وہ دین کو قائم کریں۔

قرآن و سنت میں دین، ملت اور شریعت اصطلاحات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دین کا معنی جزا بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ الفاتحہ میں ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اللہ تعالیٰ جزا یعنی انصاف کے دن کا مالک ہے۔ دین کا معنی اطاعت بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ (الزمر ۲) آپ اللہ کی عبادت کریں۔ خالص اُسی کی اطاعت کرتے ہوئے۔ غرضیکہ دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وہ ضابطہ حیات ہے جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو پا سکتے ہیں اور اس کی نامرضیات سے بچ سکتے ہیں۔ اس ضابطہ کے اصول مستقل ہوتے ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ مثلاً توحید باری تعالیٰ، رسالت انبیاء، کتب سماویہ، وقوع قیامت، جنت، عمل وغیرہ ایسے اصول ہیں جن میں کسی بھی نبی کے زمانہ میں کوئی اختلاف نہیں رہا جبکہ یہ تمام امور میں مستقل طور پر نافذ العمل ہیں اور ان پر ایمان لانا ہر نبی کی امت کے لیے ضروری رہا ہے۔ یہی دین ہے جو اللہ نے ہر امت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

ملت سے مراد کلیات یعنی سونے کے اصول ہیں۔ اور یہ بھی تمام انبیاء کے

سے کیوں ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ وفات ہوئی ہے سے پہلے صاحبِ الدر المنثور
اور پھر حجت اللہ البالغہ میں ہے۔ اصول یعنی توحید، عبادت، نماز اور صوم و صیام تو ہر
نافرمانے میں، مگر صاحبوں نے بعد میں ان اصولوں کو بگاڑ دیا اور ہندو، یہودی اور عیسائی کے
شرک میں مبتلا ہو گئے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہر۔ اصول طہارت
اخباث (نجاستوں)، صلوٰۃ، صوم، حج، ان چیزوں سے بچنا اور عدل کسی بھی شریعت میں
بھی منسوخ نہیں ہوئے اور آج ہماری شریعت میں بھی ان کو مستقل حیثیت حاصل ہے
سورۃ الانبیاء میں اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا ہے۔ اِنَّ
هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (آیت ۹۲) تمہاری یہ امت یعنی ملت ایک
ہی ملت ہے جو سارے انبیاء میں قدر مشترک ہے۔ توحید دین اور ملت ہر دور میں
ایک ہی ہے۔ دین بنیادی عقائد ہیں اور ملت ہونے والے اصول۔

البتہ ان عقائد اور اصولوں کی جزئیات۔ تفریعات اور تفصیلات کو شریعت
کہا جاتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (آیت ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے
جدا جدا شریعت اور راستہ مقرر کر دیا ہے۔ دین اور ملت کے بنیادی امور میں
کسی شریعت نے تبدیلی نہیں کی۔ مثلاً پہلی امتوں میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا لیکن بعد
میں اس کو حرام قرار دے دیا گیا۔ بعض شریعتوں میں اونٹ کا دودھ اور گوشت جائز
نہیں تھا، مگر آخری امت میں یہ بالکل جائز ہے۔ بہرحال مختلف امتوں کی شریعتیں
یعنی فروعی اور جزوی مسائل مختلف رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اس طرح فرمائی ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ بَنُوْ عَلَّاتٍ دِيْنُنَا
وَاحِدٌ ہم انبیاء کا گروہ علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے مگر شریعتیں جدا جدا
ہیں۔ علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں مطلب یہ کہ
دین اور ملت تو تمام امتوں کی یکساں ہیں مگر ان کی شرائع الگ الگ ہیں۔

فرقہ بندی کی ممانعت

اللہ نے اپنے اولوالعزم انبیاء کو تاکیداً حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو اور تفرقہ

فقہ اور اس میں تفرقہ ڈالو۔ تفریق کا معنی یہ ہے کہ دین کے کسی حصہ کو مان لے اور کسی کو نہ مانے یا کسی نبی کی نبوت پر ایمان لائے اور کسی کا انکار کر دے۔ فقہ سامنے ہے پھر ایمان لانا ضروری ہے اگر کسی شخص نے دین کا انکار تو نہیں کیا مگر اس نے غلط تاویل غلط کر دی ہے۔ تو یہ بھی تفرقہ ہی کہا جائے گا۔ مطلب یہ کہ دین پر بات کرنا یا اپنا ناپختہ گمراہ خیال پیش کر دینا ہی عمل نہیں ہوگا بلکہ تفرقہ ہوگا۔ ایسے ہی تفرقوں سے گمراہ فرقے پیدا ہوتے ہیں جو امت کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطن (البقرۃ - ۲۰۸) دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص بعض احکام کو مانتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے وہ شیطان کے نقش قدم پر چل کر تفرقہ ڈالنے کا مرتکب ہوتا ہے اور اسی چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اختلاف محمود

البتہ ایک قسم کا اختلاف اچھا بھی ہے۔ ایسا اختلاف امور اجتہادیہ میں ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا تعلق قرآن و سنت کے ساتھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کی تشریح خود نہیں کی بلکہ یہ کام اپنے نبی کے سپرد کیا ہے اور بعض معاملات کی تشریح نبی کے سپرد کی گئی ہے جیسے ارشاد ہے۔ جبکہ یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے صاحب امر لوگوں کی طرف لوٹاتے لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم (النساء - ۸۳) تو وہ ضرور اس میں سے نکال کر پیش کر دیتے۔ صاحب امر سے مراد حکمران تو ہیں ہی اور امت کے علماء اور فقہاء بھی۔ لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہو یا کسی نئی دریافت کو مطلوب ہو تو اسے علماء اور فقہاء کے سامنے پیش کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنی علمی تحقیق و تجسس کی روشنی میں اس کا حل پیش کر سکیں۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ ظاہر

ہے کہ جب کوئی معاملہ انسانی عقل و فہم سے حل کیا جائے گا تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہوگی۔ لہٰذا ایسا اختلاف ذمہ میں نہیں جلد گمراہ ہوگا۔

ہدایت کا راستہ

آگے ارشاد ہوتا ہے کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ وہ چیز مشرکوں پر بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دیتے ہیں۔ آپ ان کو ایمان اور توحید کی طرف بلاتے ہیں اور یہی بات ان پر گراں گزرتی ہے وہ اپنے باطل معبودوں کی عبادت کرنے، ان کے حضور سجدہ ریز ہونے، ان کو نذر و نیاز پیش کرنے سے باز آنے والے نہیں اور نہ ہی وہ شرک و رسوم سے تائب ہونا چاہتے ہیں اسی لیے ان کو توحید کی بات ناگوار گزرتی ہے۔ فرمایا ہدایت اور گمراہی کا ایک فیصلہ ہے اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا اپنی طرف جس کو چاہتا ہے وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ اور اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اس شخص کی جو رجوع رکھتا ہے طلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ اسی کے لیے واضح کرتا ہے جس میں ہدایت حاصل کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ سورۃ العنکبوت میں بھی فرمان باری تعالیٰ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (آیت ۶۹) جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنا چاہتے ہیں ہم ان کے لیے اپنا راستہ واضح کر دیتے ہیں اور وہ اس راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ جو شخص برائی کو ترک کر کے حق کا طالب بن جائے اس کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے اور صحیح راستہ بھی مل جاتا ہے۔

فرقہ بندی کی وجہ

فرمایا وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ان گمراہ فرقوں نے نہیں تفرقہ کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا۔ اپنے درمیان سرکشی کرتے ہوئے۔ اہل کتاب کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں، انبیاء علیہم السلام نے ہدایت کو واضح کیا مگر انہوں نے خود غرضی، ضد، عناد اور آپس کی سرکشی کی بنا پر دین کے اصولوں میں اختلاف کیا۔ کسی نے کسی چیز کا بالکل انکار کر دیا اور کسی نے غلط معنی پہنا دیا۔ اور اس طرح

رد مختلف فیہا ہیں تغیر ہوتے۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلَىٰ
جَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے
کیے ہوئے بات نہ ہوتی تو ایک مقررہ وقت تک ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا
اور اسی بات کا یہ ہے کہ ہر چیز کا قطعی اور آخری فیصلہ قیامت والے دن ہوگا کیونکہ
ہر چیز کا قطعی فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے اللہ نے قیامت کا وقت مقرر
کر رکھا ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں مشرکوں اور سرکشی کرنے والوں
کو اسی دنیا میں فوراً سزا دے دیتا۔ مخالفین کا قانون یہ ہے وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ
مُّرِيبٍ (الشوریٰ ۱۴) وہ ایسا تذبذب دینے والا شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا مصداق اہل کتاب
ہیں جو پہلے طریقے پر ایمان نہیں لائے اور بعض چیزوں میں شک کرتے ہیں۔
اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب اہل کتاب کے پاس اللہ کی آخری کتاب
قرآن حکیم آیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کرنے کی بجائے اس کے خلاف پروپیگنڈا
شروع کر دیا۔ اس کی تعلیمات کو غلط بتانے لگے اور اس کو وحی الٰہی تسلیم کرنے سے
انکار کر دیا۔ انہوں نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی دروغ گوئی
سے کام لیا جس کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے۔ بہرحال فرمایا کہ جن لوگوں کو
بعد میں کتاب دی گئی وہ بھی شک و تردد میں پڑ گئے اور اس پر صحیح طریقے سے
ایمان نہ لائے۔

اہل کتاب کا تردد

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ
وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۚ
اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

تو جس دین پر (اسی لیے) آپ دعوت دیں، اور مستقیم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی۔ اور آپ کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے نازل کی ہے کتاب سے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ ہی ہے ہمارا پروردگار اور تمہارا بھی۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے۔ کوئی جھگڑا نہیں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۵﴾

ربط آیات گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بیان کیا کہ نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے۔ جو دین اللہ نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا وہی دین حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو بھی عطا فرمایا اور تمام انبیاء کو حکم دیا کہ دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ کوئی شخص دین کا ایک حصہ مان لے اور کوئی نہ مانے، یا دین کے بعض حصے کو مان لیا جائے

[illegible] فرمایا جو دعوت آپ نے کی آپ ہی جیسے لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ پھر اللہ نے مختلف پیغمبر بھیجنے والوں کی مذمت میں فرمایا کہ انہوں نے بات کے آجانے کے بعد محض سرکشی اور خودغرضی اور عناد کی بنا پر تفرقہ ڈالا۔ وگرنہ حق واضح ہو جانے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ فرمایا اگر اللہ کے ہاں یہ طے شدہ نہ ہوتا کہ وہ سرکشوں کو دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے اور قیامت کے دن ہی فیصلہ کرے گا، تو وہ ان سرکشوں کی فوری گرفت کر لیتا۔ فرمایا ہے تا ان کو وراثت دیتا۔

اب آگے ان آیات کی تشریح آ رہی ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بنیادی اصول بیان کر دیے ہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی کی تشریح جاتی آیت سے کی جا چکی ہے۔ جو آیات کتاب نے عناد کی وجہ سے دین میں اختلاف پیدا کر کے ذکر کیے گئے ہیں۔ چونکہ اہل کتاب نے عناد کی وجہ سے دین میں اختلاف پیدا کر رکھا تھا۔ اس لیے فرمایا فَلِذٰلِكَ فَادْعُ اسی وجہ سے آپ دعوت دیں۔ اس کا اشارہ اہل کتاب کے عناد اور عناد کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو دین اور توحید کی دعوت بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ان کو بھی استقامت کے ساتھ دعوت الی الدین دیں۔ ان انبیاء کوئی نئی بات نہیں کہتے۔ اس ذٰلِكَ کا اشارہ خود دین اور توحید کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اسی دین کی طرف دعوت دیں جس کی طرف پہلے انبیاء کرام دعوت دیتے آئے ہیں، اور جس دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے چنانچہ اس آیت میں بیان کردہ پہلا اصول دعوت الی الدین ہے۔

دعوت الی الدین

پہلی بات تو یہ تھی کہ آپ دین کی طرف دعوت دیں، اور دوسری بات فَاسْتَقِمْ دعا اور امر ہے اور مستقیم ہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ استقامت سے مراد یہ ہے کہ انسان صحیح دین، عقیدہ توحید اور ایمان پر قائم رہے اور کسی خود غرضی لالچ یا خوف کی وجہ سے اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ استقامت علی الدین بہت بڑی حقیقت کا نام ہے۔ گذشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

استقامت علی الدین

اِسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آیت ۳۰) جنکے پاس وہ فرشتے آتے ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ استقامت علی الدین کا حکم اللہ نے سورۃ ہود میں اپنے پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کو دیا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا (آیت ۱۱۲) آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور حد سے تجاوز نہ کریں۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں استقامت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا اور یہ بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ استقامت کا مطلب یہی ہے کہ ایمان اور توحید کے عقیدے پر پختگی سے کاربند رہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی مداہنت یا کمزوری نہ آنے دیں لوگوں کی طعن و تشنیع کو برداشت کریں۔ لوگوں کی مخالفت اور تکالیف برداشت کریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ قرب قیامت میں ایک ایسا دور بھی آئے گا دین پر ثابت قدم رہنا اس قدر مشکل ہو جائے گا جیسے جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑ لینا۔ لوگ کفر، شرک، بدعات اور معاصی میں مبتلا ہو چکے ہوں گے۔ اس قسم کے ماحول میں ایمان اور توحید پر قائم رہنا بڑا مشکل کام ہوگا۔

(۳) خواہشات کے اتباع سے اجتناب

اللہ تعالیٰ نے دین کا تیسرا اصول یہ بتایا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ آپ ان مخالفین کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ مخالفین ہر قسم کی کوشش اختیار کریں گے آپ کو آپ کے دین سے برگشتہ کرنے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے، مگر اللہ نے خبردار کر دیا کہ آپ اپنے دین اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں اور ان کی خواہش کی پیروی سے ہرگز نہ کریں۔ خواہش کی پیروی کرنا دراصل شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں جہاں اہل کتاب کا تحویل قبلہ کے متعلق ذکر ہے۔ وہاں اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (آیت - ۱۴۵) اگر آپ نے اُن کی خواہشات
کی پیروی کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو آپ ناانصافوں میں
سے ہو جائیں گے۔ چنانچہ مکہ نے حضور علیہ السلام کو استقامت علی الدین سے
باز رکھنے کے لیے طرح طرح کے لالچ دیے۔ اگر آپ اُن کے معاملہ کے
خلاف کوئی بات نہ کریں۔ ولید بڑا امیر کبیر آدمی تھا، دس بیٹے تھے جن میں سے
صرف چار کو اللہ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ بیشمار بھیڑ بکریاں اور اونٹ
تھے، بہت سے غلام تھے کہ ازکار ایک لاکھ دینار تجارت میں گردش کرتے
تھے۔ وہ کہنے لگا کہ اگر آپ میری بات مان جائیں تو میں اپنی آدھی جائیداد آپ کو
دینے کے لیے تیار ہوں۔ عتبہ نے پیش کش کی کہ میں اپنی حسین و جمیل بیٹی سے نکاح
کیے دیتا ہوں، آپ ہمارے معبود کے خلاف اتنی سختی سے مخالفانہ روش نہ کریں
غرضیکہ مشرکین نے لالچ اور رعب ہر طرح کے حربے آزمائے مگر کسی طرح آپ
اُن کی بات مان لیں مگر اللہ نے فرمایا کہ آپ ان کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔

(۴) کتب سماویہ پر ایمان

ارشاد ہوا وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ اے پیغمبر!
آپ کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اُس چیز پر جو اللہ نے کتاب کی صورت میں نازل
فرمائی ہے تمام کتب سماویہ پر ایمان لانا بھی ایمان کا لازمی جزو ہے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام
کو حکم دیا کہ آپ اعلان کر دیں کہ میں وحی الٰہی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے خلاف
تمہاری باتوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار مستقل کتابیں
زبور، توراۃ، انجیل اور قرآن نازل فرمائیں اور ان کے علاوہ مختلف انبیاء پر ایک
سو چھوٹے چھوٹے صحائف بھی نازل فرمائے۔ ان میں سے ۲۹ صحائف موجودہ بائبل
میں بھی پائے جاتے ہیں، تاہم قرآن کے علاوہ تمام کتب و صحائف میں تحریف ہو
چکی ہے۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم ہے جو کہ تمام کتب سماویہ کا جامع اور تحریف
سے پاک ہے۔ اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کتب کا نگران بنایا مگر وہ قرآن کی حفاظت

ذکر کئے۔ اس کے بعد تمہارے پاس آخری کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر - ۹) ہم نے قرآن
کو بھیجنے نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی تاقیامت حفاظت کریں گے۔ بہرحال چوتھا اصول
دین تمام کتب سماویہ پر ایمان لانا ہے۔

۵۔ قیام عدل

اللہ نے فرمایا کہ اے نبی (علیہ السلام)! آپ یہ بھی کہہ دیں وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَیْنَکُمْ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ عدل و انصاف
بہت بڑی حقیقت ہے اور قرآن پاک میں جابجا اس کو قائم کرنے کی تلقین کی گئی
ہے جیسے سورۃ المائدہ میں ہے اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (آیت ۸)
انصاف کرو کیونکہ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ سورۃ الانعام
میں ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (آیت ۱۵۲)
جب بات کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ اگرچہ کوئی فریق تمہارا قرابت دار
ہی کیوں نہ ہو۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ
النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (آیت - ۵۸) جب تم لوگوں کے درمیان
فیصلہ کرنے یا کوئی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ سورۃ النحل
میں ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (آیت - ۹۰) اللہ تعالیٰ
تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ اس کا دامن کسی وقت نہ چھوڑو۔ سورۃ الحجرات
میں جہاں اللہ نے دو مومن گروہوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہو جانے کا ذکر کیا ہے
وہیں فرمایا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ
الْمُقْسِطِیْنَ (آیت - ۹) ان دو گروہوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ۔
اور انصاف کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عدل اُن چار بنیادی اصولوں میں سے
ایک ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں قائم رہے ہیں اور یہ اصول کسی
امت سے بھی ساقط نہیں ہوئے۔ یہ بھی (۱) اظہارت (۲) اثبات یعنی عالم کی

(۲) سماحت یعنی بحث کی چیزوں سے بچنا اور (۳) عدل۔ جب کسی انسان میں عدل
کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر تمام حکومت کا چلانا آسان ہو جاتا ہے۔ عدل سے آپس
اور ملک سے باہمی پیار بڑھتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس قوم کے دل میں
عدل کی صفت پختہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کے اور ملک اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ کے درمیان
مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ عدل کرنا اور عدل کو قائم کرنا بہت ہی مشکل
ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے واعط کل ذی حق حقہ ہر حقدار
کو اس کا حق ادا کرو کہ انصاف کا یہی تقاضا ہے مگر آج دنیا میں سب سے زیادہ
ناپید چیز انصاف ہی ہے جو کہیں نہیں ملتا۔ چھوٹی عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ اور پریوی کونسل
کی عدالتیں موجود ہیں مگر عدل نہیں ملتا۔ پولیس کے محکمہ کی وسیع تنظیم ہے مگر ان کو ایسی تنخواہ اور
مراعات سے غرض ہے۔ انصاف کی بجا آوری کا سوال ختم ہو چکا ہے۔ ان گنت تعداد
میں جیلیں موجود ہیں مگر مجرموں کی تعداد میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اصل بات
یہ ہے کہ عدل کا فقدان ہے اور جب تک اس کا قیام نہیں ہوتا دنیا میں امن قائم
نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے لیے تین چیزیں نجات دہندہ اور تین
چیزیں ہلاکت خیز ہیں۔ نجات دہندہ تین چیزیں یہ ہیں (۱) العدل فی الرضا
والغضب خوشی اور غصے کی حالت میں عدل کو ملحوظ رکھنا۔
(۲) القصد فی الغنی والفقر۔ امیری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔
(۳) خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ ظاہر و باطن میں خوف خدا کو
پیش نظر رکھنا۔
ہلاکت خیز چیزیں یہ ہیں۔
(۱) متابعۃ ہوی کسی کی اطاعت کرنا یعنی مال کی موجودگی میں اپنی ذات بالکل

اور محتاجوں پر خرچ نہ کرنا۔

(۴) هَوًى مُتَّبَعًا شریعت کی بجائے خواہش کے پیچھے چلنا جس پر شیطان راضی ہوتا ہے

(۵) اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ آدمی کا اپنی تئیں کچھ سمجھنا چاہے وہ حق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کو قائم کروں۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

فرمایا دین کا پہلا اصول یہ ہے اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اے میرے آپ اعلان فرما دیں کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے۔ تمام تصرفات اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق بھی وہ، مالک بھی وہ ہے۔ وہی ہر چیز کا مربی ہے۔ لہٰذا عبادت بھی اُسی کی کرنی چاہیئے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (البقرۃ۔ ۱۶۳) تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی کارساز نہیں بنا سکتا۔ غرضیکہ ہمارا اور تمہارا پروردگار تو وہی ہے۔ پھر تم کفر اور شرک والی باتیں کیوں کرتے ہو؟ جب اس کو رب تسلیم کر لیا ہے تو پھر اُسی پر بھروسہ رکھو! اور اپنے تمام معاملات اور حاجات اُسی کے سامنے پیش کرو۔

(۷) اعمال کے متعلق

فرمایا تیسری بات ہے لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ ہر شخص جو بھی نیک یا بد اعمال انجام دیگا، ان کا ذمہ دار وہ خود ہے اور اُسے اُن اعمال کی جزا یا سزا بھگتنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر۔ ۳۸) ہر نفس اپنی کمائی کا گروی شدہ ہے۔ اُس نے اس دنیا میں جو کچھ بھی اچھا یا بُرا کیا اس کا بدلہ اس کو مل کر رہے گا۔ کوئی شخص ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نہ ہی ایک کے اعمال دوسرے کے کام آئیں گے۔ کسی کی نیکی دوسرے کے کام نہیں آئے گی اور نہ ہی ایک کی برائی دوسرے کے سر پر ڈالی جائے گی۔ اس لیے فرمایا کہ یاد رکھو! ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے

اعمال کا حساب لے لیے۔

(۱۹) عدم تکلم

فرمایا آخری بات یہ ہے لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی قضیہ عداوت نہیں ہے۔ ہم اللہ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرتے ہیں۔ رب ہمارا بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔ ہر ایک کے لیے اس کے اپنے اعمال ہی کام آئیں گے۔ تو پھر تمہارے اور ہمارے درمیان جھگڑے والی کون سی بات رہ جاتی ہے؟ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

(۲۰) قیامت کے اجتماع عام

فرمایا اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کا کٹہرے میں جمع کرے گا۔ اس دن کسی کے ساتھ رو رعایت نہیں ہوگی۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (البقرۃ - ۱۴۸) تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئیگا۔ لوگ خواہ قبروں میں ہوں گے یا سمندروں کی مچھلیوں کے پیٹ میں ان کے ذرات ہوا میں منتشر ہو چکے ہوں گے یا پانی میں بہا دیے گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کو جمع کر کے اپنے سامنے زندہ کھڑا کر لے گا۔ پھر حساب کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔

(۲۱) رجوع الی اللہ

دنیا کا اصول یہ ہے وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے کوئی شخص کتنی ہی لمبی زندگی پائے مگر بالآخر اسے موت کا پیالہ پینا ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ اس میں فرمانبردار اور نافرمان یا کوئی اور شرک و کفر کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔ اللہ نے یہ اٹل اصول بنا دیے ہیں جن کا انکار کوئی ہٹ دھرم شخص ہی کر سکتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُحَآجُّونَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ
لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ
اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾
اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے بارے میں
بعد اس کے کہ اس بات کو قبول کیا گیا، ان کی دلیل
کمزور ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر غضب ہے،
اور ان کے لیے شدید عذاب ہے (۱۶) اللہ تعالیٰ وہی ہے
جس نے اتاری ہے کتاب حق کے ساتھ، اور ترازو بھی۔
اور آپ کو کیا خبر شاید کہ قیامت قریب ہو (۱۷) جلدی
کرتے ہیں اس کے بارے میں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے
اس پر، اور وہ جو ایمان لاتے ہیں ڈرتے رہتے ہیں اس
سے، اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ برحق ہے، آگاہ رہو!

بیشک جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں قیامت کے بارے میں بالکل
دور گمراہی میں جا پڑے ہیں (۱۸) اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اپنے
والا ہے اپنے بندوں کے ساتھ وہ روزی دیتا ہے جس
کو چاہے، اور وہ قوت والا اور غالب ہے (۱۹)

ربط آیات

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل اور
حاصل ہونے کتاب کا ذکر فرمایا اور اپنے پیغمبر کی زبان سے کفار کی
ایمان
اور جہاں گذشتہ آیت میں اللہ نے دین کے دو اصول بیان فرمائے ہیں یعنی دعوت
الی الدین، استقامت علی الدین، خواہشات کا عدم اتباع، کتب سماویہ پر ایمان، قیام
عدل، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اعمال کا بدلہ، قیامت کا اجتماع اور رجوع الی اللہ
عدم منازعت۔ اب ان آیات میں بھی کتاب الٰہی اور قیامت کا ذکر ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان کی گئی ہیں۔

دین کے
خلاف
کوشش

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ
اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین، توحید یا کتاب کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں،
بعد اس کے کہ اللہ کی بات کو قبول کر لیا گیا ہے یعنی بعض لوگوں پر دلائل
واضح ہو چکے ہیں اور وہ اللہ کی توحید اور اس کی کتاب پر ایمان لا چکے ہیں، اس کے باوجود
بعض لوگ مخالفانہ کوشش کرتے ہیں اور ثابت باتوں سے کترا رہے ہیں۔ اللہ کے دین کے
حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک
کمزور ہے۔ داحضۃ کا لغوی معنی پھسلنا ہوتا ہے جیسے اس شخص کا پاؤں
میں پھسل جاتا ہے مطلب یہ کہ ان کا جھگڑا اور دلیل پھسلنے والی یعنی بالکل کمزور
ہے۔ ان کے پاس کوئی پختہ دلیل نہیں ہے جو ان کے باطل اعتقاد کے حق میں
پیش کی جا سکے۔ فرمایا جو یہ لوگ جھگڑے پیدا کر چکے ہیں وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
اور ان پر اللہ کا غضب اور ناراضگی ہے کیونکہ یہ حق کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ اور جس شخص پر
کی ناراضگی حق کو قبول نہیں کرتے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ اور ان کے لیے

سخت عذاب ہے۔ اس عذاب سے مستحقین میں مشرک اور اہل کتاب دونوں شامل ہیں کیونکہ دونوں اپنی کٹ حجتی سے دین حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

نزول کتاب اور میزان

اللہ نے کتاب کے متعلق فرمایا اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اس کتاب کا ہر پرو گرام حق و صداقت پر مبنی ہے اور اس میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ حٰمٓ السجدۃ ۴۲) خدا کی کتاب اور اس کے نزول کے بیان میں کوئی غلط بات ہے اور نہ آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ اللہ نے اس کتاب کو مکمل حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ درست چیز وَالْمِیْزَانَ یعنی میزان کو بھی نازل کیا ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ میزان سے مراد عام ترازو بھی ہو سکتا ہے کہ جس کے ذریعہ ناپ تول میں انصاف قائم کیا جاتا ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ یہ کہ ترازو میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف کے ساتھ درست کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔ اسی طرح سورۃ المطففین میں ناپ اور تول میں کمی کی مذمت بیان کی گئی ہے وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ۔ گویا ایک میزان تو وہ ہے جس کے ذریعے تولا یا ناپا جاتا ہے اور جس کے متعلق فرمایا کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

ایک موقع پر حضور علیہ السلام بازار تشریف لے گئے۔ آپ نے تاجروں کو مخاطب فرمایا۔ اے تجار کے گروہ! قَدْ وُلِّیْتُمْ اَمْرَیْنِ هَلَكَتْ فِیْهِ الْاُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ (ترمذی شریف) تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے جن کی وجہ سے تم سے پہلے کئی امتیں تباہ ہوئیں۔ فرمایا وہ دو چیزیں المکیال

وَالْمِيْزَانَ ایک باپ ہے اور دوسری مثل جب اُن قوموں نے اپنے رسول
میں کمی کی تو اللہ نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ اگر تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلو گے، تو
تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔ بہرحال ترازو سے یہ مادّی اشیاء
گندم، جَو، کھوگرام، من، سیر، لیٹر وغیرہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور اس سے عقل سلیم
بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے لوگ اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کر سکتے
ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے مراد اخلاق ہے کہ اچھا اخلاق بھی ترازو کی
مانند ہوتا ہے، جو ہر چیز کو پرکھ سکتا ہے۔ اسی طرح بعض اصحاب میزان سے
مراد عدل لیتے ہیں۔ اللہ نے انصاف کرنے کی ایک میزان قرار دیا ہے اور اسے
گزشتہ آیت میں مذکور دین کے دس اصولوں میں شمار کیا ہے وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ
بَيْنَكُمْ (آیت ۱۵) اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل کو قائم
کروں۔ غرضیکہ بعثتِ انبیاء، نزولِ کتب، ظاہری اور باطنی حواس کی درستگی،
عقلِ سلیم اور عدل و انصاف سب انسانی ارتقاء کے لیے وسائل ہیں۔ یہ تمام
ذرائع مہیا ہونے کے باوجود اگر لوگ توحید، کتاب اور رسالت کا انکار کرتے
ہیں تو تعجب انگیز بات ہے

وقوعِ قیامت کا علم

منکرین قیامت تمسخر کے طور پر قیامت کے بارہ میں پوچھتے تھے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الملک - ۲۶) اگر تمہیں یقین ہے کہ قیامت ضرور برپا
ہوگی تو بتلاؤ کہ وہ کب واقع ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ تمہیں کیا خبر شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ جو چیز آنے
والی ہے وہ بہرحال قریب ہے کیونکہ اس نے بالآخر آنا ہے اور جو چیز گزر جاتی ہے
وہ بعید ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ
فرماتے ہیں کہ قیامت کی دو قسمیں ہیں یعنی قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ۔ بڑی
قیامت تو اپنے وقت پر اجتماعی طور پر سب کے لیے آئے گی اور اس کے وقوع
کے وقت کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ البتہ قیامتِ صغریٰ انسان کے ہر وقت

قریب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مر گیا اُس کی قیامت واقع ہو گئی کیونکہ قبر عقبیٰ کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جس میں انسان موت کے ذریعہ پہنچ جاتا ہے۔ چونکہ انسان کو اپنی موت کے وقت کا علم نہیں، اس لیے یہ قیامت صغریٰ تو ہر حال میں ہی قریب ہے۔

فرمایا یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا۔ قیامت کے لیے وہی لوگ جلدی کرتے ہیں جو اس پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے بے فکر ہیں، کھیل تماشے اور معاصی میں انہماک رکھتے ہیں، اس لیے اور زیادہ آسودہ ہو سکتے ہیں کہ قیامت اگر آنی ہے تو پھر آکیوں نہیں جاتی۔ اگر قیامت واقعی ہونے والی ہے تو ابھی قیامت کو لے آؤ اور ہمیں تباہ کر کے رکھ دو۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے وہی اس کی جلد آمد کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْهَا مُشْفِقُوْنَ۔ جو لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے بھی ہیں۔ انہیں ہر وقت فکر رہتی ہے کہ پتہ نہیں آگے کیا صورت حال پیش آئے گی۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو قیامت کے وقوع کا خوف ہوگا، وہ اس کے لیے تیاری بھی کرے گا۔ اور آگے کے لیے توشہ کا کچھ سامان مہیا کرے گا۔ نیز لغو، شرک اور معاصی سے پرہیز کرے گا۔ کیونکہ اسے ناسبہ اعمال کی منزل نظر آئے گی۔ ایسے ہی ایمان والوں کے متعلق فرمایا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ وہ جانتے ہیں کہ قیامت برحق ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ اہل ایمان کو قیامت کا اتنا ہی یقین ہوتا ہے جتنا خود اپنے وجود کا۔ جس طرح کوئی شخص اپنے وجود اور اپنی ذات کا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ قیامت کی صداقت کا بھی انکار نہیں کر سکتا۔

اللہ کا فرمان ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ (المرسلٰت)۔ جس قیامت کا تمہیں وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اُس دن ہر انسان کو

اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا ہوگا۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی اس کے وقوع میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں وہ حق سے دور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

اگلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور لطف کا ذکر فرمایا ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ یہ اس کی نرمی کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر گنہگار کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ اسے توبہ کا موقع دیتا رہتا ہے۔ اس کا لطف اور نرمی کا ذکر حدیث میں آتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰی کَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔ اللہ کی جو نعمت ہے کہ وہ انکار کرنے والوں پر بھی نعمتیں اور رزق کی فراوانی کرتا ہے۔

لطیف کا معنی نرمی کرنے والا بھی آتا ہے اور باریک بین بھی یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرہ ذرہ حالات سے واقف ہے۔ وہ خالق اور مالک ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک ۱۴) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا؟ وہ تو بڑا ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور جس قدر چاہے بعض اوقات نافرمانوں کو بہت زیادہ عطا کرتا ہے۔ جب کہ ایمان اور نیکی والوں کو تنگی میں رکھتا ہے بعض اوقات نیکوکاروں کو بھی رزق سے وافر عطا کرتا ہے۔ رزق کی تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ وہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ اس کی قوت اور غلبہ کے سامنے کسی کی کوئی پیش نہیں چلتی۔

سکتا، نہ کوئی اس کی کسی تدبیر کو ناکام بنا سکتا ہے۔ اس کی تدبیر تمام تدابیر پر غالب ہے۔ صاحب معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص اس آیت کا اخلاص کے ساتھ روزانہ ستر بار ورد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے روزی کا سامان بہم پہنچائے گا۔

---

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ
وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾ اَمْ لَهُمْ
شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ
بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى
الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ
بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ
رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ
يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي
الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا
حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: جو شخص چاہتا ہے آخرت کی کھیتی ہم زیادہ کر دیں
گے اس کے لیے اس کی کھیتی میں۔ اور جو شخص دنیا کی کھیتی

چاہتا ہے، جو دیں گے اُس کو اُس میں سے، اور نہیں ہو
کو اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ ﴿۲۰﴾ کیا ان کے لیے
کوئی شریک ہیں جنہوں نے مقرر کی ہے ان کے لیے
دین میں وہ چیز جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔ اور
اگر نہ ہوتی فیصلے کی ایک بات تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ
کر دیا جاتا۔ اور بیشک ظلم کرنے والے لوگوں کے لیے
دردناک عذاب ہے ﴿۲۱﴾ دیکھیں گے تو ظالموں کو ڈرتے
ہوئے جو کمایا انہوں نے، اور وہ اُن
پر واقع ہونے والا ہوگا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے
اور جنہوں نے اچھے کام کیے، وہ جنت کے باغوں میں
ہوں گے۔ اُن کے لیے جو چاہیں گے ہوگا ان کے
رب کے پاس۔ یہ ہے فضیلت بڑی ﴿۲۲﴾ یہ ہے
وہ چیز جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو
جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ آپ
کہہ دیجیے (اے پیغمبر!) اپنے لوگوں سے نہیں مانگتا میں تم سے اس
پر کچھ بدلہ مگر دوستی قرابت میں۔ اور جو شخص کمائے گا
اچھائی ہم زیادہ کریں گے اُس کے اندر اُس کی خوبی۔
بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور قدردان
ہے ﴿۲۳﴾

ربط آیات: پہلے قرآن پاک پر ایمان لانے کا ذکر ہوا اور اس کتاب کی حقانیت کو بیان کیا
پھر گذشتہ دور میں قیامت اور محاسبے کا ذکر تھا اللہ نے منکرین قیامت کا رد
فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس کی حکمت بالغہ
ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے روزی پہنچاتا ہے۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ اور خالق ہے

آخرت دنیا کی کھیتی

آج کی پہلی آیت میں دنیا و آخرت اور جزائے عمل ہی کا بیان ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ
ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا
ہے نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ تو اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں
گے۔ کھیتی سے مراد کاشتکاری ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جس میں انسان سخت
محنت کرتا ہے تو پھر کچھ عرصے کے بعد جا کر اس کو اس کی محنت کا پھل اچھی یا بری
یا اچھائی کی صورت میں ملتا ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی کو بھی کھیتی سے تشبیہ دی
گئی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم
کرنے کے بعد عبادت و ریاضت کے ذریعے محنت کرتا ہے، وہ گویا ایسی
کھیتی پر کام کر رہا ہے جس کا پھل اسے مرنے کے بعد آخرت میں جا کر ملے گا۔
جو بھی اس دنیا میں آتا ہے وہ اپنا وقت تو بہرحال پورا کرتا ہے اور دو ان زندگی
محنت بھی کرتا ہے مگر ان میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ
ہے جو آخرت کے لیے محنت کرتا ہے کہ اس محنت کا بدلہ اسے دوسری
دنیا میں جا کر ملے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا
ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں یعنی اس کھیتی کے پھل میں اضافہ کر دیتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے کہ نیکی کرنے والے شخص کو جزا کا بدلہ کم
از کم دس گنا ملتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام ۱۶۰)
مگر زیادہ سے زیادہ اجر کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو لاکھوں کروڑوں
گنا بدلہ عطا فرمائے۔

آگے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
جو شخص دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے اور آخرت کے لیے اس کے دل میں تڑپ
ہی نہیں ہے۔ فرمایا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ہم اس کو اس دنیا میں ہی سے دیتے ہیں
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ مگر آخرت میں اس کے لیے
کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ نے سورۃ النجم میں بھی لوگوں کی دو حیثیت کا تذکرہ کیا

طرح کیا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (آیت ۳۰) اُن کے علم کی انتہا دنیا کے منافع تک ہی ہے۔ وہ اسی دنیا میں سے زیادہ سے زیادہ سازوسامان اور آرام و راحت کے طلبگار ہیں اور آخرت کی فکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں اسی دُنیا میں حصہ مل جائے گا۔

اس مقام پر یہ امر وضاحت طلب ہے کہ اللہ نے آخرت کے خواہشمند کے لیے فرمایا ہے کہ ہم اُس کی محنت کی کمائی میں مزید اضافہ کریں گے اور اُسے بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے، مگر دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے یعنی ضروری نہیں کہ اُس کی خواہش مکمل طور پر پوری ہو بلکہ ہم اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کچھ نہ کچھ عطا کر دیں گے۔ مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا وَجَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ (بنی اسرآئیل ۱۸) پھر ہم نے اُس کے لیے جہنم بھی تیار کر رکھی ہے۔ کیونکہ اُس نے نیت اور ارادے سے آخرت کی طلب ہی نہیں کی اور ہمیشہ اسی دُنیا کو پیش نظر رکھا اور اسی کے لیے تگ و دو کرتا رہا۔

شرکاء کا علیحدہ دین

آیت ۱۳ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا گیا ہے جو صالح انبیاء کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ نیز اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ بھی کہلوایا ہے اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (آیت ۱۵) میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لا چکا ہوں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اللہ نے تمام انسانوں کے لیے ایک ہی دین مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کے منکرین سے متعلق یہ سوال اٹھایا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ کیا ان لوگوں کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے کوئی ایسا دین مقرر کر رکھا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، گویا انہوں نے اپنا کوئی علیحدہ ہی دین بنا رکھا ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ کہتا ہے هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (النمل ۶۴) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی

دلیل پیش کرو۔ نیز بتاؤ کہ انھوں نے حلال و حرام کا کون سا ضابطہ مقرر کیا ہے۔ کن عبادات ضروری قرار دی گئی ہیں اور معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی حدود و قیود کیا مقرر کی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں نے نہ تو کوئی ضابطہ دین بنایا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ البتہ مشرکین کی تمام تر کوشش حق اور شریعت کے سراسر خلاف ہیں۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا (الاعراف ۳۳) جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں جہاں شرک کا ابطال ہے وہاں بدعت کا رد بھی پایا جاتا ہے۔ تمام بدعات لوگوں نے خود گھڑ رکھی ہیں اور انھیں اللہ نے ہرگز مقرر نہیں فرمایا۔ بدعت کا ثبوت نہ تو قرآن میں ہے نہ سنت رسول میں، نہ عمل صحابہ میں اور نہ مجتہدین و فقہاء کے قیاس میں۔ موت کی تمام رسومات از قسم قل، چالیسواں، سالانہ عرس، قبروں کی پختگی، ان پر چراغاں اور چادر پوشی سب خود ساختہ بدعات ہیں اور یہ بھی شرک کی طرح دین کے خلاف ایک بغاوت کا درجہ رکھتی ہیں۔

ان کے لیے

شرکین کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اگر پہلے سے ایک فیصلہ شدہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان فوری طور پر فیصلہ کر دیا جاتا یعنی اللہ کے باغیوں کو اسی دنیا میں مبتلائے عذاب کر دیا جاتا۔ اور وہ طے شدہ امر یہ ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (السجدۃ ۲۵) کہ جن امور میں یہ اختلاف کرتے ہیں ان کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا قانون امہال و ڈھیل کا رہا ہے وہ سرکشوں کو مہلت دیتا ہے۔ شاید کہ وہ توبہ قبول کر لیں اور پھر اس نے قطعی فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے اسی دن سارے حتمی فیصلے ہوں گے اس لیے فرمایا کہ اگر ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان لوگوں کا فوری فیصلہ کر دیا

جاتا ہے اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور بیشک ظالم یعنی کفر شرک کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرمایا تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا اور آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنی کمائی سے ڈرنے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ لوگ میدان حشر میں پہنچیں گے تو دنیا میں کردہ اعمال ان کے سامنے ہوں گے۔ ان کا کفر، شرک، سرکشی، معاصی وغیرہ سب نظر آئیں گے اور یہ جان لیں گے کہ آج پکڑے جائیں گے۔ اعمال کی بدولت پھنس گئے۔ اس وقت وہ بڑے خوفزدہ ہوں گے۔ اور حقیقت یہ ہے وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ کہ ان کی کارکردگی وبال ان پر پڑنے والا ہوگا۔ وہ اس دن بچ نہیں سکیں گے۔

اہل ایمان کے لیے انعامات

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے نیک اعمال انجام دیئے۔ ایمان سے مراد اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، آخرت، بعث بعد الموت اور تقدیر پر ایمان لانا ہے اور ہر قسم کے غلط عقیدہ شرک سے بیزاری کا اظہار بھی ہے۔ ایمان کی مثال میں نے ابھی عرض کی ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ آپ کہہ دیں کہ میں اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا کیونکہ یہ برحق ہے اسی طرح باقی تمام چیزوں پر یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے۔ اسی طرح کفر و شرک سے بیزاری کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (الزخرف - ۲۶) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان تمام چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔

تو فرمایا جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دلی طور پر عبادات الہیہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص ان عبادات

کرنا جائز ہے کا بشرطیکہ وہ ٹھیک طور پر ادا ہو تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ خواہ وہ سفر کرے یا گھر میں بیٹھا رہے۔ بہرحال بنیادی طور پر نیک اعمال میں عبادات داخل ہیں اور اس کے بعد صدقہ خیرات، صلہ رحمی، حسن معاشرت، تعلیم و تعلم، غریب پروری وغیرہ بھی نیک اعمال میں شامل ہیں۔ اسی لیے ان لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا فِیْ رَوْضَاتِ الْجَنّٰتِ وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اس پاک مقام پہ پاک خواہش ہی پیدا ہوگی کسی جنتی کے دل میں کوئی بری خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کی ہر خواہش کو پورا فرمائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک جنتی آدمی عرض کرے گا کہ پروردگار! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے۔ اللہ فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! کیا جنت کی نعمتوں سے تیرا پیٹ نہیں بھرا؟ کیا تو ان چیزوں سے راضی نہیں ہوا؟ عرض کرے گا۔ ہاں اے پروردگار! میں تیری عطا کردہ نعمتوں سے بڑا خوش ہوں۔ مگر کاشتکاری میری دلی خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، کھیت تیار کیا جائے گا۔ پھر اس میں بیج ڈالا جائے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے فصل اگ آئے گی اور پک جائے گی فصل کٹ کر انبار کے ڈھیر لگ جائیں گے اور اس طرح اللہ اس شخص کی خواہش فوراً پوری فرما دیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھیں جنت میں پہنچائے اور یہ ہر مومن کی دلی تمنا ہے۔ تو فرمایا وہاں پہ عمدہ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے اڑتے پھرو گے۔ گھوڑا تمہیں بخیر و خطر منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ الغرض! جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی قرآن ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یہ بہت بڑے درجے کی فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ دوسری جگہ فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران - ۱۸۵) جو دوزخ سے

بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اللہ نے یہی فرمایا ہے ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ وہی چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور نیک اعمال والی جنت والوں کو دیتا ہے کہ جنت میں انہیں ہر قسم کا آرام و راحت نصیب ہوگا۔ اور ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔

بے لوث تبلیغ

آگے اللہ تعالیٰ نے رسالت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے پیغمبر کی زبان سے بے لوث تبلیغ دین کا اعلان کروایا ہے۔ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں تبلیغ حق کے صلے میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ میرا فرض منصبی اور بے لوث خدمت ہے۔ سورۃ الشعراء میں اللہ نے مختلف پیغمبروں کی زبان سے یہی کہلوایا ہے وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (آیت ۱۰۹) میں تم سے اس کام پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا بلکہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہاں میرا مطالبہ صرف اس قدر ہے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى میں قرابت داری میں دوستی چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ تم قرابت داری کا تو کچھ خیال کرو۔ تمہارے خاندان کے لوگ ہو اور خاندانی لوگ ایک دوسرے کا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ تم اگر میرے پیغام پر ایمان نہیں لاتے تو قرابت داری کا لحاظ کر کے ہی مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ۔ ہمیں اپنا کام کرنے دو تم اپنا کام کرتے رہو۔ یہ تمہاری مرضی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا۔ مگر ہر حال میں کرتے ہوئے آپس میں قرابت داری اور رشتہ داری کا لحاظ تو رکھو۔ مطلب یہ کہ صرف میری بات نہیں بلکہ میرے ساتھ والے دوسرے لوگ بھی تمہاری برادری اور خاندان کے لوگ ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری پر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے راستے میں آپ کی سواری روک لی اور عرض کیا حضور! مجھے کوئی ایسی بات بتلائیں جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ۔ اسی کی عبادت کرو۔ فرائض بجا لاؤ اور صلہ رحمی کرو۔ ظاہر ہے کہ صلہ رحمی میں سب سے پہلے قرابت دار آتے ہیں، والدین، اقربا، برادری، پھر ہماری مسلمان قوم، پھر ساری بنی نوع انسان سے حسب درجہ قرابت صلہ رحمی ضروری ہے۔ غرضیکہ صلہ رحمی بہت بڑی چیز ہے۔ اور اس میں بڑوں، چھوٹوں، اپنوں، بیگانوں، اہل محلہ، اہل شہر اور اہل ملک اور پھر اہل ایمان سب کے حقوق آتے ہیں۔ اور اللہ کا فرمان ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل - ۲۶) قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں کا اور مسافروں کا بھی۔ اور سب سے پہلا حق اترنے والدین کا رکھا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہی ارشاد ہے۔ جسے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی کرو وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (آیت - ۲۳) اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ان کی خدمت کرو۔ اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اُف تک بھی نہ کرو۔ یہ سب کچھ قرابتداری میں آتا ہے جس کے متعلق اک مقام پر فرمایا کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ قرابتداری کا لحاظ رکھو۔ غرضیکہ ہر جگہ ایک اصول ہے۔ امام حسن بصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قربیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے یعنی میں اپنی ذات کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا بلکہ چاہتا ہوں کہ تم نیک اعمال انجام دے کر اللہ کا قرب حاصل کر لو۔

اہل بیت سے محبت

حضرت سعید ابن جبیرؓ اور امام زین العابدینؒ نے اس آیت سے حضور علیہ السلام کے قرابتدار مراد لیے ہیں یعنی میں تم سے کچھ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ حضور علیہ السلام کے اہل بیت اور قرابتداروں کے ساتھ

محبت رکھنا اور ان کا ادب و احترام اپنی جگہ مسلم ہے۔ اگرچہ اس آیت کا یہ مطلب
خود حضور علیہ السلام سے محبت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام کے قرابتداروں
کے ساتھ محبت ضروری ہے اسی طرح آپ کے اصحاب کرامؓ اور خلفاء حضرات کی
محبت اور ادب و احترام بھی ضروری ہے۔ حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ
اور حضرت فاطمہؓ کو تو سب مسلمان صحابہؓ کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اور خلفاء حضرات سے
نفرت کی جاتی ہے۔ یہ ہرگز درست نہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے
محبت کرو کیونکہ وہ خالق اور مالک ہے۔ اور اللہ کی محبت کا تقاضا پورا کرنا
ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی محبت رکھو کیونکہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں
اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیتؓ اور میرے صحابہؓ کے ساتھ بھی محبت
رکھو۔ فرمایا مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ
اَبْغَضَهُمْ۔ جو میرے صحابہؓ کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ
سے رکھتا ہے اور جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے
آپ کا ارشاد ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے محبت
ایمان کی نشانی ہے اور ان کے ساتھ بغض منافقت کی علامت ہے اسی طرح
حضرت علیؓ کے ساتھ محبت ایمان کا جزو ہے اور ان کے ساتھ نفرت منافقت
کا کام ہے۔ آپ نے انصار سے محبت کو بھی ایمان کی علامت بتایا۔

**حرفِ آخر**

اس آیت کریمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر راجح ہے کہ اے لوگو!
میں تم سے کوئی ذاتی معاوضہ نہیں مانگتا، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ کم از کم قرابت داری
کا لحاظ کرتے ہوئے تکلیف دہ نہ بنو۔ قرابت داری کا خیال تو غیر مذہب
والے بھی رکھتے ہیں۔ میری بات مانو یا نہ مانو، تمہاری مرضی، مگر صدر رحمی کا یہ کام
تو نہ چھوڑو۔

فرمایا وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اور جو شخص بھلائی کا کام

ہے اُس کی خوبی زیادہ کر دیں گے یعنی اُس کا بدلہ بڑھا کر دیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت ہی قدردان ہے۔ وہ عمل کی بھی بہت زیادہ اجر عطا کر دیتا ہے۔ اور بندوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ
يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ
الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا
عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾
وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ
وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۗ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۗ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۗ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ
اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے؟ پس اگر چاہے اللہ تعالیٰ تو مہر کر

تھے آپ کے دل پر۔ اور اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے باطل کو۔
اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ۔ بیشک
وہ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو ﴿۲۴﴾ اور وہ وہی
ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے۔ اور معاف
کرتا ہے برائیاں۔ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ﴿۲۵﴾ اور
وہ سنتا ہے دعا ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور جنہوں نے
نیک اعمال انجام دیے، اور زیادہ دیتا ہے ان کو اپنے
فضل سے۔ اور کفر کرنے والے لوگ، ان کے لیے عذاب
شدید ہے ﴿۲۶﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ پھیلا دے روزی اپنے
بندوں کے لیے، تو البتہ سرکشی کریں وہ زمین میں، لیکن
اتارتا ہے وہ ایک اندازے کے ساتھ جو چاہے، بیشک
وہ اپنے بندوں کے ساتھ خبر رکھنے والا۔ اور دیکھنے
کو دیکھنے والا ہے ﴿۲۷﴾ اور وہ وہی ہے جو اتارتا ہے
بارش کو بعد اس کے کہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں، اور
پھیلاتا ہے اپنی رحمت۔ اور وہ کارساز اور تعریفوں والا
ہے ﴿۲۸﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں
اور زمین کا اور جو پھیلایا ہے ان دونوں کے درمیان جانوروں
میں سے۔ اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر بھی، جب چاہے۔
قدرت رکھتا ہے ﴿۲۹﴾

پہلے توحید، معاد اور جزائے عمل کا ذکر ہوا، اور نیک و بد اعمال کے انجام بیان کیا گیا۔ پھر گذشتہ آیت میں رسالت کا ذکر تھا۔ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوایا لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا یعنی میں تبلیغ حق پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میں تو صرف قرابتداری کا

لحاظ چاہتا ہوں کہ کہہ کچھ اپنا اور نہ پہنچاؤ۔ اب آگے کی یہ آیت بھی رسالت ہی کے سلسلہ میں ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور عجیب عمل کا تذکرہ ہے۔

افترائی کی نفی

اس سے پہلے آیت آئی ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا کیا یہ مخالف اور مکذبین کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا ہے؟ یعنی قرآن پاک اللہ کا کلام نہیں، بلکہ نبوت کا دعویٰ خود ساختہ کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اللہ نے یہاں لوگوں کا رد فرمایا ہے اور نبی کی حمایت کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ کہہ سکتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں، یاد رکھو!

فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ اے پیغمبر! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مہر کر دے، آپ کا دل ماؤف ہو جائے اور پھر اس میں وحی الٰہی کا کوئی دوسری صحیح بات داخل ہی نہ ہو سکے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ کا پیغمبر جو کچھ کہتا ہے اس کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے پیغمبر پر افترا کا الزام لگانا اور اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا درست نہیں۔ وہ حق کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت زیر درس کو سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت کے تناظر میں سمجھنا چاہیے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (بنی اسرائیل - ۸۶) اگر ہم چاہیں تو آپ کی طرف نازل کی گئی وحی کو آپ سے مٹا دیں۔ اس مقام پر بھی ایسی ہی بات کی گئی ہے کہ ہم نے کمال مہربانی سے آپ پر اپنی کتاب بصورت وحی نازل کی ہے اور نہیں طرف یہ آپ کے قلب مبارک پر نازل کی ہے۔ اسی طرح ہم آپ کے دل کو سربمہر بھی کر سکتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز داخل ہی نہ ہو سکے، بھلا یہ لوگ آپ پر افترا کا الزام کیسے لگاتے ہیں؟

فرمایا حقیقت یہ ہے وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ اللہ تعالیٰ اس وحی

کے ذریعے باطل کو مٹاتا ہے وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اور اپنے کلمات کے ذریعے سچی بات کو ثابت کرتا ہے۔ سبب یہ کہ اللہ تعالیٰ سینوں اور دلوں کے خفیہ خطرات اور شیطانی وساوس کو مٹاتا ہے اپنے کلمات کے ذریعے دلوں کے اندھیرے دور فرما کر حقیقت کو واضح کر دیتا ہے اور اس طرح گویا دلوں کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ ہر شخص کے قلبی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر کیچڑ تہمت بولنے دے گا، وہ چاہے تو دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جس کو باندھ سکے، اور چاہے تو کفر کو مٹائے، پھر پیغام بھیجے۔ خدا تعالیٰ کسی خطابت کو بغیر نبی کے واسطے کے بھی مٹانے پر قادر ہے۔ مگر وہ اپنی باتوں سے دین کی باتوں کو ثابت کرتا ہے۔ اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے۔ چاہے تو اللہ ہر کام کر سکتا ہے، دل کو بند کر دے اس پر کوئی چیز نازل نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے، باطل کو مٹاتا ہے اور اس طرح اپنے کلمات یعنی نبی پر کلام نازل فرما کر حق کو ثابت کرتا ہے اور باطل کو مایمحق کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے مخفی راز دل، نیت، ارادے اور باریک ترین باتوں کو جانتا ہے تبھی کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ یہ رسالت کا بیان ہو گیا۔

توبہ کی قبولیت

ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے۔ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ اور برائیوں کو معاف کرتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اس کو جانتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ جب اس کے بندے اس کی طرف رجوع کریں تو وہ ان کی لغزشوں سے درگزر کرکے ان کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے التوبۃ الندم

یعنی پشیمانی کا نام ہی توبہ ہے۔ جو شخص گناہ کرنے کے بعد نادم ہو گیا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہی توبہ ہے جس کی قبولیت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے

تفسیر کشاف۔ تفسیر مظہری اور امام بیضاویؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک دیہاتی آدمی مسجد نبوی میں آیا اور جلدی جلدی استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کو بلا کر کہا کہ استغفار کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو متاقفوں کا طریقہ ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت مجھے توبہ کا صحیح طریقہ بتلا دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ سچی توبہ کے لیے چھ شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جو یہ ہیں۔

(۱) سابقہ گناہوں پر نادم ہو۔

(۲) دوران گناہ جو فرائض ترک کیے ہیں ان کو ادا کیا جائے۔

(۳) کسی دوسرے کا مظلمہ ذمہ واجب ہے تو اس کی تلافی کرے۔

(۴) جس طرح گناہ کے زمانے میں اپنے نفس کو گناہ پر آمادہ کرتا تھا اب توبہ کے بعد نفس کو اچھے طریقے سے اللہ کی اطاعت کے لیے مجبور کرے۔

(۵) جس طرح گناہ کے ارتکاب سے گناہ کی لذت اٹھاتا تھا۔ اب اطاعت کر کے اس کی لذت بھی حاصل کرے۔

(۶) گناہ کے زمانے میں ہنستا تھا اب اس کی قدر رونے کی کوشش کرے۔

صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا اور گناہ پر اصرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوگا بلکہ توبہ کی قبولیت کے لیے اس کے لوازمات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا، گناہوں سے درگزر کرتا ہے وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور ان لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ دعا بہترین عبادت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ۔ ۱۸۶) جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول

کرتا ہوں بشرطیکہ دعا کرنے والا ایماندار ہو۔ اللہ کے نبی سے دعا کی قبولیت کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ سے کوئی سوال کرتا ہے تو یا تو اس کا سوال پورا کر دیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی دعا کے وجہ سے دعا کرنے والے کی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے اور یا پھر اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہیے۔

فرمایا وہ سنتا ہے دعا اُن لوگوں کی جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ ہی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنے بندے پر جس قدر خلوص پاتا ہے اُسی قدر اپنی رحمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ وہ اپنی حکمت اور حکمت کے مطابق جتنا چاہے عمل کر دیتا ہے۔ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ اس کے برعکس کافروں کے لیے اللہ کے ہاں سخت عذاب بھی تیار ہے۔ جو شخص اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتا، اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل نہیں کرتا، وہ اُس کے شدید عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرنے کے راستے میں رکاوٹ اُن کی کمزور مالی حیثیت بھی رہی ہے۔ دنیا کے اکثر و بیشتر متمول اور آسودہ حال لوگوں نے ہی رسالت کا انکار کیا۔ ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ نبی کو ایک امیر کبیر آدمی ہونا چاہیے جس کے پاس محلات ہوں، باغات ہوں، نوکر چاکر ہوں، ارام و راحت کے تمام اسباب مہیا ہوں۔ بھلا ایک نادار آدمی کو کیسے نبی تسلیم کر لیا جائے۔ خود حضور علیہ السلام کی رسالت پر بھی یہی اعتراض تھا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی دو بڑی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا، کیا اس کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اگلی آیت میں اللہ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے کہ منصب نبوت کے لیے امارت و غربت معیار نہیں ہے۔ دنیا میں

رزق کی کشادگی یا تنگی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ اور بعض اوقات نافرمانوں کو بے حساب نعمتیں عطا کرتا ہے۔ دولت کی فراوانی ہونی ہے۔ دنیا کی زندگی کے لیے اسباب راحت موجود ہوتے ہیں مگر بالآخر وہ جہنم کے گڑھے تراش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض صالحین کو دنیا کی زندگی میں تنگی میں ڈال دیتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے ہاں مغضوب ہوتے ہیں۔ اللہ کا فرمان یہ ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (النحل) اللہ نے کہ کس کے رزق کے معاملہ میں بعض کو بعض پر بڑی بڑائی دی ہے۔ تو یہاں پر ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے روزی کشادہ کر دیتے تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابیں اور رسول اس کی اطاعت کریں۔

عالم برزخ والی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے سامنے اُن کی اولاد کی تمام روحیں پیش کی گئیں تو انہوں نے اُن کے درمیان امیر و غریب دیکھ کر بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ پروردگار! تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات کیوں نہیں قائم کی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر میں سب کو برابر کر دوں تو مجھے کون شکر ادا کرے گا۔ اللہ نے بندوں کے درمیان اپنی حکمت کے مطابق رزق میں کمی بیشی کی ہے۔ وہ اس دنیا میں کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اگر سب کو خوشحال کر دے تو لوگ سرکشی کرنے لگ جائیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو کس حال میں رکھنا ہے۔ کس کے ساتھ کون سی چیز زیادہ مناسب ہے۔ اور کس صورت میں اُس کا امتحان لینا ہے۔

اس زمانے میں اشتراکیت کے زیر اثر حقیقی مساوات کا بڑا پراپیگنڈا کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک غیر فطری چیز ہے۔ اشتراکیت کی قانون سازی مزدی سے پہلے

مزدک نے کی تھی۔ وہ لوگوں ۔۔۔ ہر چیز کی مساوات کا قائل تھا۔ اس
کے نظریے کے مطابق عورت بھی ایک ۔۔۔ چیز ہونی چاہیئے۔ جو کسی آدمی کی ملکیت
۔۔۔ دیں کے مرتوں اشتراکیوں نے تو بعض چیزوں مثلاً بیوی، مکان، سواری وغیرہ
کو نہ ۔۔۔ میں شمار کیا ہے تاہم جائیداد کے تمام وسائل اور وسائل کے مشترک ہونے
کے یہ بھی ۔۔۔ ہیں کہ تمام وسائل پر حکومت کا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یہ لوگ
اس اشتراکی ۔۔۔ کے گذشتہ ساٹھ ستر سال سے تجربات کر رہے ہیں مگر دنیا کی
کوئی ۔۔۔ ابھی تک اس نظریے کو قبول نہیں کیا۔ یہاں پر تشدد کے سوا کچھ نہیں۔ لوگوں کو اشتراکی نظریات
پر مجبور کیا جاتا ہے ۔۔۔ جب کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو اسے موت کے
گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تو اشتراکی نظریے کی ابتداء سے ہی کہہ
دیا تھا کہ اس نظام کا تجربہ کر کے بھی دیکھ لو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ خلاف
فطرت ہے اور ناکام ہے (آج ستر سال کے بعد اشتراکی نظام ناکام ہو چکا ہے
حتیٰ کہ اس کا پرورش کرنے والا ملک روس خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو گیا ہے۔
اس طرح ہمارے بزرگوں کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی ہے)

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ذہنی اور جسمانی قویٰ بھی یکساں نہیں رکھے ایک شخص
ذہین اور عقلمند آدمی ہے تو دوسرا سراسر ذہن کا مالک ہے کوئی جسمانی لحاظ سے
بڑا مضبوط ہے جب کہ دوسرا کمزور جسم والا ہے۔ پھر اپنی ظاہری اور باطنی قویٰ
کی نسبت سے ان کے اشغال کا مختلف ہونا بھی لازمی امر ہے۔ کوئی ایک کام
کا نخواہ انجام دے سکتا ہے تو دوسرا دوسرے کام کا زیادہ اہل ہے۔ لہٰذا اہل اور
نااہل، کمزور اور صحت مند، ہنرمند اور غیر ہنرمند، جاہل اور عالم میں مساوات کیسے
قائم ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے عدم مساوات خود قائم کی ہے اور اس کی دلیل
یہ دی ہے کہ اگر دنیا کے لیے روزی کے دروازے یکساں کشادہ کر دیتا تو
لوگ دنیا میں سرکشی کرنے لگتے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

اشتراکی نظام معیشت کے برخلاف مغربی ممالک، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور

جرمنی وغیرہ میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے۔ اس نظام میں دولت کے کمانے اور خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر شخص جائز یا ناجائز ذرائع سے جتنی چاہے دولت کما سکتا ہے۔ یہ طرزِ حکومت اور معیشت کا نظام ہے اور قرآن کی رو سے یہ بھی باطل ہے۔ اس نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو جاتا ہے اور باقی لوگ بنیادی حقوق سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ امیر آدمی امیر تر اور غریب بیچارہ غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ بڑی بڑی کوٹھیوں میں بستے ہیں جہاں انہیں آرام و آسائش کی ہر سہولت میسر آتی ہے جب کہ بعض لوگوں کو سر چھپانے کے لیے چھوٹا سا مکان بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہی اس نظام کی سب سے بڑی خرابی ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت

برخلاف اس کے اسلام نے ایک صالح نظامِ معیشت دیا ہے جو مذکورہ دونوں نظاموں سے مختلف ہے۔ اسلام سرمایہ دارانہ نظام سے اس لیے اتفاق نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ ۲۹)۔ لوگو! زمین کی حلال اور طیب چیزیں کھاؤ یعنی تمہارے قریب تو جائز ہے مگر آخرت میں اس پابندی کو کون قبول کرے گا تاکہ دولت حاصل ہو جائے جیسے خود تجارت فرمائی، مگر ناپ، تول، ڈنڈی مارنا، جھوٹ، فراڈ وغیرہ کے ذریعے حاصل کرنا۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کے خرچ پر بھی کوئی پابندی نہیں کہ کوئی جس طرح کمائی کرلی بنالے اور جائیداد لاکھ کا ہو یا کروڑ کا، بنگلے کھڑے کرلے اور جو چاہے اور جتنی اور فحاشی پر دولت خرچ کرے۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسلام اس اسراف و تبذیر کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نظامِ معیشت نے دولت کے خرچ کے متعلق یہ اصول بیان کر دیا ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات پوری ہونی چاہئیں۔ اس کے بعد اپنا معیارِ زندگی بلند کرنا، تجارت اور صنعت کی ترقی کے لیے سرمایہ حاصل کرنا، یہ سب جائز ہیں۔ مگر ہر معاملے میں سب سے بڑھ کر اللہ کے احکام کی پابندی ہونی چاہیے خواہ کسی کو برا لگے یا بھلا۔ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہونا چاہیے۔ کوئی والد نہ بنائے۔ گورنمنٹ کو بھی یا سرکاری کھاتے میں بھی اس کا خرچ نہ ہونا چاہیے۔ [illegible] دولت کی [illegible] چاہیے۔ [illegible]

حالت میں عذاب معاً بھیجنے کی عادت ہوتی کہ انسان کا مرکز اور اللہ کی عبادت کرنے
اس طرح ہر شخص کے لیے توبہ قبول کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔ اور یہ مخلوق
دیتا ہے مگر ہدایت کو تسلیم نہیں کرتا۔

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ سب کے لیے رزق کشادہ کر دیتا ہے تو لوگ زمین میں بغاوت
کرنے لگتے۔ وَلٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ جو وہ ایک خاص اندازے
کے مطابق رزق کو نازل کرتا ہے۔ اور جس شخص کے لیے جتنا مناسب سمجھتا ہے عطا
کرتا ہے۔ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ بے شک وہ اپنے بندوں کے
حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔ وہ اپنے
علم اور حکمت کی بنا پر رزق کو تقسیم کرتا ہے اور یہ تقسیم خود بندوں کے لیے بھی ان
کے بہترین مفاد میں ہوتی ہے۔

**بارش قدرت کی نشانی اور رحمت**

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قدرت اور حکمت کے مزید دلائل بیان فرمائے ہیں
ساتھ ساتھ قرآن الٰہی کا تعارف بھی آ گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِيْ
يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا اللہ کی ذات وہ ہے جو بارش کو نازل
کرتا ہے۔ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ اور اپنی رحمت
کو پھیلا دیتا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو مردہ زمین میں نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ انہیں
فصلوں کی قوت نامیہ ہوتی ہے اور پھر اس میں ہمہ اقسام کے پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں
اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے اور انسان، جانور، پرندے سبھی کو
کھانے کے لیے اللہ کی اس نعمت سے استفادہ ہوتے ہیں اور خوراک اور پانی
جیسی نعمت حاصل کرتے ہیں جن کے ذریعے وہ زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔
فرمایا وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کا کارساز اور تعریفوں کا
ہے۔ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے وہ ہر حال تعریفوں کے لائق ہے
ہر شخص کو کوشش کرنے والا بھی وہی ہے۔ انسان لاکھ ٹکریں مارے اس کی عطا کے
بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ سارا نظام الٰہی کی دلیل ہوتا ہے۔

فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ
کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا یہ عظیم نظام قائم کر رکھا
ہے جس کے سامنے ہر مخلوق عاجز ہے۔ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ
اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جانداروں کو بکھیر دینا بھی اُس کی قدرت کی نشانی ہے
بغیر اُس کے بغیر کون ہے جو اُس کی مخلوق کی اقسام کا بھی احاطہ کر سکے۔ آسمانوں پر
دیگر جاندار تو نہیں ہیں، البتہ اللہ کی لطیف مخلوق ضرور ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور
مخلوق بھی ہو سکتی ہے۔ جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین کی مخلوق سے تو ہم
کسی قدر واقف ہیں جن میں طبقہ زمین ہستی خود انسان ہے، باقی چرند، پرند، درندے،
کیڑے مکوڑے اور اس سے کئی گنا زیادہ آبی مخلوق ہے۔ خشکی پر بری، بحری اور
فضائی دس لاکھ سے بھی زیادہ قسم کی مخلوق اللہ نے پیدا کر رکھی ہے۔ یہ سب اُس
کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اگر انسان صرف اسی چیز میں تدبر کرے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی
وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر پھیلا دیا ہے۔
وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ اسی طرح وہ جب چاہے گا۔ ان سب
کو اکٹھا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس کا فیصلہ ہے کہ قیامت برپا ہوگی، ہر چیز فنا ہو
جائیگی اور پھر وہ سب اعمال اور جزا و سزا کے لیے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ جیسے
سامنے لا کھڑا کرے گا۔ سورۃ البقرہ میں ہی ارشاد خداوندی ہے اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (آیت ۱۴۸) تم جہاں کہیں بھی ہو گے، وہ تمہیں
جمع کرے گا۔ کوئی شخص قبر میں دفن ہو یا اس کے جسم کے ذرات ہوا اور پانی میں
منتشر ہو چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سب کو جمع کرے پھر اس کو اصل
شکل میں پیدا کر لے۔ اُس نے اس کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب
وہ وقت آجائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا۔ یہ وقوع قیامت
اور جزائے عمل کی دلیل بھی ہو گئی۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي
الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ
كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ
عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ
عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ
مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ:- اور جو پہنچی ہے تم کو کوئی مصیبت پس
اس وجہ سے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور
درگذر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بہت سی خطاؤں سے ﴿٣٠﴾
اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں ، اور نہیں
ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی

پروردگار (۳۱) اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں چلنے والی کشتیاں سمندر میں جیسے پہاڑوں کے (۳۲) اگر وہ چاہے تو روک دے ہوا کو پس رہ جائیں وہ ٹھہرے ہوئے اس کی پشت پر بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا ہے (۳۳) یا ہلاک کر دے ان کو اس وجہ سے جو انہوں نے کمایا، اور وہ بہتوں سے درگزر فرماتا ہے (۳۴) اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ نہیں ہے ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ (۳۵) پس تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے، پس یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (۳۶)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں نبوت و رسالت کا قرآن معجزات کے ساتھ دلائل توحید اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا اور پھر زمین پر تمام جانداروں کو پھیلا دیا۔ جس طرح ان کو زمین کے مختلف خطوں میں پھیلا دیا، اسی طرح وہ قیامت کے دن سب کو اکٹھا بھی کرے گا۔ پھر حساب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا کہ تمام اختیارات اور تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

ربط آیات

دنیا میں انسانوں پر ہر قسم کے دور آتے ہیں۔ کبھی راحت کبھی مصیبت، کبھی خوشحالی کبھی تنگدستی، کبھی صحت کبھی بیماری۔ پھر جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر وہ شکوہ بھی کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں فرمایا وَمَا

مصائب کو فی نفسہٖ مصیبت ہونا اور بسا اوقات ایسی مصیبتیں جو بظاہر کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تحفظ دینے والوں کی اولاد کو پہنچ جانے طلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا اگر وہ بظاہر کسی کو مصیبت میں مبتلا کرتے جبکہ حقیقت انسان کے کسی اپنے ہی کردہ اعمال کے بدلے کے طور پر نازل ہوتی ہے مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے۔ بہرحال اللہ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص مصیبت برداشت کرتا ہے اس کو پہنچنے والی تکلیف بلاوجہ نہیں آتی بلکہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہاں اللہ کا یہ اصول بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ وہ ہر برے عمل پر گرفت نہیں کرتا بلکہ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ان میں سے بہت سی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور ان کے لیے انسان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا۔ تاہم تکلیف پہنچانے کا حق اس کے پاس محفوظ ہوتا ہے۔ بہرحال یہ ایک عمومی اصول ہے کہ بیشتر مصائب و پریشانیاں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے آتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور بعض دیگر مفسرین کا یہ فرمانا ہے کہ مذکورہ اصول عاقل اور بالغ لوگوں کے لیے ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ البتہ انبیاء مرسلین اس قانون سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے اعمال بد سرزد نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ پریشانیاں اور مصائب انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی بہت زیادہ لاحق ہوئیں اسی طرح نابالغ بچے ہیں جو ابھی مکلف نہیں، لیکن تکلیفیں ان کو بھی آتی ہیں۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء اور غیر مکلفین کے مصائب کی وجہ ان کے اعمال نہیں ہوتے بلکہ ان کی ترقیات اور حکمت کچھ اور ہی ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان پر پیش

آنے والی تکالیف اُن کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی اہل ایمان کو پہنچنے والی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی اُس کے گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو کانٹا چبھ گیا ہے۔ ٹھوکر لگ گئی ہے یا کوئی خراش آگئی ہے۔ کسی ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے تو یہ اُس کے اعمالِ سوء کا کفارہ ہوتا ہے۔ آجکل عام قانون یہ ہے کہ آدمی اچھا ہو یا بُرا اُس کے حساب میں اس کے اعمال کا دخل ہوتا ہے۔ البتہ بیشتر اوقات اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتا بلکہ معاف کر دیتا ہے جس طرح وہ دنیا میں درگزر فرماتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ برزخ اور آخرت میں بھی معاف فرمائے یا وہاں پر گرفت کر لے، یہ اس کی منشاء پر موقوف ہے۔ بہرحال اُس کے درگزر کا قانون دنیا، برزخ اور آخرت سب پر حاوی ہے۔

راہِ فرار نہیں

فرمایا وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو اللہ تعالیٰ کو زمین میں۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے، کوئی غلطی کوتاہی اور گناہ کرکے اللہ تعالیٰ کے تسلط سے بھاگ جائے یعنی اُس کی گرفت سے باہر ہو جائے تو ایسا ممکن نہیں۔ کوئی شخص کسی قلعے میں پناہ لے لے جنگلوں اور صحراؤں میں چھپ جائے کسی پہاڑ کی غار میں پناہ گزین ہو جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا اور نہ اُس کی گرفت سے بچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے کا یہی مطلب ہے۔ فرمایا تم اُس سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔ مصیبت کے وقت کوئی بھی کام نہیں آئے گا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت، قدرتِ کاملہ اور جزائے عمل کا ذکر ہو گیا۔

وحدانیت اور قدرت کے دلائل

اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کے سلسلے میں فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اس کی قدرت کے دلائل

میں سے پہاڑوں کی مانند سمندر میں چلنے والی کشتیاں بھی ہیں۔ جَوَار جاریہ کی جمع ہے جس کا معنی پانی میں چلنے والا ——— کشتی ہوتا ہے۔ جیسے طوفان کے موقع پر فرمایا اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (الحاقہ - ۱۱)

جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفانِ سیلاب آیا تو ہم نے تمہیں پانی میں چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اس زمانے میں تو جہازوں سے ہزار ہا درجہ بڑی کشتی بن لیا جاتا تھا مگر بعد میں بحری ذرائع نقل و حمل نے بڑی ترقی کی ہے۔ پہلے بحری جہاز چپو سے، پھر کوئلے یا تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز اور فضائی معراض وجود میں آگئے۔ یہ بڑے بڑے جہاز ہیں جنہیں پہاڑوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ حاجیوں کے لیے مخصوص سفینہ حجاج گیارہ منزلہ تھا۔ اس کی چار منزلیں پانی میں اور سات اوپر تھیں اور دیکھنے میں پہاڑ نظر آتا تھا۔ اب ختم ہو چکا ہے۔

فرمایا اللہ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے پانی کی سطح پر رواں دواں کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک سوئی جیسی چھوٹی چیز تو پانی میں ڈوب جاتی ہے مگر جہازوں اور لاکھوں ٹن وزنی جہاز لاکھوں ٹن سامان لیے ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں

فرمایا اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے

فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ پس وہ پانی کی پشت پر ٹھہرے ہوئے ہوں۔ پرانے زمانے میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے سفر کا انحصار ہوا پر ہوتا تھا۔ اگر ہوا سفر کے موافق چلتی تھی تو کشتی بھی چل پڑتی تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہے ہوا کو ہی روک دے تو ایسی صورت میں کشتی بھی پانی کی سطح پر رک جائے گی۔ یہ تو زمانے کی بات تھی، آج بھی جب اللہ تعالیٰ کی منشاء ہوتی ہے تو بڑے بڑے جہاز سطح آب پر رک جاتے ہیں۔ انجن میں کوئی نقص پڑ جانے یا سخت طوفان برپا ہو جانے تو جہاز کو روکنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات کسی حادثے کی صورت میں بڑے سے بڑا جہاز بھی تباہ ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات جہاز کسی [illegible] پانی میں [illegible] اس طرح [illegible]

[illegible] لئے [illegible] جماعت سے [illegible] والی باتوں
جنہیں [illegible] میں [illegible] جہاد کی [illegible] ایک [illegible] سے زیادہ
نہیں ہوتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے
بڑے بڑے کام چلا دیتا ہے۔

فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ یہ بات اس
بات کا نشان ہے ہر صابر و شاکر انسان کے لئے۔ ان نشانات سے قدرت سے وہی لوگ
مستفید ہو سکتے ہیں جو ہر تکلیف اور مصیبت پر صبر کے دامن کو تھامے رکھتے ہیں
اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت میسر آتی ہے۔ محنت اور آسانی حاصل
ہوتی ہے تو اس کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک بات کا اعادہ کیا ہے اَوْ یُوْبِقْهُنَّ
بِمَا كَسَبُوْا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو لوگوں کو ان کی کارکردگی کی بنا پر ہلاک
کر دے۔ جب بھی کوئی شخص کسی ظلم، زیادتی یا گناہ کا مرتکب ہو اللہ تعالیٰ فوراً گرفت
کر کے ہلاک کر دیتا، لیکن وہ اس پر بھی قادر ہے، مگر وَیَعْفُوْا عَنْ
کَثِیْرٍ وہ اکثر گنہگاروں سے درگزر بھی فرماتا ہے، ان کی فوری گرفت نہیں کرتا
بلکہ مہلت دیتا ہے۔ دنیا میں درگزر کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ چاہے تو برزخ یا
آخرت میں سزا دے یا اگر چاہے تو اپنی سرمایی سے دنیا میں بھی معاف فرما دے اور
یہ اس کی شان کریمی کا اظہار ہوگا۔

فرمایا گیا ہے ایک مقصد یہ بھی ہے وَیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ
فِیْۤ اٰیٰتِنَا تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں تعرض کرتے ہیں مَا لَهُمْ
مِّنْ مَّحِیْصٍ کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے جہاں وہ گرفت سے بچ سکیں
کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، وحی، آسمانی کتابوں، قیامت اور جزا و سزا کے قوانین ایسے
کا انکار کیا جائے اور اس سلسلے میں اہل حق کے ساتھ تعرض کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ
ایسے لوگوں کو فوراً پکڑے تو نہیں کوئی بچنے کا راستہ نہیں ہوگا۔ ان کی تمام تدابیر ناکام

ہو جائیں گی کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت
اس کی توحید اور تجربۂ عقل کی دلیل ہو گئی۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ دل لگانے والوں کو آخرت کی ابدی زندگی متاعِ دنیا
اور اس کے انعامات کے ساتھ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ
بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ ۔ یعنی یہ جو چیزیں بھی دی جاتی ہیں
یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے کہ انسان تھوڑے اپنی چند روزہ حیات میں استعمال کرتے
حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز عارضی ہے حتیٰ کہ انسان کا اپنا وجود بھی
صحت اور تندرستی زندگی پائیدار نہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کا مقصد انسان
کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ اس عارضی دنیا اور اس کے عارضی سازوسامان کو ہی سب
کچھ سمجھ کر اسی پر ہی مطمئن نہ ہو جائے، بلکہ اس کی نگاہ اس کی ابدی زندگی اور اس کی
کے سازوسامان پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى جو کچھ
اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس دنیا کے سازوسامان سے بہتر بھی ہے، اور
دیرپا بھی۔ اللہ کے ہاں سے ملنے والے انعامات کی کیفیت اور تعداد کی نسبت
اس دنیا کی زندگی اور سازوسامان کے ساتھ کچھ بھی نہیں اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے
اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اس میں کمی نہیں
آئے گی۔ مگر یہ ان لوگوں کے لیے ہے لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا جنہیں بیان کرنے
کی توفیق نصیب ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے رسولوں،
کتب سماویہ، وقوعِ قیامت اور جنت پر یقین کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں
نے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے انسان مذکورہ چیزوں پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ دوسرا
درجہ یہ ہے کہ انسان ایمان لا کر اس پر عائد شدہ فرائض بھی ادا کرتا رہے۔ ایسے
لوگوں کی کیفیت اللہ نے گذشتہ سورتوں میں بیان کر دی ہے کہ جنت اور مغفرت
ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر سیدھے راستے پر قائم رہے اور ثابت

فرائض و واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات کی پابندی بھی کی۔ فرمایا آخرت اُن کے لیے ہے جو ایمان لائے وعلیٰ ربہم یتوکلون اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ بھی کرتے ہیں۔ اللہ نے کامیاب لوگوں کی علامات بھی بیان کر دی ہیں۔ اب یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی عارضی، فانی اور مختصر زندگی کو بجائے آخرت کی دائمی زندگی اور اس کے دائمی انعامات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے یہ نسخہ بھی بتلا دیا کہ انسان کے پاس ایمان کی دولت ہونی چاہیئے۔ ایمان جس قدر مضبوط ہوگا۔ اور اس کا درجہ جس قدر اعلیٰ ہوگا اُسی قدر انسان کے انعامات میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور پھر ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسہ بھی ضروری ہے۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا
مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا
لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى
بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ
إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَ
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا
وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ
فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا
السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ
ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ ع

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو بچتے ہیں بڑے گناہوں اور بیحیائی
کی باتوں سے، اور جب وہ غصے میں آتے ہیں تو معاف
کر دیتے ہیں ﴿٣٧﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اپنے

پروردگار کا اور قائم کی نماز اور ان کا معاملہ آپس میں مشورے سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں ﴿۳۹﴾ اور برائی کا بدلہ برائی ہی جیسی ہے اور جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ نہیں پسند کرتا ظلم کرنے والوں کو ﴿۴۰﴾ اور البتہ جس نے بدلہ لیا اس پر ظلم کیے جانے کے بعد پس یہ لوگ ہیں کہ نہیں ان پر کوئی الزام ﴿۴۱﴾ بیشک الزام ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور سرکشی کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۴۲﴾ اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ البتہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ﴿۴۳﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں جزائے عمل کا ذکر تھا اور ساتھ دنیا اور اس کے سازوسامان کی ناپائیداری کا بیان تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ جو چیز اس کے ہاں سے ملے گی وہ بہتر اور دیرپا ہے۔ متقین کے چند گروہوں کے لیے اس سورۃ میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اور یہ اس کے بالمقابل ہوئے فریق کے چند جماعتوں کو پیش کرتا ہے۔ نیز عقیدے کی درستگی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ بھی ضروری ہے۔

اب آگے درس میں اللہ کے ان کا میابی حاصل کرنے والے لوگوں کی بعض مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ کامیابی حاصل کرنے والے لوگوں کی ہیں والذین یجتنبون کبیر الاثم والفواحش جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ اور اس

کامیاب لوگوں کی صفات

[illegible] قرآن و سنت کی اصطلاح میں گناہ کے معنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء ۳۱)
اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہوں کے کام
اپنے آپ کو دیکھ کر تو کبھی ہی معاف کر دیتا ہے [illegible] کبیرہ گناہوں کی معافی توبہ سے ہوتی ہے
اور توبہ کی توفیق اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کی موت اس حالت میں آئے
کہ وہ کبیرہ گناہوں پر نادم ہو اور توبہ کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے
اور اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ کبیرہ گناہوں میں پہلے درجے پر کفر و شرک ہے۔ پھر قتل ناحق
زنا، چوری، بڑے بڑے مالی جرائم پر لعنت، بدفعلی، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جھوٹی گواہی
دینا اور ایسے ہی دوسرے گناہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید سنائی ہے، جن
پر لعنت بھیجی ہے یا اپنی ناراضگی کا اعلان کیا ہے۔

جہاں تک قرآن کے تعلق ہے یہ بھی گناہ میں داخل ہے کہ قرآن کی
تلاوت کا حق ادا نہ ہو سکے۔ قرآن پڑھنا اور اس کے لوازمات کو پورا کرنا، قرآنی
آیات پر غور و تدبر کرنا اور خاص طور پر قرآن شریف سے غلط باتوں میں
بچنے کا حکم ہے۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط، سود کی حرام ہونے اور
فحاشی کی ممانعت ہے جو قرآن کے حکموں میں داخل ہے۔ ان تمام قرآنی
حکموں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

آخرت کی دنیا جزا کے متعلق کی اگلے حصے میں بھی بیان فرمایا
ہے وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ کہ جب وہ غصے کی حالت میں
ہوتے ہیں تو درگزر کرتے ہیں۔ غصے کو پی جاتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ بدلہ
کی طاقت رکھنے کے باوجود غصے پر قابو پا لیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بات
ہے اور انسان کی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔

فوز و فلاح
دنیا و آخرت

پھر فرمایا اللہ کے دین یا اُس کے احکامات کے مستحق وہ لوگ بھی ہیں وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو قائم کیا۔ اللہ کے ہر حکم اور اُس کے نبی کے ہر فرمان کی بجا آوری بالعموم اور نماز کی ادائیگی بالخصوص ہر شخص سے مطلوب ہے۔ اور جو ان صفات پر پورا اترتے ہیں، وہ یقیناً اللہ کے مقبول بندے بنتے ہیں۔

باہمی مشاورت

اللہ نے اگلی صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ جن امور میں اللہ تعالیٰ کا صریح حکم یا اللہ کے نبی کی سنت اور شریعت میں کوئی واضح صراحت موجود نہیں ہے اُن امور کو باہمی مشاورت کے ذریعے انجام دینے کا حکم ہے اس قسم کے معاملات غیر منصوصہ کہلاتے ہیں۔ البتہ منصوصہ امور مثلاً نماز، روزہ، ارکانِ اسلام یا منصوص دین میں مشاورت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شریعت کا صریح حکم موجود ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا ہی لازم ہوتا ہے۔

مشاورت کی اہمیت اگرچہ ہر معاملہ میں مسلّم ہے مگر اجتماعی امور میں اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ امورِ سلطنت کی بطریق احسن انجام دہی کے لیے بہت سے انتظامی قوانین نافذ کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً امن و امان کے قیام کے لیے پولیس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج ضروری ہے۔ ٹریفک کی باقاعدگی کے بعض ضمنی قوانین (RULES BY LAWS) تشکیل دینے پڑتے ہیں۔ بعض تجارتی ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور سمگلنگ کی روک تھام کے لیے ضروری اقدامات کرنا ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی صلح، مختلف ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات، تجارت اور صلح و جنگ کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن و سنت میں واضح ہدایات نہیں ملتیں بلکہ محض اجمالی ہدایات (GUIDELINES) ملتی ہیں جب کہ تفصیل قوانین باہمی مشاورت

سے ہی طے کیے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مشورے کا حکم دیا ہے۔

مسلمانوں میں باہمی مشاورت کا حکم سورۃ آل عمران اور بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے حکم دیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران - ۱۵۹) آپ اپنے رفقاء سے مشورہ کر لیا کریں۔ اور پھر جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر مفسرین کرام یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام پر مشورہ کرنا واجب تھا یا مستحب۔ امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ واجب تھا یعنی جس معاملہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی وحی نہیں تھی اس معاملہ میں آپ کا اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ غزوہ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام کی ذاتی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر صحابہؓ کی اکثریت شہر سے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنے کے حق میں تھی۔ چنانچہ یہ جنگ مدینے سے باہر کوہ احد کے دامن میں لڑی گئی۔ مقصد یہ کہ جب خود پیغمبر علیہ السلام کے لیے بھی مشورہ کرنا ضروری تھا تو باقی لوگوں کے لیے تو بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مشورے کے اس ذریں اصول کو مسلمان حکمرانوں نے ضائع کر دیا ہے جس کی وجہ سے نظام خلافت تباہ ہو گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشاورت سے مستثنیٰ نہیں تو باقی لوگ اس اصول سے کیسے اعراض کر سکتے ہیں مگر خود غرضی کی وجہ سے ہر طاقتور حکمران مائل ہوتا ہے جس کا نتیجہ مسلمان بحیثیت مجموعی بھگت رہے ہیں۔ طبرانی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جائے تو اپنے لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورہ کرنے کا بھی کوئی اصول ہے کہ اس معاملہ میں ان لوگوں سے رائے طلب کی جائے جو دین اور دنیا دونوں کے معاملات کو سمجھتے ہوں۔ بیوقوف اور

عبادت گزار ہوں، مگر فاسق، فاجر اور ناہنجار لوگوں سے مشورہ کیا جائے بلکہ کچھ
یعنی اصحاب عقل و عقد کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جب اچھے ازلان اور صلاحیت والے لوگ آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو بہتر
بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ جس کام میں مشورہ کر لیا گیا ہو۔ اس میں نقصان کا
خطرہ نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جس معاملہ میں حضرت
ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی رائے متفق ہو جائے۔ میں اس کی مخالفت
نہیں کروں گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ سوائے مجبوری کے سفر نہ کرو۔
اور اگر سفر پر جانا ہی پڑے تو اکیلے نہ جاؤ بلکہ جماعت بنا کر جاؤ اور پھر جماعت میں اپنا
ایک امیر منتخب کر لو جس کی ہدایات کے متعلق سفر اختیار کرو۔ اس طرح دوران سفر
نظم و ضبط قائم رہے گا کیونکہ اللہ کو بدنظمی ہرگز پسند نہیں۔ ویسے بھی ید اللہ علی
الجماعۃ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے یعنی اس کی حمایت اور تائید شامل حال ہوتی
ہے۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے من شذ شذ فی النار جو جماعت سے
الگ ہو گیا وہ جہنم کی آگ میں پھینک دیا گیا۔ جب تک کوئی گمراہ شخص بھی جماعت
کے ساتھ رہے گا۔ اس پر شیطان اپنا ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ البتہ جب وہ جماعت
سے علیحدہ ہو جائے گا یا اپنا علیحدہ اڈا قائم کرے گا تو پھر اس پر شیطان سوار ہو جائے
گا۔ تمام فتنے یہیں سے اٹھتے ہیں۔ الغرض دین کا کام ہو یا دنیا کا جو مشورہ کر لیتا
ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام ہر اس معاملہ میں صحابہؓ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے
جس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ تمام اجتماعی معاملات
مشورہ سے طے کرتے تھے لہٰذا ان کے کاموں میں خیر و برکت کا نزول ہوتا تھا
مشورہ کے لیے دین دار اور اہل لوگوں کا ہونا ضروری ہے۔ وگرنہ بے دین لوگ
لوگ تو ہمیشہ غلط مشورہ ہی دیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ

آگے اللہ نے کامیاب لوگوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وہ ہماری عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اخراجات میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہے ——
—— فرائض کے تارک کے لیے تحقیقات پر خرچ
کچھ قصور نہیں ہوگا جس طرح جائز ملازمت میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ناجائز
امور میں خرچ کرنے کی ممانعت بھی آئی ہے۔ فضول خرچی، اسراف و تبذیر، رسوماتِ
فاسدہ، امورِ تعیش وغیرہ پر خرچ کرنا بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے اور ایسا کرنے والے
لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہوں گے۔

لیے جیسے کو تیسا جائز

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ
اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم و زیادتی یا سرکشی ہوتو وہ بدلہ لے لیتے ہیں اور ہم حکم
فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور ظلم و تعدی اختیار کرتا ہے
تو ظالم سے بدلہ لینا چاہیے کیونکہ اگر ایسے شخص سے نرمی اختیار کی گئی تو اس کا حوصلہ بڑھ
جائے گا اور پھر وہ سوسائٹی کو خراب کرنے کا۔ ایسے حالات میں بدلہ لینا ضروری ہو جاتا
ہے۔ ہاں! یہ ضروری ہے فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرہ۔۱۹۴) کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی
زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔ اگر زیادہ تکلیف پہنچائے تو ظلم میں شمار ہوگا۔
اللہ نے یہاں یہ قانون مقرر کر دیا ہے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا
بدی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ہے یعنی اس سے زائد نہیں یہ محض عدل و انصاف
کے تقاضا کی تکمیل ہے ورنہ اصولی طور پر برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ بھلائی سے
دینا چاہیے۔ البتہ فرمایا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ جس نے معاف کر دیا اور صلح
کر لی فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اللہ تعالیٰ اس
کو صلح جوئی کا اس کو بہتر بدلہ عطا فرمائیگا۔ یہی زیادہ بہتر ہے۔ لیکن جہاں فساد کے
پھیلنے کا خطرہ ہو اور بدلہ لینے کی طاقت بھی ہو تو پھر بدلہ لینا زیادہ بہتر ہوگا۔
فرمایا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح یاد رکھو اِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِينَ کہ وہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ بقائے کس کا قصہ۔

ہے اُس کے مطابق ہی ضرر و نقصان کا بدلہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔
اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ... الخ یعنی جان کے بدلے
جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت
کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔ البتہ جو کوئی معاف کر دے
تو وہ اُس کے لیے کفارہ بن جائے گا۔

فرمایا وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ جو شخص بدلہ لیا اُس
پر ظلم کیے جانے کے بعد فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ تو ایسے
لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، وہ قصاص لے سکتا یا حاکم کے ذریعے تاوان
دلوا سکتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا
انتقام لیتے وقت حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا ایک کان کاٹ دے
تو وہ بدلے میں دونوں کان کاٹ دے یا اگر کسی نے ایک انگلی کاٹی ہے۔ تو
وہ قصاص میں دو انگلیاں کاٹ دے، یہ زیادتی ہے اور ایسا کرنے والا مجرم
ہوگا۔

فرمایا الزام ان لوگوں پر بھی ہے وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ جو زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں کسی کے دل و جان کو
نقصان پہنچاتے ہیں یا کسی کی عزت و آبرو میں خلل ڈالتے ہیں، کسی کی حق تلفی
کرتے ہیں، شرائع کو توڑتے ہیں، معاشرے میں بدنظمی پیدا کرتے ہیں۔ تو
فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ایسے لوگ دردناک عذاب کے
مستحق ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔

صبر اور احسان

فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اور اگر مظلوم نے صبر کا دامن
تھام لیا، تکلیف کو ہنسی خوشی سہہ گیا، ظالم کو معاف کر دیا تو یہ بڑے اولوالعزم
کے اچھے نتائج سامنے آتے ہیں اور ظالم لوگ تائب ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بدلہ

بن بالکل جائز ہے۔ مگر معاف کر دینا افضل ہے۔ گویا صبر کرنا اور درگزر کرنا اور معاف کر دینا جیسے اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ جلد شیریں جیسے بڑے حاکم و حکمت کے کاموں میں سے ہے۔ حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرے گا۔ گویا جس نے احقاد نہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کو بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى
الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى
مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ
وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٦﴾ اِسْتَجِيْبُوْا
لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ
اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ
نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ
كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ

مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ
يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَ
يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ:۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ بھلا دے پس نہیں ہے
اس کے لیے کوئی کام بنانے والا اس کے سوا۔ اور دیکھے
گا تو ظلم کرنے والوں کو جب وہ عذاب کو دیکھیں گے
کہیں گے کیا طرف کوئی راستہ ہے کوئی پھر جانے
کی طرف راستہ؟ ﴿٤٤﴾ اور دیکھے گا تو ان کو کہ پیش کیے
جائیں گے اس (آگ) پر، اور جھکی ہوئی ہوں گی آنکھیں
ذلت سے، اور دیکھیں گے وہ ذلیل نگاہوں سے، اور
کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے، بیشک نقصان اٹھانے
والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں
کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنو! بیشک
ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ﴿٤٥﴾ اور
نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی کارساز کہ ان کی مدد کرے
اللہ کے سوا۔ اور جس کو اللہ بھلا دے پس نہیں ہے
اس کے لیے کوئی راستہ ﴿٤٦﴾ قبول کرو اپنے پروردگار کی
بات کو قبل اس کے کہ آجائے وہ دن کہ نہیں ہے
لیے پھیرنا نہیں ہے اللہ کی جانب سے۔ نہیں ہوگی
تمہارے لیے کوئی جائے پناہ اس دن۔ اور نہیں ہوگا
تمہارے لیے انکار کرنے کا کوئی موقع ﴿٤٧﴾ پس اگر
(غرض کہ) ان لوگوں نے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو

ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے آپ کے ذمے مگر پہنچا دینا۔ اور بیشک جب ہم چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے مہربانی تو اترانے لگتا ہے اس کے ساتھ۔ اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی برائی ان کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تو بیشک انسان ناشکرگزار ہوتا ہے ﴿۴۸﴾ اللہ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے ﴿۴۹﴾ یا جوڑا جوڑا دیتا ہے ان کو بیٹے اور بیٹیاں، اور بناتا ہے جس کو چاہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے ﴿۵۰﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بہت سے اہم اصول بیان فرمائے تھے جن پر انسانیت کی فوز و فلاح کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور مجرموں کے انجام اور بے حیائی سے اجتناب، غصے کی حالت میں درگزر، حکم الٰہی کی تعمیل نماز کا قیام، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں باہمی مشاورت، خدا کی عطا کردہ روزی میں سے مستحقین پر انفاق، سرکشی کرنے والے سے انتقام مگر درگزر کی اچھی وغیرہ ہوئے اصول ہیں جو اللہ نے گزشتہ درس میں بیان کیے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کی بات سمجھائی ہے۔ پھر رسالت اور توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی کی دو اصناف کو اپنی قدرت اور حکمت بالغہ کے تناظر میں بیان فرمایا ہے۔

ہدایت اور گمراہی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ہدایت اور گمراہی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم

[illegible] اور [illegible] ہے وہ کسی کو یونہی گمراہ نہیں کرتا بلکہ اسی شخص کو گمراہ کرتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس شخص کے دل میں ہدایت کے حصول کا شوق اور [illegible] ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً ہدایت کے راستے واضح کر دیتا ہے۔ خلوص دل اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے جس سے وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں۔ کتابیں نازل فرمائی ہیں اور پھر انسان کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ اللہ کی کوئی شرط کسی سے نہیں بھگتا۔ البتہ اگر کوئی آدمی اپنے اختیار اور ارادے سے غلط راستے پر چل نکلتا ہے تو پھر وہ اس کو زبردستی روکتا بھی نہیں۔ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (السجدۃ۔ ۱۴) جو شخص جہنم کا راستہ چاہتا ہے اللہ اسی کی توفیق سلب کر لیتے ہیں اور بالآخر وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرۃ۔ ۱۰۹) کہ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود انہوں نے اس بات سے حسد کیا کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں آیا۔ ان کا خیال تھا کہ جو شرف بنی اسرائیل کو اپنے وقت میں حاصل رہا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ملنا چاہیئے۔ حالانکہ وہ خاندان جانتے تھے کہ بنو اسحاق اور بنو اسماعیل ایک ہی باپ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ نے بنو اسحاق کے بعد بنو اسماعیل کو عظمت عطا فرمائی ہے تو اس میں حسد کی کیا بات ہے۔ سب کا مالک تو وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

اس واضح تضاد اور عناد کے باوجود اہل کتاب میں سے بھی بعض [illegible] لوگ پیدا ہوتے رہے [illegible] دوسرے تعصب کی عینک اتار کر دیکھا تو حقیقت ان کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کیا جو یہود کے [illegible]

ہدایت نہیں پاتا۔ اللہ نے ان پر ہدایت کے دروازے کھول دیے اور وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو گئے۔ ابھی ۱۰ سال قبل ہندوستان کا ایک بہت بڑا ہندو اچاریہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے دو مضامین میں ڈاکٹریٹ کی P.H.D. کیا ہوا تھا، بادری بنا دیا جاتا تھا۔ مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے کسی نے کہا کہ اسلام میں تو حلال و حرام کی بہت سی پابندیاں ہیں، پھر تم نے اسے کیسے قبول کر لیا؟ تو کہنے لگا کہ انسان انہی پابندیوں کو قبول کر کے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس کو خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور اپنی بیوی اور اپنی بہت ساری اسلام میں داخل ہو گیا۔ آجکل وہ کیرالہ میں رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے فرانس کے ایک سائنس دان نے بھی انصاف سے کام لیا تو اللہ نے اس کو بھی ہدایت دے دی اور وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ نیک نیت اور انصاف پسند آدمی تو کبھی نہ کبھی ہدایت کو پا لیتا ہے اور جو ابلیس کے قدموں پر چلتا ہے، وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کا خدا کے سوا کوئی کارساز نہیں جو اس کو راہ راست کی طرف لا سکے۔

ربط آیات

آگے اللہ نے ظالموں کی حالت زار بیان فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ قتل ناحق، حق تلفی، آبروریزی وغیرہ ظلم کی فہرست میں آتے ہیں۔ اللہ نے اپنی کاموں کے مرتکبین کے متعلق فرمایا وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور تو دیکھے ظالموں کو جب وہ اس عذاب پر نگاہ ڈالیں گے جس میں وہ مبتلا ہونے والے ہوں گے يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ تو اس وقت کہیں گے کہ کیا دنیا میں واپس لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟ اس مقام پر مجرمین کی واپس جانے کی خواہش کا ذکر آخرت کے حوالے سے کیا گیا ہے، تاہم جب کسی شخص کی انفرادی موت کا وقت [illegible] ہے۔ وہ بھی [illegible] حسرت کے فقرے نظر آنے لگتے ہیں۔

تو اُس وقت بھی انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے رَبِّ لَوْلَآ
اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (المنافقون: ۱۱)
پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیتا تو میں صدقہ خیرات کرتے
تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاتا مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی موت
کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر ہرگز مہلت نہیں دی جاتی۔ سورۃ ابراہیم میں یہ
مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ظالم لوگ عذاب کے دن کہیں گے ۔
رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ
(آیت ۴۴) پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تاکہ ہم تیری دعوت
توحید کو قبول کر لیں اور تیرے پیغمبروں کا اتباع کریں۔ اللہ فرمائے گا، کیا تم
اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا؟
اب جب کہ دوسرا جہان آنے والا ہے تمہیں اتباع رسل کی خواہش پیدا ہوئی
ہے، یہ قبول نہیں کی جائے گی۔

غرضیکہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر واپسی کی خواہش کریں گے۔ اللہ
نے فرمایا وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ آپ انہیں
دیکھیں گے کہ وہ ذلت کی وجہ سے جھکی ہوئی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب
کو پیش کیے جائیں گے۔ يَّنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ اور وہ ذلیل نگاہوں سے
دیکھیں گے۔ خفی کا معنی پوشیدہ بھی ہوتا ہے اور ذلیل بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اُس
دن ندامت کی وجہ سے نظریں اوپر نہیں اٹھا سکیں گے اس لیے ذلت آمیز نظر
سے دیکھیں گے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اُس دن اہل ایمان
لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے
آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا۔ ان لوگوں
نے تمام عمر کفر اور شرک کیا اور زندگی کے قیمتی سرمایہ کو ضائع کر دیا۔ اخروی

نے اس سرمایہ سے ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے کفر، شرک، معاصی اور بدعات کو خریدا۔ یہ خود تو گمراہی میں ڈوبتے ہوئے تھے اپنے اہل و عیال کو بھی لے ڈوبے کیونکہ عام طور پر بڑوں کے پیچھے ہی چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے ہی راستہ پر چلتے ہیں۔ قیامت کے دن واضح ہو جائیگا کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر جو کمائی کی تھی کیا اور پھر آواز آئے گی اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ آگاہ ہو کہ ظالم لوگ ایسے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے جس سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔

فرمایا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ان کے لیے کوئی کارساز نہیں ہوگا۔ جو اللہ کے سوا ان کی مدد کر سکے۔ ظالم لوگ اس دن بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ جس کو اللہ تعالیٰ اس کی خود غلط اور بد دعوی کی وجہ سے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکے گا۔ دنیا میں ہدایت سے محروم رہے گا اور آخرت میں عذاب الیم کا سامنا کرے گا جس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اس ہولناکی سے بچنے کے لیے اللہ نے فرمایا اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ اپنے رب کا کہنا مان لو کہ اس ہولناک دن سے پہلے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹل نہیں سکتا۔ وہ یقیناً آکر رہے گا۔ لہٰذا اس دن کے پہلے پہلے ایمان لے آؤ۔ اور یاد رکھو! مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔ دنیا میں تو تم کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے کے بعد انکار بھی کر دیتے تھے یا دنیا کی نظروں میں چھپ بھی جاتے تھے مگر قیامت والے دن نہ تو کہیں بھاگ کر جان بچا سکو گے اور نہ اپنے کردہ اعمال سے انکار کر سکو گے۔ اس دن ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی اور پھر تمہیں اپنے عقائد و اعمال کا حساب چکانا ہی پڑے گا۔

آگے رسالت کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے اللہ کے نبی اللہ کے

تمہ تذکیر فرمائی اور تبلیغ کے باوجود فَإِنْ أَعْرَضُوا اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کی بات پر توجہ نہ دیں فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا کہ آپ ان کو حق کی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔ فرمایا ایسی بات نہیں ہے آپ ان کے عمل انکار کی وجہ سے دل میں رنجیدہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اور ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (آیت ۲۲) آپ ان پر کوئی داروغہ تو نہیں ہیں کہ زبردستی حق کی طرف لے آئیں گے۔ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے سورۃ الرعد میں فرمایا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (آیت ۴۰) بیشک آپ کے ذمے پیغام پہنچا دینا ہے اور پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس - ۹۹) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ضرور ہی ایماندار بن جائیں؟ نہیں، بلکہ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ - ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکے ہیں۔ اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے گمراہی کے راستے پر چلے تو پھر وہ اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے بھی تیار رہے

انسان کی دو حالتیں

اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی دو حالتوں کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا بیشک جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے یعنی جب اسے دنیا میں راحت نصیب ہوتی ہے مال و دولت، عزت و جاہ حاصل ہوتا ہے تو پھولے نہیں سماتا اور کہتا ہے کہ یہ میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ میں اس قابل تھا کہ مجھے یہ چیزیں حاصل ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کو بھول جاتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرنا ہے وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ اور اگر ان کو اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے کلفت پہنچتی ہے، اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار

ہو جاتے ہیں فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۔ ٹھیک انسان ناشکرگزار بن جاتا ہے تکلیف کے وقت وہ خدا تعالیٰ کو کوسنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا یہ ذلت اور رسوائی ہے ہی جھیلنے کے لئے تھی؟ غرضیکہ اس نے عام انسان کی یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ آسودگی میں غرور و تکبر کرتا ہے اور مصیبت میں ناشکرگزار بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک مومن آدمی ہر حالت میں راضی برضا رہتا ہے۔ راحت آتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف آتی ہے تو صبر کرتا ہے اللہ کو کوسنے یا برا بھلا کہنے سے باز رہتا ہے۔

اولاد کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت، اختیار، حکمت بالغہ کا ذکر اس طرح فرمایا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور متصرف ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۔ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہے۔ ہر تخلیق اس کی منشا اور حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ خاص طور پر انسان کی تخلیق کے متعلق فرمایا يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۔ وہ جس کو چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے دیتا ہے۔ یعنی تفریق جنس کا معاملہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم کرتا ہے۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے قطرہ آب سے اور پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق فرمائی فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (آیت ۳۹) پھر ان میں نر اور مادہ کے جوڑے جوڑے بنائے۔

فرمایا جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑوں کی شکل میں دیتا ہے ہر شخص کے حالات کے مطابق بعض کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں عطا کر دیتا ہے وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے یعنی نہ لڑکی دیتا ہے اور نہ لڑکا بلکہ بعض لوگ عمر بھر اولاد سے محروم رہتے ہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کا کام ہے۔ اولاد کے سلسلے میں انسان چار قسم کے گروہوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں

[illegible]

اور لوط علیہ السلام کی صاف بیٹیاں تھیں۔ اور [illegible] علیہ السلام کو [illegible] بیٹے بھی دیئے اور بیٹے بھی جب کہ یحییٰ علیہ السلام کو بانجھ عورت [illegible] کی عجیب حکمت اور فرمائے، وہ چاہتے تو [illegible] علیہ السلام کو بیٹوں کے بیٹا دیتے اور حضرت حوا کو ماں کے بغیر صرف باپ سے پیدا کرتے۔ وہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کرتے اور آدم و حوا کو دونوں سے پیدا کرتے اور جانوروں کو [illegible] دونوں کے اختلاط سے پیدا فرماتے ہے۔ یہ سب اس کی خالق قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ [illegible] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ [illegible] ہیں کہ چاہے تو ایک ہی عمل میں لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا فرما دے۔ ہمارے ایک دوست ساتھی نے بتایا کہ ان کے بیٹے کے ہاں تین جڑواں بچے لڑکا ہوئے جن میں دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔ سنڈیمن میں ایک کسان کے گھر میں بیک وقت آٹھ بچوں کی پیدائش کی خبر آئی تھی، اور اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک ہی حمل میں دو یا زیادہ بچے پیدا ہوئے۔ اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ بہت سی عورتیں ہیں علاج کرواتے ہیں، تعویذ گنڈے وغیرہ بھی آزماتے ہیں مگر کوئی بچہ نہیں ہوتا۔ بات واضح ہے کہ تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ قدرت ہے۔

[illegible] ہے، جو کچھ وہ سب کچھ ہو جاتا ہے اور جس پر قدرت بھی رکھتا ہے، کوئی اس کی ذات میں شریک نہ ہے نہ صفات میں۔ نہ [illegible] تصرف میں۔ وہ جو چاہتے کرتے۔ اس کی حکمت [illegible] کوئی [illegible] نہیں کر سکتا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ
مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ
مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا
الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ
الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں ہے کسی انسان کے لائق کہ اللہ تعالیٰ
اس سے کلام کرے مگر وحی کی صورت میں یا پردے کے
پیچھے سے یا وہ کسی پیغام لانے والے کو بھیجے، پس وحی
بھیجتا ہے وہ اس کے حکم سے جو چاہے۔ بیشک وہ بلند
مرتبہ حکمتوں والا ہے ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے وحی کی
ہے آپ کی طرف روح اپنے حکم سے۔ آپ نہیں جانتے
تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان، لیکن ہم نے کیا
اس کو نور، راہنمائی پاتے ہیں ہم اس کے ساتھ جس کو
چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بیشک البتہ آپ راہنمائی

کرتے ہیں سیدھے راستے کی طرف (۵۲) راستہ اس اللہ کا
جس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے
زمین میں۔ آگاہ رہو! اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں تمام کام (۵۳)

گذشتہ درس میں ہم نے ذکر کیا کہ قیامت والے دن جب ظالم لوگ
عذاب کو دیکھیں گے تو دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ تلاش کریں گے مگر ایسا ممکن نہیں
ہوگا بلکہ وہ ذلیل و خوار ہو کر عذاب عظیم کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر رسالت کے
ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام آپ مشرکین کی ایذا رسانیوں سے
دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ ان کو راہ راست پر لے آنا آپ کی
ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ صرف اپنا کام کرتے جائیں۔ پھر اللہ نے انسان کی
ناشکرگزاری کا ذکر فرمایا کہ جب انہیں آسودگی حاصل ہوتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور
جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان ناشکرگزاری کا اظہار کرتا ہے۔ پھر اللہ نے
اپنی صفت تخلیق کا ذکر کیا کہ لڑکے یا لڑکیاں دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ اپنی
حکمت بالغہ کے مطابق کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے کسی کو بیٹیاں، کسی کو دونوں اصناف
اور کسی کو بالکل بانجھ بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کام اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق انجام
دیتا ہے جسے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔

بعض مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ یہ شخص کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی
طرف سے وحی آتی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتا
اور ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا۔ اگر خدا تعالیٰ ہم سے ہمکلام ہو جائے تو ہم جان
لیں گے کہ یہ اپنے نبی سے بھی کلام کرتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کسی انسان کے لیے
ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ انسانی جسم کی ساخت اور
اس کے قویٰ میں کلام الٰہی کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انسان کی
صلاحیتیں تو اس قدر کمزور ہیں کہ وہ کسی فرشتے کو بھی اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کی

آپ نہیں لا سکتے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہوں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ مشرکین کا یہی اعتراض سورۃ الانعام میں بھی مذکور ہے وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وہ کہتے تھے کہ آپ پر فرشتہ اپنی اصلی شکل و صورت میں کیوں نہیں نازل ہوتا کہ ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں اور پھر ایمان لے آئیں مگر اللہ نے فرمایا وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ (آیت ۸) اگر ہم فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں بھیج دیں تو معاملہ کا فیصلہ ہو جائے یعنی یہ لوگ اس کو دیکھتے ہی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جائیں جب ایک عام انسان فرشتے کو نہیں دیکھ سکتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ البتہ اللہ کے نبیوں کی تربیت خاص طریقے پر ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے مگر وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ ان تین صورتوں میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اس مادی اور عنصری جہان میں تو رؤیت باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا کوئی امکان نہیں ہے عالم برزخ اور عالم آخرت میں ممکن ہے کیونکہ وہ جہان اس جہان سے بہت لطیف ہے۔ اور جب انسان اس جہان سے منتقل ہو کر اس لطیف جہان میں پہنچیں گے تو ان کے قویٰ سامعہ اور باصرہ وغیرہ میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہو جائے گی۔ سورۃ ق میں ارشاد ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (آیت ۲۲) اس دن پردہ اٹھ جائے گا اور تیری انسانی بصارت میں بہت تیزی آجائے گی اور بہت سی چیزیں بھی نظر آئیں گی جن کو عالم دنیا میں حواس، فرشتے، جنات وغیرہ سے انسانی نگاہ نہیں دیکھ سکے گی۔ اور انسان کے قویٰ بھی اتنے مضبوط ہو جائیں گے جو ان کی رؤیت کو برداشت کر سکیں گے۔

عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی مثال ایک حدیث سے ملتی ہے حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور اپنے پیچھے والدہ حضرت جابرؓ اور نو بیٹیاں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت جابرؓ ان زمرہ داریوں کو نبھانے کے سلسلے میں اکثر پریشان رہتے تھے حضور علیہ السلام نے ان

کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے مریم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ تیرے باپ کو وہ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے براہِ راست کلام فرمایا ہے۔ جو کسی دوسرے شخص سے نہیں کیا۔ جہاں اس وادی جہاں میں انسانی قویٰ اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو سوائے اُن تین صورتوں کے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

امام کلام یا پیغام وحی

قرآن میں انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے اِلَّا وَحْيًا مگر بذریعہ وحی۔ وحی کے بہت سے معانی آتے ہیں بنیادی لغت کے امام محمد ابن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی اپنی کتاب "مختار الصحاح" میں لکھتے ہیں لوحی الکتاب۔ گویا وحی کا لفظ کتاب پر بھی بولا جاتا ہے۔ وحی کا معنی کلمہ بھی آتا ہے اور وحی کا لفظ اشارے پر بھی بولا جاتا ہے مثلاً "فَاَوْحٰى لَهَا الْقَرَارَ فَاسْتَقَرَّتْ" اللہ نے زمین کی طرف اشارہ کیا تو وہ ٹک گئی، استقرار پکڑ لیا۔ اسی طرح وحی کا معنی مخفی کلام بھی ہوتا ہے جس میں تیزی کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی وہ چیز کسی کو سرعت کے ساتھ القا کی جائے وہ وحی کہلاتی ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں فرمایا۔ ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو پیغمبر کا دشمن بنایا ہے یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (آیت ۱۱۲) جو ایک دوسرے کے دل میں دھوکے کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔ اسی طرح وحی کا اطلاق پیغام پر بھی ہوتا ہے وحی قرآن پاک کی اصطلاح ہے جس کے کئی مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں۔

وحی کی قسمیں

وحی کی ایک قسم خاص ہے جو وحی رسالت یا وحی نبوت کہلاتی ہے اور یہ صرف اللہ کے رسولوں یا نبیوں کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول اور نبی اس وحی کے امین ہوتے ہیں اور اُسے آگے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے جو غیر انبیاء پر بھی ہوتی ہے۔ اس وحی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی بات کسی مخفی طریقے سے سجھا دی جاتی ہے۔ یا اُس کی طبیعت اور مزاج میں اُس کو ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل ۶۸) تیرے پروردگار نے شہد

...ں کی طرف وحی کی کہ وہ پاکیزہ پھلوں اور پھولوں کا رس چوسیں۔ اے اپنے پیٹ سے بیع کریں اور پھر شہد کی صورت میں باہر نکالیں۔ اللہ نے یہ پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نہیں بھیجا بلکہ شہد کی مکھیوں کو بالطبع یہ بات سجھا دی گئی ہے کہ وہ ایسا کریں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کرنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى (طٰہٰ ۳۸) اے موسیٰ ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی کی۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس طریقے سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے محفوظ رکھا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ نے یہ وحی فرشتہ بھیج کر کی ہو یا کچھ طبیعت میں ہی ڈال دیا ہو کہ یہ بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے۔ اس وحی کا اشارہ بیداری میں بھی ہو سکتا ہے اور خواب کی حالت میں بھی۔ عام لوگوں کے لیے اس قسم کی وحی قطعی نہیں ہوتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسا ان قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الفتح میں ملتی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (آیت ۲۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا تو اپنے سر منڈوا کر اور بال کتروا کر امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے چنانچہ حضور علیہ السلام کا یہ خواب حرف بحرف پورا ہوا۔ گویا بعض اوقات اللہ اپنے نبیوں کو خواب کے ذریعے احکام پہنچا دیتا ہے۔ اور کبھی غیب سے آواز آتی ہے جسے وہ سنتے ہیں اور نبی اس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ البتہ غیر نبی پر جو وحی آتی ہے وہ صرف الہام کی ایک شکل ہوتی ہے جو کہ شریعت نہیں ہوتی۔ وحی نبی اور غیر نبی میں یہی فرق ہے۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف وحی کا ذکر بھی آیا ہے۔ آپ کی زبان کو کلام کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (آیت ۱۱) اور انہیں اشارے سے فرمایا کہ وہ صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔ یہاں پر وحی کا معنی اشارہ ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

کسی انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا سوائے تین صورتوں میں جن میں سے پہلی صورت وحی ہے۔ جب ایسی وحی نبی پر ہوگی تو یہ خلعت ہوگی اور جب غیر نبی پر ہوگی تو اسے الہام کہا جائے گا۔

(۲) پس پردہ کلام

اللہ نے کلام کرنے کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کہ یا یہ کلام پردے کے پیچھے سے ہوگا۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جہان میں کسی سے براہ راست کلام نہیں کرتا۔ اس دنیا میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا جیسے فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء ۱۶۴) جب کہ طور پر آپ نے آگ دیکھی تو اس طرف چل دیے۔ وہاں پہنچے تو آگ کی بجائے درخت سے پھوٹتی ہوئی نور آ رہی تھی۔ اس وقت آواز آئی اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ ۱۲) اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ (طٰہٰ ۱۵) اے موسیٰ میں تیرا پروردگار ہوں، میں تیرا اللہ ہوں۔ یہ حجاب نور کی تھا یا حجاب نار کی تھا جس کے پیچھے سے اللہ نے کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا نہیں۔ اور جب آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر جب اللہ نے اپنی تجلی کو طور پر نازل کیا تو موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ غرضیکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ براہ راست کلام نہیں کرتا بلکہ یا تو وحی بھیجتا ہے یا پھر پس پردہ کلام کرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دفعہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہو گیا۔ فرمایا، کتنا قریب؟ عرض کیا، اتنے اور پروردگار کے درمیان صرف ستر حجاب پڑے حائل رہ گئے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کو حجاب نور کی میں نہ دیکھ سکتے اور اس سے کلام کرتے ہیں۔ تو انسان کے ساتھ بھی پردے کے پیچھے سے کلام ہو سکتا ہے۔ براہ راست نہیں ہو سکتا۔

(۳) کلام براہ راست جبرائیل

اس جہان میں کلام کرنے کی اللہ نے تیسری صورت یہ بیان فرمائی ہے۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ یا (کسی) فرشتے کو پیغام لانے والا بھیجے جو اس کے حکم سے جو چاہے وحی پہنچائے بے شک وہ بلند اور حکمتوں والا ہے ۔ پیغام لانے والے سے مراد اللہ کا فرشتہ ہے جو کبھی اپنی اصل شکل میں آتا ہے اور کبھی انسانی شکل میں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ میں نے جبرئیل امین کو صرف دو دفعہ اس کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ ابتدائے وحی کے زمانہ میں اور دوسری دفعہ معراج کے موقعہ پر۔ اور عام طور پر آپ حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں پیغام لے کر آتے تھے اور بعض اوقات کسی اجنبی آدمی کی شکل میں بھی آجاتے تھے۔ احادیث میں اس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا اِحْدٰى صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ گھنٹی کی سی آواز آتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کا بشریت سے ملکیت کی طرف انسلاخ کر رہے ہیں۔ پھر فرشتے کا ارتجاز قلب کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور وہ دل میں القاء کر دیتا ہے جیسے فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعراء ۱۹۳، ۱۹۴) اس کو آپ کے دل پر امانت دار فرشتے نے نازل کیا ہے تاکہ آپ نصیحت کرنے والوں میں ہو جائیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وحی کی حالت سخت شدید ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا۔

وحی کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات الفاظ اور مفہوم دونوں چیزیں القا ہوتی ہیں اس کو وحی متلو کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات الفاظ القا نہیں ہوتے بلکہ صرف مفہوم ہوتا ہے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضور علیہ السلام اپنے الفاظ میں مفہوم کو بیان کر دیا کرتے تھے (جیسا کہ بعض احادیث کیونکہ قرآن تمام کا تمام وحی متلو کی شکل میں نازل ہوا ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے اعتراض کا جواب دیا اور وحی الٰہی کی مختلف صورتیں بیان فرمائیں

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے علیہ السلام تک تمام انبیاء اور رسل پر وحی بھیجی وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اسی طریقے سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے ایک روح۔ اس مقام پر روح کے دو معانی ممکن ہیں۔ روح کا معنی قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے اور وحی لانے والا فرشتہ بھی۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اس کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح روح انسانی جسم میں داخل ہو کر اس کو زندگی بخشتی ہے اسی طرح قرآن پاک جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور روح سے مراد روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی ہے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء ۱۹۳) یعنی جبرائیل علیہ السلام اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر روح سے مراد قرآن پاک ہے جو انسان کی حیات جاودانی کا ذریعہ بنتا ہے قرآن پاک کے متعلق سورۃ ابراہیم کے آغاز میں فرمایا کہ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تاکہ آپ لوگوں کو جہالت اور معاصی کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف لے آئیں۔ یہ قرآن یقیناً لوگوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور ایمان کی روشنی میں لے آتا ہے، لہٰذا اس کو روح کہا گیا ہے۔

ایمان اور کتاب

آگے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر علیہ السلام کو خطاب ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تو درست ہے کہ نزول کتاب سے پہلے آپ اس کتاب سے متعلق تفصیلات نہیں جانتے تھے۔ مگر ایمان کی نفی تو کسی حال میں بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر نبی نزول وحی سے پہلے بھی مومن ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی نبی سے ایمان کے برخلاف کفر یا شرک کا ارتکاب آنکھ جھپکنے کے برابر بھی محال ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ کی عصمت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور کسی نبی سے

کوئی گناہ نہیں سرزد نہیں ہوتے رہتا چہ جائیکہ وہ ایمان کے خلاف کوئی فعل کرے۔ تو حضرت کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایمان سے مراد نماز ہے یعنی نزول وحی سے پہلے آپ نہ قرآن سے واقف تھے اور نہ نماز کی تفصیلات سے کیونکہ نماز کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی سکھایا تھا۔ ایمان یعنی نماز کی مثال سورۃ البقرہ میں بھی ملتی ہے۔ جب نبی علیہ السلام کو بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر کیے جانے کا حکم ہوا تو بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ ہماری اگلی نمازوں کا کیا ہوگا۔ جو ہم سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُمْ (آیت ۱۴۳) یعنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نمازوں کو ضائع کر دے۔ تمہاری وہ نمازیں بھی حضور کے ہاں درجہ قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر ایمان سے مراد شرع کے تفصیلی احکام ہیں یعنی ایمان تو تھا مگر تفصیلی احکام کا علم نزول وحی کے ساتھ ہی ہوا۔ البتہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے اللہ کے نبی قطب باطنی کے درجے میں ہوتے ہیں۔ نبی آخر الزمان بھی ایمان، توحید، کفر اور شرک سے تو واقف تھے مگر ان کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں جو اللہ نے بذریعہ وحی نازل فرمائیں، اسی لیے فرمایا کہ آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔

قرآن زریعہ ہدایت

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا

جو ہم نے قرآن پاک کو ایسا نور بنا کر بھیجا ہے کہ جس کے ذریعے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں۔ اور جس طرح یہ قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح فرمایا کہ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ ہی لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور وہ راستہ اس وحدہٗ لاشریک کا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ یہ ایسا سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کے حقدار بنا دیتا ہے۔ مطلب

یہ کہ قرآن اور نبی کی ذات دونوں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس سے تیسرے
مسئلہ کی طرف ہم آتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ
ہمہ دان اور ہمہ بین ہے۔ قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ وہ واحد و لاشریک ہے۔

معاد و تذکرہ

سورۃ کے آخر میں معاد کا تذکرہ بھی فرمایا اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ۔
خبر دار! تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی پہنچنے والا ہے۔ سورۃ آلِ عمران
میں فرمایا اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا (آیت ۴) تمہیں بالآخر ہر چیز کا آغاز اللہ کی طرف
سے ہے اسی طرح ہر چیز کا انجام بھی اُسی کی طرف ہونے والا ہے۔ انسانوں کے
تمام اعمال نیک اور بد سب خدا کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ کفار و مشرکین
کی بدفعالی اور نیکوں کی اعمالِ حسنہ و فرمانبرداری سب خدا کی بارگاہ میں پہنچنے والی ہیں۔
جہاں ہر شخص کو اپنے عقیدہ و اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا کر جواب دینا پڑے گا۔

٥٤٣

سورة

# الزخرف

مكية

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زخرف مکی ہے، اس کی نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ
قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ
فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④
اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا
مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي
الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ
بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

ترجمہ:- حٰمٓ ① قسم ہے کھول کر بیان کرنے
والی کتاب کی ② بیشک ہم نے کیا ہے اس (قرآن)
کو عربی زبان میں تاکہ تم سمجھ سکو ③ اور یہ (کتاب)
لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بہت بلند اور محکم
کیا ہم پھیر دیں گے تم سے نصیحت کرنے کو اپنے

کہ تم اسراف کرنے والے ہو ⑤ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے ⑥ اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ⑦ پس ہم نے ہلاک کیا ان سے زیادہ گرفت والے لوگوں کو اور گزر چکی ہیں مثالیں پہلے لوگوں کی ⑧

نام اور وجہ تسمیہ

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الزخرف سے جو کہ اس کی آیت ۳۵ میں آمدہ لفظ زخرف سے ماخوذ ہے۔ زخرف کے معنی سونے کی ملمع سازی کے ہیں۔ گویا یہ لفظ کسی بھی ایسی ملمع سازی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی دوسری دھات پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہو۔ زخرف یا مزخرف کا لفظ قرآن پاک میں بالعموم اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے دشمن بنائے یُوحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (آیت ۱۱۲) جو ایک دوسرے کو ملمع شدہ یا سونے والی بات القاء کرتے ہیں۔

یہ سورۃ باقی حوامیم کی طرح مکی سورۃ ہے اور گزشتہ سورۃ الشوریٰ کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی ننانوے آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۳۲۲ کلمات اور ۱۴۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گزشتہ سورتوں کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے حوامیم کا عمومی مضمون توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ذکر ہے، تاہم ہر سورۃ میں بعض مخصوص مضامین بھی آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مختلف عنوانات اور مثالوں کے ذریعے شرک کا رد کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بھی بیان کی ہے کہ انہوں نے کس طرح قوم کے سامنے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور توحید کے لیے بہترین طریقہ کار کو بھی واضح کر دیا۔ اسی ضمن میں عیسیٰ علیہ السلام

کا ذکر ہے۔ آپ کو بڑی سرکش قوم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ شرک کی مختلف قسموں میں ایک قسم انسان پرستی کی بھی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کی صفت اور عبادت میں شریک کیا، اُس کا ذکر آئے گا۔ تمام رسولوں کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ شریعت کا علم کسی تجربہ یا عقل پر نہیں ہوگا، بلکہ یہ رسولوں کے واسطے آتی ہے۔ تمام کتب سماویہ اور خاص طور پر قرآن پاک پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا جیسے عمل کے ضمن میں ترغیب و ترہیب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو کہ اس سورۃ میں بھی تمام بنیادی اصولوں کا ذکر آگیا ہے۔ اگر انسان کا عقیدہ درست ہوگا تو دین پر عمل درآمد ہو سکے گا۔ اور اگر عقیدے میں خرابی ہوگی۔ تو فرقہ بندی شروع ہو جائے گی اس لیے دین کی اساس اور بنیاد کو بھی ظاہر واضح کر دیا گیا ہے۔

حروف مقطعات

یہ سورۃ بھی چونکہ حوامیم سبعہ میں سے ہے لہٰذا اس کی ابتدا بھی حٰمٓ کے حروف سے ہوئی ہے۔ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا قرآن پاک کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کا اشارہ اس سورۃ میں بیان کردہ مضامین کی طرف ہے۔ ان کا اشارہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے ح سے حنان اور م سے منان۔ آسمانی دروازے کی شفقت و مہربانی کرنا خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہٰذا حٰمٓ سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان حروف کے ذریعے خدائے رحمان و رحیم کی قسم اٹھا کر آگے بات کی گئی ہے تاہم امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات میں زیادہ کھوج نہیں چاہیئے بلکہ ان کی تلاوت کے وقت یہی کہنا چاہیئے اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان حروف سے اللہ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ بالعموم مفسرین نے تقریب فہم کے لیے جو باتیں کی ہیں وہ حتمی نہیں ہیں، لہٰذا ان حروف کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔

کتاب مبین

حروف مقطعات کے بعد سورۃ کا آغاز قسم سے ہوتا ہے وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ

قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جس کی مثال کو
بتایا جا چکا ہے۔ کہا جا چکا ہے کہ کسی ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسری جگہ پر
اس کی تفصیل بھی موجود ہے اور پھر بعض چیزوں کی وضاحت اللہ کے نبی کے سپرد کی
گئی ہے جیسے سورۃ النحل میں فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (آیت ۴۴) ہم نے یہ ذکر یعنی کتاب اس لیے نازل کی ہے
تاکہ آپ لوگوں کو وہ چیز کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔ کیا حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام آیات الٰہی کی تشریح نہیں کرتے ہیں اور یہ تشریح و توضیح بھی تو
ہوں ہے جسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ نے اکثر بنیادی عقائد اور اصولوں کو
بڑے واضح طریقے پر بیان کر دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہر چیز انسان کی سمجھ میں آجاتی
ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ الغرض! اللہ نے کھول کر بیان کرنے والی کتاب
کی قسم اٹھا کر اس بات کی ہے۔

قرآن حق ہے

کتاب مبین کی قسم کے جواب کے متعلق مفسرین کی دو رائے ہیں۔ بعض فرماتے
ہیں کہ اس مقام پر بھی جواب قسم وہی ہے جو سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں وَالْقُرْاٰنِ
الْحَكِيْمِ میں ہے یعنی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر
کتاب مبین کی قسم کا جواب قسم وہی ہے جو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّا
جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا بے شک ہم نے اس قرآن پاک کو عربی زبان میں نازل
کیا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ آپ لوگ اسے بخوبی
سمجھ سکیں۔

قرآن کا عربی زبان میں نزول ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ جس کو پچھلی سورۃ
میں بھی بیان کیا جا چکا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ
اسی طرح ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف عربی زبان میں بھیجا تاکہ آپ ام القریٰ اور
گرد و پیش والوں کو ڈرا دیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اس نے تورات عبرانی

زبان میں اور انجیل سریانی زبان میں نازل کی، وہ اس قرآن کو کسی دوسری غیر عربی زبان میں بھی نازل کرنے پر قادر تھا مگر اس کا یہ اصول فیصلہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراھیم-۴) ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کو اللہ کا پیغام کھول کر بیان کر سکیں۔ اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی قوم قریش کی طرف مبعوث فرمایا، جو عربی زبان بولتے تھے۔ لہٰذا قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اس کے اولین مخاطبین اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر اس کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں عربی زبان انتہائی عروج پر تھی۔ اس کی ترقی کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے دو ہزار سال پہلے شروع ہوا۔ اور آپ کے زمانے تک شعر و ادب کی دنیا میں یہ زبان تمام زبانوں پر فوقیت حاصل کر چکی تھی۔ یہ زبان آج بھی اختصار، مفہوم کی ادائیگی اور اس کی گرائمر کے ساختیاتی ہونے کے اعتبار سے اول نمبر پر ہے۔ اس کی شدت میں بھی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انگریزی زبان اگرچہ دنیا بھر میں بولی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جب کہ عربی ہی ایک واحد زبان ہے جو زائد حروف سے بالکل پاک ہے اور کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عربی زبان میں کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا کوئی مفہوم یا معنی نہ نکلتا ہو۔ بہرحال اس فصیح و بلیغ زبان میں اللہ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ طبرانی اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ عربوں سے محبت کیا کرو۔ کیونکہ میں بھی عربی ہوں، اللہ نے قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ اور پھر اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ یہ قریش اور عربوں کی سعادت تھی کہ اللہ کا آخری نبی ان میں پیدا ہوا۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جس کی ایک حکمت اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ-۱۴۳) کہ اللہ کا رسول تمہارا معلم ہے اور تم دیگر لوگوں کے معلم ہو گے۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک

کرا پنی ماورائی زبان میں بہت سی وحیے اپنی طرف بھیجا اور پھر آگے عیسیٰ علیہ السلام
پہنچا دی۔ فرمایا یہ اندر محفوظ کتاب ہے۔ وَاِنَّهٗ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا
لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بہت بلند اور بہت
پختہ حکمت کے دونوں معنی آتے ہیں یعنی مضبوط اور مستحکم بھی اور حکمت والی بھی ہے۔ بہرحال
قرآن کریم میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ
نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔ ۹) ہے تک ہم نے اس کو
نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس دنیا میں
کروڑوں انسانوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا ہے اور اوراق و صفحات میں بھی اس کو
محفوظ و مستحکم بنا رکھا ہے۔

قرآن کریم کی حقانیت

جو لوگ بنی آخر الزمان کی رسالت اور قرآن حکیم کی حقانیت میں شک کرتے ہیں
اللہ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کیا ہم تمہیں
نصیحت کرنے سے پلو تہی کریں گے محض اس وجہ سے کہ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا
مُّسْرِفِیْنَ تم ایک حد سے گزرنے والی قوم ہو؟ اگر تم اس
نبی یا قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے آخری
کے ذریعے تمہیں نصیحت کرنا ترک کر دیں؟ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہر حالت میں
نصیحت کی جاتی رہے گی۔ ہمارا پیغام پہنچتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت
کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام تر مخالفت کے باوجود نزول قرآن کو روک
نہیں کیا۔ لہٰذا قرآن پاک بدستور نازل ہو رہا ہے۔ اللہ کی منشا یہ ہے کہ دو ٹوک طریقے
اور قرآن کے ذریعے اتمام حجت کرتے تاکہ کل کو کوئی عذر نہ کر سکے اَنْ تَقُوْلُوْا
مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور
ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری رسول کو مبعوث فرمایا
اور اس عذر کو رفع کر دیا ہے فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ (المائدہ۔
پس تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے۔ لہٰذا اب تمہارا

کرنا عذر کا موجب نہیں ہے۔ اگر اب بھی حقیقت کو پہچان کر اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر آگے اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہے، وہ تمہیں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

سابقہ انبیاء کا انجام

اسی ضمن میں اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی اور پھر ان کے انجام کا حال بھی ذکر کیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي الْاَوَّلِيْنَ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بہت سے رسول بھیجے وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ان میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے ٹھٹھا ہی کیا۔ اللہ کے نبی اور رسول انہیں خدا کا پیغام پہنچاتے تھے، انہیں نیک انجام کی خوشخبری دیتے تھے اور برے انجام سے ڈراتے تھے مگر ان لوگوں نے ایسے تمسخر اور استہزاء سے ان کا استقبال کیا۔ سورۃ الرعد میں بھی ہے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (آیت ۳۲) آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ پس میں نے انکار کرنے والوں کو مہلت دی اور پھر ان کو پکڑ لیا۔ جب ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو پھر وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (ہود ۔ ۳۰) ان کی تمسخر کا جو بھی سرکردہ وہ الٹا انہی پر گرا۔ ان کے ساتھ مذاق کرتا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی اور رسول کے ساتھ تمسخر کیا گیا۔ آج یہ لوگ آپ کو دیوانہ۔ شاعر یا کاہن کہتے ہیں تو آپ ان کی باتوں سے گھبرائیں نہ دل تنگ ہوں۔ یہ تمسخر تو پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور ان کی بیہودہ حرکات کی پرواہ نہ کریں۔ حضرت کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد آپ کے متبعین کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ لوگوں کے ایسے مذاق سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ البتہ اللہ نے یہاں پر نتیجہ کر دیا ہے کہ نافرمانوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہی ہوتا رہا ہے۔ سورۃ سبا میں اللہ نے فرمایا کہ کافروں کے کافر کسی بات پر اتراتے ہیں اور اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

(آیت ۴۵): اس سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی انجام
کار عذاب میں مبتلا ہوئے۔ ان مکے والوں کو قرآن کا معجزہ عبرت نہیں دلاتا، تعجب کی کیا حیثیت
ہے [illegible]

فرمایا ہم نے پہلے بھی ساتھ مثالیں فاعتبروا منہ بھی بطشنا
پھر ہم نے ان سے زیادہ قوت والوں کو ہلاک کر ڈالا۔ مطلب یہ کہ مکے والے بھی
اپنے انجام کو سوچ کر رہیں گے۔ فرمایا ومضی مثل الاولین پہلے لوگوں کی اس
قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں کہ وہ لوگ عبرت ناک سزا میں مبتلا ہوئے۔ قرآن پاک نے پہلے
لوگوں کے عبرت ناک واقعات بیان کر دیئے ہیں جن کو اللہ نے اس دنیا میں ہلاک کیا۔
کسی قوم پر زلزلہ آیا، کسی کو پانی میں غرق کیا، کسی پر پتھر برسا، صیحہ کسی پر سخت
چیخ آئی۔ اللہ نے بعض کی شکلیں ہی مسخ کر دیں۔ غرضیکہ اللہ نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا
کہ مکے والوں کو سابقہ اقوام کا انجام پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر وہ اس سے عبرت
الٰہی سے نہیں بچ سکے تو ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ
لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا
سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا
كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ
كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ
مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ
تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا
وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
لَمُنقَلِبُونَ ﴿١٤﴾

ترجمہ:- اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے
پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے
کہ پیدا کیا ہے ان کو زبردست اور علم والے پروردگار
نے ﴿٩﴾ وہ جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو
گہوارہ، اور بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں رستے تاکہ

تم لوہا پاؤ (۱۰) اور جس نے اتارا ہے آسمان کی طرف
سے پانی خاص اندازے کے ساتھ۔ پس زندہ کیا ہم
نے اس کے ساتھ مردہ شہر کو۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ
گے (۱۱) اور وہ ذات جس نے پیدا کیے ہیں جوڑے
سب کے سب۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے کشتیوں سے
اور چوپایوں سے جن پر تم سواری کرتے ہو (۱۲) تاکہ
بیٹھو ہموار ہو کر پشت پر۔ پھر یاد کرو
اپنے پروردگار کی نعمت کو جب تم بیٹھ جاؤ اس پر
اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کر دیا ہے
ہمارے لیے اس کو، اور نہیں تھے ہم اس کو قابو
میں رکھنے والے (۱۳) اور بیشک ہم اپنے پروردگار
کی طرف البتہ لوٹ کر جانے والے ہیں (۱۴)

ربط آیات

گذشتہ درس میں سورۃ الزخرف کا آغاز تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کے متعلق فرمایا کہ یہ کتاب مبین ہے۔ یہ کتاب اللہ نے عربی زبان میں نازل فرمائی ہے اور یہ اس کے نزدیک لوح محفوظ میں محفوظ ہے اللہ نے فرمایا کہ اس کتاب کے منکرین کی قبیح حرکات کی وجہ سے ہم اس کے نزول کو موقوف نہیں کر دیں گے بلکہ اس نصیحت کی تعمیل ضرور کریں گے تاکہ کسی شخص کو بعد میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں سمجھایا نہیں گیا۔ بعض لوگ سلیم الفطرت بھی ہوتے ہیں جو حق بات کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ نصیحت کو روکا نہیں جائے گا۔ اور اس سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے گا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی کہ وہ کفار و مشرکین کی زیادتیوں سے گھبرائیں نہیں بلکہ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان کے پاس اللہ کے رسول

گئے تو انہوں نے ان کے ساتھ تمسخر ہی کیا۔ پھر جب ان کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ تو مشرکین مکہ سے زیادہ قوت، زیادہ مال و دولت اور زیادہ جتھے والے تھے۔ جب وہ بھی عذاب الٰہی سے بچ نہ سکے تو یہ لوگ ہی کے نقش قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہیں؟ ان ہلاک شدہ قوموں کی کہانیاں تاریخ میں بھی محفوظ ہیں اور ان کے عبرتناک واقعات قرآن نے بھی بیان کر دیے ہیں۔ اس طرح یہ تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔

شرک کی مذمت

آج کے درس میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض دلائل دیکر کے ہیں اور پھر شرک کی مختلف قسموں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اگر آپ ان کافروں اور مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تمہارے پاؤں کے نیچے زمین ہے جس پر تم رہائش پذیر ہو اور جس پر تمام امور زندگی انجام دیتے ہو، تمہاری ضروریات اسی زمین سے پوری ہوتی ہیں، پھر تمہارے سامنے نظر آنے والا نیلگوں آسمان ہے، اس میں سورج، چاند، ستارے اور سیارے نظر آتے ہیں، ذرا بتلاؤ تو سہی کہ ان سب چیزوں کا خالق کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک ذی عقل رکھنے والا آدمی یہی کہے گا کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا اللہ ہے لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ ہر عاقل، عالم، جاہل، چھوٹے بڑے کا ایک ہی جواب ہے اور وہ لازماً یہی کہے گا۔ کہ ان اشیاء کو اس ذات خداوندی نے پیدا فرمایا ہے جو زبردست، غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

توحید کے چار درجات

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں۔ ان میں سے دو درجوں میں تو سب برابر ہیں اور دو درجوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ خلق ہے۔ دہریوں کی ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر آپ کسی خطے اور کسی مذہب کے پیروکار سے پوچھ لیں خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی ہو، ہندو ہو یا سکھ، جینی ہو یا جاپانی، مجوسی ہو یا صابی سب یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ قرآن نے

ہی اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۔ یعنی اللہ
ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کا ہونا خود اُس
سے ہے کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ نہیں۔ لفظ اللہ اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ
لفظ خدا کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ خود بخود ہے اور اُس کی ذات میں کسی دوسری ہستی
کا کوئی حصہ نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہستی ہے جو خود بخود ہے۔ اس کے سوا دنیا
کی کوئی ہستی خود بخود نہیں۔ بلکہ ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ ہر شے کا وجود اللہ کا
عطا کردہ ہے۔

ان دو درجات کے علاوہ دو مزید درجات تدبیر اور عبادت کے ہیں
ہاں مگر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی تدبیر بھی
اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بتدریج نشوونما تک
پہنچانا ربوبیت ہی کی صفت ہے مگر مشرک لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ
بعض دوسری ہستیاں بھی اُن کے کام بناتی ہیں۔ بعض فرشتے، جن، ارواح
اور مردہ بزرگ قسمت سنوارنے اور بنانے بھی اُن کی مشکل کشائی اور حاجت روائی
کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے جس میں لوگ آکر پھنس جاتے ہیں۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ خالق، مالک، مدبر اور
متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر عبادت بھی خالصتاً اُسی کی ہونی چاہیئے
مگر بعض عبادات میں بھی دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔ بعض جگہ کے سامنے اور
بعض قبروں، شجر و حجر، سورج اور چاند، اور جنوں اور فرشتوں کے سامنے سر نیاز خم کر دیتے
ہیں۔ اُن کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیئے۔ اُن کے سامنے نذر و نیاز
پیش کرتے ہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یہ شرک فی العبادت کا
ارتکاب ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
آپ ان کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ ارض و سما کا خالق کون ہے تو ضرور یہی جواب

دیا گیا کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔

ترجمہ کے اس تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان پر کیے جانے والے بعض احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مہد۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنا دیا ہے۔ زمین کی خصوصیت کے ذکر کے بعد اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس طرح بچے کو گہوارہ میں سلا کر اس کو حرکت دی جاتی ہے تو بچہ راحت محسوس کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر پھیلا کر زمین کو جھولے کی طرح حرکت دے دی ہے جو اس کے لیے بہت سے فوائد کا سبب بنتی ہے۔ قدیم یونانی مابین الطبیعیات کہتے ہیں۔ کہ زمین ساکن ہے جب کہ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ زمین متحرک ہے۔ اور یہ بیک وقت دو حرکتوں کے ساتھ اپنے محور پر سوال دوال ہے۔ اس کی ایک حرکت اپنے محور کے گرد ہے تو چوبیس گھنٹوں میں پوری ہوتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے دن رات آگے پیچھے آتے ہیں۔ زمین کی دوسری حرکت سورج کے گرد ہے جو سال بھر میں مکمل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے موسمی تغیرات واقع ہوتے ہیں چنانچہ سال بھر کے موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں زمین کی سورج کے گرد گردش کا نتیجہ ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو جھولے کی طرح متحرک بنا کر اس پر بسنے والوں کے لیے بہت سے فوائد وابستہ کر دیئے ہیں۔ دن کے وقت کام، رات کو آرام، مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھل، پھول اور اناج کی پیداوار سب کچھ اللہ نے انسان اور دیگر جانداروں کی مصلحت کی خاطر قائم کیا ہے۔ بہرحال زمین ایک گہوارے کی مثل جھول رہی ہے۔ دیگر گرہوں کی طرح یہ بھی ایک کرہ ہے جو فضا میں معلق ہے جو لوگ زمین سے نکل کر فضا میں جاتے ہیں یا جو چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ان کو زمین بھی چاند جیسا ایک کرہ ہی نظر آتی ہے۔

ابتداء میں زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی۔ پھر اللہ نے اس کو سورج سے الگ کر کے لاکھوں میل دور پھینک دیا۔ چونکہ زمین سورج جیسے آگ کے

بگڑے سے گُب ہو لیے ہے، اس کا بڑی حصہ تو ٹھنڈا ہو چکا ہے مگر اس کا اندرونی حصہ ابھی تک گرم ہے، اور لاکھوں سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات اس سے لاوا اُبلتا ہے۔ زمین کے اوپر گزشتہ چودہ کروڑ مربع میل رقبے میں پانی ہی پانی ہے اور صرف آٹھواں حصہ خشکی ہے۔ زمین کے اوپر پانی کی مثال ایسی ہے جیسے سنت گرنتھ میں بیان آتا ہے۔ اللہ نے اس زمین کے گرد پانی کا سات سو میل تک ہوا کا خول چڑھا دیا ہے۔ زمین کے اندر کی حقیقت کو سائنسدان ابھی تک پوری طرح معلوم نہیں کر پائے۔ وہ صرف چھ آٹھ میل تک نیچے کی خبر لے سکتے ہیں اور مزید نیچے جانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے لیے وہ خلائی تجربات بھی کر رہے ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس کی ذات وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے گہوارہ بنا دیا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا اور اس میں تمہارے لیے بڑے بڑے راستے بنائے ہیں، جن کے ذریعے تم ایک خطے سے دوسرے خطے کی طرف جا سکتے ہو۔ اس زمین پر کہیں پہاڑ ہیں، کہیں میدان ہیں، کہیں جنگلات ہیں، کہیں بڑے بڑے صحرا ہیں۔ اسی زمین پر اللہ نے ندی نالے اور دریا بہائے ہیں۔ ان کے ذریعے تم زندگی کے خواہش حاصل کرتے ہو۔ ان میں سفر بھی کرتے ہو۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ۔

بعث بعد الموت کی مثال

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بعث بعد الموت کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان کی طرف سے ایک خاص اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا۔ سماء کے مختلف معانی کئے ہیں۔ بادلوں اور فضا کو بھی آسمان کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں چھت پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہے اور اوپر کی طرف ہمیں جو نیلگوں پردہ نظر آتا ہے اس کو بھی آسمان کہا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اوپر فضا سے بادلوں کی وساطت سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرماتا ہے۔ اور پھر اس عمل کے لیے عالم بالا کا تمام نظام بھی شامل ہوتا ہے۔ تو یہ نزول رحمت ہوتا ہے۔ فرمایا جس نے آسمان کی طرف سے

پانی نازل فرمایا فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا پھر اس کے ذریعے ہم نے مردہ شہر یعنی مردہ زمین کو زندہ کیا۔ بارش کی عدم موجودگی میں زمین خشک ہو جاتی ہے۔ اس کی روئیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو زمین پھر سے زندہ ہو جاتی ہے۔ روئیدگی کی طاقت آجاتی ہے اور پھر اس میں پھل، پھول، پودے، سبزیاں اور چارہ اور اناج پیدا ہوتے ہیں جن کے ذریعے انسان اور دیگر حیوانات اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ مردہ زمین کی زندگی سے یہی مراد ہے۔ کہ وہ سرسبز ہو جاتی ہے اور پیداوار دینے لگتی ہے۔

---

فرمایا جس طرح ہم پانی نازل فرما کر مردہ زمین کو حیات نو بخشتے ہیں كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم مر کر قبروں میں دفن ہو چکے ہو گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکال لے گا۔ جو ذات خشک زمین میں پانی برسا کر سبزی پیدا کر سکتی ہے وہ کیوں نہ مردوں کو بھی دوبارہ زندگی بخشے اور قبروں سے نکالنے پر قادر ہے۔

یہ بات کہ اس طرف قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف بعث بعد الموت اور جزائے عمل کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے غافل نہ ہو جانا۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے تمام جانداروں کو جوڑے جوڑے یعنی نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کر کے ان کے ذریعے ان کی نسلوں کو آگے چلایا ہے۔ جانداروں کے علاوہ پودے اور درخت بھی جوڑا جوڑا ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نر کھجور کا پودا جب مادہ کھجور کے درخت پر ڈالا جاتا ہے تو درخت پھل دینے لگتا ہے۔ جوڑا کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کی ضد پیدا کی ہے جیسے سیاہی اور سفیدی، نور اور ظلمت، دنیا اور عقبیٰ، نیکی اور بدی وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے تفریق جنس یا تفریق نوع کو بھی اپنی قدرت کی نشانی بتلایا ہے۔

نقل و عقل

انسان کی افادیت کے لیے نزول نقل و عقل بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی

اور اس کے انعامات میں سے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِي الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیاں اور جانور پیدا فرمائے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ میں ذریعۂ نقل و حمل صرف دو قسم کے تھے یعنی بحری اور بری۔ اس آیت میں اللہ نے ان دو ذرائع کا ذکر فرمایا ہے کہ بحری راستے سے سفر کے لیے تمہارے لیے کشتیاں بنائیں۔ اُس زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کی لہروں کو چیرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا بہت بڑی چیز تھا۔ کشتیوں کے بعد پھر سٹیمر آئے تو جہاز سے چلتے تھے اور پھر تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں اور سطح آب پر رواں دواں ہیں۔ اللہ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندری سفر کا بندوبست کر دیا۔ اگرچہ یہ کشتیاں اور جہاز انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس کے لیے مادی وسائل از قسم لکڑی، لوہا وغیرہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اور انسان کے ذہن میں عقل و فہم اور شعور بھی اللہ نے ہی ڈالا تو وہ ان کو تیار کر سکے۔

اللہ نے فرمایا کہ زمینی سفر کے لیے ہم نے تمہارے لیے جانور پیدا فرما دیے۔ ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں بھی یا بکثرت نقل و حمل جانوروں کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ جن میں اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اونٹ کو تو صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے۔ جہاں وہ کئی کئی دن کچھ کھائے پیئے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ اگرچہ آج کے مشینی دور میں نقل و حمل کے لیے جانوروں کی افادیت قریباً ختم ہو چکی ہے۔ تاہم بعض علاقے آج بھی ایسے موجود ہیں۔ جہاں سواری اور بار برداری کے لیے جانوروں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ نے جانوروں کو پیدا کر کے انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے جو کہ نہ صرف اُن کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ بلکہ بعض انسان کی خوراک بھی بنتے ہیں۔

جانوروں کی افادیت

فرمایا کہ یہ جانور بار برداری کا کام دیتے ہیں اور ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے

ہماری خدمت کرتے ہو۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ تاکہ تم ہموار ہو کر
جمیعہ ان کی پشت پر۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ پھر اپنے پروردگار
کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اُس نے تمہارے لیے ان وحشی جانوروں کو مسخر کر دیا۔ فرمایا
اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ جب تم ان جانوروں پر آرام سے سوار ہو جاؤ۔ تو پھر
اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو۔ وَتَقُوْلُوْا اور یوں کہو سُبْحٰنَ الَّذِيْ
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے
لیے اس سواری کو مسخر کر دیا۔ ورنہ ہم تو اسے قابو کرنے کے قابل نہیں تھے یعنی اس سواری
پر تسلط حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے
اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اُس وقت تو جانوروں کی سواری کے متعلق اللہ نے
یہ دعا سکھائی۔ اور حقیقت بھی ہے کہ اونٹ گھوڑے وغیرہ جیسے طاقتور اور زبردست
جانوروں کو قابو کرنا انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص
حکمت کے ساتھ ان جانوروں کی طبیعت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان
کی خدمت پر مامور ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سو اونٹ کی ایک لمبی قطار دس
سال کا بچہ بھی چابک کر لے جاتا ہے۔ مگر وہ اُف تک نہیں کرتے۔ یہ
اللہ کی مہربانی کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔

آج کے دور میں زمینی نقل و حمل گاڑیوں۔ موٹروں۔ ٹرالوں۔ ویگنوں اور کاروں
کے ذریعے ہوتی ہے۔ بحری سفر کے لیے بڑے بڑے جہاز اور ہوائی نقل و حمل کے
لیے تیز رفتار ہوائی جہاز استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ دعا اگرچہ جانوروں
کی سواری کے متعلق ہے تاہم یہ ہر قسم کی بری اور ہوائی سواریوں کے لیے بھی
مفید ہے۔ البتہ بحری سفر کے لیے قرآن میں یہ دعا مذکور ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ
مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ہود ۔ ۴۱) اللہ تعالیٰ
کے اسم پاک کی برکت سے ہی اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بیشک میرا پروردگار البتہ
بڑا بخشش کرنے والا اور رحمت والا ہے۔ بہرحال تمام سواریاں اللہ تعالیٰ

کی تو فیق سے رواں دواں ہیں۔ دنیا میں کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ راہ چلتے
حوادثات پیش آجاتے ہیں اور اچھی بھلی سواریاں گاڑیوں سے باہر ہو کر جاتی اور موت کا
کا باعث بن جاتی ہیں۔ موٹر کاروں، ٹرکوں، ٹرالیوں، ریل گاڑیوں کی ٹکر ہو جاتی ہے۔
ہوائی جہاز تباہ ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ جب تک
اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال نہ ہو۔ انسان بالکل بے بس ہے۔

فرمایا وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ بے شک ہمیں اپنے پروردگار کی
طرف ہی پھر کر جانا ہے۔ جس طرح اس دنیا میں لوگ ایک مقام سے دوسرے
مقام تک ان سواریوں پر سفر کرتے ہیں، اسی طرح ایک دن آنے والا ہے جب
یہی انسان انسانی کندھوں پر سوار ہو کر قبرستان کی طرف جا رہا ہوگا۔ اور درحقیقت
یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ مقررہ وقت پر سب کو اکٹھا کرے گا
اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اس
ساری سفر میں ساتھ ساتھ سفر آخرت کو بھی یاد رکھے اور اس کے لیے تیاری کرے۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ
لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ
وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا
وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٧﴾ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ
فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ
الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ
سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا
لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۗ مَا لَهُم بِذَٰلِكَ
مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾
بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا
عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا
مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوهَا ۙ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا
عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

بِأَهْدَىٰ مِنْهُمَا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا
بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿١٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ:۔ اور ٹھہرایا ہے بعض نے اُس (اللہ) کے
لیے اُس کے بندوں میں سے حصہ۔ بے شک انسان
البتہ کھلا ناشکرا گزار ہے ﴿١٥﴾ کیا بنا لی ہے اُس
نے بیٹیاں مخلوق کردہ چیزوں میں سے بیٹیاں، اور چنا
ہے تمہارے لیے بیٹوں کے ساتھ ﴿١٦﴾ اور جب خوشخبری دی
جاتا ہے ان میں سے کسی ایک کو اُس چیز کی جو
بیان کرتا ہے رحمان کے لیے مثال، تو ہو جاتا ہے
اُس کا چہرہ سیاہ اور وہ (غم کی وجہ سے) گھٹا ہوا
ہوتا ہے ﴿١٧﴾ بھلا وہ جس کو نشو و نما دی جاتی ہے
زیور میں اور وہ جھگڑا کرتے ہیں (بھی) صاف بات نہیں
کر سکتی ﴿١٨﴾ اور ٹھہرایا ہے انہوں نے فرشتوں کو جو
بندگان رحمان کے جنسے ہیں۔ کیا یہ حاضر ہوئے تھے
اُن کی پیدائش کے وقت۔ لکھی جائیگی ان کی شہادت
اور ان سے پوچھا جائے گا ﴿١٩﴾ اور کہا انہوں نے کہ
اگر چاہتا رحمان تو ہم نہ عبادت کرتے اُن کی۔ نہیں ہے
انہیں اس کا کچھ علم۔ نہیں ہیں یہ مگر اٹکل لڑاتے ﴿٢٠﴾
کیا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب اس سے پہلے،
پس وہ اُس کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے ہیں ﴿٢١﴾ بلکہ کہا
انہوں نے کہ پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو کسی طریقے

پھر اور جو ان کے نقش قدم پر لائے گئے ہیں (۲۲)
اور اسی طریقے سے ہم نے مجرموں کے پیچھے
کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے آسودہ حال
لوگوں نے کہا بیشک ہم نے پایا ہے اپنے آباؤ اجداد کو
ایک راستے پر اور بیشک ہم ان کے نقش قدم پر
ان کی اقتدا کرنے والے ہیں (۲۳) کہا اس رسول نے ان سے
خواہ میں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی چیز اس سے جس
پر پایا تم نے اپنے آباؤ اجداد کو۔ کہا انہوں نے بیشک ہم
اس چیز کے ساتھ جو تم کر دی گئی ہے۔ کفر کرنے والے
ہیں (۲۴) پس ہم نے انتقام لیا ان سے، پھر دیکھو کیسا
ہوا انجام جھٹلانے والوں کا (۲۵)

ربط آیات

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا بیان ہوا۔ پھر اللہ نے رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ ہر رسول کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا لہٰذا اس بات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اللہ نے اپنی قدرت تامہ کے دلائل بیان فرمائے جن سے اس کی توحید بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر اللہ نے مخلوق پر کیے جانے والے انعامات کا تذکرہ کیا اور خاص طور پر انسانوں کے لیے سواریوں کا ذکر فرمایا اور ان پر سوار ہوتے وقت کی خصوصی دعا سکھلائی۔ اب آج کی آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد ہے اور اس سلسلے عقیدۂ آباء کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص طور پر فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ پھر اللہ نے مشرکین کی اندھی تقلید کو بیان کرکے ان کے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خدا کے لیے اولاد کا عقیدہ

مشرکین کے شرک کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (انہوں نے اللہ

کے بندوں نے اُس کے لیے ایک حصہ نکالا ہے۔ مرد اور عورتیں سب اللہ کے بندے ہیں۔ مگر مشرکوں نے اِن بندوں میں سے کچھ حصہ یعنی عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا ہے اور اس طرح وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بعض دوسرے گروہوں نے مردوں کو خدا کا جزو قرار دیا ہے۔ چنانچہ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اسی طرح بعض دیگر مشرکین بھی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو اولاد قرار دیتے ہیں۔ فرمایا یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے کہ مخلوق میں سے اُس کے لیے ایک حصہ تجویز کیا جائے۔ صاحب اولاد ہونا تو مخلوق کی صفت ہے۔ جو چیز اجزاء سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ حادث ہوتی ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ وہ بسیط ہے، نہ کہ مرکب۔ مرکب ہونا تو عیب اور نقص کی نشانی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ وہ حادث نہیں بلکہ قدیم ہے۔ لہٰذا اُس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی اُس کی شان رفیع کے لائق نہیں۔ وہ اوّل اور آخر ہر حیثیت سے پاک ہے۔ اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان صرف خالق اور مخلوق ہونے کا تعلق ہے۔ والدیت اور مولودیت کا کوئی تعلق نہیں۔

عقیدۂ اولاد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الکہف اور سورۃ مریم کی آیات میں مشرکین کے اس عقیدے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ حالانکہ فطرتاً بیٹیاں بیٹوں سے کمتر ہوتی ہیں اور ان بدبختوں نے کمتر مخلوق کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اعلیٰ مخلوق یعنی بیٹوں کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (الزخرف: ۱۵) انسان کس قدر کھلا ناشکرا گیا ہے۔

اسی غلط تقسیم کے متعلق اللہ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کیا اُس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں منتخب کی ہیں وَاَصْفٰکُمْ بِالْبَنِیْنَ اور تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے! اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ تمہارے زعم کے مطابق کیا اللہ نے اپنے لیے کمزور مخلوق (مؤنث) کو منتخب فرمایا ہے اور تمہیں تمہارے پسند کے مطابق بیٹوں کے لیے چن لیا ہے۔ یہ کس قدر بیوقوفی کی بات ہے۔ فرمایا ان کی ناپسندیدگی حالت تو یہ ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا اور جب ان مشرکوں میں سے کسی کو اُس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی باتوں سے خدائے رحمان کے ساتھ مثال بیان کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک خود اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اسی بیٹی کی پیدائش کی خبر جب ان میں سے کسی شخص کو دی جاتی ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اُسے اس قدر صدمہ پہنچتا ہے کہ وہ اپنے لیے کسی بھی صورت میں بیٹی کو پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ وَهُوَ كَظِيْمٌ اور وہ غم و اندوہ کی وجہ سے پیچ و تاب کھانے لگتا ہے اور اس کا جی گھٹ رہا ہوتا ہے۔

بعض مشرکین کی اس حالت کو اللہ نے سورۃ النحل میں بھی بیان فرمایا ہے وہاں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں سے جب کسی شخص کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اس کا جی غم کی وجہ سے گھٹنے لگتا ہے۔ پھر وہ اس خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے۔ ایُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (النحل ۵۹) کہ آیا وہ ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رکھے یا اُسے زمین میں زندہ گاڑ دے۔ یہ انسان کی کس قدر کمزوری اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے۔ وہ خدا کے لیے تجویز کرنے سے نہیں شرماتا۔ بعض مشرکین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر گھر سے ہی بھاگ جاتے تھے چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ امام حافظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں بھی نقل کیا ہے۔ جب کسی عورت کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اس کا خاوند

گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تو وہ کہنے لگی ؎

مَالِلْأَبِ حَضَرَةً لَا يَأْتِيْنَا
يَلْبَثُ فِيْ بَيْتِ الَّذِيْ يَلِيْنَا
غَضْبَانُ لَا نَلِدُ الْبَنِيْنَا
تَاللّٰهِ مَا ذَاكَ بِأَيْدِيْنَا
نَحْنُ نُزَوَّجُ ثُمَّ قَدْ يُرْغَمُوْنَ فِيْنَا

(اس بات کا تو کیا ہو گیا ہے کہ وہ گھر نہیں آتا
بلکہ اپنے پڑوسی کے ہاں رہتا ہے۔
وہ اس وقت ناراض ہے جب ہم بیٹے نہیں
جنتیں۔ اللہ کی قسم یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔
ہمارے متعلق فرمائشیں کی جاتی ہیں کہ اس
سے شادی کرو پھر ان کی پیداوار
ہوجاتی ہے۔

---

آپ نے فرمایا وَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ سے مراد زیور (یعنی سونا) ہے جس کو
زیور میں نشوونما دی جاتی ہے۔ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ اور وہ جھگڑے
(یعنی بات چیت) میں بھی غیر واضح ہوتی ہے۔ اللہ نے عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ
عام طور پر لڑکیوں کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے یعنی ان کو سونے چاندی کے زیورات
پہنائے جاتے ہیں۔ جو ان کے لیے حلال اور لڑکوں کے لیے حرام ہیں۔ اور لڑکیاں بات چیت
کرنے میں بھی عام طور پر لڑکوں کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہیں۔ گو یہ استثنائی طور پر بعض لڑکیاں
بھی گفت و شنید میں تیز طرار ہوتی ہیں مگر عام طور پر ان کی حالت یہی ہے کہ وہ نازک مزاج
کے کام انجام دے سکتی ہیں اور بات چیت میں زیادہ چالاک ہوتی ہیں بلکہ وہ بعض اوقات
اخصاب دہاؤ کا شکار ہو کر بات چیت کے لیے تیار نہیں رہتیں کیونکہ ان کا اعتماد کمزور
ہو جاتا ہے۔

---

غرضیکہ کپڑے، زیورات اور جہاز سفر کا عورتیں فطری طور پر پسند کرتی ہیں۔ حضرت
اسماء پر زبیر کو ترجمہ آگیا۔ حضور علیہ السلام نے خود ترجمہ صاف کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بیٹی ہوتی تو
ہم اس کو زیور پہناتے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے زیور پہننا جائز ہے۔

---

تاہم عورتوں کا فیشن اور جہاز سفر میں زیادہ انہماک تباہ کن ہے۔ سنہ ۱۹۴۵ء کے
زمانہ میں اسمبلی کی ایک خاتون ممبر کے متعلق اخبارات میں آیا تھا کہ وہ قیمتی دین کے اسمبلی

ہیں۔ یہ ہر وقت اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں گویا ان کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں ہے۔ بعض عورتوں کی اس کمزوری کا ذکر اللہ نے کیا ہے کہ ایک تو وہ زیارت کی دلدادہ ہوتی ہیں اور دوسرے مردوں کی نسبت صریح گفتگو بھی نہیں کر سکتیں۔ مگر مشرکوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایسی کمزور مخلوق کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں اور خود اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں۔

فرشتوں کے متعلق غلط عقیدہ

اللہ نے فرمایا کہ مشرکوں نے فرشتوں کے متعلق بھی کتنا بڑا عقیدہ بنا رکھا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا یہ بھول گئے اللہ کے بندوں فرشتوں کو عورتیں بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں۔ الْمَلٰٓئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ وہ تو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ فرشتوں میں تذکیر و تانیث والی کوئی بات نہیں ہے نہ ہی ان میں توالد و تناسل کا تصور کیا جاتا ہے۔ ان کو عورت کہنے میں تو بڑی گستاخی ہے۔ فرمایا یہ فرشتوں کو عورتیں کہتے ہیں اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے جو یہ تذکیر و تانیث کا علم رکھتے ہیں۔ فرمایا سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور پھر ان سے باز پرس بھی ہوگی کہ انہوں نے ایسا غلط دعویٰ کیوں کیا اور خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کیوں تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی حقیقی اولاد ہے اور نہ ہی مجازی کہ جس کو اس نے اختیار دے رکھا ہو۔ کہ لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے پھریں۔ عیسائیوں کا ابن اللہ والا عقیدہ بھی باطل ہے اور مشرکوں کا خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرنا بھی سخت گستاخی ہے۔

عبادت غیر اللہ کی غلط دلیل

اگلی آیت کریمہ میں اللہ نے مشرکوں کی ایک بیہودہ دلیل کا ذکر فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ انہوں نے کہا کہ اگر خدا نے رحمان چاہتا تو ہم ان معبودان باطلہ کی عبادت نہ کرتے۔ گویا وہ خدا کے کہنے پر ایسا کرتے ہیں۔ دراصل ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی نذر و نیاز، دان کی صورت تعظیم یا ان کے حضور

[illegible] ہدایت دی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس کام سے زبردستی روک دیتے
نہیں دیتا۔ اگر وہ روکتا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچھا کام ہے۔ فرمایا اس کے
اس حکم باطل کے متعلق ہمارا [illegible] بلکہ ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ ان کا علم
[illegible] ان کی یہ ساری دلیل بالکل لغو ہو جاتی ہے۔ ان میں کوئی صداقت
نہیں بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ پر افترا کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کسی شخص کو برائی سے زبردستی نہیں روکتا کیونکہ زبردستی روکنا اس کے بنیادی اصول کے
خلاف ہے۔ اس نے دنیا میں انسانوں کو پیدا کر کے ساتھ ہی اور برائی کے
راستے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے واضح کر دیئے اور پھر انسانوں کو اختیار دے دیا۔ فَمَنْ
شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹) اب جس کا جی چاہے
ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ اللہ نے اپنے لیے جو بھی
راستہ پسند کر لیا۔ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (القاف - ۳۵) پھر
اگر وہ برائی کے راستے پر چل نکلے تو ہر اس طرف کی توفیق دے دیں گے اور آگے
اس کے لیے جہنم بھی تیار ہے جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ مشرکین نے غیر اللہ کی عبادت کا وطیرہ بنا رکھا ہے اور
پھر یہ باطل تاویل بھی پیش کرتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی میں ہے ورنہ وہ ہمیں ایسا
کرنے سے روک دیتا۔ فرمایا ان کی اس باطل تاویل کے لیے ان کے پاس کیا دلیل ہے؟
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ کیا اس سے پہلے ہم نے انہیں کوئی کتاب
عطا کی تھی جس میں غیر اللہ کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہے فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ
اور وہ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے قرآن کے پاس
ایسی کوئی کتاب یا حکم نہیں جس میں غیر اللہ کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ یہ ان کی
اپنی ہی ترجمہ باطل ہے۔

فرمایا ان کے شرک و ضلالت اور اعمال کی کوئی معقول دلیل قرآن میں سے سوائے اس
کے بل قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ

کہ انہوں نے اپنا کر جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ جس قسم کے عقائد وہ رکھتے تھے اور جو نسی رسوم وہ ادا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہی اندھی تقلید ہے کہ بغیر سوچے سمجھے باپ دادا کے دین کو اختیار کیا جائے۔ جس کی قرآن نے بار بار تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرۃ ۱۷۰) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد عقل سے بے بہرہ اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر بھی یہ انہی کے نقش قدم پر چلیں گے؟ یہ تو سخت حماقت کی بات ہے۔ "ہاں اگر آباؤ اجداد راہِ راست پر ہوں تو پھر ان کی تقلید قابلِ فخر بات ہے" جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف ۳۷، ۳۸) میں نے اس قوم کے طریقے کو ترک کر دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی بجائے انکار کرتے ہیں اور میں نے اپنے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت، دین یا طریقے کا اتباع کیا ہے۔

فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ مگر یہ کہ اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ اور ہم انہی کے نقش قدم پر اقتدا کرنے والے ہیں ہم تو انہی قدیم رسوم و رواج پر ہی کاربند رہیں گے ہم کسی نئے دین کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مشرکین کی اس ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا قُلْ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ

کیا اگر میں اس سے زیادہ ہدایت والی چیز تمہارے پاس لے آؤں جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، تو کیا پھر بھی تم میرے فیصلے ہی پر چلتے رہو گے اور اپنے گمراہ باپ دادا کے دین پر ہی چلتے رہو گے؟ اس کے جواب میں قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ شرک کرنے والے کہنے لگے کہ جو تو فرما رہا ہے ہم تو اس کے لانے والے ہونے ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر ہی چلتے رہیں گے اور اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر ہی چلتے رہیں گے

انتقام الٰہی

اللہ نے فرمایا کہ جب کفار و مشرکین اپنی سرکشی سے باز نہ آئے فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ انتقام کی مختلف صورتیں ہیں جب بھی اللہ نے انبیاء کرام کا تکذیب کرنے والے کفار و مشرکین کی بیخ کنی کی اور بھی کوئی آسمانی آفت یا قحط سیلاب، طوفان، مسخ، خسف یا غرق کے ذریعے ایسی نافرمان قوموں کو جڑ سے اکھاڑ دیا اللہ تعالیٰ کسی سرکش کو انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ انہیں دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور پھر بعد میں اور آخرت کا عذاب تو بہرحال ان کے مقدر میں ہے۔ فرمایا پھر دیکھ لے ان سے انتقام لیا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ پھر دیکھو ان جھٹلانے والوں کا کیا عبرتناک انجام ہوا۔ ایسے نابکار لوگ ذلت ناک سزاؤں میں مبتلا ہو کر صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئے۔ اللہ نے بہت سی ایسی قوموں کا حال قرآن میں بھی بیان کر دیا ہے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ
مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ
حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:- اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور
اپنی قوم سے کہ بے شک میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے
جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۲۶﴾ سوائے اس ذات کے جس
نے مجھے پیدا کیا ہے، بیشک وہی میری راہنمائی کرتا ہے ﴿۲۷﴾
اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں
تاکہ وہ رجوع کرتے رہیں ﴿۲۸﴾ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا
ہے ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک کہ آگیا
اُن کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول ﴿۲۹﴾
اور جب آگیا ان کے پاس حق تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو
ہے، اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

ربط آیات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی مذمت بیان فرمائی جو اپنے

آباؤ اجداد کے طریقے پر چلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر ہی چلیں گے اگر یہ خدا کا دین حق بات لے کر آیا ہو۔ اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے اپنانا اندھی تقلید کہلاتا ہے۔ جو نزول قرآن کے زمانے کے مشرک اختیار کیے ہوئے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا انکار

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی توجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کی طرف دلائی ہے۔ اور یاد دلایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو عرب کے اور نبی اسماعیل یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب کے [illegible] نے اپنے آباؤ اجداد ہی کی پیروی کرنی ہے تو پھر ان کا طریقہ اختیار کرو جو کہ [illegible]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اللہ نے بہت سی سورتوں میں بیان فرمائے ہیں جن میں آپ کے نام کی صراحت کی گئی ہے اور سورۃ الانعام میں آپ کے باپ کا نام آزر بھی ظاہر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ [illegible] (آیت ۷۴) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود بنا رکھا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔ البتہ [illegible] میں آپ کا نام آزر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کوئی تعارض کی بات نہیں بلکہ آزر اور [illegible] ایک شخصیت کے دو نام ہیں۔ آزر تاریخ اور تاریخ لقب۔ یا آزر نام تھا اور [illegible] لقب۔ بہرحال آپ آشوریوں اور کلدانیوں کے دور حکومت میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے نشوونما پائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب کیا۔ اور فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ [illegible] اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھلائی عطا فرمائی۔ نیز اللہ نے آپ کے بارے میں بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ [illegible] (الانعام ۷۵) یعنی آپ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کرایا۔ آپ کی ساری قوم ستارہ پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی۔ یہ صابی دور تھا۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد توحید کی دعوت کا آغاز کیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام

نے اپنے حنیف ہونے یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا۔

آپ نے اپنی حنیفیت کا آغاز باپ اور قوم کے سامنے اس طرح کیا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اور جب کہ کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ میں ان چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یعنی میں تمہارے ان لکڑی، پتھر اور مٹی کے بنائے ہوئے بتوں کو ہرگز معبود تسلیم نہیں کرتا۔ میرا معبود برحق تو وہ ہے اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میرا خالق، مالک، مربی اور متصرف ہے۔ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ یہ کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے مطلب یہ کہ میں تمہارے ہر قسم کے باطل معبودوں سے برأت کا اعلان کرتا ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی الوہیت کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ کی طرف سے اس بیزاری کی تفصیل اللہ نے سورۃ الممتحنہ میں اس طرح بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی قوم سے یوں کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے، ماسوائے اللہ تعالیٰ کے، مکمل بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی ایک دیوار کھڑی ہو چکی ہے جب تک تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہ لے آؤ یہ دیوار ہٹ نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام عقیدۂ توحید پر ڈٹ گئے اور باپ اور قوم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہ تھا آپ کا معبودان باطل سے اظہار بیزاری۔

**مقام ایمان سے متعلق بحث**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ، اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ، انبیاء اور کتب سماویہ پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے سابقہ باطل دین سے

مکمل بیزاری کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ تمام ادیان باطلہ سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے باوجود باطل دین سے اظہار برأت نہیں کرتا تو دوسرے نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ حسب سابق کافر اور مشرک ہی رہتا ہے۔ ابوطالب کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا ہے، اس کا دین سچا ہے مگر میں اپنے دین سے اظہار بیزاری نہ کیا لہٰذا مشرک کا مشرک ہی رہا۔

ہمارے دور میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی حقانیت کا اقرار تو کیا مگر دوسرے ادیان سے بیزاری کا اعلان نہ کیا بلکہ ان کو بھی سچا مانتے رہے اور اس طرح وہ دین حق سے بے بہرہ ہی رہے۔ برطانیہ کا یہ نامور فلسفی اور ڈرامہ نگار حال ہی میں گزرا ہے وہ اسلام کو سچا مذہب تسلیم کرتا تھا مگر ساتھ ساتھ عیسائیت کا بھی قائل تھا اور اس سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔ برصغیر کے ہندوؤں میں گاندھی مشہور و معروف آدمی ہوا ہے۔ وہ یہودیت، عیسائیت، اسلام اور ہندومت سب کو سچے دین مانتا تھا اور عبادت کے وقت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتا، پھر گیتا اور انجیل پڑھواتا اور ساتھ ساتھ گیتا کے شلوک بھی پڑھواتا تھا۔ ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام کی حقانیت کے ساتھ اس نے دیگر ادیان کی نفی نہیں کی۔ چنانچہ کلمہ میں تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ یعنی کفر اور شرک سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

الغرض! ابراہیم علیہ السلام نے اسی چیز کا اقرار کیا کہ اے میرے باپ اور اے میری قوم! جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں اور اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی اعلان حق کی پاداش میں ساٹھ سال تک قید خانہ کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے مسلک سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے اس کے بعد آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا حق تو آپ نے ادا کر دیا ہے

زندہ پھینک دیا گیا مگر آپ کے پختہ اعتقاد میں لغزش نہ آئی اور اللہ نے وہاں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے بیوی اور شیر خوار بچے کی معیت میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور کئی آزمائشوں سے گزرے۔ اللہ نے ہر آزمائش میں آپ کو ثابت قدم پایا اور بالآخر اعلان فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ - ۱۲۴) میں نے تمہیں لوگوں کا پیشوا بنا دیا ہے۔ آنے والی نسلیں تمہیں اپنا مقتدا تسلیم کریں گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان سارے کے سارے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل کتاب نے آپ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آسمانی کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں مگر وہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے بدستور قائل ہیں۔

اولاد کے لیے دعا

شرک اور کفر سے بیزاری کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے جس ایمان اور توحید کی دعوت دی تھی اس کے متعلق فرمایا وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ توحید کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی اولاد میں بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ (البقرۃ - ۱۳۲) کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہی تاکید کی تھی کہ اللہ نے تمہیں دین اسلام کے لیے چن لیا ہے لہٰذا تمہیں صرف اسلام کی حالت میں ہی موت آنی چاہیئے۔ زندگی بھر کسی دوسرے دین کی پیروی نہ کرنا۔ پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ (البقرۃ - ۱۳۳) کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو سب نے یک زبان کہا قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرۃ - ۱۳۳) کہ ہم آپ کے اور

آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے لیے خدا کی عبادت کریں گے۔ اسی طرح گویا انھوں نے کلمۂ توحید اپنی اولاد میں راسخ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا بھی کی تھی کہ پروردگار! اس شہر مکہ کو پُرامن بنا دے وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (ابراہیم - ۳۵) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا۔ نیز وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (الشعراء - ۸۴) اور میرے پیچھلوں میں بھی زبان رکھنے یعنی میرے بعد آنے والوں میں میرا تذکرہ اچھے الفاظ میں کریں اور میرے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔

یہاں عَقِبِہٖ کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی اولاد کی فکر بھی کرنی چاہیئے کہ وہ بھی دین حق پر قائم رہے اور کہیں کفر و شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ والدین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ اولاد کے لیے دعا کا التزام کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین توحید پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (التحریم - ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ یعنی ان کو ایمان پر مضبوط رہنے کی تلقین کرتے رہو۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو دین حق کی تلقین کرتا رہے تاوانکہ اس کے لیے انھیں دینا پڑے پیار کرنا پڑے یا سزا دینی پڑے۔ اگر بیوی بچے حتی الامکان کوشش کے باوجود راہ راست پر نہ آئیں تو یہ ان کی تقصیر ہوگی اور متعلقہ شخص بری الذمہ ہوگا۔

بہرحال فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میری اولاد میں باقی رہے لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرکے کفار و مشرکین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر تم نے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر ہی چلنا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سا راستہ اختیار کرو جو قدم قدم کے مجاہد ہیں اور ان کے طریقے کے خلاف ان بتوں کی پوجا نہ کرو۔

دعوتِ حق سے انکار

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے اُن لوگوں کا ذکر بیان کیا ہے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلایا ہے بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ میں نے فائدہ پہنچایا ان کو اور ان کے باپ دادا کو، ان پر بڑے انعامات کئے۔ ہر قسم کی سہولت دی حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ یہاں تک کہ ان کے پاس دینِ حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول آگیا۔ اس رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کا سچا دین لے کر ان کے پاس آئے مگر ان بدبختوں نے آپ کی اور اللہ کے سچے دین کی قدر نہ کی اور کفر و شرک پر ہی اڑے رہے۔

ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عربوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کی اولاد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک سچے دین پر قائم رہی، پھر عربوں کی بدقسمتی کہ قصی ابن کلاب کے زمانہ میں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے چار پانچ سو سال پہلے عربوں میں شرک کی ابتدا ہوئی اور پھر نزولِ قرآن کے زمانہ تک ہر گھر کفر و شرک کا گڑھ بن چکا تھا۔ ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی ہوگا جو صحیح دین پر قائم رہا ہو۔ دنیا کے سب دین ابراہیمی سے دور جا چکے تھے۔ تو فرمایا وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ جب اللہ کا آخری نبی ان کے پاس حق بات لے کر آگیا۔ اس نے خالص توحید پیش کی اور بتوں کی پوجا سے منع کیا تو انہوں نے آپ کو تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو ساحر، کاہن، شاعر، مفتری اور کذاب جیسے القابات سے نوازا۔ قرآن پاک کی تاثیر سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے۔ جب اس کی حلاوت و شیرینی ان پر اثر انداز ہوئی تو اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ کہنے لگے یہ تو جادو ہے جو ہم پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ سورۃ القمر میں ہے کہ جب وہ واضح نشانیاں اور معجزات دیکھتے تو ان سے اعراض کرتے وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (آیت ۲) اور کہتے کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ جو پہلے بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔ غرضیکہ انہوں نے دینِ حق

کر جاوید قرار لیتے ہوئے واضح طور پر کہدیا وَاِنَّا بِکُلٍّ کٰفِرُوْنَ ۔ جنات بھی تو
اس کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی تمام کے تمام جنس کو دین کو قبول کرنے کے لیے
ہرگز تیار نہیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے کفر پر اور شرک پر عقائد و اعمال پر قائم رہیں
گے۔ اس کے باوجود جن لوگوں کی قسمت میں تھا۔ انھوں نے دین حق کو قبول کیا۔
سابقہ عقائد و اعمال سے تائب ہو گئے اور اس طرح دنیا اور آخرت دونوں جگہ
پر کامیاب ہوئے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ
رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:۔ اور کہا ان لوگوں نے کہ کیوں نہیں اتارا
گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے ﴿۳۱﴾
کیا یہ تقسیم کرتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت
کو۔ (بلکہ) ہم نے تقسیم کی ہے ان کے درمیان ان
کی معیشت دنیا کی زندگی میں، اور بلند کیا ہے ہم
نے بعض کو بعض پر درجے میں تاکہ بنائیں بعض
ان میں سے بعض کو خدمت گار۔ اور تیرے رب
کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو یہ اکٹھی کرتے
ہیں ﴿۳۲﴾

ربط آیات

اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کفریہ اور شرکیہ رسوم کا رد فرمایا جو کافر اور مشرک

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں انجام دیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آباؤ اجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو جو تم سب کے جد امجد ہیں۔ انہوں نے تو اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں آپ لوگوں کے ان جھوٹے معبودوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ جن کی آپ لوگ پوجا کرتے ہیں، سوائے اس ذاتِ خداوندی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے اس کے علاوہ میں کسی کو معبود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پھر اس کلمہ توحید اور برأت کو انہوں نے اپنی اولاد میں بھی چھوڑا تاکہ وہ توحید پر قائم رہیں۔ مگر ان لوگوں کی پختگی کو آہستہ آہستہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو بھول کر کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو انکار کر دیا۔ چونکہ آپ کا لایا ہوا کلام ان پر اثر کرتا تھا لہٰذا انہوں نے اس کو تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو جادوگر کہہ کر ٹھکرا دیا۔

نبوت و رسالت کا معیار

کفار و مشرکین نے نبوت و رسالت کا ایک خود ساختہ معیار یہ قائم کر رکھا تھا کہ یہ منصب کسی ایسے شخص کو ملنا چاہیئے جو دنیاوی لحاظ سے آسودہ حال ہو، اس کے پاس مال و دولت، کوٹھی، باغات، نوکر چاکر اور مال مویشی کی بہتات ہونی چاہیئے، وہ بہت بڑا آدمی ہو جسے معاشرے میں عزت کا مقام حاصل ہو۔ مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے دنیاوی لحاظ سے کمزور آدمی نے نبوت و دعوت کیا اور کہا کہ مجھ پر یہ قرآن پاک نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہ قرآن مکے اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل ہوا۔ بڑے آدمی سے ان کی مراد وہی دنیا کا جاہ و حشمت، مال و دولت، باغات و تجارت، کوٹھی اور غلام تھے۔ اس معیار کے لوگ مکہ میں ولید ابن مغیرہ، عقبہ اور شیبہ وغیرہ تھے، اور طائف میں ابن عبد یالیل، عروۃ ابن مسعود اور حبیب وغیرہ تھے جو بڑی حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ کہنے لگے اگر قرآن نازل ہونا

تھا تو ان میں سے کسی سردار پر کیوں نہ نازل ہوا۔ کیا اس کام کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ دنیا کے مترفین یعنی آسودہ حال لوگوں کا ذہن اسی طرح کام کرتا رہا ہے اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو حقیر سمجھ کر ہی اُن کی نبوت کا انکار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت و رسالت کسی کی خواہش اور اختیار سے نہیں ملتی، اور نہ ہی یہ عبادت و ریاضت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی عطا سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پھر جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب پڑتی ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (صٓ ۔ ۴۷) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برگزیدہ اور منتخب لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب مال و دولت یا جاہ و حشمت کی بنا پر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان کے قوی اعمال اور اخلاق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی الٰہی کا قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ تمام علوم محض تخمینی اور ظنی ہوتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی علم کی بنیاد عقل یا تجربہ پر تو ہو سکتی ہے مگر وہ یقینی نہیں ہو سکتے کیونکہ یقینی علم صرف وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت بحیثیت رسول فرض عین ہوتی ہے اسی لیے اللہ کے ہر نبی اور رسول نے قوم سے کہا اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (الشعراء ۔ ۱۲۵، ۱۲۶) اے لوگو! میں تمہارے لیے امانت دار رسول بن کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

انبیاء علیہم السلام کی تربیت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ وہ امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو جانے کے بعد نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں ہے مگر کافر، مشرک اور دنیا دار لوگ انبیاء و رسل کے معیار پر کہتے ہیں اور کہتے ہیں معزز وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس دنیا کا مال و زر زیادہ ہو حالانکہ اللہ کے ہاں عزت کا معیار ان آیات کریمہ کے مطابق

اَنتُم (الجمعیت ۳۰) ان کا قول ہے کفار و مشرکین نے اپنے اس خیال
کی بنیاد پر اللہ کے نبیوں کو حقیر سمجھا جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق
یہی حقیر کہا۔ اللہ نے فرمایا۔ یہ لوگ ہمارے برگزیدہ نبی اور رسول کی رسالت پر شک
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منصب کسی بڑے آدمی کے لئے ہے یہ کیوں نازل ہوا۔ اَهُمْ
یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا تیرے رب کی رحمت یعنی نبوت و رسالت
یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں کہ یہ منصب اس شخص کے لئے ہے اور اس کے لئے نہیں
معیار پر پورا اترتا ہو؟ فرمایا ہم کون ہیں۔ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ اپنی حکمت
اور مصلحت کے مطابق جس کو اہل سمجھتے ہیں اس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تاکہ
ہم کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا کفار و مشرکین کا یہ اعتراض بے
کہ قرآن حکیم کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا۔

تقسیم معیشت

اگلے حصہ آیت میں اللہ نے معیشت کی تقسیم کو نبوت و رسالت کی تقسیم
کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فرمایا یہ لوگ تقسیم نبوت اپنی مرضی کے مطابق کرنا
چاہتے ہیں حالانکہ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ان کے درمیان ہم نے دنیا کی معیشت بھی خود تقسیم کی ہے۔ ہم نے
ہر شخص کو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق رزق تقسیم کیا ہے اور سب کو
یکساں نہیں دیا بلکہ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ نبوت کی تقسیم تو بڑی
کی بات ہے اگر دنیا کی معیشت بھی ہم ان کے قبضہ میں دے دیتے تو یہ سب
کچھ اپنے حواریوں اور اقربا میں تقسیم کر دیتے اور کسی دوسرے آدمی کو پانی کا ایک
گھونٹ تک نہ دیتے۔

اگرچہ آیت کا یہ ٹکڑا نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر نازل ہوا ہے
تاہم اس سے دنیا کے اقتصادی یا معاشی نظام کے متعلق بھی رہنمائی ہو جاتی
ہے۔ اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام

ہے جو امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور پاک و ہند وغیرہ میں رائج ہے، اور دوسرا اشتراکی نظام ہے جو روس اور اس کے حواری ممالک میں چل رہا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ دونوں نظام ہائے معیشت باطل ہیں اور صحیح اور منصفانہ نظام وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور جس پر عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔

وسائل پیداوار میں تقسیم کے تین طریقے (۱) نجی (۲) سرمایہ، اور (۳) اشتراک نظام سرمایہ داری کا نظریہ یہ ہے کہ اصل چیز سرمایہ ہے، یہ ہوگا تو کارخانے لگیں گے، مزدور کام کریں گے، تو روزی کا سامان پیدا ہوگا۔ اس کے برخلاف اشتراکی نظریات کے حاملین کہتے ہیں کہ اصل چیز محنت ہے۔ محنت کے ذریعے ہی سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مزدور کو فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ سرمایہ دارانہ نظام حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور قرآن کریم کی کشتی کے مقولے کے مطابق سرمایہ دار جب سرمایہ کماتے ہیں، وہ امیر سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں جب کہ غریب بیچارے پستے چلے جاتے ہیں۔ اس نظام میں سرمایہ کے کسب اور اس کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں، ہر شخص اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر ہر حلال و حرام ذریعہ سے مال اکٹھا کر سکتا ہے اور پھر اپنی خواہش کے مطابق ہر جائز اور ناجائز کام میں صرف کر سکتا ہے، گویا کسب اور انفاق میں اس پر کوئی پابندی نہیں۔

دوسری طرف اشتراکی نظام معیشت ہے جس کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے موقع پر ہوا۔ اس وقت روس میں زار روس جیسے ظالم عیسائی حکمران تھے جو عوام کا خون چوس رہے تھے۔ اس زمانے میں اشتراکی تحریک چلی جس کو لینن اور سٹالن نے آگے بڑھایا۔ اس تحریک کی بنیاد دراصل جرمن کے یہودی کارل مارکس نے رکھی جو آخر میں انگلستان میں پناہ گزین رہا۔ اس نے "سرمایہ داری (CAPITALISM) نامی کتاب لکھ کر اس مسئلے کو چھیڑا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں گنوائیں اور

---

[illegible]

لوگوں کو اشتراکیت کی طرف مائل کیا۔ یہ نظریہ آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ملک کی ہر چیز پر عوام کی مشترکہ ملکیت تصور کی جانی چاہیے۔ اس نظریہ میں ایران کا مزدک نامی دہریہ اس سے آگے چلا گیا اور عورتیں بھی سب کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہئیں۔ یہ نظریہ فطرت کے صریحاً خلاف تھا۔ لہٰذا ایران کے بادشاہ نے اس شخص کو اور اس کے حامیوں کو قتل کروا دیا۔ اشتراکیت کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وسائل پیداوار کسی فرد واحد کی ملکیت میں نہیں ہونے چاہئیں بلکہ یہ سب حکومت کی ملکیت ہوں جو انہیں حاصل پیداوار میں سے عوام میں تقسیم کرے۔ آج کل یہ نظریہ اشتراکی ممالک میں رائج ہے۔ مگر اس میں قباحت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ حکومت پر چند مراعات یافتہ قسم کے لوگ قابض ہو کر من مانی کرنے لگتے ہیں، کنبہ پروری کرتے ہیں۔ دوسرے طبقے ہوتے ہیں اور عام لوگوں کی حیثیت جانوروں سے زیادہ نہیں ہوتی جو کام کرتے ہیں، اور روکھی کھا لیتے ہیں۔ ان پر یہ نظام اس قدر شدت سے مسلط کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز تک نہیں اٹھا سکتے اور جو ایسی کوشش کرتا ہے اسے ہمیشہ کے لیے ہمیشہ کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نہایت ہی ظالمانہ نظام ہے۔

اسلامی نظام معیشت

مذکورہ دونوں نظام ہائے معیشت اسلامی نظریات کے خلاف ہیں۔ اسلامی نظام کے خدوخال سابقہ انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی ملتے ہیں۔ اسلامی نظام میں نہ تو سرمائے کو کلی حیثیت حاصل ہے اور نہ محنت کو۔ سرمایہ بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور محنت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔ زمین اور اس کی تمام اشیاء اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ البتہ اس نے اپنے اختیار اور مشیت سے بعض چیزیں لوگوں کی عارضی ملکیت میں دے دی ہیں۔ اور پھر ان عارضی مالکوں کو حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے ان پر قانون کی پابندی بھی لازمی قرار دی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا سرمایہ دارانہ نظام کسب و تصرف میں کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا جب کہ اسلام کسب و تصرف دونوں پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی حرام ذریعے سے کمانے کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کا مذہب لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء - ۲۹)
آپس کا مال باطل اور ناجائز طریقے سے مت کھاؤ یعنی اسلام ناجائز ذرائع مثلاً
چوری، ڈاکہ، جوا، سٹہ، فراڈ، دھوکہ، چور بازاری اور بے ایمانی وغیرہ کے ذریعے
مال کمانے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ کہتا ہے كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَيِّبًا (البقرۃ - ۱۶۸) زمین میں سے صرف وہی چیزیں کھاؤ جو حلال اور
پاک ہیں۔ حرام اور ناپاک چیزوں کو استعمال نہ کرو۔

جس طرح اسلام لوگوں کو جائز ذرائع سے آمدن حاصل کرنے کا پابند بناتا ہے اسی
طرح وہ صرف جائز مقاصد پر خرچ کرنے کی پابندی بھی عائد کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ
فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کے سلسلے میں تین طریقے رائج ہیں۔ ایک کا نام رہبانیت ہے
ہے کہ انسان ہر وہ عیش اور تعیش کے تمام ذرائع اختیار کرے جو اس کی ضرورت سے
زیادہ ہو۔ وسیع مکان بنوائے جس کی تزئین و زینت پر غیر معمولی طریقے سے رقم خرچ
کرے اور پھر اس میں عیش و عشرت کے لوازمات جمع کرنے پر لاکھوں روپے خرچ
کر دے۔ اسلام اپنی جائز ضرورت کے مطابق مکان بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر
اس میں اسراف کو قطعاً ناپسند کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا دوسرا
طریقہ تَقَشُّف کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان سادھوؤں اور جوگیوں کی
طرح دنیا سے کٹ کر وحشی اختیار کرے پہاڑوں اور جنگلوں میں چلا جائے۔ نہ شادی کرے
نہ بال بچے ہوں۔ نہ کوئی ذمہ داری عائد ہو اور نہ کسی کو نبھانا پڑے۔ اس کو رہبانیت
کہا جاتا ہے وَلَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ جبکہ اسلام میں قطعاً روا نہیں۔
البتہ اسلام جو نظریہ پیش کرتا ہے۔ وہ ان دونوں عالموں سے مختلف ہے اسلام
نہ تو بلا جواز عیش و عشرت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ترکِ دنیا کو پسند کرتا ہے۔ بلکہ
اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر جائز ذرائع سے مال کماؤ۔ خود بھی کھاؤ اور اس
میں سے دوسروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابنِ آدم کے بعض بنیادی حقوق میں جن سے

کوئی شخص محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ ان میں پانی، خوراک، لباس، رہائش، صحت، تعلیم جیسی چیزیں شامل ہیں۔ ہوا کے بعد پانی انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہے لہٰذا یہ ہر شخص کو مفت مہیا ہونا چاہیئے اور حکومت کو ہر پانی کے ذخیرے پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد خوراک ہے جو زندگی کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ سوکھی روٹی ہو، تن ڈھانپنے کے لیے لباس بھی ہر شخص کو ملنا چاہیئے خواہ کم قیمت اور سادہ ہو۔ اس طرح کچا یا پکا مکان ہونا چاہیئے جس میں آدمی بال بچوں سمیت رہائش پذیر ہو سکے۔ اس کے بعد صحت کا حق ہے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ رعایا کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرے۔ اور ہر شخص کو تعلیم کے لیے کہ ان کا حق تعلیم کا حصول لازم ہونا چاہیئے جس سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچان سکے۔ آج کل ان بنیادی حقوق کا اعلان اقوام متحدہ UNO نے اپنے منشور میں کیا ہے جبکہ یہ تو اسلام کے قرآن اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں چودہ سو سال پہلے مقرر کر دیئے گئے تھے۔

ان عام تر بنیادی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلام معاشرے میں مساوات کو بھی قائم کرتا ہے۔ مساوات ایک خوبصورت نظریہ ہے۔ تمام انسان مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ دوسروں کو کھلایا ہے۔ تو ان کے درمیان تفریق ہونا چاہیئے۔ اللہ نے یہاں فرق مراتب کے درمیان تفریق کو ہم نے تقسیم کیا ہے لیکن درجات میں تفاوت رکھا ہے۔ تمام انسان علم، عقل، قوت، ذہن میں برابر نہیں ہیں۔ ایک شخص جسمانی لحاظ سے طاقتور ہے تو دوسرا ذہنی طور پر بہت آگے ہے۔ جو ہر وقت ڈاکٹر یا انجینئر بننے کے ذریعے ایک گھنٹے میں کام لیتا ہے اور روزی کما سکتا ہے وہ آدھا گھنٹہ ایک مزدور بارہ گھنٹے کام کر کے بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ جس شخص کا ذہن کسی علم یا ہنر کی طرف نہیں چلتا۔ وہ مزدوری کے علاوہ کیا کرے گا؟ لہٰذا ہر عالم اور جاہل، ہنر مند اور غیر ہنر مند برابر نہیں ہو سکتے۔ جب ان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت برابر نہیں تو ان کی باقی چیزیں کیسے مساوات ہو سکتی ہے۔ یہ تو بے عقلی

کی بات ہے تحقیقت یہ ہے کہ بنیادی تحقوق سب کے لیے ہوتے ہیں، ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کا پورا حق ملنا چاہیئے۔ پھر جو شخص کامیاب ہو جاتا ہے اُسے ناکام ہونے والے پر فوقیت حاصل ہوگی اور اسی لحاظ سے اُسے زیادہ بھی حاصل ہوگا۔ ایسے میں ہر ایک کے لیے مساوات کا مطالبہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ معیشت کو ہم تقسیم کرتے ہیں، اس میں کسی شخص کی مرضی نہیں چل سکتی۔

فرمایا ہم نے معیشت میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا تاکہ ان میں سے بعض بعض کو خدمت گار بنا لیں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا نظام اس طرح قائم کر دیا ہے کہ کوئی شخص زندگی کے تمام امور انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی صورت میں دوسرے کی مدد لینا پڑے گی۔ آجر اور مزدور کی معیشت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کارخانہ دار کا خانہ قائم نہیں کرے گا تو مزدور کو کام کہاں سے ملے گا۔ اور اگر مزدور نہیں ہوگا تو کارخانہ نہیں چل سکے گا۔ اسی طرح کھیتی باڑی، تجارت، نقل و حمل تمام امور میں ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ضرورت دوسرے سے خدمت لے سکتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے آزاد انسان سے بھی خدمت لی جا سکتی ہے۔ البتہ ہر آجر کو اپنے مزدور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُسے نہ تو غلاموں کی طرح بے تحاشا کام لے اور نہ اس کی حق تلفی کرے، بلکہ اس کے حقوق پورے پورے ادا کرے۔

## حقوق العباد

کاروباری حقوق کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر بعض دوسرے حقوق بھی قائم کیے ہیں اور اُن کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہے تو وہ سال پر زکوٰۃ ادا کرے۔ اس کے علاوہ صدقہ فطر ادا کرے، قربانی کرے۔ اللہ کا فرمان ہے وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذّٰریٰت ۱۹) مال داروں کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا

کرے۔ اگر کوئی رشتہ دار غریب ہے، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صاحب حال پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس غریب کے لیے روزگار کا بندوبست کرے۔ قرابتداروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل - ۲۶) قرابتداروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ پڑوسیوں کی خبر گیری کرو، کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرو، کسی کو تعلیم کی ضرورت ہے تو وہ پوری کرو، خوراک، لباس اور پانی کا بندوبست کرو۔ یہ تمام حقوق ادا کرنے کے بعد پھر دیکھو کہ عیش و عشرت کے لیے کچھ بچتا بھی ہے یا نہیں۔ انہی حقوق کو غصب کر کے لوگ عیش کرتے ہیں اور رسومات باطلہ کو اپنا لیتے ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص بیماری میں ماں کو دوا تو لا کر نہیں دے سکتا، مگر اس کی فوتیدگی پر ہزاروں خرچ کر ڈالتا ہے جو بلا شبہ اسراف و تبذیر میں شمار ہوتا ہے۔

فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (انعام - ۱۱۵) تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو یہ جمع کرتے ہیں۔ اس سے نبوت و رسالت کی رحمت مراد ہے جس کا کفار و مشرکین انکار کرتے ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام - ۱۲۵) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا کون مستحق ہے۔ کفار و مشرکین خواہ مخواہ اپنا معیار قائم کیے ہوئے ہیں جو ان کی ذہنی پستی کی علامت ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا
لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ
اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا
وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ ع

ترجمہ:- اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی دین (یعنی کفر) پر ہو جائیں گے تو البتہ ہم بنا دیتے اُن لوگوں کے جو کفر کرتے ہیں رحمان کے ساتھ، گھروں کی چھتیں چاندی کی، اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں ﴿٣٣﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں ﴿٣٤﴾ اور سونے کے۔ اور نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دنیا کی زندگی کا، اور آخرت تیرے رب کے پاس ہے متقیوں کے لیے ﴿٣٥﴾

ربط آیات گذشتہ آیات میں دین کے بنیادی اصولوں میں سے رسالت کا ذکر تھا کافر و مشرک لوگوں کا تخیل یہ تھا کہ ہم ایسے نبی کو نہیں اور رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی مالی پوزیشن اچھی نہ ہو۔ رسول تو فرشتوں جیسی مخلوق کا آنا چاہیئے

جس کے پاس دنیاوی زندگی کے آرام و آسائش کی تمام سہولتیں موجود ہوں۔ اگر خدا نے کوئی رسول بنایا تھا تو اسے اور حالت کی بجائے میں سے کسی صاحب حیثیت آدمی کو بنایا ہوتا۔ اور اس پر یہ قرآن بذریعہ وحی نازل کیا جاتا۔

کفار و مشرکین نبی کی امتیازی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے مگر دنیاوی اعتبار سے یعنی اس کے پاس مال و دولت، کثرتِ اولاد اور باغات، الغرض تمام عیش و آرام ہونے چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی باقی لوگوں سے واقعی ممتاز ہوتا ہے مگر دنیاوی لحاظ سے نہیں بلکہ ایمان، عقل، اخلاق، علم، عزم، اخلاص اور باطنی خواص کے لحاظ سے۔ انبیاء کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بہت کم انبیاء ایسے ہیں جن کی ظاہری حالت عمدہ تھی، مگر نہ بیشتر انبیاء دنیاوی لحاظ سے کمزور ہی تھے۔ یہ سب اللہ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے جس سے عام لوگ محروم ہوتے ہیں۔

گزشتہ درس میں تقسیمِ رزق کا فلسفہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ اللہ نے دنیا میں مالی لحاظ سے بعض کو بعض دوسروں پر فوقیت دی ہے دنیا میں مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ نے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ باہمی تفاوت کی بنا پر ہی دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ اگر سب لوگ ایک جیسے ہوتے تو کوئی کسی کے کام نہ آتا اور کاروبارِ زندگی معطل ہو جاتا۔ اس دنیا میں امیر اور غریب دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مال و زر کے بغیر کوئی کاروبار نہیں شروع کیا جا سکتا۔ اور مزدور کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔ لہٰذا اللہ نے امیر اور غریب، مالک اور مزدور، زمیندار اور کسان، افسر اور ماتحت میں امتیاز پیدا کر کے زندگی کے کاروبار کو رواں دواں کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے قَسَّمْتُ اَخْلَاقَكُمْ بَيْنَكُمْ كَمَا قَسَّمْتُ اَرْزَاقَكُمْ (مسند احمد) اللہ نے مخلوق میں اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح اس نے مخلوق میں رزق تقسیم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دنیا کا سارا نظام نہایت خوبی سے چلا رہا

ہے مگر دین اُس کو دیتا ہے جو اُس کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں
فَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ۔

نبی اکبر تقسیم کنندہ

صحیحین کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں بعض بعض پسند لوگ اس حدیث کو غلط معانی پہناتے ہیں اور اس عطا اور تقسیم کو ہر چیز پر محمول کرتے ہیں گویا حضور علیہ السلام رزق، صحت، صدمے، بارش وغیرہ سب کچھ خود تقسیم کرتے ہیں یہ نظریہ گذشتہ درس والی آیت نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان رزق تو وہ خود تقسیم کرتے ہیں جو کہ ایک معمولی سی چیز ہے۔ پھر نبوت و رسالت جیسی اعلیٰ چیز کی تقسیم کا اختیار دوسروں کو کیسے دیا جا سکتا ہے جو چاہے جس کو منصب کی صاحب حیثیت آدمی کو عطا کر دے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں ہر چیز کی تقسیم مراد نہیں بلکہ مال غنیمت اور علم کی تقسیم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور حضور علیہ السلام اسے تقسیم فرماتے ہیں۔ مال غنیمت کی تقسیم کا اصول اللہ نے سورۃ الانفال میں بیان کر دیا ہے اور پھر اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اس طریق کار کے مطابق اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح قطعی اور یقینی علم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آتا ہے اور حضور علیہ السلام کو حکم ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ ۶۷) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ آپ اسے آگے پہنچا دیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے نبی کو مال غنیمت اور علم کی تقسیم کا فرض تفویض کیا ہے نہ کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا۔

کفار کے لیے سونے چاندی کی فراوانی کی وجوہات

آپ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے متاع دنیا اور متاع آخرت کا تقابل فرما کر آخرت کے سامان کو فوقیت دی ہے۔ ارشاد ہوا ہے وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر اس چیز کا خطرہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی دین پر ہو جائیں گے لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ

سَقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ

کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں

اور سونے کے دروازے بنا دیتے جن سے دنیا کے مال میں سونے چاندی کو اولیت حاصل ہے

اور ہر دنیادار کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ چیزیں اس کے پاس زیادہ سے زیادہ تعداد

میں جمع ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان اشیاء کا ذکر بطور تحقیر کیا ہے

کہ دنیا کا محبوب ترین مال بھی اس کے نزدیک حقیر ترین چیز ہے۔ فرمایا اگر سب کافروں

کو اس قدر مال عطا کر دیں کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیں

بلکہ وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ بلکہ ان کے گھروں

کے دروازے اور تخت یا پلنگ بھی چاندی کے بنا دیے جن پر وہ آرام کرتے ہیں۔ فرمایا

صرف چاندی کے نہیں وَزُخْرُفًا بلکہ سونے کے۔ اللہ نے مثال کے طور پر کافروں

کے گھروں اور ان کے لوازمات کا ذکر کیا ہے کہ اگر یہ تھوڑا تھوڑا کر کے سب لوگ ایک

ہی دن پر جمع ہو جائیں گے تو ہم ان کی تمام چیزیں سونے اور چاندی کی بنا دیں۔

یہاں پر اُمَّةً سے مراد دین ہے اور دین سے مراد کفر کا دین ہے مطلب

یہ ہے کہ اگر کافروں کو اس قدر سونا چاندی دے دیا جائے تو خطرہ ہے کہ سب لوگ

کفر کی طرف ہی مائل ہو جائیں گے۔ وہ دیکھیں گے کہ کافروں پر بڑے انعامات

ہو رہے ہیں۔ وہ اس دین کو سچا سمجھ کر اسی کو اختیار کر لیں گے۔ سورۃ البقرہ میں بھی

اُمَّةً وَّاحِدَةً کا ذکر آیا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (آیت ۲۱۳) سب لوگ ایک ہی دین

پر تھے۔ اس سے مراد دین حق ہے۔ پھر ان میں اختلافات پیدا ہوئے تو اللہ

نے ان کی ہدایت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے نبی

انبیاء بھیجے۔

فرمایا ہم کافروں کو قراوانی کے ساتھ سونا چاندی عطا کر دیتے مگر ہمارے نزدیک دنیا کی حقیر

دنیا کے اس مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کیونکہ یہ تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے جو ذرا سا پیدا اور فانی ہے دنیا کے مال و متاع کی تحقیر مقصود ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں بھی آتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو شربت کا پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا کیونکہ کفر اور شرک کا مرتکب اللہ کا باغی ہوتا ہے۔

اس حصہ آیت کی ترکیب مفسرین کرام دو طرح سے کرتے ہیں۔ آیت میں اداۃ الحصر اِنَّمَا کو اگر اس کفہ تسلیم کیا جائے تو معنی ہوگا اِنَّمَا یعنی بیشک شان یہ ہے کہ بلکل یہ سب چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ یعنی یہ بے وقعت اور ناپائیدار اشیاء ہیں کیونکہ پائیداری ان چیزوں سے نہیں بلکہ ایمان، اعمال صالحہ اور خوش اخلاقی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں لَمَّا کو لَمَّا پڑھا جائے گا۔ اور یہ اِنْ نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور اس حالت میں لَمَّا کو لَمَّا ہی پڑھا جائے گا۔ جیسے سورۃ الطارق میں ہے اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (آیت ۴) یعنی کوئی نفس نہیں ہے۔ مگر اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محافظ مقرر ہے جو اس کے وجود اور اس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے۔ اس محاورے کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دنیا کی زندگی کا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی جیسی قیمتی متاع کو بھی ایک حقیر چیز شمار کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے محدود ہے اور اس کے بعد ختم ہو جانے والی ہے۔

حقیقی کامیابی آخرت

آگے اللہ نے تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان فرمایا ہے وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى للمتقین اور تیرے پروردگار کے نزدیک آخرت تو متقیوں کے لیے ہے جو کفر و شرک، کبر اور ریا سے بچتے ہیں۔ آخرت میں حصہ خالص ایمان والوں کے لیے ہے جو بد اعمالی اور بد اخلاقی سے پاک ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نشے چارپائی پر فروکش تھے اور آپ کے جسم اطہر

[illegible] کے نشانات پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور! دنیائے قیصر و کسریٰ ملوک اور جابر ترین دنیا دار کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ آپ بغیر چادر کے چارپائی پر تشریف فرما ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ اے ابن خطاب! کیا تمہیں منظور نہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو ملنے والے انعامات اس دنیا میں ملیں اور ہمارے لیے اللہ نے آخرت کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ یہ حقیقی آرام ہمیں آگے چل کر میسر ہوگا۔ سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (۳۲) دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشے جو ڈرنے والوں کو میسر ہے جبکہ آخرت کا گھر بہتر ہے جو متقیوں کے حصہ میں آنے والا ہے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ چیز ہے دنیا میں کافروں کو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔ ہمیں اس بات میں تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا کے متاع کی حقیر کی وجہ سے ہی حضور علیہ السلام نے فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور ہمیں یہ آخرت میں ملیں گی اہل جنت کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا دیا جائے گا اور جو شخص اس دنیا میں ایسے برتن استعمال کرے گا وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ بہرحال ہمیں آخرت کے حقیقی آرام آخرت ہونی چاہیئے۔ کہ وہاں کامیابی حاصل ہو جائے۔ یہاں تو سارا دن تو تعلق عارضی ہے۔

ایک اشکال

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سونے چاندی کی زیادہ فراوانی اسی لیے نہیں دی کہ کہیں وہ سب کے سب مال و دولت اور عیش و آرام کو اختیار کر لیں۔ تو خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ یہ مال و دولت سب کو نہ دیتا کہ دیتا تو آرام کی وجہ سے سب لوگ ایمان لے آتے۔ اس سوال کے جواب میں

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ مال و دولت کی فراوانی میں بہت سے خطرات بھی ہیں کہ لوگ دنیا کی آرام و راحت میں مبتلا ہو کر کہیں آخرت کو ہی نہ بھول جائیں اور معاصی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ (العلق-۶،۷) جب کوئی انسان اپنے آپ کو غنی پاتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ (التکاثر-۱) انسان کی کثرت طلب نے اُسے غافل کر دیا ہے۔ اس واسطے اللہ نے اہلِ ایمان کو دنیا، مال و دولت کی فراوانی نہیں عطا کی۔

امام زمخشریؒ اس اشکال کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں مومنوں کے لیے سونے چاندی کی فراوانی کر دی جاتی تو اس میں کافروں کے لیے ایمان لانے کی کشش تو ضرور ہوتی مگر اس قسم کا ایمان محض لالچ کی بنا پر ہوتا نہ کہ دل کی تصدیق کے ساتھ۔ اس قسم کا ایمان منافقوں کا ایمان ہوتا ہے جو کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ آج بھی لوگ دنیا کے مال کی خاطر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو نوکری، مکان، بیوی اور دیگر آسائشوں کی وجہ سے عیسائیت کی گود میں چلے گئے، اور کتنے لوگ ہیں جنہوں نے محض لالچ میں آکر عیسائیت کو قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا لالچ والا ایمان اللہ کو پسند نہیں لہٰذا اُس نے دنیا میں اہل ایمان کے لیے مال و متاع کی فراوانی نہیں بنائی۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا
فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٣٦﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ
السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾
حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ
بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ﴿٣٨﴾ وَلَن
يَنفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذ ظَّلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٩﴾ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَمَن كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٠﴾ فَإِمَّا
نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾ أَوْ
نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم
مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ
إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّهُ
لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿٤٤﴾
وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا
أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿٤٥﴾ ع

فتنہ ہے۔ اور جو شخص اعراض کرتا ہے رحمان کے ذکر سے ہم
مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے شیطان، پس وہ ہے اس
اس کا ساتھی بن جاتا ہے ﴿۳۶﴾ اور بے شک وہ (شیاطین)
البتہ روکتے ہیں اُن کو سیدھے راستے سے اور وہ
گمان کرتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں ﴿۳۷﴾ یہاں تک
کہ جب وہ آئے گا ہمارے پاس تو کہے گا (وہ اپنے
شیطان سے) کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب
کا فرق ہوتا۔ پس بہت ہی بُرا ساتھی ہے ﴿۳۸﴾ اور ہرگز
نہیں فائدہ پہنچائے گا تمھیں آج کے دن جب کہ تم نے
ظلم کیا ہے۔ بیشک تم عذاب میں مشترک ہو ﴿۳۹﴾ (اے پیغمبر!)
کیا آپ سنائیں گے بہروں کو یا راہ دکھائیں گے اندھوں
کو اور اُس کو جو صریح گمراہی میں پڑا ہے ﴿۴۰﴾
پس اگر ہم آپ کو لے جائیں گے اور بیشک ہم
ان لوگوں سے انتقام لینے والے ہیں ﴿۴۱﴾ اور یا ہم دکھا
دیں گے آپ کو وہ چیز جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا
ہے۔ بیشک ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۴۲﴾
پس آپ مضبوطی سے پکڑیں اس چیز کو جو آپ کی طرف
اتاری گئی ہے۔ بیشک آپ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۴۳﴾
اور بے شک یہ (قرآن) البتہ ذکر ہے آپ کے
لیے اور آپ کی قوم کے لیے، اور عنقریب تم سے
سوال کیا جائے گا ﴿۴۴﴾ اور آپ پوچھ لیں اُن سے
جن کو ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں
سے۔ کیا مقرر کیے ہیں ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود

جن کی عبادت کی جائے (۴۵)

پہلے توحید اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے رسالت کا ذکر فرمایا۔ وَكَذٰلِكَ رابطہ آیات
مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ..... الا ۲۳ آیت ۔ ۲۳، اسی طرح آپ سے پہلے
ہم نے جس بستی میں بھی رسول یا نبی بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے اس کا
انکار کیا اور اپنے آباؤ اجداد کی فرسودہ روش پر کاربند رہنے پر اصرار کیا۔ قَالُوْٓا اِنَّا
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (آیت ۲۴) کہنے لگے کہ جو چیز کر
تم لے کر آئے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ عرب کے مشرکوں کا بھی یہی حال
ہوا کہ جب بھی ان کے پاس حق بات آئی قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ
كٰفِرُوْنَ (آیت ۳۰) کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے
ہیں۔ اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہوتا تو ہمارے مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر
نازل ہونا چاہیے تھا تاکہ ہم بھی مان لیتے۔ ہم کسی نادار آدمی کو اللہ کا نبی ماننے
کے لیے تیار نہیں۔

قرآن سے اعراض کا نتیجہ

فرمایا اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے، اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے بھی اعراض کرتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ جو شخص خدائے رحمان کے ذکر سے اعراض کرتا ہے نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ الفاظ ذکر کے دو معانی آتے ہیں۔ ذکر سے عام فہم مراد یاد الٰہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یاد الٰہی سے اعراض کرنا سرگزشت پسندیدہ امر نہیں۔ تاہم یہاں پر سیاق و سباق کے پیش نظر ذکر سے مراد خود قرآن حکیم ہے۔ نیز یہ بھی ذکر قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قرآنی تعلیمات سے اعراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اسے ہمیشہ بہکا کر گمراہ کرتا رہتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر کسی بستی میں تین مسلمان رہتے ہوں، اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے اسی طرح جو ذکر الٰہی یا نصیحت سے اعراض کرتا ہے۔ اس پر بھی شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور اس کو ہر وقت گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ نے انسان کی آزمائش کے لیے اس کے ساتھ فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے اور شیاطین کو بھی۔ فرشتے اور شیطان ہر وقت آدمی سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اگر طبیعت میں نیکی کا جذبہ پیدا ہوتا سمجھ لو کہ یہ فرشتے کی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ اور اگر دل میں برائی کا وسوسہ پیدا ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت شیطان کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ ان شیاطین کا کام یہ ہوتا ہے وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ کہ وہ لوگوں کو سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔ ہر نیکی کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور انہیں برائی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

معرضین کی غلطی

فرمایا اگرچہ معرضین قرآن پر شیطان مسلط ہوتا ہے وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ مگر وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ ان کی فہم و فکر کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ برائی کو نیکی تصور کر لیتے ہیں۔ چنانچہ مشرک کافر اور بعض لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ کام تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں۔ مگر سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت بڑے نیکی کے کام انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً جب کافر اور مشرک لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں یا غیر اللہ سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ بدعات کے پجاری بھی عرس منا کر، قبروں پر چادریں چڑھا کر، چراغاں کر کے، ان پر گنبد بنا کر، تیجا، ساتا اور چالیسواں کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ وہ کار ثواب انجام دے رہے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہ بڑی نیکی کا کام ہے، اسی پر اپنی اور مُردوں کی نجات کا دارومدار ہے اور اسی سے دنیا میں عزت اور شہرت حاصل ہوگی۔ وہ انہیں خوشنما کر کے دکھاتا ہے اور بے نصیب آدمی عمر بھر یہی بے معنی امور کی انجام دہی کرتے کرتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ کہف میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدیں کیا ہم تمہیں اعمال کے لحاظ سے سخت نقصان زدہ لوگوں کے متعلق بتلائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری زندگی میں ہی برباد ہو گئی وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (آیت ۱۰۴) مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ زندگی بھر اسی وہم میں مبتلا رہتے ہیں حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا یہاں تک کہ جب وہ موت سے جکڑا ہوا ہمارے پاس آتے ہیں تو اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں۔ عام محاورے میں بھی کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ نِيَامٌ اِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوا اس وقت لوگ دنیا میں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں جب انہیں موت آجائے گی تو حقیقت میں اس وقت بیدار ہوں گے۔ جب تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے۔

شیطان کی دوستی پر حسرت

فرمایا جب کسی قرآن سے اعراض کرنے والا مر کر جاتا ہے پاس پہنچ جاتا ہے قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ تو اس وقت شیطان سے کہتا ہے کاش میرے اور تمہارے درمیان دنیا میں مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو میں تیرے دام میں نہ پھنستا اور نہ آج یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوتا۔ فَبِئْسَ الْقَرِينُ تو بڑا ہی برا ساتھی ثابت ہوا۔

---

یہاں پر مشرقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ہے دو مشرق حالانکہ مشرق تو ایک ہی ہے جب کہ اس کی ضد مغرب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرقین سے مراد دراصل مشرق اور مغرب ہی ہے کیونکہ بعض اوقات تغلیباً مشرق اور مغرب کو مشرقین کہا جاتا ہے۔ عربی ادب میں ایسی اور مثالیں بھی ملتی ہیں جیسے ؎

أَخَذْنَا بِأَطْرَافِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ
لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ

ہم نے آسمان کے اطراف کو تمہارے اوپر بند کر دیا ہے کیونکہ ہمارے لئے چاند (یعنی چاند اور سورج) ہمارے لیے ہیں۔ اسی طرح تمارے بھی اب تارے ہی ہیں۔

وَبَصْرَةُ الْأَرْضِ مِنَّا وَالْعِرَاقُ لَنَا
وَالْمَوْصِلَانِ وَمِنَّا الْمِصْرُ وَالْحَرَمُ

بصرہ اور عراق بھی ہمارے ہاں موصل، مصر اور حرم بھی ہمارے ہاں بھی جزیرہ اور موصل کو ملا کر موصلان کہا گیا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر بھی آتا ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (۱۷) اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں کا بھی رب ہے اور دونوں مغربوں کا بھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کو دو دو اس لیے کہا گیا ہے کہ موسم سرما اور گرما کے مشرق اور مغرب مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں موسموں میں سورج اور چاند کے طلوع و غروب کے مقامات میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے، اس لیے مشرق کو دو مشرق اور مغرب کو دو مغرب کہا گیا ہے۔

فرمایا کہ موت آ جانے کے بعد حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے دنیا میں شیطان کو اپنا ساتھی بنایا مگر فرمایا وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ تمہارا افسوس کرنا آج کے دن کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ تم نے دنیا میں رہ کر ظلم کا ارتکاب کیا اور شیطان کی بات مان کر کفر، شرک، بدعات اور معاصی میں مبتلا رہے آج تم تابع اور متبوع بن کر دونوں اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ عذاب میں اشتراک رکھتے ہو یعنی تم دونوں عذاب میں مشترکہ طور پر مبتلا ہو گے۔

حضور علیہ السلام کے لیے تسلی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار و مشرکین کے اقوال و افعال سے بہت کوفت ہوتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ کیا آپ بہروں کو سنا سکیں گے اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ یا اندھوں کو راہ دکھا سکیں گے وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یا اس شخص کو راہ راست پر لے آئیں گے جو صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر و مشرک اندھوں، بہروں اور گمراہوں کی مانند ہیں۔ آپ ان کو کیسے راہ راست پر لا سکیں گے۔ یہ تو آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ ایمان نہیں لاتے، آپ کی رسالت پر یقین نہیں کرتے اور قرآن کو وحی نہیں مانتے تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَ

پھر یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے یعنی اپنے پاس بلا لیں گے اور اس صورت میں فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ہم خود ان بدبختوں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ ان کو ان کی کارکردگی کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے جو وعدہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے ساتھ تو یہی وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان، توحید، رسالت اور قرآن کا انکار کرے گا۔ ہم اس کو ضرور سزا میں مبتلا کریں گے۔ چنانچہ ہم آپ کی زندگی میں ان کو سزا میں مبتلا ہوتے ہوئے دکھا دیں گے تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے کہ ان نابکاروں کو ان کے کیے کی سزا مل گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے کافر مشرک اور منافق حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہلاک کر دیے گئے۔ بعض بدر میں مارے گئے اور بعض مغلوب ہو گئے۔

تسلی دینے کا وعدہ پورا کر دیا فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ کیونکہ ہم ان پر قادر ہیں۔ ہماری گرفت سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے اور ضرور اپنے انجام بد کو پہنچنے والے ہیں۔

تمسک بالقرآن

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے پیغمبر! فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیں اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ قرآن پاک، دین اور شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ و تلقین کریں۔ آپ شیطان کے بہکائے ہوئے لوگوں کی خاطر نہ گھبرائیں۔ یہی حکم عام اہل ایمان کے لیے ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں زندگی کا لائحہ عمل بنائیں کہ اسی میں سب کی کامیابی ہے اگر اس میں کمی پیدا ہوئی اور اس آفاقی قانون کے ساتھ ساتھ دیگر قوانین سے بھی امید کی تو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ صرف اسی کو مضبوطی سے تھامنے میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

فرمایا اے پیغمبر اسلام! اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بے شک آپ راہ راست پر ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔ ایمان، توحید اور نبی کا یہی راستہ ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام کا پتہ دیتا ہے۔ نیز فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ بیشک یہ قرآن پاک نصیحت ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بھی۔ عام طور پر ذکر کا معنی نصیحت کیا جاتا ہے۔ تاہم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے مراد عزت اور شرف ہے جو اسی معنی سورۃ ص میں بھی استعمال ہوا ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ (آیت ۱) قسم ہے شرف والے قرآن کی۔ تو فرمایا کہ یہ قرآن پاک آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ اس سے بڑی عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام قرآن قریش کی عربی زبان میں نازل فرمایا یہ ایسا کلام ہے جس سے مادی اور روحانی دونوں قسم کی ترقی یقینی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جناب آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے آپ قومی نبی ہیں اور قریش کی سعادت آپ کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری حیثیت آپ کی بین الاقوامی نبی کی ہے، جیسے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف ۱۵۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں تم سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بہرحال قرآن کا پروگرام پہلے حضور علیہ السلام کی قوم قریش کو دیا گیا اور پھر ان کی وساطت سے یہ پیغام ساری دنیا کو عطا کیا گیا۔ چنانچہ یہ قرآن قریش کے لیے خاص طور پر باعث عزت و شرف ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ قریش سے شرف کا یہ مطلب بھی ہے کہ خلافت بھی انہی میں رہیگی۔ چنانچہ پہلی ساڑھے چودہ صدیوں تک مسلمانوں کی خلافت قریش کے پاس ہی رہی۔ اس کے بعد جب ان میں صلاحیت باقی نہ رہی، امت میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے تو خلافت ایوبیوں اور ترکوں کی طرف منتقل ہو گئی۔

**قرآن و توحید کے متعلق سوال**

فرمایا یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے شرف کا باعث ہے وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ اور عنقریب قرآن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائیگا۔

بارہ میں لوگ کہنے لگے تھے اس قرآن پاک کے ذریعے شرف بخشا تھا، تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم آج دیکھتے ہیں کہ عام طور پر قرآن کا مسلمان ہونا ہے، لوگوں نے اسے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کو غلافوں میں بند کر کے الماریوں کی زینت بنا دیا ہے۔ قیامت کے دن آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شکایت پیش کریں گے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان - ۳۰) پروردگار میری اس قوم نے قرآن پاک کو پس پشت ڈال دیا تھا، انہوں نے اس کو نافذ نہ کیا اور اس طرح اس کی تعلیمات سے مستفید نہ ہوئے بلکہ الٹا اس کی مخالفت کرتے رہے۔ بہرحال قرآن کریم میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آگے اللہ نے توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ذرا ان سے پوچھ لیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سوال کے مصداق سابقہ کتب سماویہ اور تورات و انجیل کے قارئین ہیں۔ کہ ان سے پوچھ لیں اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ کیا ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود مقرر کیے ہیں کہ جن کی عبادت کی جائے؟ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے سوا کسی کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا، پھر یہ لوگ کس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے انبیاء نے بھی خالص توحید ہی کا درس دیا اور آپ کی تعلیمات اور قرآن کا محور بھی توحید ہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت آتی ہے کہ معراج کی رات جب تمام انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور حضور علیہ السلام نے سب کو نماز پڑھائی تو اس وقت آپ نے انبیاء سے دریافت کیا کہ تمہیں کس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تو سب نے یہی جواب دیا وَبُعِثْنَا بِالتَّوْحِيْدِ (طبقات ابن سعد) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ اِنَّمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بَاطِلٌ کو ہماری سب کی مشترکہ دعوت کلمہ توحید تھی اور یہ بھی کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل ہے

وقت یہ بھی کہا گیا تھا خَاتَمُ النَّبِيِّنَ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور آپ تمام انبیاء اور رسل کے سردار ہیں۔ آپ کے بعد قرب قیامت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا۔ مگر وہ آپ کے اتباع پر ہوں گے۔ اپنی شریعت جاری نہیں کریں گے بلکہ دجال کا فتنہ ختم کریں گے۔ بہرحال یہ مسئلہ تخلیق کائنات کے وقت سے لے کر تمام مخلوق پر واضح ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کی عبادت روا نہیں۔ اللہ نے اپنے سوا کسی کو معبود نامزد نہیں کیا۔ اس کی گواہی سابقہ انبیاء بھی دیں گے۔ یہ مسئلہ تو بیچ آگیا۔ آگے سورۃ نمل کا مضمون آرہا ہے۔ نیز شرک کی تردید اور طریقہ تبلیغ بھی بیان ہوگا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِئِهِ
فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم
بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا
نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا
وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾
وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ
الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿٥٠﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ
فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ
وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۖ أَفَلَا
تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي
هُوَ مَهِينٌ ۖ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ
عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ
مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ
إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا
انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ

سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ ع ١١

ترجمہ ۵ ۔ ۱ ۔ البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام
کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں
لوگوں کی طرف ۔ پس کہا موسیٰ علیہ السلام نے میں رسول
ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿٤٦﴾ پس جب وہ آئے
ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اچانک وہ
ان نشانیوں کے ساتھ ہنستے تھے ﴿٤٧﴾ اور ہم نہیں
دکھاتے تھے ان کو کوئی نشانی مگر وہ بڑھی ہوئی ہوتی تھی دوسری
سے اور پکڑا ہم نے ان کو عذاب میں تاکہ وہ لوگ
باز آجائیں ﴿٤٨﴾ اور کہا انہوں نے اے جادوگر انسان ! دعا
کر ہمارے لیے اپنے پروردگار کے پاس جو کچھ اس
نے عہد کیا ہے تیرے ساتھ ۔ بیشک ہم راہ پر آجائیں
گے ﴿٤٩﴾ پس جب ہم نے کھول دیا ان سے عذاب تو
اچانک وہ توڑتے تھے (عہد کو) ﴿٥٠﴾ اور پکارا فرعون
نے اپنی قوم کے درمیان اور کہا اے میری قوم کے لوگو!
کیا نہیں ملک مصر میرے قبضہ میں اور یہ
جو نہریں بہتی ہیں میرے محل کے سامنے ۔ کیا تم دیکھتے
نہیں ؟ ﴿٥١﴾ بلکہ میں بہتر ہوں اس شخص سے جو حقیر ہے
اور قریب نہیں کہ وہ صاف بات کر سکے ﴿٥٢﴾ پس کیوں
نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے ، اور کیوں نہیں
آئے اس کے پاس فرشتے لگاتار ﴿٥٣﴾ پس ہلکا بنا دیا اس
نے اپنی قوم کو تو انہوں نے اس کی اطاعت کی بیشک
وہ لوگ نافرمان تھے ﴿٥٤﴾ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ

دلایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ہم نے اُن سب
کو پانی میں غرق کر دیا(۵۵) پس کر دیا ہم نے اُن کو اگلے
گزرے لوگ ۔ اور ایک مثال پچھلوں کے لیے(۵۶)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت بیان ہوئی۔ نیز فرمایا کہ جو لوگ قرآن پاک سے اعراض کرتے ہیں اُن کے ساتھ سزا کے طور پر شیاطین مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ جو انہیں ہمیشہ گمراہ کرتے رہتے ہیں اور روزِ قیامت ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ وہاں پہنچ کر ایسے لوگ افسوس کا اظہار کریں گے مگر اُس وقت کا افسوس کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اور پھر تابع اور متبوع سب عذاب میں مبتلا ہوں گے جو پیش آنے والا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی گئی کہ آپ وحی الٰہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھیں کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مقررہ وقت پر ضرور عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔ فرمایا یہ قرآن پاک آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعثِ عزت و شرف ہے۔ قیامت کے دن اس کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ دنیا میں تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام آسمانی کتب اس بات پر متفق ہیں کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اب آج کی آیات میں اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور ساتھ جزئے عمل کا مضمون بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی قوموں کے حالات آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ فرعون کے سردار بھی بڑے غرور اور سرکش تھے۔ جب کہ مشرکین قریش بھی ایسے ہی تھے۔ دونوں اقوام نے اپنے نبی کو سخت ایذائیں دیں۔ نتیجہ کار اپنے بُرے انجام کو پہنچے۔ چنانچہ یہاں پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرما کر حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں لوگوں کی طرف فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا میں تمام جہانوں کے پروردگار

کا فرستادہ ہوں۔ میں خود نہیں آیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ میں تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کفر اور شرک سے باز آجاؤ اور صرف ایک معبود واحد لاشریک کی عبادت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فاصلہ طور پر کہا

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾

(سورۃ النّٰزعٰت) کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تاکہ تجھ میں خوف پیدا ہو۔

یہاں پر نشانیوں سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ ان میں دو بڑی نشانیاں عصا اور ید بیضا تھیں۔ سورۃ الاعراف میں آتا ہے فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (آیت ۱۳۳) ہم نے فرعونیوں پر طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون جیسی واضح نشانیاں بھیجیں، مگر وہ تکبر کرتے رہے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جن نشانیوں کا ذکر ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، اس سے یہی نو معجزات مراد ہیں۔

فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے نشانیاں لے کر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس آئے فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ تو وہ لوگ ان نشانیوں کا مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ باتیں کیں۔ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ آپ کو جادوگر کہا اور معجزات کو کرتبوں سے تعبیر کیا۔ حالانکہ معجزہ تو اللہ کے نبی کی صداقت کی نشانی ہوتا ہے اور ایسی چیز ہر شخص پیش نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ الغرض فرعون اور اُس کی قوم نے معجزات کی جنسی اڑائی۔

بلاوجہ جنسی کے لیے بھی کوئی اچھی چیز نہیں چہ جائیکہ اللہ کے نبی اور اُس کے لائے ہوئے معجزات کی ہنسی اڑائی جائے۔ ہنسنا اگرچہ ایک طبعی امر ہے مگر حضور علیہ السلام کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ آپ زیادہ سے زیادہ مسکرا دیتے تھے۔ بعض اوقات

ہٹتے ہی تھے مگر تعجب نہیں لگاتے تھے کہ غفلت کی علامت ہے۔ اسی لیے دوسری
جگہ ہے کہ آئے آنے والی منزل سے پیشتر خبردار کرنا۔ وما نرسلہ
بہ حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر بھیجا وَمَا نُرِيهِم
مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ہم اُن لوگوں کو جو بھی نشان دکھاتے
وہ پہلی نشانی سے بڑھی ہوئی ہوتی تھی۔ مگر مصر کے گورنر آپ سے ایک بڑھ کر تھے۔ مگر
فرعونیوں نے اُن کو تسلیم نہ کیا بلکہ جس بات میں اُن کو فائدہ ہوا اُسی کو پکڑ لیا وَأَخَذْنَاهُم
بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ باز
آجائیں۔ اُن کی یہ گرفت محض زجر و توبیخ کی تھی اور محض تنبیہ کے لیے تاکہ وہ اللہ کے
نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے باز آجائیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے بنی نوع انسان کے لیے دنیا میں کتنے قاعدے
رکھے ہیں کہ ہم انہیں کبھی راحت سے نوازتے ہیں اور کبھی تکلیف میں مبتلا کرکے
پھر جب لوگ آسودگی کی حالت میں بار بار نافرمانیاں کرتے تو ہم ان پر بعض عذاب
نازل فرماتے ہیں جس کا مقصد انہیں تنبیہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ برائی سے توبہ کرنے کی
طرف آجائیں۔ چنانچہ فرعونیوں کو بھی اللہ نے بطور تنبیہ معمولی قسم کی سزا میں مبتلا
کر دیا۔

دعا کی درخواست

جب فرعون اور اس کے حواریوں کو تکلیف پہنچی وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّحِرُ
پکارنے لگے۔ اے جادوگر! موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کیا کیونکہ اُس زمانے
میں جادو کا بڑا چرچا تھا اسلیے ساحر عالم کو بھی کہا جاتا تھا۔ فرعون نے بڑے بڑے
ماہر ساحروں کو اپنے دربار میں جمع کر رکھا تھا جن سے وہ امور سلطنت میں مشورے لیا
کرتا تھا۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا کہ اے جادوگر! ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
بِمَا عَهِدَ عِندَكَ اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا کرو اس عہد کے ساتھ جو
اُس نے آپ کے ساتھ کر رکھا ہے یا جو اُس نے آپ کو سکھا رکھا ہے۔ کہنے لگے کہ اگر
دعا کی وجہ سے ہی ہماری تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہماری یہ مشکل حل ہوئی

إِنَّا لَمُهْتَدُونَ تو ہر خیری بات مان کر راہ راست پر آجائیں گے۔ پھر جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اُن کی تکلیف کو دور کر دیا تو ارشاد ہوا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ جب ہم نے اُن سے سزا کو دور کر دیا إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ تو انہوں نے اُس عہد کو توڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم نہ کیا بلکہ حسب سابق آپ کا اور آپ کے لائے ہوئے معجزات کا تمسخر اڑانے لگے۔ گویا انہوں نے راہ راست پر آجانے کا عہد توڑ دیا۔

فرعون کا تکبر

آگے اللہ نے فرعون کے غرور و تکبر کا ذکر کیا ہے وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکارا قَالَ يَا قَوْمِ کہنے لگا، اے میری قوم کے لوگو! أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي اور کیا یہ نہریں میری نہیں ہیں جو میرے محلات کے سامنے بہہ رہی ہیں۔ اُس زمانے میں مصر کی سلطنت اردگرد کی سلطنتوں سے مال و دولت تجارت اور زراعت کے لحاظ سے بڑھی ہوئی تھی۔ بڑا خوشحال ملک تھا۔ دریائے نیل پر جگہ جگہ ڈیم بنے ہوئے تھے۔ نہریں جاری تھیں، جن سے آبپاشی خوب ہوتی تھی۔ فرعون نے اس چیز پر غرور کیا کہ دیکھو! کتنے خوشحال ملک کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ أَفَلَا تُبْصِرُونَ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں کس قدر صاحب اقتدار و اختیار ہوں؟ پھر اگلا سوال کیا أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ کیا میں اس حقیر شخص سے بہتر نہیں ہوں؟ موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ فوج، نہ سلطنت۔ یہ تو ایک بے وقعت سا آدمی ہے جبکہ اس کا اور میرا مقابلہ کیسے ہے۔ میں تو لازماً اس سے بہتر ہوں۔

پھر کہنے لگا فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ کہ اگر نبوت موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے جاتے۔ اُس زمانے میں سونے کے کنگن پہننا بہت بڑی امارت اور عزت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

فرعون خود بھی سونے کے کنگن اور حریر ریشمی لباس پہنتا تھا۔ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تھا یا چبوترے پر سوار ہوتا تھا۔ تو کئی کئی من وزنی سونے کی زنجیریں اس کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ لہٰذا ہم اس کو اللہ کا نبی کیسے تسلیم کر لیں۔ پھر کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام میں جسمانی طور پر بھی ایک نقص ہے وَلَا يَكَادُ يُبِينُ کہ وہ زبان کی لکنت کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر اچھی طرح سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ پروردگار! میرے سینے کو کھول دے میرے کام کو آسان بنا دے وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي (طٰہٰ ۲۷) اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پھر اس دعا کے نتیجہ میں آپ بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ ہکلاہٹ کا کچھ اثر باقی رہ گیا تھا جس کی بنا پر فرعون نے کہا کہ یہ بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا۔ تو ایسا شخص مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے؟

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات تو سمجھ میں آ جاتی تھی مگر آپ کے کلام میں زیادہ فصاحت نہیں تھی۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا (القصص ۳۴) میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ وہ زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اگر میری بات کو سمجھنے میں لوگوں کو دقت پیش آئی تو ہارون علیہ السلام اس کی وضاحت کر دیں گے۔

بہرحال فرعون کہنے لگا کہ نبوت کی دلیل کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ یا کم از کم اس کے ساتھ لگاتار فرشتے آتے جو اس کی نبوت کی تصدیق کرتے تو ہم پھر بھی مان لیتے۔ جب خود موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کی صورت میں کوئی باڈی گارڈ بھی نہیں ہے، لہٰذا ہم اس کے دعویٰ نبوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

قوم کی بے وقوفی

اللہ نے فرمایا فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ اس طریقے سے فرعون نے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا۔ چکنی چپڑی باتیں کرکے اور موسیٰ علیہ السلام کو حقیر ثابت کرکے قوم کو ورغلایا۔ چنانچہ قوم اُس کے بہکاوے میں آگئی فَاَطَاعُوْهُ اور انہوں نے اس کی اطاعت کرلی یعنی فرعون کی ہاں میں ہاں ملادی کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہتے وہ درست ہے۔ فرعون کی قوم واقعی بے وقوف تھی۔ وہ عقل معاش سے تو کچھ واقف تھے اور دنیاطلبی کو خوب جانتے تھے مگر عقل معاد سے کورے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ حساب کتاب کا ایک دن آنے والا ہے جب انسان کو بارگاہ میں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا اور اُس وقت اُن کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ فرعون کی اس قسم کی تقریر سورۃ مومن میں بھی گزر چکی ہے جب اُس نے اپنے خوشامدیوں سے کہا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے دو اور یہ اپنے رب کو بلالے اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ (آیت ۲۶) مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین ہی نہ بدل ڈالے یا زمین میں فساد نہ برپا کردے۔ بہرحال فرعون نے اپنی چرب زبانی سے قوم کو بے وقوف بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن بنا دیا۔ فرمایا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ بے شک وہ سب کے سب نافرمان لوگ تھے۔ پوری کی پوری قوم کے نافرمان ہونے کی بعض دیگر جگہوں میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً قوم لوط کے متعلق فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عٰمِیْنَ (الاعراف ۸۲) وہ ساری قوم دل کی اندھی تھی۔ سوائے اُن نفوس کے جو لوط علیہ السلام پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوگئے۔ اسی طرح قوم فرعون کے متعلق سورۃ مومن میں موجود ہے کہ پوری قوم میں صرف ایک شخص مومن تھا جس کے نام پر سورۃ کا نام سورۃ مومن ہے اور باقی فرعون کی بیوی مومنہ تھی، باقی سب نافرمان ہی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارے کرۂ ارض پر شیطان کا ہی تسلط ہے۔ ہمارا کرۂ بھی اسی زد میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے جہاں نیک والے آدمی بالکل قلیل تعداد میں ہیں اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کافر، مشرک یا فاسق ہیں، پھر کیا فیصلے

کے ولدار وہی، انہیں نیکی کا کوئی کام آتا ہی نہیں۔ یہ لوگ اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں جب حق کا یا موت آجاتی ہے اور یا پھر ان پر کوئی آفت ٹال دی جاتی ہے کبھی بیماری میں پڑے جاتے ہیں کبھی کسی کا کوئی عضو کٹ جاتا ہے، طوفان آتے ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ قوم کی اکثریت نافرمان ہوتی ہے۔

قوم فرعون سے انتقام

فرمایا فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا جب قوم فرعون نے ہمیں غصہ دلایا۔ بار بار تبلیغ حق کے باوجود انہوں نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ پس ان سب کو پانی میں غرق کر دیا۔ صرف چھ لاکھ ستر ہزار آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ وہی کہ تلزم سے بچ گئے تھے باقی سب فرعونی بحیرہ قلزم کی لہروں کا شکار بنے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا پس ہم نے ان کو گئے گزرے لوگ بنا دیا۔ کتب سماویہ اور تاریخ میں ان کے قصے کہانیاں ہی باقی رہ گئیں اور وہ سب نابود ہو گئے۔ وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ اور پچھلوں کے لیے انہیں ایک مثال بنا دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ دیکھ لیں کہ اس قسم کے سرکشوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ تو پہلے سرکش اور والیان ملک کا حال ہوا۔ عام لوگوں کے علاوہ تو تعجب کی کیا حیثیت ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین میں روڑے اٹکائیں گے خدا کی شریعت کو نہ مانیں گے۔ ان کا انجام بھی سابقہ نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ
يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا
ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا
لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم
مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

ترجمہ :- اور جب بیان کی گئی مثال عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
کی تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلانے لگے ﴿٥٧﴾
اور انہوں نے کہا، کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، انہوں
نے یہ مثال نہیں بیان کی آپ کے سامنے مگر جھگڑا کرنے
کے لیے، بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں ﴿٥٨﴾ نہیں ہے وہ (عیسیٰ ابن
مریم) مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا، اور بنایا ہم
نے اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لیے ﴿٥٩﴾ اور اگر ہم چاہیں
تو بنا دیں تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو آگے پیچھے آتے
رہیں ﴿٦٠﴾ اور بیشک وہ (عیسیٰ ابن مریم) البتہ نشانی ہے

قیامت کی۔ پس نہ تو شک کر اس (قیامت) کے بارے
میں۔ اور میری بات مان، یہی ہے سیدھا راستہ (۶۱) اور نہ روکے
تمہیں شیطان۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (۶۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ فرعون اور اس کے حواریوں کا بھی جنہوں نے غرور و تکبر کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کیا اور ان کی شان میں نازیبا کلمات بھی کہے۔ اللہ نے دنیا میں ہی ان کی گرفت کی اور فرعون اپنے لاؤلشکر لشکریوں کے سمیت قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا۔ دنیا میں ان کو یہ سزا ملی۔ جب کہ آخرت کا دائمی عذاب آگے آنے والا ہے۔ اللہ نے ان کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا۔

قریش مکہ کا واویلا

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قوم قریش مکہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ اس مثال سے مراد وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں بیان فرمائی ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (آیت ۔ ۹۸) تم اور وہ جو تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ نیز فرمایا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا (آیت ۔ ۹۹) اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ مطلب یہ کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ تو عبادت کے قابل ہی نہیں۔ اگر یہ معبود ہوتے تو پھر تو دوزخ سے بچ جاتے مگر موجودہ صورت میں تم اور تمہارے یہ معبودان باطل سب جہنم رسید ہوں گے۔

جب یہ مثال بیان کی گئی تو اللہ نے فرمایا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ تو اے نبی علیہ السلام آپ کی قوم چیخنے چلانے لگی۔ کہنے لگے دیکھو آپ ہمارے معبودوں کی مذمت بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہ بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے

انہوں نے دلیل کے طور پر کہا کہ جتنے معبودوں میں تو فرشتے، عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام بھی شامل ہیں جو اللہ کے مقرب ہیں تو کیا ملائکہ اور انبیاء بھی ہمارے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس سوال کا جواب اللہ نے سورۃ الانبیاء میں ہی دیا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (آیت ۱۰۱) جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقرر ہو چکی ہے، وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ اس سے مراد ملائکہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے متقی قرار دیا ہے۔ کہ اگرچہ لوگوں نے ان کو معبود بنایا مگر ان کے لیے اللہ نے بھلائی لکھ دی ہے لہٰذا وہ اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ انہوں نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ مشرکوں نے از خود ان کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا۔ لہٰذا یہ اُن کے ساتھ سزا میں شریک نہیں ہوں گے۔

مشرکین نے اللہ کے آخری نبی اور رسول پر دوسرا اعتراض یہ کیا کہ آپ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں اس لیے تو مسیح علیہ السلام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں اور اُن کی خوبیاں گنواتے ہیں۔ اُن کے اس اعتراض کی بنیاد سورۃ آل عمران کی آیت ۵۹ پر تھی اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی ہے جن کو اللہ نے مٹی سے تخلیق فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے واسطے کے پیدا کیا، اور حوا کو بغیر ماں کے واسطے سے تخلیق کیا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے واسطے کے پیدا فرما دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا شاہکار ہے، وہ جس طرح چاہے کسی کو پیدا فرمائے وگرنہ اُس کا عام قانون تو یہی ہے کہ وہ انسان کو ماں اور باپ دونوں کے واسطے سے پیدا فرماتا ہے جیسے اُس کا ارشاد ہے۔ لے لگو! اُس

اللہ سے ڈرجاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے تخلیق کیا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
پھر اس ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے اُس کا جوڑا یعنی حضرت حوا کو پیدا
کیا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۔ اور پھر ان دونوں
سے کثیر تعداد میں مرد و زن پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے۔ بہرحال مشرک لوگوں کا اعتراض
یہ تھا کہ اللہ کا قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام انسانوں کی تخلیق سے مستثنیٰ قرار دے کر
ان کی عزت و احترام کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی عیسیٰ علیہ السلام
کی طرح اپنی عبادت کروانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے
ہیں۔ اسی طرح آپ بھی اُن کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ قرآن کو
قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۔ وہ یہ سوال بھی کرتے تھے کہ بھلا ہمارے
معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟

اللہ نے اس قسم کی بیہودہ باتوں کے جواب میں فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ
اِلَّا جَدَلًا ۔ انہوں نے یہ مثال آپ کے سامنے محض جھگڑا کرنے کے لیے بیان
کی ہے۔ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی مثال آپ پر فٹ کرنا چاہتے ہیں۔
جو کہ نہایت ہی غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۔
یہ جھگڑالو لوگ ہیں جو آپ کو اس قسم کی بیہودہ باتوں میں الجھانا چاہتے ہیں۔ یہ جانتے
ہیں کہ فرشتوں نے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام نے کبھی اپنی
عبادت کا حکم لوگوں کو نہیں دیا۔ وہ تو ہمیشہ اپنی پرستش سے بیزاری کا اظہار کرتے
رہے اور دنیا میں شرک و عبادت کا دروازہ بند کرتے رہے اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران - ۵۱) عیسیٰ علیہ السلام نے
واضح کر دیا کہ میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے، اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا
راستہ ہے۔ انہوں نے تنبیہ کر دیا اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ
اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۔ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ
شرک کیا۔ اللہ نے اُس پر جنت حرام قرار دے دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

انھوں نے تو یہ تعلیم دی مگر خود ان کے نام نہاد پیروکاروں نے تثلیث کے اس عقیدے کو بگاڑ کر الوہیت کا درجہ دے دیا۔ کسی نے انہ کا بیٹا کہا، کسی نے تینوں میں سے تیسرا تسلیم کیا اور کسی نے خود خدا کہہ دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ الٰہی

اللہ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ تھے تو وہ ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا۔ آپ پر یہ انعام تخلیق کے سلسلے میں ہوا کہ اللہ نے بغیر باپ کے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پیدا فرمایا۔ ان کی پیدائش ہی عجیب و غریب طریقے سے ہوئی۔ اللہ نے انجیل جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ اور آپ کے ہاتھ پر حیرت انگیز معجزات کا اظہار فرمایا۔ اور پھر سب سے بڑا انعام نبوت و رسالت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔ تو فرمایا وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے آپ کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا۔ اس کی وضاحت سورۃ آل عمران میں تو ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آیت۔ ۴۹) اللہ نے آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کی نبوت بنی اسرائیل ہی میں تھی۔ بہرحال یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام تھا۔ فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ اور اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ زمین میں فرشتے بنا دیں تو آگے پیچھے آتے رہیں۔ یہ اس کی قدرت میں ہے کہ زمین پر فرشتوں کو نازل فرمائے مگر اس نے اپنی حکمت بالغہ سے عیسیٰ علیہ السلام جیسی جیل القدر نبی کو پیدا کیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

نزول مسیح بطور آیۃ قیامت

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اور دوسری بات یہ کہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ بے شک آپ قیامت کی نشانی ہیں۔ علم تو نشانی کو کہتے ہیں۔ اور علم اس معنی کہ ایک ایسی چیز جس کے ذریعہ قیامت کا قریب الوقوع ہونا معلوم ہوگا۔ یعنی مسیح علیہ السلام کا نزول قرب قیامت

کی علامت ہوگی۔ اور یہی چیز آپ کی حیات کی دلیل ہے کہ آپ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہیں کہ بیشک قرآن ایک علم ہے جس کے ذریعے وقوع قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں قیامت کا ذکر بکثرت کیا ہے بلکہ قرآن کریم کا ایک تہائی حصہ قیامت کے بارے میں ہی مشتمل ہے۔ تاہم اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اللہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں جو کہ آپ کے دوبارہ نزول کی طرف ایک اشارہ ہے۔ امام ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جمہور علیہ السلام کے نزول کی روایات متواتر ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کثیر راویان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔ اس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام قرب قیامت میں ضرور نازل ہوں گے اور یہ حقیقت ہر مسلمان کے عقیدہ کا جزو ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ اس وقت کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان کی طرف سے نازل ہوں گے آپ حاکم عادل ہوں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اس وقت جزیہ موقوف ہو جائے گا کیونکہ اس وقت اسلام کے سوا دنیا پر کوئی دوسرا دین نہیں ہوگا۔ اگر کوئی عیسائی اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں آتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے اور قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ واقعہ معراج میں بھی موجود ہے کہ جب عالم بالا میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور قیامت کا ذکر ہوا تو تمام انبیاء نے یہی کہا کہ ہمیں تو

قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے قیامت کی گھڑی کے متعلق تو علم نہیں۔ البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے مجھے زمین پر اتار دے گا اور میں دجال کو قتل کروں گا۔ قرب قیامت کی نشانیوں میں خروج دجال کے علاوہ خروج یاجوج ماجوج کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (الانبیاء۔ ۹۶) اسی طرح سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسف الارض یعنی زمین کا دھنس جانا، آگ کا عدن کے کنارے سے نکلنا اور لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جانا۔ وغیرہ علامات قیامت میں شمار ہوتی ہیں۔ اور نزول مسیح بھی انہی نشانیوں میں شامل ہے۔

فرمایا فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا پس تم قیامت کے بارے میں شک میں نہ پڑو وَاتَّبِعُوْنِ اور میری بات کرو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین، قیامت پر ایمان اور نزول مسیح کو قیامت کی علامت کے طور پر ماننا ہر اہل ایمان کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے جس شخص نے اس عقیدے کے خلاف کیا، وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

قادیانیوں کا باطل عقیدہ

حیات مسیح علیہ السلام کے سلسلے میں قادیانیوں نے بہت دخل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جن احادیث میں نزول مسیح کا ذکر صراحتاً موجود ہے ان کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ان احادیث میں نزول مسیح سے مراد مثیل مسیح ہے۔ جو مرزا غلام احمد کی صورت میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام روح مع الجسد دوبارہ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے ہیں اور قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر نزول فرمائیں گے اور یہاں پر عدل و انصاف قائم کریں گے۔ جن احادیث میں نزول مسیح کا ذکر آیا ہے وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی قسم کا شک یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام" عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب ہے جس

میں تمام متعلقہ احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے سند بالکل واضح ہو جاتی ہے بہرحال یہاں پر علم سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے قرب قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اور مراد اس سے علامت اور نشانی ہے۔

شیطان کے حملے سے بچاؤ

فرمایا سیدھا راستہ تو وہی ہے جو ایمان۔ توحید اور نیکی کا راستہ ہے۔ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اور شیطان تمہیں اس راستے سے ہرگز روک نہ دے یعنی عقیدہ قیامت سے متزلزل نہ کرے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لوگوں کا عقیدہ خراب کرتا ہے۔ شک ڈالتا ہے۔ لہٰذا اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ
فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ
الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾
اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ع ۱۲

ترجمہ:۔ اور جب آئے عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیوں
کے ساتھ تو کہا انہوں نے تحقیق لایا ہوں میں تمہارے
پاس حکمت، اور تاکہ میں بتلاؤں تم کو بعض وہ چیزیں
جن میں تم اختلاف کرتے ہو، پس ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ
سے اور میری اطاعت کرو ﴿۶۳﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی
وہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے،
پس اُسی کی عبادت کرو، یہ ہے سیدھا راستہ ﴿۶۴﴾
پس اختلاف کیا مختلف فرقوں نے اپنے درمیان، پس
ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا

دردناک دن کے عذاب سے (۶۵) نہیں انتظار کرتے
یہ لوگ مگر قیامت کا کہ آجائے اُن کے پاس اچانک
اور اُن کو خبر بھی نہ ہو (۶۶) دوست اُس دن بعض
بعض کے لیے دشمن ہوں گے، مگر متقی لوگ (۶۷)

توحید، رسالت اور معاد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ اگر ہمارے معبودان باطل سب جہنم میں جائیں گے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کا کیا بنے گا کیونکہ اُن کی بھی تو لوگ پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح ملائکہ کے بھی پجاری ہیں اور مذکورہ اصول کے تحت اُن کو بھی سزا ملنی چاہیئے۔ اللہ نے جواب فرمایا کہ یہ جھگڑالو لوگ ہیں۔ نہ تو یہ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی انصاف سے کام لیتے ہیں۔ ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی لوگوں کو اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا اُن کے حق میں جہنم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ نے تو ہمیشہ لوگوں کو کفر اور شرک سے بچنے کی تلقین کی۔ یہ لوگ محض جھگڑا کرنے کی خاطر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب لوگ حقیقت کو چھوڑ دیتے ہیں تو پھر جھگڑے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ درس کی آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کی پوزیشن واضح کی کہ وہ تو ہمارے بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا۔ آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو بلند حیثیت عطا فرمائی اور آپ کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا۔ آپ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جب دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ اب قیامت آنے والی ہے۔ فرمایا قیامت کے بارے میں شک نہ کرنا میرا اتباع کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ کئی لوگ ان تعلیمات اس صراط مستقیم سے بہک گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت

گذشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ قیامت کی نشانی

ہیں۔ اب تیسری بات یہ بیان ہو رہی ہے وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ جب عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں لے کر دنیا میں آئے قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ اس بات کا تعلق آپ کی بعثت کے مقصد سے ہے۔ آپ اپنی امت کے لیے واضح نشانیاں لائے بینات کا اطلاق معجزات پر بھی ہوتا ہے اور دلائل اور احکام پر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انجیل کے ذریعے آپ پر احکام بھی نازل فرمائے اور دلائل بھی سمجھائے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال معجزات بھی عطا کیے۔ پھر خاص طور پر حکمت کا ذکر کیا کہ میں تمہارے لیے حکمت بھی لایا ہوں۔ حکمت کا عام معنی دانائی کی باتیں ہیں یعنی ایسی پکی باتیں جن میں کسی قسم کا نقص نہ پایا جاتا ہو۔ حکمت ایک ایسی عظیم چیز ہے جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ ۔ ۲۶۹) اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا کرے۔ اور جس کو حکمت دے دی گئی۔ اس کو بہت بڑی عطا ہو گئی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد دین کو سمجھنا اور اس کا اتباع کرنا ہے یعنی معرفۃ الدین والفقہ فیہ دین کی معرفت رکھنے والا آدمی جو صحیح معنوں میں دانا یا دانش ور ہے نہ کہ جھوٹی کہانیاں اور ڈرامے لکھنے والا۔

سورۃ احزاب میں اللہ نے ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (آیت ۔ ۳۴) اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے۔ حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ ہے۔ جس پر آپ اپنی زندگی بھر عمل پیرا رہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد وہ عقلمند اور دانا آدمی ہے جو حقائق کو سمجھتا حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہو اور دین کے اصولوں اور اس کی تعلیمات پر عبور رکھتا ہو۔ بعض حکمت کا معنی یہ بتلاتے ہیں کہ افضل الاشیاء کو افضل العلوم کے ذریعے جاننا حکمت ہے۔ افضل چیز اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، ان کے احکام

مبارکہ اور اس کی توحید ہے۔ اور افضل العلوم وہ علم ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی پہچان میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح شیطان کی مکاریوں کی پہچان کو بھی حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہرحال عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں،

اختلاف امور

پھر آپ نے جو قطعی بات یہ فرمائی وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ اور کہ میں تمہیں بعض وہ باتیں بتلادوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ مختلف شرائع میں بعض احکام تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بعض چیزوں میں ترمیم کر دی گئی اور بعض کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئے احکام نازل ہوئے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تورات کی بعض حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا گیا۔ سورۃ آل عمران میں جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے فرائض منصبی کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ میں تورات کا ایک حصہ ہی ہے وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ ... (۳:۵۰) اور میں اللہ کے حکم سے تم پر بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو پہلے تم پر حرام تھیں۔ بہرحال یہاں پر بعض اختلافی امور کا ذکر ہے کیونکہ مختلف شرائع میں تمام احکام تبدیل نہیں ہوا کرتے بلکہ ان میں سے بعض احکام کو تبدیل کیا جاتا ہے جن کی خاص مصلحت ہوتی ہے۔

اس حصہ آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ انسان کے دینی، اخلاقی اور عمل سے متعلق امور کی وضاحت ہر نبی کے فرائض منصبی میں شامل رہی ہے۔ البتہ تمام دنیوی امور کے متعلق وضاحت کرنا نبی کے لیے ضروری نہیں کیونکہ یہ کام لوگ اپنی عقل اور تجربے کے ذریعے کرتے ہیں اور ان کو انجام دیتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ یعنی دنیا کے معاملات تم بہتر سمجھتے ہو۔ لہٰذا مجھے بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بہرحال عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں تمہارے درمیان اختلافی امور کو کھول کر بیان کر دوں۔ تمہارے عقل، اخلاق، اصول اور عبادات میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں ان کو بیان کر دوں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

آپ نے قرآن کریم میں وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے کہ انسان کفر، شرک، کبائر، صغائر اور خدا کی نافرمانی سے بچے۔ اور نبی کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے تحقیقت میں اللہ کی اطاعت کی۔ نبی کی اطاعت فرض ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ بے شک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ ربوبیت کا معنی کسی چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مظہر خود انسان ہے جس کی تخلیق سے مختلف مراحل، اس کے بچپن، جوانی اور پھر بڑھاپے کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ انسان خود اپنے وجود پر ہی نظر ڈالے تو اسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے بڑے حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات ہر چیز کو حد کمال تک پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب ہر چیز کا رب وہی ہے تو قاعدہ و قانون اور عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ نہ اس کی ربوبیت میں کوئی شریک ہے، نہ خالقیت میں اور نہ الوہیت میں سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (آیت ۷۲) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ غرضیکہ عیسیٰ علیہ السلام جب اس دنیا میں آئے لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہی دعوت دیتے رہے۔

**تنبیہ فرقہ بندی**

اس دعوت کے جواب میں فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ

مختلف گروہوں نے اپنے اپنے اختلافات کر لیا۔ مسیح علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے کئی فرقے بن گئے۔ یہودیوں نے تو سرے سے مسیح علیہ السلام کی نبوت و رسالت ہی ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کو دجال کہا اور ان کی ہلاکت کے درپے ہو گئے جس نے ان کو سولی پر لٹکانے کی کوشش کی۔ ان کی بدبختی کا یہ حال تھا کہ جب آپ سولی کے لئے اٹھائے گئے تو ان ظالموں نے آپ کے منہ پر تھوکا اور اس طرح آپ کی توہین میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا اقرار تو کیا مگر جلد ہی ان کی تعلیم میں کمی کرنے لگے اور غلط کار لوگ دنیا میں پھیلنے لگے۔ پولس نے اصل کے خلاف کتاب و شریعت میں سے متعلق غلط عقائد وضع کیے۔ آپ کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ کسی نے کہا کہ خدا ہی مسیح علیہ السلام ہے۔ قرآن نے ان سب عقائد کی نفی کی اور فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ ۱۷) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدہ ۷۳) اور ایک جگہ پر ہے کہ مسیح نے اپنے کو ایک عورت کے پیٹ سے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے بعد اللہ کا بندہ کہا۔ آپ توحید کے علمبردار تھے اور شرک کی ہر قسم سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ ان کے متعلق غلط عقائد پیدا کرنے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

نزول قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر یہود و نصاریٰ کو ابھی تک یہ حقیقت سمجھ میں نہیں آئی اور وہ بدستور کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہیں۔ قرآن کی تعلیم کے برعکس عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ فرقہ قدریہ سے بہت پسند ہے مگر ان کے بھی بنیادی عقائد وہی ہیں جن کی قرآن نفی کرتا ہے آج دنیا میں سب سے زیادہ آبادی (تقریباً ۱۲ کروڑ) عیسائیوں کی ہے۔ کفر عقائد شرک پر ہیں اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان ۱۳)۔

جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ نے یہاں فرمایا فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ پس ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا دردناک دن کے عذاب سے۔ اس سے مراد قیامت والا دن ہے۔ جب مجرم لوگ دردناک عذاب کا شکار ہوں گے۔ ظلم کی ابتداء بدعقیدگی یعنی کفر اور شرک سے ہوتی ہے اور پھر اس میں ظلم و جور۔ حق تلفی معاصی اور دیگر مظالم شامل ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ایسے لوگوں کو قیامت والے دن ہلاکت و بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قیامت کا انتظار

فرمایا حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر کس چیز کا انتظار ہے؟ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ کیا یہ لوگ قیامت کا انتظار کرتے ہیں کہ اَنْ تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وہ اچانک ان کے پاس آجائے وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ اور ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ فرمایا اب تمام دلائل معجزات، احکام اور ہدایت کے تمام ذرائع آچکے ہیں اور صرف قیامت کا آنا باقی ہے جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے ایمان لانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ اس قیامت سے مراد قیامت صغریٰ اور کبریٰ دونوں مراد ہیں قیامت صغریٰ تو ہر شخص کی موت پر واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جس کی موت واقع ہو گئی اس کی تو قیامت برپا ہو گئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے جو ہر شخص پر واقع ہوتی ہے۔ اس کے وقوع کا بھی کسی کو علم نہیں اور عام طور پر یہ بھی اچانک ہی آتی ہے اور انسان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ پھر برزخ کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں ابتدائی سوال و جواب کی منزل آجاتی ہے قیامت کبریٰ جو کہ پوری کائنات کے لیے اجتماعی قیامت ہے۔ وہ بھی اچانک ہی آئے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ تو فرمایا کیا یہ لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ برپا ہو اور حساب کتاب اور جزا و سزا کی منزل آئے۔ جب وہ موقع آجائے گا تو پھر کفار و مشرکین کا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہوگا۔ انہیں

دار العمل سے نکل کر دار الجزا میں پہنچ چکے ہوں گے۔ اُس وقت لوگ دنیا میں نہ آئے۔ ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے کی خواہش کریں گے۔ مگر کچھ شنوائی نہیں ہوگی اور ہر کسی کو اس کے اعتقاد و اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فرمایا قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اُس دن دنیا میں ایک دوسرے کے دوست دشمن بن جائیں گے۔ متقی کے وقت کوئی آپس دوست نہ ہوں گے مگر جو دنیا میں پکے دوست تھے اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ سوائے متقی اور پرہیزگاروں کے کہ ان کی دوستی قیامت کے دن بھی قائم رہے گی۔

محبت کی چار قسمیں

شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی چار قسمیں ہیں یعنی روحانی، قلبی، نفسانی اور نفسانی۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن روحانی اور قلبی محبت تو قائم رہے گی جب کہ نفسانی محبت ختم ہو کر دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں کہ جو روحیں عالم ارواح میں ایک دوسرے کے ساتھ متعارف تھیں، وہ دنیا میں آ کر بھی آپس میں محبت اور الفت کا سلوک ہی کریں گے، اور ان کی یہ روحانی محبت جنت اور آخرت تک قائم رہے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ یعنی روحیں ایک لشکر ہیں جو عالم ارواح میں متعارف تھیں، ان کے حاملین دنیا میں بھی آپس میں محبت کریں گے اور ان کی دوستی عالم برزخ اور قیامت کے دن بھی قائم رہے گی، ان میں انبیاء، اولیاء، علماء، اصفیاء اور شہداء کی روحیں شامل ہیں۔

فرمایا قلبی محبت اچھے اخلاق، اچھی سیرت، اچھے اعتقاد اور عمل صالح پر مبنی ہوتی ہے۔ جو ایماندار، نیک اور صالح آدمی محض اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کے پیش نظر کوئی دنیوی لالچ نہیں ہوتا اُن کی محبت میں قیامت کے دن کوئی فرق نہیں آئے گا اور وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہے گی۔

فرمایا تیسری محبت عقلی محبت ہے جس کا دارومدار امور معاش پر ہوتا ہے۔ محبت کرنے والے باہمی شراکت پر محبت کرتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے کلام کرتے ہیں۔

کام زمانے میں مزدور ہیں یا کسی دفتر میں فرائض انجام دیتے ہیں۔ باہم کچھ باتیں کرتے ہیں یا محفل سجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا یہ محبت ختم ہو جائے گی اور قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔

شیخ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تیسری محبت نفسانی ہے۔ اس کی بنیاد خواہشات نفسانیہ پر ہوتی ہے۔ لوگ نفس اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ——— ایک دوسرے سے مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اس میں میاں بیوی کی محبت بھی آجاتی ہے۔ فساق و فجار کی باہمی محبت بھی محبت نفسانیہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسی محبت کی بنیاد دین پر نہیں، بلکہ ذاتی مفاد پر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی محبت بھی قیامت والے دن دشمنی میں بدل جائے گی۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی قسم کی محبت والے لوگ اکثریت میں ہیں۔ اور ان کی دوستی قیامت کے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ البتہ پہلی اور دوسری قسم کی محبت جو اللہ کے لیے ہوگی، وہ وہاں بھی قائم رہے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ——— کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج میرے سایہ رحمت میں جگہ دوں، جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جنہوں نے خصوصی طور پر محض اللہ کی رضا کی خاطر ساری امت سے خیر خواہی کی یا ان کے لیے دعا کی۔

بیہقی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپس میں اللہ کی عظمت اور اس کی خاطر محبت کرنے والے اگر مشرق و مغرب میں بھی ہوں گے تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے ان کو اکٹھا کرے گا۔ الغرض! معاشی اور نفسانی خواہشات پر مبنی محبت دوست دشمن بن جائے گی، یہ قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور روحانی اور قلبی محبت کرنے والے متقین قیامت والے دن کامیاب ہوں گے اور ان کی محبت وہاں بھی قائم رہے گی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا
الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ
كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ
فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ
وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ: اے میرے بندو! تمہیں خوف تو ہے آج کے
دن اور نہ تم غمگین ہو گے (٦٩) وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور
فرمانبردار (٧٠) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہاری خوشی
کی جائے گی (٧١) پھیرے جائیں گے ان پر پیالے سونے
کے اور گلاس۔ اور ان (جنتوں) میں وہ چیز ہوگی جس کو

چاہیں گے نفس۔ اور لطف اٹھائیں گی ان سے آنکھیں۔ اور
تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے ﴿۷۱﴾ اور یہی ہے وہ جنت
جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے تمہارے کردہ اعمال کے
عوض ﴿۷۲﴾ تمہارے لیے اس (جنت) میں پھل ہوں گے
بہت جن میں سے تم کھاؤ گے ﴿۷۳﴾ بیشک گنہگار
لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۷۴﴾
نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے اور وہ اُس میں مایوس
ہوں گے ﴿۷۵﴾ اور نہیں ظلم کیا ہم نے اُن پر، لیکن
تھے وہ خود ہی ظلم کرنے والے ﴿۷۶﴾

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر اور ساتھ مشرکین کا رد فرمایا۔ پھر نبوت و رسالت کے سلسلہ میں پہلے موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور اُن کی بعثت کا مقصد واضح کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزام کر جو لوگ شرک میں مبتلا ہوئے اُن کا انجام بیان فرمایا۔ پھر ایسے لوگوں کی تعداد اور ہٹ دھرمی کے بارے میں فرمایا کہ کیا اب یہ قیامت کے منتظر ہیں جو اچانک آجائے گی اور اُن کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اس وقت لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ایک دوسرے کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ البتہ جو لوگ کفر، شرک، معاصی اور بداعتقادی سے بچتے رہے، اُن کی دوستی قیامت کے دن بھی قائم رہیگی۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اُن کی دوستی معاش یا قرابت نفسانیہ کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ محض رضائے الٰہی اور روحانی مناسبت کی وجہ سے تھی۔

جنت کی بے خوف و حزن زندگی

اب آگے درس میں پہلے اہل جنت کی زندگی اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر گنہگاروں کی جہنم رسیدگی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اے میرے بندو! آج کے دن تم پر خوف یا ڈر نہیں ہے، تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کی رحمت کے مقام

ہیں پہنچ چکے ہوں۔ اب تمہیں مستقبل میں کسی جہاں یا روحانی مخلوق کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ تم ہمیشہ کے لیے امن و سکون، آرام و آسائش اور مسرور و فرحت کی زندگی بسر کرو گے۔ دنیا کی زندگی میں انسان کتنا بھی خوشحال ہو مگر وہ مستقبل کے کسی نہ کسی خطرے میں ضرور پریشان ہوتا ہے۔ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوتا ہے، کبھی صحت کی طرف سے پریشانی کہیں کسی مالی و جانی نقصان کا اندیشہ، جوانی اور چہرہ کی خوبصورتی جاتے رہنے کی فکر وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان کسی نہ کسی وقت پریشان ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص جنت میں پہنچ گیا، وہ ہمیشہ کے لیے مامون ہو گیا۔ اسے مستقبل کے کسی نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ فرمایا وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔ خوف اور غم میں یہ فرق ہے کہ خوف کسی آنے والی مشکل کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے جب کہ غم کسی سابقہ کارکردگی کی بنا پر ہوتا ہے۔ فرمایا تمہاری سابقہ زندگی بھی چونکہ کفر، شرک اور معاصی سے پاک گزرے گی ہوگی لہٰذا تمہیں اس زندگی کے حوالہ پر کوئی غم لاحق نہیں ہوگا کہ تم نے کیوں غلط کام کیوں کیا۔ یہ خلاف اس کے جو لوگ دنیا کی زندگی میں کفر اور شرک میں مبتلا رہے۔ نفاق اور انکار کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے، انہیں اس زندگی پر غم اور افسوس ہوگا کہ انہوں نے اس زندگی کو ضائع کر دیا۔ اور آخرت کے لیے کوئی توشہ تیار نہ کر سکے۔ الغرض! فرمایا کہ قیامت کے دن ان حقیقتوں کی وجہ سے اہل قبور نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ سابقہ زندگی پر پریشان ہوں گے۔

فرمایا یہ بشارت ان لوگوں کے لیے ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے۔ آیت میں احکام، مسائل، دلائل، معجزات غرضیکہ تمام انبیاء کی تعلیمات شامل ہیں۔ تو فرمایا خوف و غم سے مستثنیٰ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، قیامت کے دن اور تقدیر پر ایمان لائے یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین کیا اور زبان سے ان کا اقرار کیا۔ قلبی یقین کے ساتھ ساتھ زبانی اقرار بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ فرمایا ایک تو وہ ایمان لائے اور دوسری بات یہ کہ وَكَانُوْا

مُسْلِمِيْنَ کا دوسرا ترجمہ بھی تھے۔ اللہ کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری سے تعمیل کرتے تھے۔ جن کو انعام ملتے تھے اور جنہیں سے بچتے تھے۔ گویا یہ بشارت ہے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (حٰمٓ السجدۃ - ۳۰) جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس بات پر مستقیم رہے اُن پر رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ۔ اور غمگین نہ ہو۔ اور اُس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

پھر اُن سے کہا جائے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جب کسی نیک آدمی کو جنت کی خوشخبری دی جائے گی تو اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی ساتھ ہی جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اگرچہ اُن کے اعمال قدرے کم ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر یہ اہل ایمان کی قدر دانی ہوگی کہ اُن کی بیویوں کو بھی اُن کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اس قسم کی خوشخبری سورۃ المومن میں بھی بیان ہوئی ہے۔ وہاں پر حاملین عرش فرشتوں کی دعا مذکور ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے اس طرح دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! انہیں ہمیشہ کے باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور نہ صرف اُن کو بلکہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ (آیت ۸) اُن کے باپ دادا، بیویوں اور اولاد کو بھی جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرشتے اور صالح بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تُحْبَرُوْنَ تم سب کی عزت افزائی کی جائے گی۔ تمہارا احترام ہوگا۔ کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی کوفت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کسی تذلیل و توہین کا خطرہ ہوگا۔

سونے چاندی کے برتن

آگے اللہ تعالیٰ نے جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اہل جنت کو حاصل ہوں گی۔ فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ جنہیں سونے کے برتنوں اور آبخورے، صراحی کے جنہیں رکابیاں، پیالے یا پیمانے بھی اور اکواب مشروبات کے لیے استعمال ہوتے

برتنوں میں پینا کھانا جائز ہے، کیونکہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے ہیں۔ آخرت میں کافر ان سے محروم رہیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان یہ بھی ہے کہ جو آدمی سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے فانما یجرجر فی بطنہ نار جہنم۔ ایسا شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈالتا ہے۔

سونے چاندی کے زیورات کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ سونا مرد کے لیے تو قطعاً حرام ہے البتہ وہ ایک مثقال (ساڑھے تین ماشے) تک چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ تاہم عورت کے لیے سونے چاندی کے زیورات پہننا جائز ہے۔

جہاں تک سونے چاندی کے برتنوں استعمال کرنے کا سوال ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ سزا اور عقوبت دوزخ کے لیے مخصوص ہیں۔ بعض اوقات لکڑی یا کسی دیگر دھات کا پیالہ برتن ٹوٹ جائے تو اس کو جوڑنے کے لیے سونے یا چاندی کا ٹانکہ لگا دیا جاتا ہے یا سونے چاندی کی تار سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں امام مالک ایسے برتن کے استعمال کو بھی ناپسند کرتے ہیں، البتہ دوسرے فقہائے کرام ایسے برتن کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس کے پاس ایک شیشے کا پیالہ تھا جو ٹوٹ گیا تو اس کو سونے یا چاندی کا پترا لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس پیالے میں حضور علیہ السلام کو ہر قسم کے مشروب پلائے ہیں۔ اس سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص کا دانت ٹوٹ جائے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ ایک صحابی کی ناک کسی جنگ میں کٹ گئی تھی۔ پہلے اس کو چاندی کے ساتھ جوڑا گیا تو بدبو دیتی تھی۔ پھر سونے کی ناک لگائی گئی تو کام کر گئی۔ بہرحال سونے چاندی کا اس قسم کا استعمال تو روا ہے مگر سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جب سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال روا نہیں تو ان کو اپنے پاس رکھنا بھی روا نہیں۔ ایسے برتن کو بالآخر خیرات کر دینا

چاہیئے یا کسی دوسری جنس میں تبدیل کر لینا چاہیئے۔ یہی حکم تصویر، مجسمہ یا مذہبی کتاب کے ہے۔ ریشم کے متعلق حکم یہ ہے کہ اصلی ریشم کپڑے کی بُنائی کے لیے مردوں کے لیے ناجائز اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ البتہ جنت میں ریشم کا لباس مرد و زن سب کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (فاطر - ۳۳) جنت میں جنتیوں کو خالص ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔

من لیشتہیہ اشتہیٰ

فرمایا کہ جنت میں ہر من پسند چیز میسر ہوگی۔ ہر جنتی کی ہر جائز خواہش پوری کی جائیگی۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جنت میں کوئی بری خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ لہٰذا انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اونٹوں کو بہت پسند کرتا ہوں، کیا مجھے یہ جانور جنت میں بھی میسر ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! تمہاری یہ خواہش پوری کی جائیگی۔ اسی طرح ایک شخص نے عرض کیا حضور! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے، کیا میں یہ شوق جنت میں بھی پورا کر سکوں گا؟ فرمایا جونہی کوئی شخص کاشتکاری کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ تو اس کے سامنے فوراً زمین تیار کی جائیگی، اس میں تخم ریزی ہوگی، فصل اُگ کر پکی ہوگی اور پک کر تیار ہو جائیگی، پھر پکتے ہی دیکھتے فصل کو کاٹ کر اناج کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے اور اس طرح تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ وہاں کسی موسم یا بارش کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ جونہی عمل آناً فاناً مکمل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اصل چیز جنت کا داخلہ ہے اگر وہ تمہیں میسر آگیا تو پھر تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ اگر چاہو گے تو یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے جا سکو گے۔ وہ تمہیں زمانیت تیز رفتار کے ساتھ اڑائے جائے گا حتیٰ کہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کر لو گے مگر ذرا بھی تھکاوٹ اور نہ کسی حادثے کا خطرہ ہوگا۔

جنت کی وراثت

ارشاد ہوتا ہے وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا یہ ہے وہ جنت جو تم کو وراثت میں دی گئی ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیتے تھے اگرچہ جنت میں داخلہ ایمان کی بنیاد پر ہوگا لیکن ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ درجہ اور مرتبہ تو اعمال کی وجہ سے ہی حاصل ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جا بجا ہی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البینۃ ۔۔) کی شرط لگائی ہے۔

جنت کی وراثت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے جنہیں اولاً جنت میں رکھا گیا اور پھر وہیں سے اتار دیا گیا۔ آپ کو آدم علیہ السلام کی یہ میراث ایمان و اعمال صالحہ کی وجہ سے ملی۔

فرمایا اس جنت میں لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ تمہارے لیے بہت سے پھل ہوں گے مِنْهَا تَأْكُلُونَ جن میں سے تم کھاؤ گے۔ یہ پھل سدا بہار ہوں گے اور کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جونہی کسی درخت سے کوئی پھل توڑا جائے گا، اس کی جگہ نیا دوسرا پھل آجانے کا اور اس طرح یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔ جب کوئی جنتی کوئی پھل کی خواہش کرے گا، درخت جھک کر اس کے قریب آجائے گا اور وہ بڑے آسانی کے ساتھ توڑ کر کھا لے گا۔

نافرمانوں کا انجام

ترغیب کے بعد اب اگلی آیت میں ترہیب کو بھی بیان کیا ہے اِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُونَ بے شک مجرم اور گنہگار لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں کفر، شرک، نفاق اور ان کا مشروب اختیار کیا اور کبائر و صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ جو ان سے ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا، بلکہ متواتر تیزی میں ہوتا رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ وہ اس عذاب میں آس توڑ بیٹھیں گے یعنی مایوس ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں گزر چکا ہے کہ جب ظالم لوگ

عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضَلُّ مُبِينٌ (آیت ۲۸) تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں بہت دور نکل گیا ہے، وہ جو ہدایت کو ٹھکرا کر کسی راستے پر نہیں چلتے۔

فرمایا وَمَا أَضَلَّتْهُمْ ہمارے ارشادات نے کسی کو گمراہ نہیں کیا، ہم نے تو دنیا میں اللہ کی کتاب کے ذریعہ سب کے سامنے حق کو واضح کر دیا، اور کتب سماویہ، صحف اور شرائع کے ذریعہ اس طرح ہدایت سے نوازا، مگر ان کے باوجود انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا، اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ بلکہ خود ہی ظالم اور بے انصاف تھے۔ انہوں نے اپنے اختیار اور ارادے سے غلط راستہ اختیار کیا، اور اس ظلم کے مجرم بنے۔ ہم نے تو ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ
مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾
اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ
بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى
يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ:- اور پکاریں گے داروغہ (جہنم) کو، اے
مالک! چاہیئے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمہارا پروردگار۔ وہ کہے
گا بیشک تم رہنے والے ہو (اسی عذاب میں)۔ ﴿۷۷﴾ البتہ
تحقیق لائے ہیں ہم تمہارے پاس حق، لیکن اکثر تم میں
سے حق کو ناپسند کرنے والے ہیں ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پختہ
بات ٹھہرائی ہے؟ پس بیشک ہم بھی ٹھہرانے والے
ہیں پختہ بات ﴿۷۹﴾ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے
ان کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو؟ کیوں نہیں، اور
ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں (ان کی

باتوں کو [illegible] آپ کہ دیجئے [illegible] اگر [illegible] تمہارے
لیے [illegible] پس میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا
ہوں ﴿۱۲﴾ پاک ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا جو رب
ہے عرش کا، ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے
ہیں ﴿۱۳﴾ پس چھوڑ دیں ان کو، کھیلتے رہیں اور
اور کھیلتے رہیں حتیٰ کہ جا ملیں اپنے اس دن سے جس کا
ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۱۴﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید اور بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر مکذبین کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں جائیں گے اور ان سے عذاب میں تخفیف نہ کی جائے گی، کفار مایوس ہو جائیں گے کہ اب اس عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہمارے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اس انجام کو پہنچے۔ ہم نے تو ان کے لیے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیئے تھے مگر خود انہوں نے توحید کا انکار اور معاد پر یقین نہ لا کر اپنی عاقبت کو خراب کر لیا۔ اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی تقصیر کی کیفیت بیان کر دی۔

ربط آیات

اب آج کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی بے قراری کا کچھ حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ مالک کو پکاریں گے، اے مالک لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔ فیصلے سے مراد موت ہے۔ کہیں گے کہ ہم سخت تکلیف میں ہیں اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اس عذاب میں تخفیف نہیں کرتا تو کم از کم ہمیں موت ہی دے دے اگر ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں۔ دراصل بعض اوقات انسان بیماری یا کسی دوسری مصیبت سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے کہ اسے مصیبت سے نجات مل جائے۔ تو دوزخ میں بھی عذاب سے

جنگ اگر دوست کی مدد کرنے کے لئے ہو تو بھی نہیں کرنی چاہئے۔ اسلام نے جنگ کی
بہت سی صورتیں بیان فرمائی ہے اِلَّا لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَالْجَنَّةِ ۔ ایسی
جنگ میں جانے کی کوئی ضرورت ہوگی۔ بلکہ وہاں تو مخلوق کی عبادت
ہوگی جس سے جنگ اگر دوزخ کی تمنا کرنے کے مترادف بھی نہیں ہے۔ اہل دوزخ
جنت سے درخواست کریں گے اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ آیت ۔
یہ ابر کھجور پانی یا جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے اس میں سے ہمیں
بھی کچھ دے دو۔ اس کے جواب آئے گا کہ اللہ نے یہ چیزیں کافروں پر حرام
کر دی ہیں۔ لہذا تمہیں ان نعمتوں میں سے کچھ نہیں مل سکتا۔

اس آیت کریمہ میں دوزخ کے فرشتے کا نام مالک ذکر کیا گیا ہے سورۃ الملک
میں ہے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ آیت ۔ ۳۰ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر
ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک نامی فرشتہ ان سب کا نگران ہوگا۔ جس
سے دوزخی اپنی درخواست کریں گے کہ اپنے پروردگار سے کہو کہ وہ ہمارا فیصلہ
کر دے۔ جس کے جواب میں وہ کہے گا قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۔ تم
ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہو گے۔ نہ تو تمہاری درخواست قبول ہوگی نہ تم
عذاب سے نکل سکو گے اور نہ ہی تمہیں موت آئے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے یہیں رہنا ہوگا۔ اللہ نے اسی قسم کی ایک حالت کا ذکر سورۃ فاطر میں بھی
کیا ہے۔ فرمایا کافروں کے لیے جہنم کی آگ ہوگی۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۔ آیت ۔ ۳۷
وہ اس میں چیخیں چلائیں گے کہ پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے۔ اب ہم اچھے
اعمال انجام دیں گے۔ تو جواب آئے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں
تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ اہل دوزخ کی اس قسم کی ایک درخواست کے جواب میں

[illegible] قریش کا، قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (المومنون - ۱۰۸) کہا دفع ہو
کر دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔ میں تمہارا کوئی عذر سننے کے لیے
تیار نہیں ہوں۔

امام ترمذی نے بعض تابعین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کافر لوگ
دوزخ میں ایک ہزار برس تک چیختے چلاتے رہیں گے۔ ان میں کچھ راحت مل جائے
عذاب میں تخفیف ہو جائے یا موت ہی آجائے مگر کچھ جواب نہیں آئے گا۔ پھر
ایک ہزار سال کے بعد یہ جواب آئے گا کہ ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو اور
میرے ساتھ کلام نہ کرو۔ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ یعنی ہم تمہارے
پاس سچا دین لائے تھے جو صحیح اصولوں پر قائم تھا اور جس میں انسانیت کی
ترقی کا پورا سامان موجود ہے وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ مگر تم
سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔ فرمایا لوگوں نے دنیا میں خود ساختہ دین
بنا رکھے تھے۔ قوم، خاندان اور ملک، سردار کی پیروی پر چلتے تھے۔ حق کا مستقل راستہ
اور آسان مذہب گرفت میں آگئے ہیں تو یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ یا موت کے
متلاشی ہیں۔ آج ان کی بات نہیں سنی جائے گی بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے ذلیل
دوزخ میں رہنا ہوگا۔

منکرین کے مقابلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے منکرین کا رد فرمایا ہے۔ دنیا میں کافر و مشرک ہمیشہ دین
حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ مکے اور عرب کے کافروں اور مشرکوں نے بھی دین
کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اللہ نے اس بات کا ذکر فرمایا ہے
أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا کیا انہوں نے کوئی مکر و فریب طے کر لیا ہے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا
ہے۔ تو پھر سن لیں فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ہم نے بھی پختہ ارادہ کر لیا ہے اور ان کی
ہر تدبیر کو ناکام بنانے پر تل گئے ہیں۔ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام اور دین اسلام
کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے تھے، سازشیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (الانفال - ۳۰)

یہ لوگ بھی پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہی بہترین تدبیر کنندہ ہے۔ اسی کی تدبیر غالب آئیگی۔ چنانچہ اللہ نے کافروں کے سارے منصوبے ناکام بنائے اور وہ اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔

اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے مکے کے کافر اور مشرک بہت نالاں تھے بالآخر انہوں نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ دین اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے دونوں طریقے استعمال کرو۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص [illegible] کی کوشش کرے اس پر تشدد کرو۔ تاکہ وہ اسلام کا خیال چھوڑ دے۔ اور اگر اس طریقے سے کام نہ نظر آئے تو رائج ہے کہ کسی دین سے روکنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ شاہ عبدالحق دہلوی کے الفاظ میں کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے غافل ہونے کی وجہ سے اس نبی کی بات بڑھی ہے۔ آئندہ جو شخص اس دین میں آئے اس کے رشتہ دار کو مار مار کر اس شخص کو اپنے پرانے دین میں واپس آنے پر مجبور کر دیں۔ جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسے تاکید کرو کہ وہ اس نبی کے پاس نہ بیٹھے۔ اس فیصلے کے مطابق جب پتہ چلتا کہ کسی کا رشتہ دار اسلام کی طرف راغب ہے تو اس کو سخت تکلیف پہنچائی جاتیں۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے بڑی تکلیف پہنچائی۔ کسی کے بھائی کو مارا۔ کسی کے ماموں کو تکلیف دی۔ چنانچہ مکے کے سبھی قبائل برادری کے اعتبار سے تشدد کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص باہر سے آتا تو اس کو نبی علیہ السلام کے خلاف اکساتے اور پراپیگنڈا کرتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔ الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے لہٰذا اس کے قریب نہ جانا۔

الطفیل عرب کا مشہور شاعر تھا جو صاحب العرب یعنی عرب کا باجا کہلاتا تھا۔ بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا، جونہی کسی کے منہ میں یا کسی کے تعلق کوئی شخص دبا کر مشہور ہو جاتا اور لوگ اس کی بات پر یقین کر لیتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ شخص مکہ آیا اور اس نے حضور علیہ السلام سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس سے ابوجہل اور اس کی پارٹی کو سخت تشویش پیدا ہوئی کہ اگر یہ شخص محمد سے متاثر ہو گیا

تو پھر سارا عرب آپ کے پیچھے لگ جائے گا اور اسلام کا راستہ روکنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اعشیٰ شاعر کو راستے سے لوٹا دیا تھا محض اس لیے کہ وہ حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص اونٹ لے کر واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اونٹ سے گرا، گردن ٹوٹ گئی اور وہیں مر گیا۔ بہرحال مشرکین مکہ نے لالچ دے کر اعشیٰ کو حضور علیہ السلام سے دور رکھا۔

حضرت ضمادؓ پہلی زندگی میں کاہن اور جنوں کو بھگاتے تھے۔ انہوں نے بھی نبی علیہ السلام سے ملنا چاہا۔ لوگوں نے روکنا چاہا، مگر انہوں نے کہا کہ اگر بقول تمہارے یہ شخص واقعی دیوانہ ہے تو میں اس کا شافی علاج کروں گا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جب حضرت ضمادؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے وہی خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ عام طور پر جمعہ میں پڑھتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ جونہی آپ نے یہ خطبہ شروع کیا۔ بس گرویدہ ہو گیا۔ علاج کرنے کے لیے آیا تھا مگر اپنا علاج کروا بیٹھا۔ کہنے لگا لوگ غلط کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے۔ اس کی زبان سے تو اللہ نے وہ کلمہ جاری کیا ہے، جس کا اثر سمندر کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے۔ بہرحال حضرت ضمادؓ اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔

دین حق سے روکنے کی کوشش گذشتہ ادوار میں بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متعلق بھی سورۃ الاعراف میں موجود ہے کہ وہ لوگ راستوں پر بیٹھ کر ڈاکے ڈالتے تھے وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (آیت - ۸۶) اور دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ کبھی تشدد کے ذریعے روکتے اور کبھی لالچ کے ذریعے۔

اہل حق پر تشدد کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں اور آج بھی دنیا میں موجود ہیں

دور حاضر کے فتنہ دین

ہیں۔ روس، چین، ویٹ نام اشتراکی تشدد کے ذریعے اسلام کا راستہ روکنے سے
ہیں۔ روس اور چینی مسلمانوں پر اقتصادی اصلاحات کے نام پر بڑا تشدد کیا گیا۔ انہیں
نماز ادا کرنے سے اور قرآن کی تلاوت سے زبردستی روکا گیا۔ جن مسلمانوں نے
اپنی مذہبی کتب تہ خانوں میں چھپالیں اور اپنے مذہبی شعائر چھپ چھپا کر ادا کرنے لگے
اب تو کچھ نرمی ہوگئی ہے۔ ورنہ سٹالن وغیرہ نے تو مذہب اختیار کرنے والوں
کو جان سے مارنے کا حکم دے رکھا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران سٹالن نے
چار چار لاکھ آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد ناشتہ کیا۔ مسجدوں اور دینی عبادت خانوں
کو مسمار کر دیا گیا۔ بھارت میں ہندو بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اب تک بابری مسجد
کے تنازعہ میں سینکڑوں آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہی کام عیسائی مشنریاں انجام دے
رہی ہیں۔ وہ کتابیں شائع کر کے مسلمانوں کو عیسائی بناتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں
کے ذریعے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ لوگ لالچ میں آکر عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔
عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کے خلاف اس قدر پراپیگنڈا کیا جائے کہ
اگر وہ عیسائی نہ بھی بن سکیں تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔

فلسطین کے مسلمان جس بربریت کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہ ساری دنیا پر
عیاں ہے۔ بچوں اور عورتوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ ہنستے بستے گھر برباد، چھوٹے چھوٹے بچوں کی
زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ فلپائن کے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں
انہیں مورو یعنی قزاق مسلمان کہا جاتا ہے۔ وہ بیچارے اکثر تو جھونپڑیوں میں اپنا حق مانگنے
میں گھر ان پر جبر کیا جاتا ہے۔ قبرص میں ترک مسلمانوں پر سخت تشدد کیا جا رہا ہے
۱۹۶۱ء میں چالیس ہزار ترک قبرصیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب وہ
ملک کے ایک کونے میں پناہ گزین ہو چکے ہیں اور بنیادی ضروریات زندگی سے
بھی محروم ہیں۔ کافر طاقتیں دنیا بھر میں مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں بلکہ
انہیں تشدد کے ذریعے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اللہ کا فرمان ہے
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر ۵۴: ۴۵) عنقریب یہ جماعت

[illegible] ہو گئی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد [illegible] وعدہ پورا ہوا۔ اسلام کو سینکڑوں سال تک غلبہ رہا۔ ترک مسلمانوں نے چار سو سال تک اسلام کا دفاع کیا۔ پھر جب یہ سازشوں کا شکار ہوئے تو ان میں کمزوری آگئی۔ انگریزوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے مسلمان سلطنتوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اُن کو غلام بنا کر رکھ دیا اور مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔

فرمایا اگر انہوں نے کوئی خفیہ تدبیر کی ہے اور اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلایا ہے تو ہم تدبیر کرنے والے ہیں۔ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ فرمایا بَلٰى کیوں نہیں! ہم ان کے متعلق سب کچھ سنتے اور سمجھتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی تمام پوشیدہ تدبیروں کو لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے کراماً کاتبین ان کی ہر چیز نوٹ کر رہے ہیں اور یہ ساری مثل قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہو گی اور پھر اُن کے متعلق آخری فیصلے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کی نفی

اللہ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر! (یا مخاطب) مکذب لوگوں اُن کافروں اور اہل کتاب سے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مخاطب یہ ہے کہ میں تو سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کو ماننے والا ہوں اور مجھے اس بات سے انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے۔ بعض فرشتے ہیں کہ یہاں پر اِنْ نافیہ ہے مخاطب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں۔ حقیقی اور اختیاری اولاد میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کا [illegible] اسے کہتے ہیں [illegible]

سے تو تعجب یہ ہوتا کہ اگر خدائے تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کا انکار کرتا۔ تعجب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد تسلیم کر لی جائے تو پھر اس کو قدیم کی بجائے حادث ماننا پڑے گا۔ اور یہی چیز اس کی صفات عالیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اولاد ہونا مخلوق کی صفت ہے جو کہ کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ بعض مفسرین فرشتے ہیں کہ یہ بات بطور فرض کرنے کے کہی گئی ہے۔ کہ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ فرض کر لو اگر خدائے رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرنے کے لیے تیار ہوتا، مگر یہ چیز محال ہے۔ نہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ میں اس کی تعظیم کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب رَبِّ الْعَرْشِ جو عرش عظیم کا بھی رب ہے۔ وہ پاک اور منزہ ہے عَمَّا يَصِفُوْنَ ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ علماء علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے فرزند بتاتے ہیں، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف - ۱۹۰) اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے شرک سے بالکل پاک ہے۔

فرمایا فَذَرْهُمْ یعنی ان کو چھوڑ دیں اور باطل چیزوں میں لگے رہیں یہ لوگ شرکیہ اور کفریہ عقائد میں ہی پھنسے رہیں وَيَلْعَبُوْا اور کھیل کود میں لگے رہیں حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ یہاں تک یہ اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ دن قیامت کا دن ہے جب ان کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے عقیدہ و عمل کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء - ۱۰۴) ہمارا یہ وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کر کے رہیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ
الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ
السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ
یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ
بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور وہی وہ ذات ہے جو آسمان میں معبود اور زمین میں
معبود ہے۔ اور وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۸۴﴾
اور بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے لیے ہے بادشاہی
آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور
اسی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور اسی کی طرف تم
لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۵﴾ اور نہیں مالک وہ لوگ جن کو یہ
پکارتے ہیں اللہ کے سوا، سفارش کے، مگر سوائے ان کے
کہ جس نے گواہی دی حق کی، اور وہ جانتے ہیں ﴿۸۶﴾

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ پس یہ کدھر پھیرے جاتے ہیں ﴿۸۷﴾ اور قسم ہے رسول کی اس بات کی کہ اے پروردگار! بیشک یہ لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے ﴿۸۸﴾ پس آپ درگذر کریں ان سے اور کہیں سلام، پس عنقریب یہ جان لیں گے ﴿۸۹﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں جن مقدس مضامین بیان ہوئے ہیں ان کا اعادہ سورۃ کے آخر میں کیا جا رہا ہے۔ جس سورۃ ہونے کے ناطے اس میں توحید، اس کے عقلی و نقلی دلائل، شرک کا ابطال، مشرکین کا رد، رسالت و نبوت، جزا و سزا اور جزائے عمل جیسے مضمون آئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی آیا ہے۔ اب انہی مضامین کا خلاصہ سورۃ کے آخر میں بیان کیا جا رہا ہے۔

مضمون توحید

آغاز کے دو جملوں میں پہلے توحید کا مضمون بیان ہوا ہے وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اللّٰهُ وَفِي الْأَرْضِ اللّٰهُ اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی اس کے سوا ارض و سماء میں کوئی معبود نہیں۔ الوہیت کا مالک صرف وہی ہے۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی الوہیت کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ یا پھر آسمانی گنبد سے چاند، سورج، ستارے اور سیارے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی معبود [illegible] انسان، جن، چاند، سورج، پتھر، درخت وغیرہ میں سے کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہے۔ جب مخلوق ہے تو اس کی عبادت، حاجات میں ہو سکتی ہے۔ مشرک لوگ فرشتوں، ستاروں اور سیاروں کو الٰہ مانتے ہیں۔ خود انسان فرشتوں اور جنات کی پوجا کرتے ہیں۔ کبھی سیاروں ستاروں اور چاند سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ کبھی زندوں اور کبھی قبر والوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور کبھی ان کے سامنے سجدہ ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ نے فرمایا کہ آسمان کی

[illegible] کے سوا کوئی [illegible]

علاوہ [illegible] کے [illegible] کرتے ہیں جو [illegible] کے ساتھ ہی وابستہ ہے جو [illegible] تمام چیزوں پر تصرف رکھتا ہے۔ لہٰذا اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے وَهُوَ الْحَفِيظُ الْعَلِيمُ کہ وہ نگہبان ہے اور علیم بھی۔ اس کا کوئی کام علم سے خالی نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اُس کی حفاظت سے باہر ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں جو عبادت کے لائق بھی ہو۔

آگے فرمایا لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں وہ ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو کچھ ان دونوں یعنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے وہاں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہے جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عرش سے لے کر فرش تک اُسی کا تصرف ہے اور اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مسئلہ توحید بیان ہو گیا اور ساتھ مشرکین کا رد بھی۔

آگے وقوعِ قیامت اور بندے کے عمل کے بارے میں فرمایا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم کہ وہ کب آئیگی۔ اُس کے سوا وقوعِ قیامت قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔ سورۃ الاعراف میں تصریح موجود ہے کہ کفار مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئیگی۔ آپ اُن سے کہہ دیں کہ قیامت کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (آیت ۱۸۷) وہ اُس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ ہاں وقوعِ قیامت سے پہلے بعض نشانیوں کا علم اللہ نے اپنے انبیاء کو بتا دیا ہے جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے مثلاً یہ کہ مسلمانوں میں آخری پیدا ہونے والے امام مہدی کا ظہور ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا، دجال کا قتل ہوگا جسے عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، یاجوج ماجوج کی پیدائش، سورج کا مغرب سے طلوع

مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں شیوع وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے قیامت کے متعلق علم کسی کو نہیں دیا۔ تو فرمایا کہ اس کے پاس سے قیامت کی خبر وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ... ان کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا جگہ دان کرنا ہے۔

ملخصات

آگے شفاعت کا مسئلہ بھی اللہ نے بیان فرمایا ہے اور اس کا تعلق بھی معاد سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اور جن کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جن کو مشرک لوگ اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں۔ یا اُن کی عبادت کرتے ہیں وہ یا تو فرشتے اور پیغمبر کے بت ہیں جو بے جان چیزیں ہیں جو روح اور عقل و شعور سے عاری ہیں اور یا پھر اگر جاندار ہیں۔ فرشتے، انبیاء اولیاء ہیں تو وہ ایسے بے اختیار ہیں اور سفارش کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (الزمر ۴۴) آپ کہہ دیجئے کہ شفاعت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

سفارش کے بارے میں اللہ نے قانون یہ بیان فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ کہ سفارش کا کسی کو اختیار نہیں سوائے اس کے کہ جس نے حق کی گواہی دی یعنی جس نے کلمہ توحید کو قبول کیا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے بھی ہیں کہ کس لوگوں کے حق میں سفارش ہو سکتی ہے۔ جس شخص نے خود کلمہ توحید قبول نہیں کیا۔ وہ سفارش کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس کے اہل تو اللہ کے انبیاء، شہداء اور صالحین لوگ ہی ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایسے لوگوں کی سفارش کریں گے جن کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہوگا۔ مگر اعمال میں کچھ کمزوری رہ گئی تھی۔ اللہ کا کوئی مقرب ترین بندہ بھی کسی کافر مشرک یا منافق کے حق میں سفارش نہیں کر سکے گا۔

اور جن کے حق میں گواہی دی جا سکے گی یعنی سفارش کی جا سکے گی۔ وہ بھی وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے کلمہ حق کو قبول کیا۔ کسی ایسے شخص کی سفارش نہیں ہوگی جس نے ایمان قبول نہ کیا ہو۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ قیامت کے دن کسی کے حق میں سفارش

مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور جس کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر - ۷) اور اللہ اپنے بندوں سے کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور کتب کے ذریعے حق کو واضح کر دیتا ہے اور پھر اختیار بندے کو دیتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹) کہ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ تو شفاعت اسی کے حق میں قبول ہوگی جو ایمان لائے گا۔

البتہ مشرک لوگ جس قسم کی شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض اُن کے معبود ہر حالت میں اُن کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت کو ضرور ہی قبول بھی کرے گا۔ اس غلط کی جڑ اور قسم کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے کہ وہ کسی کی شفاعت ضرور ہی قبول کرے جبکہ اس کا فرمان تو یہ ہے لَا يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ - ۲۵۵) اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو شفاعت کرنے کی جرأت بھی نہیں ہوگی پھر جبکہ وہ کسی کی شفاعت قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اللہ نے یہ اختیار اور اقتدار کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا ہے۔

اللہ کی صفت خالقیت

آگے اللہ نے اپنی توحید کے سلسلے میں صفت خالقیت کا ذکر فرمایا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں پیدا کس نے کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجات ہیں سے دو درجات میں تو اہل ایمان، کافر، مشرک، اہل کتاب، ہنود وغیرہ سب متفق ہیں اور دو درجات میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ توحید کے پہلے دو درجے [illegible] صفت خالقیت کا ہے کہ اللہ کے [illegible]

خالق نہیں اور وہ صرف واجب الوجود ہونے کا مدعی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود خود بخود قائم
اور ابدی ہے اور یہ کسی کا مخلوق کردہ نہیں۔ اس وجہ سے ہندوؤں کی یہ تقسیم تعداد
کے لحاظ سے مذہب دنیا کے تمام مذاہب سے مختلف ہے کہ واجب الوجود بھی صرف اللہ ہے، باقی
تمام مخلوق کا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے اور ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ البتہ باقی
دو درجات یعنی تدبیر اور عبادت میں اہل ایمان ایک طرف اور باقی لوگ دوسری
طرف ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا عقیدہ یہ ہے کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ
- آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز
کی تدبیر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ہر چیز کو حد کمال تک پہنچاتا ہے، اور
اس معاملہ میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس سے برخلاف بعض لوگ۔ دشمنوں،
ہتوں، دیوتا، اللہ، انبیاء اور اہل قبور کو بھی مدبر مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی اپنی
حاجات سوال اور مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔ جہاں تک عبادت
کا تعلق ہے تو ایک مومن عبادت بھی اللہ کے سوا کسی کی نہیں کرتا۔ جب کہ کافر،
مشرک اور بہت سے دوسرے لوگ بھی مختلف درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ ان کے نذر و نیاز پیش کرتے
ہیں اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ بھی شرک کا ارتکاب ہے جب کہ
ایک تو ان آدمیوں میں توحید کے چاروں درجات پائے جاتے ہیں۔ بہر حال مثال پر
صفت خالقیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے سوال کریں کہ
دیکھ لیں۔ یہ لوگ لازماً یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ فرمایا اگر یہ
بات ہے فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ تو یہ لوگ کدھر پھیرے جاتے ہیں۔ یہ کس دھوکے
میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب خالق اللہ ہے تو پھر مدبر بھی وہی ہے اور عبادت
کے لائق بھی صرف وہی ہے یہ مشرکوں اور کافروں کا دھوکہ ہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ
اور اس کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود بنا لیتے ہیں۔ اگر وہ اس دلائل پر غور
فکر کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ جو لوگ انبیاء کی بعثت
آسمانی کتابوں اور معجزات کی تصدیق کے باوجود کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے

ہیں اور وہ بے نصیب ہی ہو سکتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کی اُس شخصیت کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کی۔ اللہ کے ہر نبی اور خصوصاً حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دینے میں اپنی انتہائی کوشش کی، ہر طرح تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا اور اس راہ میں تمام مشکلات کو عبور کیا۔ ماریں کھائیں، طعنے سنے اور ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیت برداشت کی۔ مخالفوں کی اکثریت ہمیشہ جہالت میں مبتلا رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جب ان پر حجت قائم کر کے فیصلہ کر دیتا ہے تو یہ ایمان لانے کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ وَقِيلِهِ اور قسم ہے نبی کی اس بات کی یَا رَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان کو تیرے قرآن کا پروگرام پسند نہ آیا۔ انہوں نے زندگی کے عمل درآمد کے لیے اِدھر اُدھر سے قانون حاصل کرتے رہے۔ اب تو ہی ان کے درمیان فیصلہ فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے لیے نہایت ہی ہمدرد، غمخوار اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف ۷۹)۔

تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار بھی کہ اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں، لہٰذا میری بات سنو اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم سے وہی بھرے لہجے میں فرمایا، اے میری قوم کے لوگو! لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف ۹۳) تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں، لہٰذا میری بات کو قبول کرلو۔ اور پھر امت کے حق میں سب سے بڑھ کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے قوم کو سمجھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور کہا لوگو! قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کلمہ ایمان اور کلمہ توحید کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو اللہ نے اپنے نبی کے اس دوسرے قول کی قسم اٹھائی ہے کہ پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بطلب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی مخلوق کی عبادت پر اصرار کیے ہیں اور اللہ کا نبی بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دوسری بات کے جواب میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کفار و مشرکین کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے درگزر کریں۔ آپ ان کی حرکات سے دل برداشتہ نہ ہوں فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد ۴۰) کیونکہ آپ کے ذمہ میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرۃ ۱۱۹) اور دوزخ میں جانے والوں کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ کیوں یہاں آئے بلکہ خود ان سے سوال ہوگا مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ (المدثر ۴۲) کہ تم جہنم میں کیسے پہنچے؟ نبیوں کا کام یہ ہے کہ وہ حق تبلیغ ٹھیک طریقے سے ادا کر دیں اور یہ امانت امت تک پہنچا دیں۔ اب

مخزل مقصود ہے پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص بیان حاصل کرنے کے قابل ہے اور کون نہیں۔

فرمایا آپ درگذر کریں ان سے تعرض نہ کریں وَقُلْ سَلٰمٌ انہیں سلام کہہ کر الگ ہو جائیں۔ ہم سلام متارکت کہتے ہیں۔ جب تک کسی طرح نہ جانے زیر ہم تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کریں گے بلکہ علیحدگی اختیار کریں گے تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ آخر ایک بات ہو کر رہے گی فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ بعض نتائج دنیا میں سامنے آجائیں گے۔ اور بعض آخرت میں تو تمہارے فیصلے ہو گئے سب کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کون سا طرز عمل اختیار کیا۔ اللہ کے نبی ان کو کس بات پر آمادہ کرتے ہے ان پر کیا کیا جبر کیتے ہے یہ سب باتیں سامنے آجائیں گی اور پھر حق و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوں گے۔ اس طرح اللہ نے سورۃ کے آخر میں اپنے نبی کے لیے تسلی کا سامان بھی مہیا کر دیا۔

سُورة

# الدّخان

مكّيّة

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ دخان مکی ہے۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ
لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝٣ فِيْهَا
يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝٤ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ
اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝٥ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝٧ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

ترجمہ:- حٰمٓ ① قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی ② تحقیق ہم نے نازل کیا اس کو ایک برکت والی رات میں۔ بیشک ہم ڈرانے والے ہیں ③ اس رات میں جدا کیا جاتا ہے ہر معاملہ حکمت والا ④ حکم ہوتا ہے ہماری جانب سے۔ بیشک ہم بھیجنے والے ہیں ⑤ مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے

بے شک وہی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ⑥ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ⑦ نہیں کوئی عبادت کے لائق اس کے سوا، وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے، تمہارا پروردگار اور تمہارے پہلے آباء اجداد کا پروردگار ⑧

سورۃ دخان کا تعارف

سورۃ دخان مکی سورت ہے اور قرآن مجید کی انسٹھویں سورت ہے۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتوں کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے ۳۳۲ الفاظ اور ۱۴۳۱ حروف پر مشتمل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن اس سورۃ کی تلاوت کا بڑا اجر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص رات کے وقت اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دن کے وقت دعائیں مانگتے ہیں۔

سورۃ کے مضامین

دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ سورۃ بھی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا بیان ہے۔ اور انکار پر تنبیہ کی گئی ہے۔ گزشتہ سورۃ میں دلائل توحید پر زیادہ زور تھا جب کہ اس سورۃ میں انذار کا پہلو غالب ہے۔ منکرین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر وہ حق کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ نہ صرف دنیا میں خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی سخت عذاب کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں بطشۃ الکبریٰ کا ذکر بھی آیا ہے جس کا مصداق غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو بنایا۔ اگر وہ باز نہ آئے۔ اللہ کے نبی کا مقابلہ کرتے رہے تو پھر

اللہ تعالیٰ سخت انتقام لے گا۔

حروف مقطعات

ان سات سورتوں کی ابتدا حروف مقطعات حٰمٓ سے ہو رہی ہے اور بعد قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کا بیان ہے۔ ان حروف مقطعات کے متعلق پہلی سورتوں میں عرض کیا تھا کہ ان حروف کے قطعی معنی اللہ کے نبی نے بیان نہیں فرمائے تاہم بعض مفسرین نے بعض احتمال معنے بیان کیے ہیں۔ مثلاً حٰمٓ میں حٰ کا اشارہ حکیم کی طرف اور مٓ کا اشارہ ملک کی طرف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حکم بھی خدا تعالیٰ کا ہے اور بادشاہی بھی اسی کی ہے اور یہ چیز کل آیتوں میں بیان ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے حٰ سے حکمت اور مٓ سے تین یعنی مستقر مراد لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ مضبوط حکمتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ معنی بھی درست ہے۔ قرآن کی ہر بات ایسی مستحکم ہے جس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خلاف واقع ہے۔ تاہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے مراد ایک اجمالی نور ہے جو عالم قدس سے اترا اس عالم تخلیط میں متعین ہوتا ہے اور پھر یہاں کے شر و فتنوں سے گزارتا ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے مقامات کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ شرف باریابی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سورۃ کا نام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح حروف مقطعات کا ہر حرف خدا کے کسی اسم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے حٰ سے رحمان اور مٓ سے مالک تاہم زیادہ صداقت والی بات وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بیان فرمائی ہے کہ ان حروف میں زیادہ تدبر نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اللہ اعلم بمرادہ بذلک اللہ تعالیٰ ان حروف کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں

آیت ۲ تا ۳

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کو قسم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی

---

۱ جلالین ص ۴۰۰

قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے اور اس کی وضاحت درجۂ وضاحت پر فائز ہے جیسے
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل - ۸۹) یعنی آپ کی
طرف کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن
عباسؓ فرماتے ہیں کہ کل شئی سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کی انسان کو دین کے معاملہ میں ضرورت
پڑ سکتی ہے۔ ہر وضاحت طلب چیز کو قرآن پاک بالواسطہ یا بلاواسطہ واضح کر
دیتا ہے اور کوئی اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ بلاواسطہ تفصیل تو یہ ہے کہ قرآن پاک
اپنی وضاحت خود بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی چیز یا کسی معاملہ کا ذکر کسی جگہ اجمال
کے ساتھ کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل کر دیتا ہے۔ اور بالواسطہ وضاحت
کئی صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی مسئلہ کی وضاحت پیغمبر علیہ السلام کے سپرد کر دی
جائے، جیسے فرمایا وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
(النحل - ۴۴) ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن حکیم اس لیے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ
آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اور
یہ وضاحت بھی آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے عین مطابق کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ باطنی وحی کے ذریعے آپ کے قلب پر مطلوبہ وضاحت القاء کر دیتا ہے
اور آپ آگے لوگوں کو بتا دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن کے بعینہٖ الفاظ وحی جلی کہلاتے
ہیں اور پیغمبر کا بیان وحی خفی ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی وضاحت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس میں کسی چیز کا اصول بیان کر دیا جاتا
ہے اور پھر اس کی وضاحت اہل علم پر چھوڑ دی جاتی ہے جو مذکورہ اصول کی روشنی
میں مسئلہ کی جزئیات کی وضاحت کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی چیز مجتہدین کو سونپ
دی جاتی ہے تاکہ وہ کسی حل طلب مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر دیں۔
یہ سب چیزیں قرآن پاک کی وضاحت کے ضمن میں ہی آتی ہیں۔ بہرحال قرآن ایک
ایسی چیز ہے جس کی کسی بات کو مہمل نہیں چھوڑا گیا بلکہ ہر چیز کی کسی نہ کسی طریقے سے وضاحت کر دی گئی ہے۔

امام شافعی، امام ابن تیمیہ اور بعض دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ احادیث بھی قرآن کی طرح وحی ہیں اور ان کی روشنی میں بھی قرآن کی ہر مشکل بات کو سمجھا جا سکتا ہے، بہرحال کتاب مبین کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی گئی ہے، یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کا ایک نام فرقان بھی ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نذِيْرًا (الفرقان ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان کو نازل فرمایا یعنی ایک ایسی کتاب جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دیتی ہے، اور اس لحاظ سے بھی یہ کتاب مبین ہے۔

لیلۃ القدر میں نزول

بہرحال اللہ نے اسی کتاب کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ بے شک ہم نے اس کو نازل فرمایا ایک بابرکت رات میں، اس رات سے کونسی رات مراد ہے، اس میں مفسرین کرام کی دو رائے ہیں، بعض اس کو پندرھویں شعبان کی رات بتاتے ہیں کیونکہ اگلی آیت میں یہ وضاحت آتی ہے فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شب برات یعنی پندرھویں شعبان کی رات کو بعض معاملات الگ کر کے فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور وہ سال بھر کے تمام مقررہ اوقات میں انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان امور میں پیدائش، موت، رزق، زلزلہ، خوشحالی، قحط، طوفان، حادثہ وغیرہ شامل ہیں، جن کو لوح محفوظ سے منتقل کرنے کے وقت کے فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور وہ فرشتے سال بھر ان احکام خداوندی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس رات کی فضیلت میں آتا ہے کہ جو شخص اس رات کثرت سے عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے، اس کو مغفرت کا پروانہ دے دیا جاتا ہے۔ البتہ بعض آدمیوں کو اس موقع پر بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ ان میں مشرک، کینہ پرور، والدین کے نافرمان، مسلسل شراب نوشی وغیرہ کرنے والے ہیں۔ بہرحال بعض احادیث میں آتا ہے کہ پندرھویں شعبان کی رات کو جو لوگ عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت جتنی اس رات میں ہوتی ہے اتنی کسی دوسری رات میں نہیں ہوتی۔

[illegible] اس مبارک رات کے باوجود بعض مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہاں پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے جس کا ذکر سورۃ القدر میں ہے۔ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ (آیت ۱) یعنی ہم نے اس قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ وہ ایک رات جو عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ بعض مفسرین کا یہ بیان قرین قیاس ہے کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ ایک ہی رات کے دو مختلف نام ہیں اور اس رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کو لوح محفوظ سے بیت العزت (آسمان دنیا پر بیت المعمور) میں اتارا جو کہ ساتویں آسمان پر ہے۔ اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے حضور علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ قرآن پاک میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ قرآن پاک رمضان المبارک کے مہینہ میں نازل کیا گیا ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (البقرہ۔ ۱۸۵) رمضان المبارک وہ مہینہ مبارک ہے۔ جس میں قرآن پاک کو نازل کیا گیا۔ اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی انیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں رات آتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں راتیں ایک ہی رات ہیں اور وہاں ذکر لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے تو رمضان میں آنے والی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتب سماویہ رمضان المبارک کی پہلی، تیسری یا ساتویں تاریخ کو نازل ہوئیں۔ جب کہ اللہ کی یہ آخری کتاب اس مہینے کے آخری عشرہ میں نازل کی گئی۔

فرمایا ہم نے اس قرآن عظیم کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا۔ انا کنا منذرین۔ بے شک ہمیشہ ڈراتے رہے ہیں۔ ہم نے اپنے دستور کے مطابق پہلے انبیاء پر بھی کتب اور صحائف نازل فرمائے اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا کہ وہ کفر، شرک اور معاصی سے باز نہیں آئیں گے۔ انبیاء کی بات کو نہیں مانیں گے تو قیامت کے دن سزا کی گرفت میں آئیں گے۔ ہر نبی بشیر اور منذر ہوتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے رسلا مبشرین ومنذرین (النساء۔ ۱۶۵) ہم نے تمام رسولوں کو بشیر اور منذر بنا کر بھیجا تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

فرشتے اللہ نے فرمایا کہ جس نے اس کتاب مبین کو مبارک رات میں نازل فرمایا اور تحقیق ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ یہ اس کتاب کی غایت بھی ہو گئی۔

فرمایا اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا۔ یعنی ہماری جانب سے ہر امر اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ تحقیق ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ انبیاء رسل کو ہدایت خلق کے لیے اور فرشتوں کو مختلف امور کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقہ کی مختلف ڈیوٹیوں پر متعین کر رکھا ہے۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام وحی الٰہی لانے پر مامور ہیں۔ کوئی روزی پہنچانے پر مامور ہے کوئی بادلوں کا فرشتہ ہے اور کوئی ملک الموت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام کائناتی معاملات سے متعلق فرشتوں کو امور کر دیا جاتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور فرشتوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے۔ لہٰذا جو اس صفت کا انکار کرے گا۔ وہ بھی کافر تصور ہوگا۔

رحمتِ ربانی

ارشاد ہوتا ہے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یہ مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی مبارک رات میں قرآن کریم کا نزول فرمایا جس میں انسان کی پوری زندگی کا پروگرام موجود ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور وہ وہی ذات ہے جو کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا جو کہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ ہر چیز کا رب ہے اور کوئی چیز اس کی ربوبیت سے باہر نہیں وہی ہر چیز کی بتدریج پرورش کر کے اسے حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ ساری مخلوق کا وہی پروردگار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اگر تم یقین لائے ہو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر جاندار اور غیر جاندار اسی کی رحمت کا محتاج ہے۔ اور وہ ایسی ذات ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق۔ مالک۔ مدبر اور متصرف ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔ وہ علیم کل۔ قادر مطلق اور سمیع و بصیر ہے۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور وہی موت دیتا ہے گویا موت و حیات

بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو وہ زندہ رکھنا چاہتا ہے اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جسے وہ مارنا چاہے اُسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ سے زندہ ہے۔ اور زندگی بخشنے والا ہے۔ کوئی انسان، فرشتہ یا پیغمبر، چھ ارب انسانوں کو زندگی نہیں دے سکتا بلکہ سب کی زندگی اللہ وحدہٗ کی عطا کردہ ہے۔ وہ جب چاہے یہ زندگی چھین بھی لیتا ہے اور اُس کے راستے میں کوئی چیز مزاحمت نہیں کر سکتی۔ فرمایا وہ ذاتِ باری تعالیٰ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا رب بھی ہے جب تو ایک ہی پروردگار ہے جو کہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

قرآن حکیم کی حقانیت بیان کرنے کے بعد اللہ نے اپنی بعض صفات کا تذکرہ کیا اور ارض و سما کی ربوبیت کو خاص طور پر بیان فرمایا۔ آگے انذار کا پہلو آرہا ہے کہ اگر اُس کی توحید کو تسلیم نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر بھی قادر ہے۔

---

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝٩ فَارْتَقِبْ يَوْمَ
تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ يَّغْشَى النَّاسَ
هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا
الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى
وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝١٤ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ
الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦

ترجمہ: بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں ۝٩ پس تم
انتظار کرو اس دن کا جب آسمان ایک کھلا دھواں ۝١٠
جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ دردناک عذاب ہے ۝١١
(اس پر کہیں گے) یہ لوگ (کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! کھول دے
ہم سے عذاب کو، بیشک ہم ایمان لانے والے ہیں ۝١٢
کہاں ہو گا ان کے لیے نصیحت پکڑنا، اور البتہ تحقیق
آیا ہے ان کے پاس رسول کھول کر بیان کرنے والا ۝١٣
پھر انہوں نے روگردانی کی اس سے اور کہا کہ یہ سکھلایا
ہوا دیوانہ ہے ۝١٤ بیشک ہم اٹھانے والے ہیں عذاب
کو تھوڑی مدت تک، بیشک تم پلٹ کر آنے والے ہو ۝١٥

ٹلے ہ ⑮ جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت
بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں ⑯

ربط آیات

سورۃ قٓ کے آغاز میں قرآن پاک کے لیئے انعقاد میں نزول کا بیان تھا۔ اللہ نے نزول قرآن کی غرض و غایت بھی بیان فرمائی اور جتلایا کہ اس ایک رات میں تمام فیصلے کیے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے اپنا مالک فرمایا کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتا ہے۔ فرمایا نزول قرآن اس کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی توحید کا تذکرہ فرمایا کہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا وہی پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندگی اور موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ۔ ۔ 

دھواں لائے گا۔ یعنی آسمان پر دھواں چھا جائے گا۔ یَغْشَی النَّاسَ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ فرمایا هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو نصیحت دی ہے کہ اگر یہ کافر اور مشرک آپ کی بات نہیں مانتے، بلکہ الٹا ٹھٹھا اور استہزاء کرتے ہیں تو آپ درگذر کریں عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب یہ سب لوگ آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور یہ دھواں کفار و مشرکین کے لیے سزا کا موجب ہوگا۔

قیامت کا دھواں

مذکورہ دھوئیں کے متعلق مفسرین کرام کے دو اقوال ملتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے وہ دھواں مراد ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اور جسے علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرب قیامت کی جن نشانیوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سورج کا مغرب سے طلوع، یاجوج ماجوج دابۃ الارض اور دجال کا خروج، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسوف یعنی زمین کا دھنس جانا، عدن کے کنارے سے آگ کا ظہور جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائیگی اور دھواں وغیرہ ساری زمین پر پھیل جائے گا کا ذکر آتا ہے۔ اس دھوئیں کا اثر مومن اور کافر پر مختلف ہوگا۔ مومن لوگ اس سے زکام جیسا معمولی اثر محسوس کریں گے جب کہ کافروں کے لیے یہ عمل ہوگا کسی چیز کا دھواں محسوس ہوگا۔ یہ دھواں ان کے لیے سخت تکلیف دہ ہوگا اور ایسا محسوس ہوگا جیسے ان کے ناک، منہ یا بیزے سے نکل رہا ہے۔

قیامت کا دھواں

تاہم دوسرے مفسرین کرام اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کوفہ میں قیام پذیر تھے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ فلاں جگہ پر ایک واعظ نے سورۃ الدخان کی یہ آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ اس دھوئیں سے قیامت کا دھواں مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ سنا تو ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی! جس شخص کو کوئی چیز معلوم ہو اسے بلا کم و کاست بیان بھی کرنا چاہیئے اور جس کا علم نہ ہو اس کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور تکلف میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ کچھ لوگوں کہنا چاہیئے کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بغیر علم کے

خواہ مخواہ تکلف کر کے فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ کہ لوگو! میں تمہیں تبلیغ دین کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ بہرحال حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ان دھوئیں سے مراد قیامت کا دھواں نہیں بلکہ قحط کا دھواں مراد ہے جو مشرکین مکہ پر وارد ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب قریش مکہ حد سے بڑھ گئے، کفر و شرک پر اصرار اور اللہ کے نبی کی مخالفت ان کا وطیرہ بن گئی، ان کی طرف سے ایذا رسانی نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ تو حضور علیہ السلام نے کفار و مشرکین مکہ کے حق میں بددعا فرمائی اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ڈال۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکے میں قحط سالی پیدا ہو گئی۔ ادھر مدینہ میں واقع یمامہ تک کی منڈی تھی۔ وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے اس کی توہین کی اور اس نے توکل کے طور پر یمامہ سے مکہ کے لیے گندم کی آمد روک دی جس کی وجہ سے ابوسفیان کہ والے لڑنے کو آنے لگے۔ تنگ آ کر انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینہ طیبہ پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قحط سالی کو دور کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی تو دھواں بھی دور ہو گیا اور قحط سالی سے بھی نجات مل گئی۔ بہرحال اس دخان سے مراد قحط سالی کا دھواں ہے جو حضور علیہ السلام کی دعا سے دور ہوا۔ مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور آپ مضر کے لیے استسقاء کریں کہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ مضر کے لیے؟ تم تو بڑے جری ہو جو ایسی بات کر رہے ہو۔ قریش مضر میں سے ہی تھے، پھر آپ نے دعا کی تو بارش نازل ہوئی اور پھر آسودہ حال ہونے پر انہوں نے

---

[1] مسلم ص ۳۷۲ ج ۲

سے بدر میں بڑی گرفت میں ان کو مبتلا کر کے ہلاک کیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ پانچ نشانیاں پہلے ہی گزر چکی ہیں۔ جن میں سے ایک نشانی یہی قحط سالی کا دھواں ہے دوسری نشانی شق القمر کا واقعہ ہے۔ تیسری رومیوں کا مغلوب ہو کر چند سال میں پھر غالب آجانا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الروم میں ہے۔ چوتھی نشانی بطشہ یعنی سخت پکڑ ہے اور پانچویں لزام ہے جس کا ذکر سورۃ الفرقان کے آخر میں آتا ہے۔ ان دونوں سے مراد بدر کی لڑائی ہے۔ جس میں کافروں کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور عذاب ان کے ساتھ لازم ہو کر رہ گیا۔ بدر میں قتل ہونا اور قیدی بننا یہی بطشہ کبریٰ ہے۔

عذاب سے ٹل کی درخواست

بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس کھلے دھوئیں کا انتظار کرو جب وہ لوگوں پر چھا جائے گا اور یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اس وقت لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ ۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ہم یقیناً ایمان لانے والے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ جونہی عذاب کو دیکھا تو ایمان کا دعویٰ کر دیا اور جب مصیبت ٹل گئی تو پھر مشرک کے مشرک۔ سورۃ الاعراف میں فرعونیوں کا حال بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچی طوفان آجاتا یا قحط پڑ جاتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ ہماری یہ تکلیف دور کر دے۔ ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم ایک مدت کے لیے ان سے عذاب کو کھول دیتے ہیں اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (الاعراف-۱۳۵) تو وہ اپنے عہد کو فراموش کر کے اسی کفر اور شرک کی طرف آجاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ وہ لوگ عذاب دور ہو جانے کے بعد ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں مگر اللہ نے فرمایا اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى کہاں ہوگا ان کے لیے نصیحت پکڑنا۔ جب ہم ان کی تکلیف رفع کر دیں گے تو یہ پھر اپنے عہد سے پھر جائیں گے اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیں گے۔ فرمایا ان کی زبان پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ان کے پاس ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا رسول آچکا ہے مگر انہوں نے اس کو تسلیم نہ کیا ثُمَّ اِنَّهُمْ بَعْدَهٗ پھر اس سے روگردانی کی، اس کی کسی بات پر یقین ہی نہ کیا مگر کہنے سے وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ یہ تو سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ مگر آخر وہ کب تک انکار ہی کیے چلے جائیں۔ اسی لیے سورۃ الفجر میں بھی آیت ۔ قیامت کے دن جب جہنم کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا تو یہ ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ اس دن انسان نصیحت پانا چاہے گا مگر اللہ نے فرمایا وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (آیت ۲۳) مگر اس دن ان کے نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ ہوگا جس دن کو وہ یاد کرے گا اس دن انسان اپنے کیے پر افسوس کرتے ہوئے کہے گا يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (آیت ۲۴) اور کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ بھیجا ہوتا۔ اس وقت انسان کی یہ حالت ہے کہ جب موت کا وقت قریب آتے تو وہ تمنا کرتا ہے فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنافقون - ۱۰) اور کہتا ہے کہ پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دے تو میں صدقہ خیرات کروں اور نیکی کمالوں مگر اس وقت اسے مہلت نہیں ملتی جب اور اس کی خواہش پوری نہیں ہو پاتی۔ یہاں بھی اسی بات کو فرمایا ہے کہ جب لوگ عذاب کا وقت قریب آتے دیکھ کر ایمان لانے کی خواہش ظاہر کریں گے مگر اللہ فرمائے گا کہ میں نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے مگر تم نے کچھ نصیحت حاصل نہ کی، کفر و انکار کی راہ اختیار کیے رکھی اور سنی ان سنی کرتے رہے۔ اب تمہارا ایمان قابل قبول نہیں اور تمہیں عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔

مفسرین کی تشریح کے مطابق مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں سے کچھ رومی غلاموں سے بعض چیزیں سیکھتے ہیں اور انہیں بطور قرآن پیش کرتے ہیں۔ بعض اس کو دیکھ کر عجمی غلاموں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ تو پاتے تو خود سیکھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے کیا سیکھنا تھا۔ کافر و مشرک لوگ اس لیے بھی حضور علیہ السلام کو دیوانہ کہتے تھے کہ آپ لغو و باطل سے بھی سچی باتیں کرتے ہیں کہ اللہ

کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ وہ لوگ آپ کو اس بات پر بھی دلیل نہ دیتے تھے کہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے اور باقی سارے معبود باطل ہیں۔ اللہ نے اُن کا بیان سورۂ صٓ میں نقل کیا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (آیت ۵)

کیا تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود بنا لیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد تو سب کی تعظیم کرتے آئے ہیں، اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے رہے ہیں مگر یہ شخص کہتا ہے کہ سب کی بجائے ایک ہی معبود کافی ہے۔

جدید دور کے بعض علماء نے بھی اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ مثلاً جرمنی کا نولڈیکے بڑا صاحب ایمان مستشرق تھا، اُس نے کہا کہ حضور علیہ السلام پر نعوذ باللہ مرگی کے دورے پڑتے تھے، جس کے دوران وہ کچھ بڑبڑاتے تھے اور اسی کو قرآن کے طور پر پیش کرتے تھے۔ اسی قسم کی باتیں مکے کے کافر اور مشرک بھی کرتے تھے کہ یہ تو بعض غلاموں سے سیکھ کر آتا ہے اور ہمارے سامنے قرآن بنا کر پیش کر دیتا ہے، ورنہ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

**اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب**

اللہ نے جواباً فرمایا اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے بعد۔ کچھ عرصہ کے بعد اس دعویٰ کے عذاب کو دور کر دیں گے۔ قحط سالی ختم ہو کر خوشحالی کا دور لے آئیں گے مگر اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ تم پلٹ کر اسی کفر و شرک کا ارتکاب ہی کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے اس قسم کی مثال اللہ نے مشرکوں کے بحری سفر کی بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ جب کشتی میں سوار ہوتے اور کوئی مصیبت آ پہنچتی ہے تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (العنکبوت - ۶۵) تو پھر اسی طرح شرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہی غیروں کی نذر و نیاز وہی قبر پرستی اور وہی رسومات باطلہ اختیار کرنے لگتے ہیں تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ ہم

ان کی درخواست پر عذاب کو دور تو کر دیں گے مگر پھر اسی ڈگر پر چل نکلیں گے۔

لبطشۃ الکبریٰ

فرمایا یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت یعنی جس دن ہم انہیں سخت گرفت میں لیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اس لبطشۃ الکبریٰ سے مراد جنگ بدر ہے۔ یہ اللہ کی بڑی گرفت تھی جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر جلیل القدر سردار مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے، باقی بھاگ گئے۔ کافروں کو اتنی بڑی شکست ہوئی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ وہ لوگ بڑی دھوم دھام اور بانکے بنے کے ساتھ لڑنے کے لیے آئے تھے مگر اللہ نے ایسی سخت گرفت کی جو کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور منہ کے بل ذلیل و خوار ہو کر واپس گئے۔

فرمایا اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا آخری نبی بھیجا، کتاب نازل فرمائی۔ اللہ کے نبی نے کفار و مشرکین کو کھلانے کی پوری کوشش کی اور اس راہ میں بڑی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر وہ نہ مانے۔ اللہ کی غیرت جوش میں آئی تو انہیں بدر کے مقام پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اس طرح اپنی اور اپنے نبی کی نافرمانی کا انتقام ان سے لے لیا۔ یہ تو دنیاوی لحاظ سے گرفت تھی جو عارضی تھی اور پھر آگے دائمی گرفت آنے والی ہے۔ انتقام کا ذکر آگے بھی بکثرت آرہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب وہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر وہ انتقام بھی لے لیتا ہے۔ اسی طرح قریش مکہ سے انتقام لیا اور وہ ہمیشہ کے لیے نابود ہو گئے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَي اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ
اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾
فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ
بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ
رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا
مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۡ وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ
وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

ترجمہ: اور بلاشبہ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے فرعون
کی قوم کو اور آیا ان کے پاس ایک عزت والا رسول ﴿۱۷﴾
(اس نے کہا) کہ حوالے کردو میری طرف اللہ کے بندوں
کو، بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں امانتدار ﴿۱۸﴾ اور

جو کہ تم نہ سمجھ سکو اللہ کے سامنے تحقیق میں لایا ہوں
تمہارے پاس کھلی سند (١٩) اور بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں
اپنے پروردگار کے ساتھ اور تمہارے پروردگار کے ساتھ
(اس بات سے) کہ تم مجھے سنگسار کرو (٢٠) اور اگر
تم ایمان نہیں لاتے مجھ پر، پس تم مجھ سے الگ ہو
جاؤ (٢١) پس دعا کی اس نے اپنے پروردگار سے کہ بیشک
یہ لوگ گنہگار ہیں (٢٢) پس فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو لے
کر نکل جا میرے بندوں کو رات کے وقت، بیشک تم
پیچھا کیا جائے گا (٢٣) اور چھوڑ دے سمندر کو تھما ہوا، بیشک
یہ ایک لشکر ہے جس کو غرق کیا جائے گا (٢٤) بہت
کچھ چھوڑ گئے انہوں نے پیچھے باغات اور چشمے (٢٥) اور
کھیتیاں اور عزت کے مقامات (٢٦) اور وہ نعمت جس
میں وہ آسودہ حال تھے (٢٧) اسی طرح ہوا، اور وارث
بنایا ہم نے ان چیزوں کا دوسری قوم کو (٢٨) نہیں روئے
ان پر آسمان اور نہ زمین اور نہیں تھے وہ مہلت یافتہ
لوگوں میں سے (٢٩)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے زمانے کے مشرکین بالخصوص مشرکین مکہ کو انذار کیا، ان کی نافرمانی کا حال بیان کیا اور پھر ان پر آنے والی آفت کا ذکر کیا۔ اللہ نے ان پر دو صورتوں میں قحط مسلط کیا۔ انہوں نے عہد کیا کہ اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ جب انہیں قحط سے نجات مل گئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ کفر و شرک میں منہمک ہو گئے۔ اللہ نے بھی فرمایا کہ ہم تھوڑی مدت کے لیے ان سے تخفیف کو ہٹائیں گے لیکن نافرمانی کی صورت میں بڑی گرفت میں لے لیں گے۔ چنانچہ اللہ نے بدر کے مقام پر بہت سے سرکردہ مشرکین کو ہلاک

کیا، بعض قیدی بنے اور بعض شکست کھا کر بھاگ گئے۔

قومِ فرعون کی آزمائش

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام میں سے قومِ فرعون کی آزمائش کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں ایک طرف مشرکین عرب کے لیے انذار کا پہلو ہے کہ اگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ آپ کو ایذا دیں پہنچائیں گے اور وقوع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کریں گے تو ان کا حشر بھی قومِ فرعون سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور دوسری طرف حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اگر آج یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو قومِ فرعون کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اور البتہ تحقیق ان سے پہلے ہم نے قومِ فرعون کو آزمایا۔ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ تو آیا ان کے پاس عزت والا رسول۔ رسول کی بعثت اور کتاب و شریعت کا نزول ہی قومِ فرعون کے لیے آزمائش کا باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر عقل مند مرد و زن کو مکلف بعینہٖ قانون کا پابند بناتا ہے اور اس پابندی میں ہی اس کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اسی کی بدولت دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ پر فائز ہو کر ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اللہ کے بندے اس کے قانون کی پابندی نہیں کریں گے تو دنیا میں ذلیل ہوں گے اور برزخ اور آخرت میں بھی ذلت ناک عذاب کا شکار بن جائیں گے۔ بعینہٖ اسی نہج میں ہی انسانوں کی آزمائش ہے اللہ کا فرمان ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء، ۳۵) ہم برائی اور بھلائی دونوں طریقوں سے تمہیں آزماتے ہیں۔ کبھی مصائب و تکالیف کے ذریعے اور کبھی اموال و اولاد اور خوشحالی کے ذریعے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھیج کر انسانوں کو آزماتا ہے کہ کون مانتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ کون کفر و شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور کون توحید اور ایمان کو قبول کرتا ہے؟

یہاں پر باعزت رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ نے قومِ فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ بڑی عظمت والے رسول تھے۔ اللہ نے آپ

کی خاص پرورش فرمائی تھی اور آپ کو منصب عالیہ پر فائز کیا تھا۔ فرعون نے آپ کو تعلیم دی کیا تھا اپنے غرور و تکبر کی بنا پر آپ کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔ وَلَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ (الزخرف ۵۲) کیا میں اس حقیر آدمی سے بہتر نہیں ہوں؟ یہ ہے عالم گمراہی کہ کافر و مشرک ہمیشہ اللہ کے نیک بندوں کو حقیر جانتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے نبوت و رسالت سے بڑھ کر کوئی عزت والا مقام نہیں جس کو یہ حقیر سمجھتے ہیں۔ اس پر اللہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے مطالبہ

فرمایا کہ موسیٰ و فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے فرعون سے مطالبہ کیا اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ کہ اللہ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے میرے حوالے کر دو۔ تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطن شام و فلسطین کی طرف لے جاؤں۔ فرعون نے انہیں بدترین غلام بنا رکھا تھا۔ انہیں طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے تھے۔ ان سے بیگار لیتے تھے حالانکہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں یعنی اس کے حکم سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں نیز میں امانتدار بھی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوتا ہے وہ بلا کم و کاست تمہیں پہنچا دیتا ہوں اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا۔ میں تم سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہوں وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے غرور و تکبر نہ کرو۔ اس کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرو اور اس کے حکم کی تعمیل کرو۔ اور یاد رکھو میرا دعویٰ نبوت محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ میں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے کھلی سند لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری صداقت کی دلیل ہیں۔ ان میں غور و فکر کرو۔ میری بات کو مانو۔ خدا کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے

آزاد کر دو۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں

فرعون کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النّٰزعٰت-۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں لہٰذا میرے سوا کسی دوسری ہستی کو معبود نہ بنانا۔ اور اگر تم نے ایسا کیا لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (الشعراء-۲۹) تو تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔

اس قسم کی دھمکیوں کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اور میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے پروردگار کی اور تمہارے پروردگار کی۔ اس بات سے اَنْ تَرْجُمُوْنِ کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑنے والا ہوں مجھے تمہاری دھمکیوں کی کچھ پروا نہیں ہے۔ سنگسار کرنا ایک قدیم اور سخت ترین سزا ہے۔ اسلام میں بھی محصن زانی کے لیے یہی سزا مقرر کی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے تھے اور اس کو تبلیغ کی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ فرعون کے شر سے ضرور آپ کو محفوظ رکھے گا۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغِ حق کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے کیونکہ وہ صاحبِ اقتدار ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ (آیت-۴۶) تم دونوں ڈرو نہیں کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ پھر اپنے پروردگار کی پناہ پکڑنے کا اعادہ کیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے دوسری بات یہ کی وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ اور میری صداقت کے تمام دلائل دیکھنے کے باوجود اگر تم ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ کم از کم مجھے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔ تبلیغ حق کرنے دو۔ تبلیغ کر

کہنا چاہتے تھے۔ بس اُنہوں نے کھا جانے کا تہیہ کر لیا۔ اللہ کے تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی بات کہی کہ ایمان قبول کر کے اپنی فلاح و سامان پیدا کرو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر کیسے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ہمارا کافر و مشرک اللہ کے نبی کو کھا جانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کیونکہ وہ انہیں اپنے لیے ایک مستقل خطرہ تصور کرتے تھے اور انبیاء کو تبلیغ حق سے باز رکھنے کے لیے انہیں اذیتیں پہنچاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ وہ آپ کو تبلیغ کا حق تو کیا دیتے آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔

قوم کے خلاف شکایت

بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے تنگ آ کر فقد عا بنہ اپنے پروردگار سے تضرع رُعا کی اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ پروردگار! یہ قوم تو سخت گنہگار ہے جو اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں۔ میں نے انہیں چالیس سال تک ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی طرف سے مخالفت پر صبر کیا ہے۔ مگر یہ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا ذکر بھی ہے تو انہوں نے قوم کے حق میں کی عرض کیا۔ پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے حواریوں کو اس دنیا کی زندگی میں وافر مال و دولت اس لیے عطا کی ہے کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ ۔ آیت ۔ ۸۸ پروردگار ان کے مالوں کو مٹا دے یعنی ان کی عطا کردہ مال چیزیں سے اور ان کے سونے چاندی کے ڈھیروں کو مٹی میں تبدیل کر دے کیونکہ یہ لوگ تیرے عذاب دیکھے بغیر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کو ضرور سزا ملنی چاہیئے۔

سزا کے نافذ ہو جانے کا حکم

جب کسی قوم کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ اللہ کے نبیوں کی ہلاکت کے منصوبے بنانے لگتے ہیں تو پھر اللہ کا غضب بھی جوش میں آجاتا ہے۔ قوم فرعون پر بھی یہی وقت آچکا تھا۔ جس طرح آیت ۔ ۹۰ میں گزر چکا ہے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۔ ہم انتقام لینے والے ہیں۔

قوم فرعون سے انتقام لینے کا وقت آچکا تھا۔ اس مقصد کے لیے

اسباب کا انتظار پہلے ہی ہو چکا تھا سارے بنی اسرائیل اپنے قومی میلے کے لیے شہر سے باہر کھلے میدان میں جمع تھے، اسی وقت اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا (اے موسیٰ (علیہ السلام)! میرے بندوں کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ، مگر گھبرانا نہیں کیونکہ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی فرعونی لشکر تمہارے تعاقب میں آئے گا۔ ہم تمہیں تو اپنی حفاظت میں لے لیں گے مگر انہیں ہمیشہ کے لیے نابود کر دیں گے۔ چنانچہ اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے حتیٰ کہ بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے۔ آگے سمندر تھا اور پیچھے لشکر فرعون۔ لوگ بہت گھبرائے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء ۶۱) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو فرعون کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ مگر آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (آیت ۶۲) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور کوئی بچاؤ کی صورت پیدا فرمائے گا۔

فرعونیوں کی غرقابی

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری تو وہ پھٹ گیا اور اس میں خشک راستے بن گئے موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو ان راستوں پر ڈال دیا اور اس طرح وہ بحفاظت بحیرہ قلزم کو عبور کر گئے۔ خشک راستے ابھی تک موجود تھے اور فرعونی لشکر پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اس موقع پر اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا سمندر کو اسی طرح رکا ہوا چھوڑ دو تاکہ فرعونی لشکر بھی اپنی راستوں پر سمندر میں داخل ہو جائے۔ فرمایا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ فرعون کے اس لشکر کو ہم غرق کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب فرعون کا لشکر سمندر کے کنارے پر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ پانی میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں جن پر چل کر بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر چکے ہیں۔ چنانچہ سارا فرعونی لشکر جمع فرعون اپنی راستوں پر چل نکلا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ چنانچہ جب وہ سمندر کے درمیان پہنچے تو اللہ کے حکم سے پانی جاری ہو گیا اور پورے کا پورا لشکر بحیرہ قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا۔

فرعونیوں کی دولت

آگے اللہ نے عبرت اور انذار کے انداز میں فرمایا کَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اس غرق ہونے والی قوم نے اپنے پیچھے کتنے باغات اور چشمے چھوڑے مصر بڑا زرخیز ملک تھا۔ ڈیم بنے ہوئے تھے۔ نہریں جاری تھیں، پانی وافر تھا جس سے زمین سیراب ہوتی تھی اور بے شمار باغات اور چشمے تھے وَزُرُوْعٍ اور کھیتیاں تھیں جن میں غلہ پیدا ہوتا تھا وَمَقَامٍ كَرِيْمٍ اور عزت کے مقامات تھے یعنی ان کے محلات، عالیشان کوٹھیاں اور مکان تھے۔ جہاں وہ باعزت رہتے تھے اور جہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔ بڑی بڑی مصنوعی عمارات کے نمونے تو آج بھی اہرام مصر اور دیگر گنبدوں اور میناروں کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں فرعون اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ فرمایا اس کے علاوہ وَّنَعْمَةٍ دیگر بہت سی نعمتیں بھی میسر تھیں جن کے ذریعے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ اور جن میں یہ لوگ خوشیاں منایا کرتے تھے وہ سب کچھ یہیں چھوڑ گئے۔

فرمایا كَذٰلِكَ یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (آیت ۷۸) دریا کی موجیں ان پر چھا گئیں اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا سوائے فرعون کی لاش کے کہ جس کو عبرت کے لیے پانی سے باہر پھینک دیا گیا جو آج بھی عجائب گھر میں لوگوں کو درس عبرت دے رہی ہے۔ فرمایا یہ فرعونی جو کچھ بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئے وَّاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ہم نے اس کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا۔ یہ باغات، چشمے، محلات اور تمام نعمتوں پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہوا اور وہ ان سے مستفید ہونے لگے۔

یہ کون لوگ تھے جو فرعونیوں کی متروکہ جائیداد کے وارث بنے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا۔ مگر یہ بات آیت کے خلاف ہے کیونکہ بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر کے صحرائے سینا

ی ذات ہیں گئے اور فرعونیوں کی غرقابی کے باوجود واپس مصر نہیں گئے۔ البتہ بہت آگے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو مصر پر دوبارہ تسلط حاصل ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے یہی دوبارہ حاصل ہونا مراد ہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد یہ نہیں بلکہ ان جیسی کسی وراثت کا نہ ہونا ہو۔ فرعونی غرقابی کے وقت چھوڑ گئے تھے بلکہ اس سے ان جیسی دوسری چیزوں کی وراثت مراد ہو جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شام و فلسطین کی سرزمین میں عطا فرمائی۔ وہاں بھی اللہ نے ان کو باغات، کھیتیاں اور محلات کا وارث بنایا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد فرعونیوں کے ملک کی مثل ملک ہو۔ اور اللہ نے اس طرح اپنا وعدہ پورا کر دیا ہو۔

وراثت کا مفہوم

قوم فرعون کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ ان کی ہلاکت پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین۔ احادیث سے اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ ارض و سما کو فرعونیوں کی ہلاکت پر قطعاً افسوس نہ ہوا۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب کسی نیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین افسوس کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے جب کسی نافرمان آدمی کی موت واقع ہوتی ہے تو زمین، آسمان، شجر و حجر، غرضیکہ ہر چیز اللہ کا شکر ادا کرتی ہے کہ اللہ کی مخلوق اس شریر آدمی کی شرارت سے محفوظ ہو گئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ ہر مومن آدمی کے لیے آسمان میں دو دروازے کھلے رہتے ہیں۔ ایک وہ دروازہ ہے جس سے اس کے نیک اعمال اوپر جاتے ہیں جب کہ دوسرا دروازہ اس کے لیے روزی کا حکم نازل ہوتا ہے۔ جب وہ شخص اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو دونوں دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس پر یہ دروازے افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ روتے ہیں کہ اس عبد مومن کے نیک اعمال کی آمد بند ہو گئی اور اس کے لیے روزی کا حکم بھی بند ہو گیا۔ اسی طرح زمین کے دو مقامات یعنی وہ جگہ جہاں وہ نیک آدمی عبادت کرتا تھا یا جس کے دروازے کا وہ استعمال کرتا تھا اور بھی روتے ہیں کہ آج وہ نیک اعمال اور عبادات ختم ہو گئیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ارض و سما کا رونا ان کی طبعی طور پر بے چینی کا
نیک آدمی کی موت پہ اظہار کرنے سے تعبیر کیا گیا
ہے۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ
چاہے تو جمادات اور جانوروں میں بھی رونے کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ
احادیث میں خانہ کعبہ کے خطاب سننے کا ذکر آتا ہے جو مسجدوں میں ذکر ہوتا تھا
اور جس کے ساتھ ٹیک لگا کر حضور علیہ السلام خطاب کیا کرتے تھے جب
آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اس پہ تشریف لے گئے اس سے پہلے
یہ وہ کھجور کا خشک تنا بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ پھر آپ نے اسے
دست شفقت رکھا تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے
اسی طرح ارض و سما بھی روتے ہوں جنہیں ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ ارشاد فرمایا
کہ فرعونیوں کی موت پہ نہ تو ارض و سما روئے وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ
اور نہ ہی ان کو مہلت دی گئی کہ وہ اپنی اصلاح کر سکتے بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے
ذلیل و خوار کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مِنَ ٱلْعَذَابِ ٱلْمُهِينِ ﴿٣٠﴾
مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾
وَلَقَدِ ٱخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾
وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ ٱلْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا۟ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾
إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِىَ إِلَّا مَوْتَتُنَا
ٱلْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا۟ بِـَٔابَآئِنَآ
إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ
تُبَّعٍ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ
كَانُوا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَٰوَٰتِ
وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَٰهُمَآ
إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ
يَوْمَ ٱلْفَصْلِ مِيقَٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِى
مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْـًٔا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا
مَن رَّحِمَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ ع ١٣ ١٥

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو
ذلت ناک عذاب سے ﴿٣٠﴾ فرعون سے، بیشک تھا وہ متکبر

اور جد سے بڑھنے والا ㉛ اور البتہ تحقیق ہم نے منتخب کیا
اُن (بنی اسرائیل) کو علم کے ساتھ جہان والوں پر ㉜ اور دی
ہم نے اُن کو نشانیوں میں سے (جن میں) صریح آزمائش
تھی ㉝ بیشک یہ لوگ (اہلِ مکہ) کہتے ہیں ㉞ نہیں ہے یہ
مگر ہماری پہلی ہی موت، اور نہیں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں
گے ㉟ پس لے آؤ ہمارے آباؤ اجداد کو اگر تم سچے
ہو ㊱ کیا یہ بہتر ہیں یا قومِ تبع اور وہ لوگ جو اُن سے
پہلے گزرے ہیں، ہم نے اُن کو ہلاک کیا، بے شک تھے
وہ مجرم ㊲ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین
کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے ㊳ اور نہیں پیدا کیا ہم نے
انکو مگر حق کے ساتھ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے ㊴ بیشک
فیصلے کا دن ان کے وعدے کا دن ہے سب کا ㊵
جس دن نہ بچائے گا کوئی رفیق (ساتھی) دوسرے رفیق
سے کچھ بھی، اور نہ اس کی مدد کی جائے گی ㊶ مگر وہ کہ
جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، بیشک وہ زبردست اور
نہایت رحم کرنے والا ہے ㊷

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور معاد کا مسئلہ سمجھانے کے لیے سابقہ اقوام اور خاص طور پر قومِ فرعون کا ذکر کیا، پھر اُن کے انجام کو بھی بیان کیا جو اُن کے غرور و تکبر کی وجہ سے ہوا۔ وہ لوگ خود تو بحرِ قلزم میں غرق ہو گئے اور اپنے پیچھے باغات، چشمے، عمارات اور دیگر عیش و عشرت کی اشیاء چھوڑ گئے جن کا وارث اللہ نے دوسرے لوگوں کو بنایا۔ اللہ نے یہ بھی عبرت کے طور پر فرمایا کہ ان نافرمانوں کی ہلاکت پر آسمان و زمین روئے یعنی انہوں نے کوئی افسوس نہ کیا۔ جب ان لوگوں پر گرفت آئی تو پھر انہیں سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے

دلیر و کاروں کی تسلی ہی مطلوب تھی کہ اگر ان کے مخالفین بھی سابقہ اقوام کے نافرمانوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں تو ان کا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

آزادی کی نعمت

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل آزاد ہو کر صحرائے سینا کی طرف چلے گئے۔ فرعون کی غلامی سے آزادی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کا تذکرہ اللہ نے اس مقام پر احسان کے طور پر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی۔ بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے۔ مِن فِرْعَوْنَ یعنی فرعون اور اس کے حواریوں سے۔ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ بے شک وہ سرکش متکبر اور حد سے بڑھنے والا تھا۔

بنی اسرائیل کی غلامی اور پھر آزادی کی داستان تقریباً چار صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل تھا تو بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) افراد مصر میں داخل ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس سرزمین میں قبطی قوم آباد تھی اور یوسف علیہ السلام کے بعد اسی قوم کے بادشاہ حکمران بنے۔ اس قوم کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک تیسواں فرعون مسند سلطنت پر متمکن تھا۔ اکثریت کی بنا پر قبطی قوم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان سے جبراً طرح طرح کی بیگار لیتے۔ ان کو حقیر جانتے اور ان پر مظالم ڈھاتے جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرعون کو دعوت توحید دی بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلاتے ہوئے یاد دلایا کہ میں نے تمہاری بچپن میں پرورش کی۔ اور تم سال ہا سال تک ہمارے ہاں مقیم رہے۔ اور پھر جب تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تو پھر بھی ہم نے تجھ سے درگزر کیا۔ اور اب تم ہمیں توحید کی دعوت دینے آئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو ایک شخص کو غلطی سے قتل کیا تھا۔ حالانکہ میرا ارادہ قطعاً قتل کا نہ تھا۔ اس کے برخلاف تیرا مجھ پر یہ احسان ہے أَنْ عَبَّدتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ (الشعراء ۲۲) کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ بہرحال فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا اور بنی اسرائیل کو بدستور غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے نتیجے میں فرعونیوں کے مظالم مزید بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں فرعون سے نجات کی درخواست کی تو اللہ نے فرمایا کہ
بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ جب آپ قوم کے ہمراہ بحر قلزم پر پہنچے تو اللہ
نے وہاں بھی مدد فرمائی اور سمندر کے بیچوں بیچ خشک راستے بنا دیئے جن پر چل کر
بنی اسرائیل سمندر سے پار چلے گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر تعاقب میں آیا۔ جب
انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل اس خشک راستوں سے صحیح سلامت گزر گئے ہیں تو وہ بھی
بھی اپنے گھوڑے انہی راستوں پر ڈال دیئے۔ جب سب لشکر درمیان میں پہنچے تو اللہ کے
حکم سے سمندر کا پانی مل گیا اور تمام لشکر کا فرعون سمیت غرق ہو گیا۔ اس وقت فرعون کی زبان
سے بے اختیار یہ کلمات نکل گئے اور وہ سمندر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا
میں چلے گئے۔ اسی واقعہ کا ذکر اللہ نے یہاں کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو نجات
دی تو اللہ کا عذاب سے

فرعون کی لعنت

اس مقام پر تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مراد میں فرعون کی معیت سے تھی یہ
بنی اسرائیل سمندروں سے بچتے ہوئے تھے۔ فرعون بچ جاتے تو ایک لعنت بنتے رہتے
القرآن میں اللہ تعالیٰ نے آزاد اور غلام کا تقابل فرمایا کہ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے جب کہ آزاد
آدمی اپنی ہر چیز کا مالک اور تصرف ہوتا ہے اور ہر قسم کی [illegible]
علی شئی۔ (آیت ۷۵) غلام آدمی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ غلام خواہ کتنی ہی اعلیٰ
غیر معمولی صلاحیتوں کا ہے۔ اس سے اس کی فطرت خراب نہیں ہو جاتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ
غلام کی اپنی کوئی شے نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے
اس کی کوئی ضمیر ہی نہیں ہوتی۔

شخصی غلامی کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا اور نزول قرآن کے زمانے میں یہ
دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا تھا۔ یہ رواج تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکا ہے مگر اقتصادی
غلامی، یعنی سیاسی، دینی، اقتصادی اور تہذیبی غلامی آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ تمام ترقی
پذیر ممالک ترقی یافتہ ممالک کے کسی نہ کسی صورت میں غلام ہیں۔ سیاسی طور پر یہ ملک کر
اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ انہیں کسی سپر طاقت کی خوشنودی
کو مقدم رکھنا پڑتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے پسماندہ ممالک کو اقتصادی غلامی میں [illegible]

رکھا ہے جس سے وہ چاہنے کے باوجود نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ سرمایہ دار ممالک ایٹو کے نام پر قرضے دیتے ہیں اور پھر غریب ممالک کو اس جال میں بری طرح جکڑ لیتے ہیں۔ اس نام نہاد امداد کی ادائیگی شرط یہ ہوتی ہے کہ امداد دینے والے ملک سے مال خریدا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مشیر بھی امداد وصول کنندہ ملک میں بھیج دیتا ہے اس طرح یہ ممالک کچھ فائدہ تو اس تجارتی لین دین میں اٹھا لیتے ہیں اور کچھ قرضہ مشیروں کی تنخواہوں اور مراعات کی شکل میں واپس لے لیتے ہیں۔ مزید یہ ملک بیچارہ قرضے اور اس پر سود کی ادائیگی کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ قرضے پر ادا کیے جانے والے سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضہ لینا پڑتا ہے۔ اور اس طرح غریب ممالک اقتصادی طور پر غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔

جب قرض دہندہ ملک سے مشیر آتے ہیں تو وہ اپنی تہذیب اور ثقافت بھی ساتھ لاتے ہیں۔ اس طرح جن غریب ممالک سے لوگ اعلیٰ تعلیمی و ثقافت پروگرام میں جاتے ہیں، وہ بھی ان کی تہذیب میں رنگے جاتے ہیں اور واپسی کا ذہن لے کر واپس آتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی پھر مقامی لوگ بھی وہی تہذیب اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس میں عزت جانتے ہیں۔ اس طرح غریب ممالک اقتصادی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور تہذیبی غلامی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں وہ اپنی تہذیب و ثقافت حتیٰ کہ اپنی زبان کو بھی حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ہر کام میں ترقی یافتہ ممالک کی نقالی میں ہی عزت خیال کرتے ہیں۔ ہمارا ملک بھی ایسی ہی سیاسی، اقتصادی، ذہنی اور تہذیبی غلامی کا شکار ہے۔ اس کی ہر پالیسی باہر سے بن کر آتی ہے۔ اس پر عمل درآمد کے لیے مشیر آتے ہیں۔ سود پر قرضہ حاصل کیا جاتا ہے اور آج حالت یہ ہے کہ پاکستان اربوں ڈالر کا مقروض ہے۔ ان قرضوں پر صرف سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں اور اس طرح ہم ایسے گرداب میں پھنس چکے ہیں جس سے نکلنا محال نظر آتا ہے۔

انگریز جیسے ہی مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے برصغیر میں مسلمانوں کو مغلوب کر کے حکومت حاصل کی، لہٰذا وہ ان سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور انہیں ہر صورت میں

دبانے کے لئے کوشش کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کو مسلمانوں کو کچلنے کا جب
اور جہاں موقع ملا، چنانچہ اس نے دہلی علماء اور سپاہیوں کو قتل کروا دیا۔ بعض کو
جزائر انڈیمان میں قید کر دیا۔ بعض کی جائیدادیں چھین لیں اور ان کو ہر طرح کے مظالم کا
شکار بنایا۔ انگریز جانتے تھے کہ اگر جرمنی کے لوگ آزادی حاصل کرنے میں کامیاب
ہو گئے تو اور یورپی ممالک بھی ان کا تسلط زیادہ دیر برداشت نہیں کریں گے چنانچہ
ایسا ہوا۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں جب انگریزوں کو یہاں سے جانا پڑا تو اور یورپی ممالک
کو بھی آزادی حاصل ہوئی۔ اسطرح ہمارے بھی آزادی حاصل کرنے کا جس اب تک
ہونے میں جنگ پس منظر کا کسی نہ کسی حد تک ہاتھ رہا ہے۔ فرانس، جرمنی، برطانیہ کے مقابلے میں
علامہ اقبال" غلامی میں نہ کام آتی ہے تدبیر نہ شمشیر" کا مقولہ بے معنی ہو چکے ہیں۔
ترقی یافتہ ممالک کے رحم و کرم پر ہیں۔

غلامی کی ایک صورت فکر و نظریات بھی ہوتی ہے۔ زبردست قومیں زیردست
قوموں میں فرقہ پرستی اور گروہ بندی کو ہوا دیتی اور پھر ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ساتھ لڑا
دیتی ہے اور خود خاموش رہ کر فریق اپنے آقا کے محتاج بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ اقوام
حکومت کرو کا فارمولا کامیابی کے ساتھ آزماتے رہتے ہیں۔ ہم مسلمان آٹھ سو سال سے
اس حساب میں بغداد چلے آ رہے ہیں تاتاریوں کے ملنے سے ہمارے قدم اکھڑ گئے
جو آج تک نہیں سنبھل سکے ترکوں نے چار سو سال تک خلافت قائم رکھی مگر بالآخر
مغلوب ہو گئے حتیٰ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے نام نہاد "خلافت" کا خاتمہ کر دیا۔
اب دنیا میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں ہے مگر وہ اس قدر بے بس ہیں کہ کوئی بیرونی
دوست کی مدد نہیں کر سکتا۔ گویا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت باطل ہو چکی ہے حضرت
مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ جس قوم کا اپنا فلسفہ نہیں ہوتا وہ دوسروں کے غلام
ہو جاتے ہیں۔ جب سے مسلمانوں میں اپنا ذہن، اپنا فلسفہ اور اپنی سوچ پیدا نہیں ہوئی
ہے دوسروں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ بہرحال یہ ایک ضمنی بات ہو گئی۔ فرنگیوں
نے جس اسلامی کو ذلت کی غلامی میں ڈالا وہ کون تھا، جس سے انہوں نے اپنی جان

دی اور جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

آزادی کی فضیلت

دین اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں غلامی کو روا رکھا گیا ہے۔ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ غلام بنانے کی صورت خود قرآن نے سورۂ قتال میں بیان کی ہے کہ جب دو متحارب گروہوں کے درمیان جنگ ہوتی تو اس کے نتیجے میں متحارب گروہوں کے قیدی بھی ایک دوسرے کی تحویل میں چلے جاتے۔ ان قیدیوں کو یا تو قتل کر دیا جاتا، یا آپس میں قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا، یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا۔ اور ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہوتی، تو ان کو غلام بنا لیا جاتا۔ جب اسلام آیا تو اس نے غلامی کے رواج کو قطعاً پسند نہیں کیا، بلکہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کو روا رکھا، کیونکہ اس وقت سارا کاروبار غلاموں کے ذریعے انجام پاتا تھا۔ اگر غلامی کو یکسر ختم کر دیا جاتا تو سارا کاروبار تلپٹ ہو کر رہ جاتا اور دنیا اقتصادی جمود کا شکار ہو جاتی۔ البتہ اسلام نے غلامی کے اس رواج میں ہر ممکن اصلاح کی کوشش کی، بلکہ اس کے خاتمہ کے لیے بہت سی ترغیبات بھی دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو انسانیت سے خارج نہ کرو۔ کسی وجہ سے تمہاری غلامی میں آ گئے ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرو، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔ ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور اگر کوئی مشقت طلب کام ان کے سپرد کرو تو اس میں خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

جہاں تک آزادی کی ترغیبات کا تعلق ہے۔ اسلام نے غلام کی آزادی کو بڑی فضیلت بخشی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے مختلف جنایات کا کفارہ غلام کی آزادی کو قرار دیا ہے۔ قسم توڑنے، بلاوجہ روزہ توڑنے اور ظہار کا کفارہ بھی غلام کی آزادی مقرر کیا گیا ہے۔ اگر غلام میں صلاحیت ہو تو اسے مکاتبت کے ذریعے بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ نور میں موجود ہے کہ اگر تمہارے غلام رقم سے مکاتبت چاہیں یعنی مقررہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرنا چاہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ نہ بنو فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (آیت ۳۳) اگر ان میں

بہتری یا تو انہیں مثبت کے طور پر آزاد کر دو، پھر جب وہ مقررہ رقم ادا کر چکیں تو انہیں مکمل آزادی مل جائے گی۔ اسی طرح اگر غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کا کفارہ بھی یہی غلام کی آزادی ہے۔ بہرحال اسلام نے اس وقت غلامی میں اصلاح اور اس کی آزادی کا راستہ اختیار کیا جب ساری دنیا اس لعنت میں گرفتار تھی اور اب جب کہ دنیا بھر میں غلامی ختم ہو چکی ہے تو اسلام کو اس میں کچھ اعتراض نہیں بلکہ یہ اسلام ہی کے ایک حکم کی تکمیل ہے۔ غرضیکہ اس کے اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کہ اسلام نے غلامی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخی واقعات کی طرف اشارہ

اس آیت میں بنی اسرائیل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے علم کے ساتھ بنی اسرائیل کو جہان والوں پر منتخب فرمایا۔ یہ اس دور کی بات ہے۔ اس زمانے میں واقعی بنی اسرائیل کو اللہ نے باقی اقوام عالم پر فضیلت بخشی۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا زمانہ مبارک آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کو تمام امم پر فضیلت عطا فرمائی اور اس کو خَيْرَ اُمَّةٍ کہہ کر خطاب فرمایا کہ تم جہان بھر میں بہترین امت ہو۔ تاہم اپنے دور میں بنی اسرائیل کو بھی فضیلت حاصل تھی علیٰ چلو کا مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے تھے کہ اس امت میں بہت سی کمزوریاں بھی تھیں لیکن اس کے باوجود اللہ نے ان کو باقی لوگوں کے مقابلے میں منتخب فرمایا۔

نیز فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ اور ہم نے ان کو بہت سی نشانیاں بھی دیں جن میں ان کی صریح آزمائش تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ بنی اسرائیل کے لیے بادلوں کا سایہ کیا، ان پر من و سلویٰ نازل کیا، اس سے پہلے بحر قلزم میں راستے بنا کر ان کو پار کرایا اور اس طرح انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ سب معجزات اور نشانیاں تھیں جن سے بنی اسرائیل مستفید ہوئے۔

فرعون اور اس کے عمائدین

اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کا حال تو کر کے فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ جیسے کہ

بیشک بیٹے اور عرب کے مشرک لوگ کہتے ہیں۔ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى
یہ ہماری پہلی موت ہی ہے جو آنے والی ہے وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ اور ہم دوبارہ
نہیں اٹھائے جائیں گے کیا انہوں نے معاد کا انکار کر دیا تھا گزشتہ سے
کہنے کے مطابق تمام مردوں کو دوبارہ جی اٹھنا ہے فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو پھر ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم اپنے
دعوٰی میں سچے ہو۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو دوبارہ
زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، حساب کتاب کی منزل بہرحال آنی ہے اور
پھر جزا و سزا کے فیصلے ہونے ہیں۔

اللہ نے فرمایا۔ یہ کتنے مغرور لوگ ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ذرا ان سے
پوچھو اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ کیا یہ بہتر ہیں یا قوم تبع۔ اس قوم کا تعلق یمن سے
قبیلہ حمیر سے تھا۔ یہ خاندان اڑھائی تین سو سال تک سبا میں حکمران رہا۔ وہاں پر کئی تبع
گزرے ہیں بعض بڑا اوسط اور چھوٹا۔ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اوسط تبع کا ذکر ہے
جو خود تو مسلمان تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ سارے سلمان کے لحاظ سے اللہ نے ان کو
بہت کچھ دے رکھا تھا اور بڑے آسودہ حال لوگ تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تبع کو
برا نہ کہو کیونکہ وہ ایمان والا تھا۔ تو فرمایا تبع کے مقابلہ ان مشرکین مکہ کی کیا حیثیت ہے
ذرا ان سے پوچھو کہ یہ بہتر ہیں یا قوم تُبَّعٍ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یا وہ لوگ بہتر تھے جو
ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ ان کے پاس تو مال و دولت اور جاہ و حشمت بھی نہ تھا
تھا مگر ان کے پاس کیا رکھا ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔
اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ کیونکہ وہ مجرم لوگ تھے جب بھی انہوں نے
اللہ کے نبی کا پیغام توحید اور رسالت کا انکار کیا ہے تو یہ جرائم سے کیے ہیں
سکتے ہیں۔ فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
لٰعِبِيْنَ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو محض کھیل کے
طور پر تو پیدا نہیں کر دیا۔ بلکہ ہم نے کائنات کی تخلیق میں ہماری حکمت کارفرما ہے جس

چیز وقوع پذیر ہے اس کا وقوع بھی ضرور واقع ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی اور حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

فرمایا ہم نے زمین و آسمان اور کائنات باطل نہیں بنائی مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے ارض و سما کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں جو اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ فرمایا اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ بے شک فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا دن ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب تمام امور کے بارے حتمی فیصلے کیے جائیں گے۔ اس دن ان کو پتہ چلے گا کہ بعث بعد الموت برحق ہے اور ہر شخص کو اپنے کیے کا حساب دینا پڑے گا۔ یہ ایسا دن ہوگا يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا جس دن کوئی شخص، دوست اور ساتھی کسی دوسرے شخص کے کام نہیں آسکے گا بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ اور نہ ہی ان کی کسی دوسرے طریقے سے مدد کی جائے گی۔ اس دن ایمان اور نیکی ہی کام آنے کی چیز ہے جس کے پاس یہ چیزیں ہوں گی وہی مامون ہوگا اِلَّا مَنْ رَحِمَ اللّٰهُ إِلَّا جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ نوازے گا۔ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اللہ کی رحمانی امداد اس شخص پر ہوگی جو دنیا میں خدا کی وحدانیت پر ایمان لایا، اس کے رسول کا متبع، اللہ کی کتاب، ملائکہ اور بعث بعد الموت پر یقین کیا۔ فرمایا اِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ بے شک وہ کامل قدرت کا مالک اور بے حد رحم کرنے والا بھی ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرے گا۔ وہ ضرور اس کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ اس کی رحمت سے نا امید نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کا بندوبست بھی کرنا چاہیئے۔

الصّٰفّٰت ٣٧
ركوعها ٥

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ
يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ
فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ
رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾
فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ
وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ
بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ
الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِنْ
رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ
بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ
مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

ع ١٤ ١٦

ترجمہ:- بے شک تھوہر کا درخت ﴿٤٣﴾ کھانا ہے گناہ گار کا ﴿٤٤﴾
پگھلے ہوئے تانبے کی طرح، جو کھولتا ہے پیٹوں میں ﴿٤٥﴾

جیسے کھولتا ہوا پانی ﴿۲۰﴾ دانتہ ہوگا، پکڑ لو اس کو پھر
کھینچ کر لے جاؤ جہنم کے درمیان ﴿۲۱﴾ پھر ڈالو اس کے
سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ﴿۲۲﴾ چکھا جائے گا تو
بے شک تو غالب اور عزت والا تھا ﴿۲۳﴾ بیشک یہ وہی
چیز ہے جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے ﴿۲۴﴾
بیشک متقی ڈرنے والے لوگ امن کے مقام میں ہوں
گے ﴿۲۵﴾ باغوں اور چشموں میں ﴿۲۶﴾ پہنیں گے وہ باریک ریشم
اور موٹا ریشم، آمنے سامنے ہوں گے ﴿۲۷﴾ اسی طرح ہوگا۔ ہم
بیاہ دیں گے ان کو موٹی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ﴿۲۸﴾
وہ منگوائیں گے اس میں ہر قسم کا پھل امن سے ﴿۲۹﴾ نہ چکھیں
گے اس میں موت کو، لیکن وہی موت جو پہلے ہو چکی۔ اور بچا لیا
جائے گا ان کو جہنم کے عذاب سے ﴿۳۰﴾ یہ فضل ہے تیرے
پروردگار کی طرف سے، اور یہ ہے کامیابی بڑی ﴿۳۱﴾ سو اے پیغمبر!
بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپ کی زبان
میں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں ﴿۳۲﴾ پس آپ انتظار کریں
بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۳۳﴾

ربط آیات

پہلے قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان کی۔ پھر توحید کا مسئلہ سمجھایا، مشرکین کی
قباحت۔ شرک کا رد اور پھر اس کا ایک اور بھی بیان ہوا۔ حق کی مخالفت کرنے والوں
میں فرعون اور اس کے حواریوں کا تذکرہ ہوا اور پھر ان کی غرقابی کا ذکر بھی ہوا۔ اللہ نے
بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کو اپنے زمانے میں جہان العرب میں
فضیلت عطا کی۔ پھر قریش مکہ اور مشرکین عرب کو متنبہ کیا گیا کہ تم سے پہلے قرن کے قرن جیسے
بڑے بڑے مادی سامان اور دولت والے لوگ گزر چکے ہیں۔ ان کے حالات سے
عبرت پکڑو۔ قرآن بنا پر قیامت کا [illegible] کر رہا ہے۔ فرمایا پھر بھی اللہ اور

ان کے درمیان کی اشیاء کو محض لہو و لعب کے طور پر نہیں بنایا بلکہ ان کی تخلیق خاص حکمت اور مصلحت کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ آخری فیصلے کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ اس دن سب اگلے پچھلے اکٹھے ہوں گے۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا اور نہ کہیں سے مدد پہنچے گی ہاں! جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوگی۔ وہ اس کے غضب سے بچ جائے گا۔

ربط کلام

اب آج کے درس میں ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں پہلے مجرموں کو ڈرایا گیا ہے اور آئندہ پیش آنے والے حالات کا کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ہے شک تھوہر کا درخت طَعَامُ الْاَثِیْمِ گنہگار کا کھانا ہے۔ جہنم میں تھوہر کا درخت دوزخیوں کی خوراک ہے گا۔ جب ان مجرموں سے تھوہر کے کھانے کے لیے تھوہر کا درخت پیش کیا جائے گا۔ اس کی کیفیت یہ ہوگی کَالْمُهْلِ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ جو کھانے کے بعد پیٹوں میں جا کر کھولے گا یعنی جوش مارے گا کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔ گنہگاروں کی اس شجرہ کی کیفیت سورۃ الغاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا ان کے لیے خار دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ (آیت ۷) جو نہ فربہی لائے گا اور نہ بھوک کو مٹائے گا۔ سورۃ الواقعہ میں بھی مجرموں کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (آیت ۵۲) کہ تم تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے اور پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پانی پیتے ہیں۔ ترمذی شریف اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو! اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یاد رکھو! اگر زقوم کے تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو دنیا کی ساری چیزیں اس قدر کڑوی اور تلخ ہو جائیں کہ کھانے پینے کے قابل نہ رہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی خوراک یہ درخت ہوگا ان کی کیا حالت ہوگی۔

تصویر کا پورا ایشیا اور افریقہ دونوں براعظموں میں پایا جاتا ہے۔ ہر افریقی تصویر نسبتاً زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اس سے گوند بھی نکالا جاتا ہے جس کی تاثیر سخت گرم ہوتی ہے۔ پتا کڑوا اور تلخ ہوتا ہے، تاہم سنکھیا کی طرح اس کو ابال کر کے بعض ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے مکان پر کے قیام کے دوران دو ہندو نوجوان طالب علموں نے سوال پیش کیا کہ قرآن نے تصویر کو دوزخیوں کی خوراک بتایا ہے حالانکہ اس کا پھل بیماں کھیں کھایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ نے تصویر کے درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ جہنم کے کڑوا اور دوزخیوں کی خوراک ہے مگر ہو سکتا ہے کہ اس کے پھل سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ نیز جس تصویر کا پھل اس دنیا میں کھایا جاتا ہے وہ اس دنیا کا تصویر ہے، جب کہ جو تصویر دوزخیوں کی خوراک ہے، وہ جہنم کا تصویر ہوگا۔ جیسے بیماں کے تصویر کی تمام چیزیں کی جا سکتی۔

فرمایا کہ جب تو دوزخیوں کی خوراک تصویر درخت ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے پانی تصویر کے لیے اللہ تعالیٰ فرمائے گا خذوہ فغلوہ ثم صبوا فوق رأسہ من عذاب الحمیم کو لے کر اس کو گھسیٹو اور جہنم کے درمیان لے جاؤ اور اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔ دوزخیوں میں ایک تو ویسے ہی جہنم کی آگ ہوگی اس کے علاوہ دوزخی سے سخت گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ سے داخل ہو کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل جائے گا۔ اس قسم کی سزا کا ذکر سورۃ قتال میں بھی آیا ہے وسقوا ماء حمیما فقطع امعاءھم (آیت ۱۵) دوزخیوں کو جو پانی پلایا جائے گا جو اُن کی آنتوں کو کاٹ کر باہر چھینک دے گا وہ آنتیں پھر اپنی جگہ پر آجائیں گی پھر پانی پلایا جائے گا اور پھر آنتیں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح دوزخیوں کی ایک اور سزا کے متعلق فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا (النساء ۵۶) کہ دوزخ کی آگ میں جب کبھی

کھال جل جائے گی۔ کر فوراً دوسری کھال پیدا کر دی جائے گی۔ اس طرح یہ سزا مسلسل جاری رہے گی۔

بہر حال اس مقام پر فرمایا کہ دوزخی کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اور پھر اس سے کہا جائے گا ذُقْ اس کا مزا چکھ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ بیشک تو دنیا میں بڑا غالب اور عزت والا بنا پھرتا تھا۔ دنیا میں اس قسم کے بہت سے شریر سرکش لوگ ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے تھے۔ ابوجہل بھی انہی لوگوں میں سے تھا، جو کہا کرتا تھا کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ کون عزت والا ہے؟ جتنی بھی مسلمان پر کیا بنا سکتے ہیں؟ اس طرح وہ اپنی سرداری کا چرچا کیا کرتا تھا۔

مجرمین کی سزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ دوزخ والوں سے اس طرح خطاب کیا جائے گا اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کے متعلق تم شک کیا کرتے تھے۔ جب اللہ کے نبی تمہیں قیامت کے برے انجام سے ڈراتے تھے تو تم کہا کرتے تھے کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ محض دھوکہ ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص دوبارہ زندہ ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا ان چیزوں کو سچ نہیں مانتے تھے بلکہ ان میں شک و تردد کا اظہار کرتے تھے۔ لو آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور سزا کا مزا چکھ لو۔

مجرمین کی سزا کے تذکرہ کے بعد اب اللہ نے نیکوکاروں کے لیے انعامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ بے شک اللہ سے ڈرنے والے متقی لوگ جنہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا اور حدود شرعی کی مخالفت کی وہ امن و چین کے مقام میں ہوں گے اور وہ مقام کیا ہے؟ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وہ باغات اور چشمے ہیں جہاں وہ پھریں گے۔ وہاں انہیں ہر طرح کی آسائش حاصل ہوگی۔ اور وہ کسی جسمانی، روحانی یا ذہنی

پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

اہل جنت کے متعلق فرمایا یَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ اگلے مقام میں وہ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہوتی ہے کسی کو باریک کپڑا پسند ہوتا ہے اور کسی کو موٹا۔ اُن کا انتخاب اپنی مرضی کا ہوگا اور جس قسم کا لباس چاہیں گے لیا کیا جائے گا۔ بعض اس کا یہ مطلب بھی لیتے ہیں کہ اہل جنت خود تو باریک ریشم کا لباس پہنا کریں گے جب کہ اپنے خدام کے لیے موٹی قسم کا لباس بنوائیں گے۔ ویسے ریشم ہے جو اس دنیا میں مردوں کے پہننے حرام ہے اور آخرت میں حلال ہوگا۔ فرمایا متقی لوگ ایسا لباس پہنے مُّتَّقٰبِلِیْنَ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ یعنی کوئی متقی کسی دوسرے سے روگردانی نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں تو بعض اوقات ایک دوسرے سے ناراضگی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ایک دوسرے سے میل ملاقات بھی بند ہو جاتی ہے۔ کہیں سرِ راہ ملاقات ہو جائے تو منہ پھیر لیا جاتا ہے۔ مگر جنت میں ناراضگی کی نہ تو کوئی وجہ ہوگی اور نہ اس کا امکان ہوگا۔ سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے خوش و خرم حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر متقی کے دل میں دوسرے کے لیے محبت و الفت کے جذبات ہوں گے۔

فرمایا کَذٰلِکَ یہ اسی طرح ہوگا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ہم ان کا جوڑوں کے ساتھ نکاح کر دیں گے، جو بڑی آنکھوں والی خوبصورت ہوں گی۔ جنت کی حوریں انسانی نوع سے نہیں بلکہ یہ ایک دوسری مخلوق ہے۔ اگرچہ یہ آسمان کی حوروں کا مادہ مٹی نہیں بلکہ یہ کوئی علیحدہ ہی پاکیزہ مخلوق ہے۔ جنت روایات میں مختلف انواع کی حوروں کا ذکر بھی آتا ہے۔ بعض نے عنبر اور مشک جیسے اعلیٰ مادہ کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال یہ جنتی مخلوق اہل جنت کو حاصل ہوگی اور یہ دنیاوی عورتوں کے علاوہ ہوں گی جن کا ذکر آگے بہت جگہ ہوا آگے اللہ نے جنتیوں کی ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے یَدْعُوْنَ فِیْهَا

[illegible] جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کا پھل امن اور سکھ کے ساتھ طلب کریں گے جو انہیں مہیا کیا جائے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ جونہی کسی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی اگلی بار جنت خود جنتی کے قریب آ رکھے جائے گی۔ وہ اس پھل کو اٹھا کر استعمال کرے گا اور اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

[illegible] سے مراد یہ ہے کہ پھلوں کے طلب اور حصول میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوگی۔ نہ موسم کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور نہ کسی پھل کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوگا۔ بلکہ جب اور جتنی مقدار میں کوئی جنتی کوئی خاص پھل حاصل کرنا چاہے گا، فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔ جہاں تک پھل کے ذائقہ کا تعلق ہے وہ نہایت ہی لذیذ ہوگا۔ اس دنیا میں تو بعض پھل کڑوے کسیلے اور طبیعت پر ناگوار بھی ہوتے ہیں مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر پھل ایسا خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہوگا۔ جس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ پھلوں کے علاوہ پرندوں کے گوشت کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ (الواقعہ۔ ۲۱) اور ان کی خواہش کے مطابق پرندوں کا گوشت بھی میسر ہوگا۔ جس قسم کا گوشت پسند کریں گے بغیر کسی محنت کے حاصل ہو جائے گا۔ غرضیکہ راحت کے اس سامان میں ہر جنتی کو مکان، خوراک، لباس اور بیوی جیسے آسائش کے سامان میسر ہوں گے۔ دنیا میں تو انسان کو کسی وقت بھی مکمل چین نصیب نہیں ہوتا۔ اور بقول سعدی صاحبِ انتہائی عیش و آرام کے لمحات میں بھی "اندر اجل موت" کا خوف پیش پیش ہوتا ہے کہ یہ موت کا خیال آتے ہی سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ پھر دنیا میں کسی نعمت مال و دولت، مکان، زمین، کاروبار، کارخانہ، اولاد وغیرہ کے چھن جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ مگر جنت میں ایسی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگی۔ جنت کی زندگی بھی دائمی ہوگی کہ اس میں موت کا خطرہ نہیں ہوگا اور وہاں کی نعمتیں بھی دائمی ہوں گی جن کے چھن جانے کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔

فرمایا لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وہاں موت کا کوئی خوف نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جو موت دنیا میں آچکی اب دوبارہ موت

[illegible] آئے گی۔ وَوَفَّيْنَاهُ مَغْفِرَةً لِلْمُحْسِنِينَ اور اللہ تعالیٰ نے [illegible] کے لئے
سے ہی بخشش کے لیے بھیجا تھا اب اگر کوئی [illegible] ہوں فرمایا فضلاً
عَنْ آیات حاصل ہونے والی ہے مَغْفِرَةً تیرے پروردگار کی طرف سے فضل اور احسان
ہے۔ اس کی مہربانی سے دنیا میں پاکیزہ کی نصیب ہوئی۔ [illegible] نیابت کا شرف نصیب
ہوا۔ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ کردار علیا اور [illegible] میں [illegible] اور [illegible] نصیب ہوئیں
ہوئیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ الْعَظِيْمُ
اور درحقیقت یہ بہت بڑی خوبیاں ہیں جو حاصل ہوئیں۔ دوسری جگہ فرمایا
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران ۱۸۵)
جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ دنیا کی چند آسائشیں
زندگی میں حاصل ہو گئیں لیکن کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف اس
دنیا میں تو ہر وقت کسی نہ کسی خطرے کے بادل انسان کے سر پر منڈلاتے رہتے ہیں
بیماری سے زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور موت کے چھن جانے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے
تو ہو سکتا ہے کہ کل نہ ہو۔

یہ عالم ہوا و ہوس ہے
ہر چند کہیں ہے نہیں ہے (غالب)

ابدی آرام اور راحت جنت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم کی فصاحت

سورۃ کے آخر میں اللہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کے متعلق فرمایا فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ (دخان ۵۹) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے اور اس کی غایت یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اللہ نے قرآن کریم کو [illegible] قوم کی [illegible] زبان میں نازل فرمایا اس کا یہ عام قانون ہے کہ ہر نبی کو اس کی اپنی زبان میں ہی [illegible] پیغام دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس زبان کے [illegible] تک تو [illegible] سمجھ سکے۔ [illegible] علیہ السلام کی [illegible] زبان عربی مقی اور [illegible] زبان آپ کے

حاذق قریش کی تھی، اللہ نے قرآن بھی اسی زبان میں نازل فرمایا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا تاکہ آپ کی قوم کے لوگ باقی لوگوں کے معلم بن جائیں اور حضور علیہ السلام ان کے معلم ہوں۔ اسی وجہ سے ابتدائی دور کے نزول کے متعلق یہ تصور نہ کیا جا سکتا کہ انہوں نے اللہ کے پروگرام کو نہیں سمجھا۔ قرآن مدنی میں نازل کرنے کا مقصد ہی تھا کہ اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھ کر آگے پہنچا سکیں۔ اس لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بننے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بقائی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیئے تاکہ بچے کا ذہن سے قبول کرے۔ پھر اس میں پختہ ہو جائے۔ جہاں تو لوگ ابتدا ہی انگریزی زبان سے کرتے ہیں عام اثر یہ غیر فطری چیز ہے۔ بعد میں بیشک جو بھی زبان چاہے سیکھے مگر آغاز اپنی زبان میں ہی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل ۱۵) ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرتے جب تک اس کے پاس اپنا رسول نہیں بھیج دیتے۔ رسول چونکہ اپنی قوم کی زبان بولتا ہے لہٰذا وہ انہیں احکام الٰہی اچھی طرح سمجھا دیتا ہے اور دین کے سمجھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ تمام حجت اتمام کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایمان اور توحید کو اختیار نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے میں حق بجانب ہوتا ہے۔

انتظار کرنا نبی

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! فَاصْبِرْ پس آپ انتظار کریں کیونکہ الْمُبْطِلُونَ آپ کے مخالفین بھی انتظار کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ کب آپ کا مشن ناکام ہوتا ہے اور آپ کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں جبکہ آپ کا انتظار اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں بھی نافرمانوں کو سزا دے دیتا ہے اور آخرت کی دائمی سزا تو آگے آنے والی ہے۔ آپ انتظار کریں اور دیکھیں کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔

سورة

# الجاثية

مكية

الجاثية ۴۵ — الیہ یرد ۲۵
آیت ۱ تا ۵ — رکوع ۱

## سورۃ الجاثیہ مکی ہے اس میں ۳۷ آیتیں اور ۴ رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۲﴾
اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾ وَ
فِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۴﴾
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ
الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿۵﴾

ترجمہ: حٰمٓ ﴿۱﴾ اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ﴿۲﴾ بیشک آسمانوں اور زمین میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے ﴿۳﴾ اور تمہاری پیدائش میں اور جو پھیلا رکھا ہے اس نے جانور، نشانیاں ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے ﴿۴﴾ اور رات اور دن کے اختلاف میں اور جو اتارا ہے اللہ نے آسمان کی طرف سے روزی، پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو

اُس کے خشک ہونے کے بعد اور ہواؤں کو پھیرنے
میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ۵

نام اور تلاوت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجاثیہ ہے جو اس کی آیت ۲۸ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اور تم ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکے ہوئے پاؤ گے۔ یہ قیامت کے دن حساب کتاب کی منزل کا ذکر ہے کہ اُس دن لوگ نہایت عاجزی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ بعض مفسرین کرام اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ الشریعہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی آیت ۱۸ میں شریعت کا ذکر بھی آتا ہے۔ ایک سورۃ کے متعدد نام ہونا کچھ غیر معروف بات نہیں کہ کئی سورتوں کے ہم پندرہ نام بھی پڑھ چکے ہیں۔ بعض مفسرین اس کا نام حٰمٓ الجاثیۃ۔ یا حٰمٓ الشریعۃ بھی ذکر کرتے ہیں۔

یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی چھٹی سورۃ ہے اور مکی زندگی کے آخری دور میں کی ترتیب سے نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی سینتیس ۳۷ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۴۴۶ کلمات اور ۲۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گزشتہ حوامیم سورتوں میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ تمام سورتیں لباب القرآن یعنی قرآن کریم کا خلاصہ کہلاتی ہیں کہ ان میں اسلام کے چاروں بنیادی عقائد توحید، رسالت معاد اور قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کو مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گزشتہ سورۃ میں حزب اللہ کے سلسلہ میں انذار کا پہلو غالب تھا اور اس سے پہلی سورۃ میں توحید کے دلائل کی طرف زیادہ رُخ تھا۔ اب اس سورۃ میں بھی توحید اور حزب اللہ کا ذکر ہے۔ گزشتہ سورۃ میں قوم تبع اور فرعون کے غرور و تکبر اور اُن کی ہلاکت کا ذکر تھا۔ تو اس سورۃ میں بعض لوگوں کی نافرمانی اور اُن کے انجام کا بیان آیا ہے۔

حروف مقطعات

دیگر حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتداء بھی حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتی ہے اگرچہ حضور علیہ السلام نے ان حروف کے معانی نہیں بتائے۔ تاہم مفسرین کرام لوگوں کی تقریب فہم کے لیے ان حروف کے بعض معانی بیان کرتے

ہیں۔ اور ان کا مذکورہ گزشتہ سورتوں کے آغاز میں بھی کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین کا قول ہے حٰمٓ خدا تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ایک اسم ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

بِاسْمِكَ حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَى حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

کہ میرا مقابل مجھے حٰمٓ کا واسطہ دیکر لڑائی بند کرنا چاہتا ہے سو اس نے یہ واسطہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کیوں نہ پیش کیا تاکہ لڑائی کی نوبت ہی نہ آتی۔ گویا حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے واسطے سے ایک فریق لڑائی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرف مقطعہ کا اشارہ کسی خاص حقیقت کی طرف ہوتا ہے لفظ میاں پر حٰمٓ کا اشارہ حکم کی الف اور حم کا ملک، ملک یا مجید کی طرف ہو سکتا ہے اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ حکم ازلی اور ملک ابدی الٰہ واحد لاشریک کے لیے ہے۔ گویا قرآن کریم اور اس سورۃ کا نزول حکم ازلی اور ملک ابدی کے نظام کا ایک حصہ ہے۔ اس بات کی تائید قرآن کریم کی بعض دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جیسے فرمایا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام - ۵۸) حکم اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (الانعام - ۶۲) خبردار! حکم اُسی کا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن - ۱۷) آج بادشاہت کس کی ہے؟ اکیلے اور غالب خدا کی غرضیکہ عبد عبید اور اجانے والا ہر حرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کا اشارہ احمد کی طرف ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حمد ہر نبی کے لیے ہر حالت میں ضروری ہے۔ فرشتے بھی ہر وقت اللہ کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔ اور دیگر ہر چیز بھی اللہ کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے جیسے قرآن کے مختلف مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(الجمعہ ۱۰) زمین و سماکی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حج کا اشارہ انسان کی قوت عالیہ کی طرف ہو سکتا ہے اور مطلب یہ کہ وہ اپنی قوت عالیہ کو درجہ کمال تک پہنچائے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حج کا اشارہ الحی کی طرف اور ہم کا اشارہ القیوم کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ خود قائم ہے اور ہر چیز کو وہی قائم رکھتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حج کا اشارہ حقانیت کی طرف ہو سکتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء عدم کا رنگ رکھتی ہیں۔ جب تک اور ثابت معرفت ذات خداوندی ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ کائنات اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں دراصل قدرت خداوندی کے مظاہر ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور آیات میں غور و فکر کرے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت معلوم ہو سکے اور وہ توحید الٰہی کو سمجھ سکے۔ جو شخص نشانات قدرت میں غور و فکر نہیں کرتا وہ دراصل اندھا ہے اور اسی لیے وہ توحید کا انکار کرتا ہے۔ خوفناک حد تک طرح انسان آنکھ سے اپنی شکل دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح وہ ان مظاہر قدرت کے ذریعے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حج کا اشارہ حیات کی طرف اور ہم کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو سکتا ہے اور اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حیات کی قسم بیان فرما کر اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حج کا اشارہ حمایت کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی حمایت کا وعدہ خود اٹھا لیا ہے وہ دنیا میں ضرور آپ کی مدد کرے گا اور دین اسلام کو پھیلائے گا یہی وجہ ہے کہ اس کے پیروکاروں نے اپنے حالات کی خرابی کے باوجود دین قیامت تک قائم رہے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی مشہور کتب الفوز الکبیر اور مقدمہ وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی زیادہ تر اجمالی یا مخفی طور پر ہی معلوم ہو سکے ہیں چنانچہ اللہ نے اس ذریعے سے ان حروف کے یہ معانی القا کیے ہیں اجمال کو اپنی مشیت یعنی یہ ایک ایسا اجمال ہے جو اس دنیا اور متدنس جہان میں لوگوں کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کے ساتھ ٹکراتا ہے اور لوگوں کے شکوک و شبہات کے مقابلے میں حق کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ اجمال نوعیت باطل عقائد و اعمال کی تردید اور حقیقت حال کو واضح کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کی یہ سورۃ یا کوئی دوسری سورۃ دیکھ لیں کہ ان حروف کے اجمال کے ذریعے سورۃ میں پیش آنے والے مضامین کی تفصیل بیان کر دی جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن پاک کا زیادہ حصہ تو محکم آیات پر مشتمل ہے جن کا مطلب اور مفہوم واضح ہے۔ دوسرا حصہ متشابہات کا ہے۔ ان آیات کے معانی تو معلوم ہیں مگر ان کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور تیسرا حصہ حروف مقطعات کا ہے جن کے نہ تو معانی ٹھیک ٹھیک معلوم ہیں اور نہ ہی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے بلکہ ان کو اسرار کے طور پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حروف کے بارے میں حضور علیہ السلام سے کوئی تفصیل منقول نہیں۔ ہاں! صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جب قرآن کریم کی وسیع اشاعت ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان حروف کے متعلق کچھ بیان فرمایا مگر وہ بھی یقینی نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور سلامتی والا راستہ وہی ہے جو امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے اللہ اعلم بمرادہ بذلک یعنی ان حروف کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے اٰمنا وصدقنا ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ بہت سی چیزیں ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہیں، لہٰذا ہمیں اس معاملہ میں زیادہ کرید نہیں کرنا چاہیے کہ اس طرح گمراہی میں پڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے

نزول کتاب

دیگر تمام سورتوں کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کمال قدرت کا مالک اور زبردست اور حکمتوں والا ہے۔ مشرکین مکہ اکثر اعتراض کرتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔ بعض کہتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض عجمی غلام کوئی چیز سکھا دیتے ہیں جس کو وہ قرآن بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے مختلف مقامات پر اس اعتراض کی تردید فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا معجزہ ہے اور اسی کی طرف سے اپنے نبی آخر الزمان علیہ السلام پر نازل کیا گیا ہے۔ زیر بحث آیات میں بھی اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہے۔

ارض و سما بطور نشانیاں قدرت

اگلی آیت میں اللہ نے توحید اور معاد کے بعض مشترک دلائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ بیشک آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں آپ کو سورج، چاند اور ٹمٹماتے ستارے نظر آئیں گے۔ رات کے وقت چمکنے والے کروڑوں کی تعداد میں سیارے اور تارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور پھر ہمارے پاؤں تلے آنے والی زمین کا اپنا وجود اور زمین کی سطح پر پائی جانے والی کروڑوں اشیاء، پتھر و کنکر وغیرہ۔ پھر زمین کے اندر کے حالات اور اس میں پائی جانے والی معدنیات، پانی، گیس اور تیل وغیرہ۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے سورج سے زمین کو الگ کیا ہے، سائنس دان، سورج اور ماہرین ارضیات وغیرہ تحقیقات کر رہے ہیں مگر اس زمین سے متعلق پوری معلومات حاصل نہیں کر سکے، ابھی تک زمین میں نیچے کی طرف صرف آٹھ میل تک کھدائی کی جا سکی ہے اور اس حد تک پائی جانے والی اشیاء کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکی ہیں۔

اس سے آگے سمت چلتے ہیں کہ ان میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ نامعلوم آگے جا کر کیسے کیسے حقائق منظر عام پر آنے والے ہیں۔

زمین دیکھ آسمانی کروں کی نسبت بہت چھوٹا سیارہ ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق کرۂ زمین سے تیرا لاکھ گنا بڑا ہے اور اس سے بڑے بڑے سیارے بھی کائنات میں موجود ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ تعرف ستارہ جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ وہ سورج سے بھی بیس گنا بڑا ہے۔ باریک بین سے نظر آنے والے ستاروں سے بنی ہوئی رات کو نظر آنے والی کہکشاں کی حقیقت کو کون جان سکتا ہے کہ اس میں کون کون سے راز پوشیدہ ہیں۔ زمین کے گرد کرۂ ہوا کی چند سو میل تک ہوا کا خول چڑھا ہوا ہے۔ اس ہوا میں بہت سی گیسیں ہیں۔ جن میں سے اہم ترین گیسیں آکسیجن ہے جس پر تمام جاندار اور نباتات کی زندگی کا انحصار ہے یہ ایک لطیف گیس ہے جو ہر سانس کے ذریعے ہر جاندار کے جسم کے اندر جا کر خون کو صاف کرتی ہے اور بقائے حیات کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہرحال فرمایا کہ زمین، اس کے اندر اور باہر پائی جانے والی چیزوں میں ہر انسان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر ان میں غور و فکر کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہو جاتا ہے۔

جانداروں کی تخلیق

ارض و سما کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَفِیْ خَلْقِکُمْ اور تمہاری اپنی پیدائش میں بھی بیشمار نشانیاں ہیں۔ سورۃ الذّٰریٰت میں ہے۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (آیت ۲۱) اور تمہارے نفسوں میں بھی اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ کیا تم ان کا مشاہدہ نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں بہت سے ظاہری اور باطنی نظام رکھے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی داخلی صلاحیتیں [illegible] معدہ، جگر، نظام تناسل وغیرہ سب حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ سائنسدان اور ڈاکٹر ابھی تک انسانی جسم کے صرف پچاس فیصد حصہ میں تحقیق مکمل کر چکے ہیں۔ جب کہ باقی پچاس فیصد حصے کے متعلق تحقیقات ابھی باقی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنی تخلیق اور اپنے وجود میں ہی غور کرو کہ اللہ نے کس طرح انسان کی تخلیق کی ہے اور پھر اسے کس قدر شرف بخش کر اسے اشرف المخلوقات بنا دیا اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی تمام چیزیں اس کی خدمت

ہے۔ یہ سب نشانات قدرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ فرمایا: حضرت تمہاری اپنی تخلیق میں بھی
وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھیلائے ہیں۔ اور بھی اس کی قدرت
کے نشانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اور فضا میں ہر
قسم کی جاندار مخلوق پیدا فرمائی ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ جمادات
کے اندر بسنے والی ان مخلوق کا شمار تو شاید ہی ممکن ہے۔ انسان محض چند اقسام
سے واقفیت حاصل کر سکا ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تہ میں کتنی
مخلوق آباد کر رکھی ہے۔ فرمایا سب کچھ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ نشانیاں ہیں
ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت
کے نشانات ہیں جو ان کے مشاہدہ کے بعد فوراً پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ۔ ۱۹۱) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض پیدا نہیں
کیا۔ بلکہ ان چیزوں میں تیری وحدانیت کے دلائل ہیں۔

شب و روز کا تغیر و تبدل

فرمایا وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ دن رات کے تغیر و تبدل میں بھی
اللہ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے دن رات کا ایسا
سلسلہ قائم کیا ہے، جو تمام جاندروں کے لیے نہایت ہی ضروری ہے لوگ دن
کے وقت کام کاج میں مصروف رہتے ہیں، محنت مشقت کرتے ہیں، کاروبار
چلاتے ہیں، تخلیقی کام کرتے ہیں اور پھر جب وہ دن بھر کے کام سے تھک
جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کر دیتے ہیں جس کے دوران لوگ آرام کرتے
ہیں، ان کی زائل شدہ قوتیں بحال ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اگلے دن کے کام کے لیے
پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کا نظام ایسے ظریف طریقے
سے قائم کر رکھا ہے کہ مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔
اللہ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ (یٰسٓ ۔ ۴۰) اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے، بلکہ سب اپنے
اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور اس طرح کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اور

پھر اس کے نتیجے میں سال بھر کے موسم بھی آگے پیچھے آتے ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی بلکہ نباتات اور جمادات کے لیے بھی نہایت ضروری ہیں۔

نزولِ رزق

آگے اللہ تعالیٰ نے نزولِ رزق کو بھی اپنی قدرت کی نشانی بتایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ اور اللہ نے آسمان کی طرف سے جو رزق نازل فرمایا ہے یہ بھی اُس کی قدرت اور ربوبیت کی دلیل ہے۔ یہاں پر رزق سے مراد بارش ہے جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور روزی مہیا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ لوگو! اُس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت - ۲۲) اور آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ پانی کے ذریعے اناج اور پھل پیدا کرنا اور پھر اُن کو بتدریج حسبِ کمال تک پہنچانا جو جانداروں کے لیے سال بھر کی روزی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہی ممکن ہے ورنہ جب وہ چاہتا ہے تو طوفان آجاتے ہیں، سیلاب آجاتے ہیں تو فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کی تمام تر محنت کے باوجود اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض اوقات خشک سالی کی وجہ سے اناج پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو آسمان کی طرف سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کیا ہے اس میں بھی تمہارے لیے بہت سی نشانیاں ہیں بشرطیکہ تم غور و فکر کرو۔ اُس نے آسمان کی طرف سے بارش نازل فرمائی فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا پھر اس کے ذریعے خشک زمین کو زندگی یعنی تر و تازگی بخشی۔ اس میں قسم قسم کی روئیدگی پیدا ہوئی انسان نے بیج ڈالا۔ اُس کی حفاظت کی تو اللہ نے اناج اور پھل وغیرہ پیدا کر کے دیئے اور جانوروں کو روزی بہم پہنچا دی۔

ہواؤں کی گردش

فرمایا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اور ہواؤں کی گردش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ہوائیں کبھی مشرق سے چلتی ہیں، کبھی مغرب سے، کوئی طوفان لاتی ہیں اور کوئی بارش

کوئی ہوا گرم ہوتی ہے اور کوئی یخ بستہ اور کوئی بادصبا کی طرح نرم و نازک ہر قسم کی ہوا اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی مصلحت رکھی ہے۔ فرمایا ان سب اشیاء میں اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ نشانات قدرت ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں جو لوگ عقل و فکر سے عاری ہیں ان کے متعلق فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (انفال ۲۲) کہ بدترین جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور گونگے اور بہرے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے یعنی کو بڑے غور و فکر کرنے کے بعد ان نشانات قدرت میں تو حید و فکر کرنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتے ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ
بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ
جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا
مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ۝۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱

ترجمہ:۔ یہ آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جنہیں ہم سناتے ہیں
آپ کے سامنے حق کے ساتھ۔ پس کس بات پر اللہ تعالیٰ
اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر یہ لوگ ایمان لائیں گے ۝۶
ہلاکت ہے ہر جھوٹے بڑے گنہگار کیلئے ۝۷
جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس
کے سامنے۔ پھر اصرار کرتا ہے وہ تکبر کرتے ہوئے
گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ پس خوشخبری

سنادیں اس کو دردناک عذاب کی ⑧ اور جب وہ معلوم
کر لیتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کو، تو
بناتا ہے اس کو ٹھٹھا، یہی لوگ ہیں ان کیلئے
ذلت کا عذاب ہے ⑨ ان کے آگے دوزخ ہے
اور نہیں کام آئے گا ان کے جو انہوں نے کمایا کچھ
بھی۔ اور نہ وہ کہ جنکو بنایا ہے انہوں نے اللہ کے
سوا کارساز۔ اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا ⑩ یہ
(قرآن سراسر) ہدایت ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ، ان کے لیے عذاب
ہے سخت اور دردناک ⑪

سورۃ کی ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے دلائل اجمالاً ذکر کیے۔ اب نبی و رسالت کی بات شروع کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ یعنی ان آیات کو صحیح صحیح اپنے اندر حقیقت کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تاکہ ان میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

آیات آیت کی جمع ہے اور قرآن پاک میں یہ لفظ نشانی، علامت، دلیل، حجت، معجزہ یا خبر کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم اس مقام پر آیات سے مراد علامات اور دلائل لیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات حٰمٓ کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح سے مراد حاق ہونا، مشتمل ہونا یا گھیر لینا ہے اور یہ سورۃ حامی الحجج یعنی بہت سے دلائل پر مشتمل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں بہت سے دلائل توحید، دلائل وقوع قیامت بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح مفسرین فرماتے ہیں کہ م سے مراد حامی الحجج

یعنی جھگڑے اور فیصلہ کرنے والا۔ اس حرف کا یہ معنی بھی صادق آتا ہے کیونکہ یہ سورۃ اپنے دلائل کے ذریعے اختلافات کو مٹانے والی ہے۔ بہرحال یہاں پر آیات سے مراد علامات یا دلائل ہیں۔

دلائل کا ذکر گزشتہ درس میں ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ذرا آسمانوں، زمین کی تخلیق، رات اور دن کی تبدیلی اور مختلف حیوانات میں غور و فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آسمان کی طرف سے بارش نازل فرما کر خشک زمین کو زندہ کرتا ہے۔ ہواؤں کو گردش میں لاتا ہے اور تمام انسانوں، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے لیے روزی کا سامان مہیا کرتا ہے اگر انسان ان دلائل میں غور و فکر کرے تو وہ جان لے گا کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کون انجام دے سکتا ہے جو بیحد علی الاطلاق اور قادرِ مطلق ہے۔ بہرحال یہ ایسی علامات ہیں جن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کی توحید کو پہچان سکتے ہیں۔

اللہ کی آخری کتاب

فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو اللہ نے قرآن کی شکل میں اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ نے اس آخری امت کے لیے تمام شرائع، احکام اور زندگی بھر کا پروگرام نازل فرما دیا ہے اب یہ اس امت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، اس کی آیات کو پڑھیں، سمجھیں اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جائیں کہ ان کی دنیا و عقبیٰ کی فلاح کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ فرمایا اگر لوگ اس کتاب الٰہی پر بھی یقین نہیں کریں گے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ علامات اور دلائل کے بعد کون سی چیز آئے گی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے مطلب یہ ہے کہ اللہ کا آخری پروگرام تو آ چکا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی پروگرام۔ اگر اس کو بھی نہیں مانیں گے تو آگے تو کچھ بھی نہیں، پھر یہ کس چیز کو مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی ہدایت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔

یہاں پر قرآن پاک کے لیے حدیث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ سورۃ الزمر میں ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ (آیت ۲۳) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے بہترین بات کے لیے کتاب اتاری ہے جو آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی جانے والی ہے حدیث کا لغوی معنیٰ بات یا کلام ہی ہے۔ اسی طرح سورۃ المرسلات کی آخری آیت بھی یہی ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ اس بات یعنی قرآن پاک کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو جھوٹ، کمزوری اور خلاف واقعہ سے پاک ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اس کو مضبوطی سے تھام لو کہ تمہارے مسائل کا حل اور تمہاری ابدی کامیابی کا راز اسی قرآن میں مضمر ہے۔ اگر اسی کو چھوڑ دیا تو پھر انسان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اور ہمیشہ اندھیرے میں ٹھوکریں مارتا رہے گا۔ اسے صراط مستقیم نصیب نہیں ہوگا۔

جھوٹوں کی ہلاکت

آگے اللہ نے قرآن پاک سے اعراض کرنے والوں کو جھوٹا کہا ہے اور ان کے لیے سخت وعید سنائی ہے وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ ہر جھوٹ بولنے والے کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے اور یہاں پر جھوٹے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کے پیش کردہ دلائل، شریعت اور دین کو چھوڑ کر جھوٹی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں اور نہ ہی وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ نعوذ باللہ۔ فرمایا ایسے شخص کے لیے تباہی و بربادی ہے جو نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ اس جھوٹ کی وجہ سے اَثِیْمٍ یعنی گنہگار، مجرم اور پاپی بھی ہے۔

اور اس کی حالت یہ ہے یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْهِ جو اللہ کی ان آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ہی ان سے اثر قبول کرتا ہے۔ بلکہ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا پھر وہ ضد کرتا ہے اور اپنی اس ہٹ دھرمی پر اصرار کرکے متکبر بن جاتا ہے۔ آیات الٰہی کی کچھ پروا نہیں

کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا گویا کہ اُس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں۔ حالانکہ اُن کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ بہت سے مفسرین نے اس کی یہی تشریح کی ہے۔ اپنے شخص کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اُس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ بشارت (خوشخبری) کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہاں پر اس شخص کے عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بشارت بعض غیب کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس مقام پر یہی معنی ہے کہ ایسے لوگوں کو خبردار کر دو کہ اُن کے لیے عذاب الیم تیار کیا گیا ہے۔

شعائر اللہ کا مذاق

فرمایا قرآن سے اعراض کرنے والوں کی ایک بری خصلت یہ بھی ہے۔ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا جب ہماری آیات میں کوئی چیز معلوم کرتا ہے تو بنا لیتا ہے اُس کو ٹھٹھا یعنی ہر نئی قرآنی تعلیم کو مذاق بنا لیتے ہیں جب بھی انہیں کوئی اچھی بات بتائی گئی۔ خدا کا پیغام پہنچایا گیا۔ تو انہوں نے اس کو مسخرا اڑایا۔ مشرکین مکہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور اس کے بعد بھی لوگ اللہ کے نیک بندوں کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں۔ جب ابوجہل نے سورۃ الدخان کی یہ آیات سنیں اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ بے شک تھوہر کا درخت گنہگاروں کی خوراک ہے گا۔ تو کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو قرم سے ڈراتا ہے حالانکہ ہمارے ہاں تو قرصِ کھجور کو کہا جاتا ہے جو ہم روزمرہ کھاتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے واقعہ معراج بیان کیا تو ابوجہل نے تمسخر اڑایا کہ یہ کیسی بے ہودہ باتیں کرتا ہے۔ مسلمان نماز پڑھنے تو مشرکین کہتے کہ یہ بیٹھ کھڑی کرتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا کہ میں اس محمد سے پشت اونچی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ لوگ معجزات کے ساتھ بھی ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جادو ہے جو چلتا بھی ہو تا تھا اور اب بھی ہوتا ہے

شعائر اللہ کے ساتھ ٹھٹھا کرنا بدترین قسم کا تمسخر ہے۔ قرآن کی آیات، دلائل، خلفاء، انبیاء، رسول، کتب، ملائکہ، سب شعائر اللہ ہیں۔ جن کی توہین ایمان والوں کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ سورۃ مائدہ میں موجود ہے وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی

الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا (آیت ۵۸) اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو مشرک لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حدیث شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ جب تم دشمن کی سرزمین میں جاؤ تو اپنے ساتھ قرآن پاک نہ لے جاؤ کیونکہ لَا یَنَالُہُ الْعَدُوُّ بِسُوْءٍ۔ یعنی کافر دشمن اس کی توہین کا مرتکب ہو۔ ہاں اگر لشکر بڑا ہو اور تعداد دشمن پر غالب پانے کی امید ہو تو پھر قرآن کو ساتھ لے جا سکتے ہو۔ مگر اس قدر احتیاط کا مقام ہے کہ اس زمانے میں خود مسلمان قرآن پاک کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض پیر نما شیاطین قرآن پڑھ پڑھ کر چلہ نکالتے ہیں۔ چند سال پہلے فیصل آباد میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ بعض مصور آیات قرآنی کو کارٹون کی صورت میں پیش کرتے ہیں، یہ بھی بے ادبی ہے۔ قرآنی آیات کو لطائف اور اوراق کردی کے طور پر استعمال کر کے ان میں سوراخ کر دیا جاتا ہے یہ کس قدر بے ادبی کی بات ہے حالانکہ قرآن سے بڑھ کر کون سی با عزت چیز ہے؟ بعض نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ علم دین حاصل کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ لوگ بسم اللہ کے گنبد سے ہی باہر نہیں نکلتے۔ ایسے لوگ سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ اور حلال و حرام کی تمیز سے عاری ہیں۔ یہ سب کفریہ باتیں ہیں جن کی قرآن پاک نے مذمت بیان کی ہے۔

فرمایا کہ جب کسی مشرک کو ہماری آیات میں سے کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ کہ ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی مِنْ وَّرَآئِھِمْ جَھَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہوگی۔ وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں آتا ہے، تاہم یہاں یہ آگے کے معنوں میں ہے ایسے لوگوں کے آگے دوزخ ہے اور جب وہ وہاں پہنچیں گے وَلَا یُغْنِیْ عَنْھُمْ مَّا کَسَبُوْا شَیْئًا تو ان کی کمائی ان کو جہنم سے بچا نہیں سکے گی مطلب یہ کہ اس وقت ان کا علم، ہنر، سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ اور حلال و حرام کی تمیز سے حاصل کردہ

نوٹ: ایسے لوگوں کے لیے عذاب

دولت کچھ کام نہیں آئے گی۔ وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ اور
وہ دوڑ کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا لیا۔ دنیا میں جن کو نذر و نیاز
پیش کرتے تھے، جن کی قبروں پر سجدے کرتے تھے غلاف چڑھاتے تھے،
اگر پر عرس مناتے تھے۔ اُن کی دہائی دیتے تھے۔ یا علی اور یا غوث کے نعرے لگاتے
تھے، جنوں، شیاطین اور فرشتوں کو مدد کے لیے پکارتے تھے، اور جن جن کو بھی
حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے، وہ قیامت والے دن کچھ کام نہ آئیں گے۔
اُس دن اللہ کے نبی، مقرب فرشتے اور اولیاء اللہ بیزاری کا اظہار کریں گے کہ
ہم نے تو انہیں اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ تو خود شیطان کے نقش قدم پر چل
کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ ان لوگوں نے اللہ کے
سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا اُن کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں
نے آیات الٰہی کو سنی ان سنی کر دیا۔ اُن کا مذاق اڑایا اور بالآخر دائمی سزا کے مستحق ٹھہرے۔

قرآن سراپا ہدایت

آخر میں اللہ نے قرآن کریم کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا هٰذَا
هُدًى یہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے، یہ سورۃ اس کے درس، احکام، مثالیں
اور معجزات ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ انہی کے ذریعے انسانوں کو دین اور شریعت کا علم
ہوتا ہے وہ عدم کمال تک پہنچتے ہیں اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ جنہوں نے اپنے رب کی آیات، دلائل، احکام
اور معجزات کا انکار کیا۔ توحید، رسالت اور بعث بعد الموت پر یقین نہ کیا، فرمایا
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيمٌ اُن کے لیے شدید اور دردناک عذاب
ہے۔ مغرور، متکبر اور سرکش لوگ جہل مرکب کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے ذہنی،
روحانی اور جسمانی ہر قسم کا سخت ترین عذاب ہوگا، کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی کا
تمسخر اڑایا، اللہ کی آیات کو سنی ان سنی کر دیا، قرآن کے پروگرام کو مغلوب کرنے
کی کوشش کی اور جنہوں نے عمل کی منزل سے بے خوف ہو گئے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ
لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ
قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا
اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۢ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ
اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا
فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے مسخر کیا ہے تمہارے
لیے سمندر کو تاکہ چلیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے
اور تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر

ادا کرو (۱۱) ۔ مختصر کر دیا ہے اُس نے تمھارے لیے جو
کچھ ہے ۔۔۔ اور جو کچھ ہے زمین میں سب اُسی کی
طرف سے ۔ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے
لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۱۲) آپ کہہ دیجیے
اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ درگزر کریں اُن
لوگوں سے جو اُمید نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی تاکہ
بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اس کا جو وہ کماتے
تھے (۱۴) جس نے اچھا عمل کیا پس اپنے نفس کے لیے
اور جس نے بُرا کیا پس اُسی پر ہے گا اُس کا بدلہ پھر
اپنے رب کی طرف ہی تمھارا لوٹایا جانا ہے (۱۵) اور
البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت
اور نبوت ، اور روزی دی ہم نے اُن کو پاکیزہ چیزوں سے
اور فضیلت بخشی ہم نے اُن کو جہان والوں پر (۱۶) اور
دیں ہم نے اُن کو کھلی نشانیاں دین کے معاملے میں پس
نہیں اختلاف کیا انھوں نے مگر اس کے بعد کہ ان کے
پاس علم آگیا ۔ سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان ۔ بے شک
تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے مابین قیامت کے
دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے (۱۷)

ربط آیات

سورۃ الجاثیہ کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت بیان
ہوئی اور پھر اللہ نے توحید و معاد کے متعلق دلائل ذکر کیے ۔ پھر کافروں کی مذمت
پر اختتام ہوا ۔ اور پھر اُنے کل کے مطلع پر انہیں جہنم کی وعید سنائی ۔ اللہ نے فرمایا
کہ یہ لوگ اس دنیا میں جو کچھ کماتے رہے وہ قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گا
اور نہ ہی اُن کے تراشیدہ معبود کچھ کام آئیں گے جن کو یہ اپنا مددگار اور حاجت روا

کہتے تھے، وہ یہ لوگ عذاب عظیم میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اپنی توحید ہی کے ضمن میں فرمایا تھا اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الخ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے تسخیر کا معنی قابو میں لانا ہوتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ بعض چیزیں انسان کے اپنے قبضہ میں ہوتی ہیں جن سے وہ فائدہ حاصل کرتا ہے مثلاً جانوروں کی تسخیر کے متعلق فرمایا اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (المؤمن - ۷۹) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے جانور بنائے ہیں۔ جن پر تم سواری کرتے ہو اور جن کا گوشت کھاتے ہو۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ جانوروں پر سواری کرے یا نہ کرے، پالتو بنائے یا نہ بنائے گوشت استعمال کرے یا نہ کرے۔ تسخیر کی دوسری قسم یہ ہے کہ بعض چیزیں انسان کے تابع تو نہیں ہیں مگر وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الرعد - ۲) جس نے سورج اور چاند کو مسخر فرمایا ظاہر ہے کہ سورج اور چاند انسان کے قبضہ میں تو نہیں ہیں مگر لوگ سورج کی روشنی اور گرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی طرح رات کے وقت چاند کی دھیمی روشنی سے بھی انسان کے مفادات وابستہ ہیں۔ اللہ نے انسان کی خدمت کی خاطر سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا جو اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں اور انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

فرمایا اللہ نے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کر دیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں اور جہاز چلیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و ہنر اور عقل و شعور عطا کیا ہے جس پر وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز بناتا ہے اور پھر انہیں کام میں لا کر ان سے نقل و حمل کا کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی سطح اس طرح بنائی ہے کہ اس میں آسانی سے آمد و رفت ہو سکتی ہے اور ایک ملک کا سامان دوسرے ملک میں بخوبی منتقل کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے دوسرے ذرائع بھی مہیا

ہے جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو انسان بے بس ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے جہاز بھی ڈوب جاتے ہیں۔ اُس وقت انسان کو اپنی عاجزی اور بے بسی کا احساس ہوتا ہے بہرحال سمندروں کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظیم نعمت ہے اور یہ وہ سہولت ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات ناکام ہو جاتے ہیں لیکن عام حالات میں بڑے سے بڑے جہاز کی حیثیت بھی سمندر کے سامنے ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

رزقِ حلال کی تلاش

فرمایا سمندروں کی تسخیر کی دوسری غایت یہ ہے وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ تم اپنی ضروریات میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے مراد رزقِ حلال ہے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی میں دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے یعنی ارتفاق اور اقتراب۔ ارتفاق سے مراد اوقاتِ زندگی کا حصول ہے۔ انسانی محنت کرنے، کاشتکاری کرنے، کارخانہ چلانے یا کوئی اور کام کرنے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی کی ضروریات کھانا، پینا، مکان، سواری وغیرہ کا بندوبست کرتا ہے۔ اور اقتراب کا معنی یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں ایسے طریقہ اختیار کرے اور ایسے اعمال انجام دے جو اسے خدا تعالیٰ کا قرب دلا سکیں۔ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (آیت ۲۹) کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا رضوان تلاش کرتے ہیں۔ یہاں پر اللہ نے ارتفاق کو فضل کے لفظ سے اور اقتراب کو رضوان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ فضل سے مراد رزقِ حلال کی تلاش ہے اور یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ بھی فَرِيْضَةٌ مِّنْ بَعْدِ الْفَرَائِضِ یعنی چونکہ عبادت کے بعد حلال روزی کی تلاش بھی انسان کے ذمے فرض ہے۔ اس کے علاوہ علم کا حصول، حج، جہاد کی ادائیگی کے لیے سفر، جہاد کے لیے سفر وغیرہ بھی فضل ہی کا حصہ ہیں۔ اسی طرح اقتراب کے حصول کے لیے عبادت، ریاضت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ضرورت ہے۔

غرضیکہ یہ تمام چیزیں فضل میں داخل ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم ان کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور تیسرے کا قیاسی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جو
خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہو کر ان کی قدر کرنا اور ان کو صحیح جگہ میں استعمال کرنا اور پھر دل و
جان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ آپ جہازوں یا ریل
کا تصور ذہن میں لائیں جب ذرائع نقل و حمل محض جانوروں تک محدود تھے تو اس وقت لوگوں
کو خود سفر کرنے اور مال کی باربرداری میں کتنی مشکلات پیش آتی ہوں گی۔ اب ہوائی
جہاز اور فضائی راستے سے نقل و حمل کی بیشمار سہولتیں دستیاب ہیں جن سے فائدہ
کم سے کم وقت میں انسان دنیا بھر کا سفر کر سکتا ہے اور سامان کو اپنے گھر سے دوسرے
حصے تک منتقل کر سکتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں انسان کو جس قدر سہولتیں حاصل
ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے
کشتی کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

تسخیر بحر کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
دَآئِبَيْنِ اور اس نے کام میں لگا دیے ہیں تمہارے لیے سورج اور چاند دائم
جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان، گرمی، سیارے، ستارے، چاند اور سورج
انسان سب انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ جمیع مخلوقات اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا دخل نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت اور حکمت
سے ارض و سما کی چیزوں کو انسانوں کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم بین عالم اعلیٰ کے فرشتوں کو کائنات کی پیدائش
سے پہلوں حال پہلے انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا۔ اور پھر آخر میں انسان کو
پیدا کیا کہ مقصود کائنات انسان ہی ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ
بے شک سب چیزوں میں نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو لوگ
عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ نے کن پر کتنے انعامات فرمائے
ہیں ان تمام اشیاء کو نہ تو کسی نے بنایا ہے، نہ فرشتے نے اور نہ کسی انسان نے۔ اس
سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات نہیں جس نے

نئے بیٹے کا رضاعۃً کائنات کو فرق کیا ہو اور پھر اس میں انسان کی مصلحت کی تمام چیزیں
دیا گیا ہوں۔

درگزر کرنے کا سبق

اسلام کے ابتدائی دور میں کفار و مشرکین نے اللہ کے دین کی سخت مخالفت کی اور
پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت تکالیف پہنچائیں، زبان سے گالی گلوچ،
برا بھلا اور طعن و تشنیع کرتے تھے۔ ان حالات میں اہل ایمان کا بیمار صبر لبریز ہو جاتا
ایک قدرتی امر تھا اور وہ بعض اوقات جوش میں بھی آجاتے تھے۔ مکہ میں وقت جو تعداد
مسلمانوں کی اجتماعی قوت کمزور تھی، اس لیے اللہ کی طرف سے ان کی روحانی تربیت
اور اجتماعی تنظیم پر زور دینے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم سورۃ النساء میں اللہ کا یہ فرمان
پڑھتے ہیں۔ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (یعنی
کہ اے ایمان والو! جنگ و جدل سے فی الحال اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز
قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا
ہے کہ اے محمد! قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا آپ ایمان والوں سے کہہ دیں يَغْفِرُوا
لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں
کی امید نہیں رکھتے۔ آپ ان کی باتوں سے متاثر نہ ہوں اور نہ ہی انتقام لینے
کی کوشش کریں۔ بلکہ ان کی زیادتیوں کو فی الحال صبر و تحمل سے برداشت کریں۔
لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ ان لوگوں
کو ان کے کردہ اعمال کا۔ وہ جس قسم کی زیادتیاں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے
خود نپٹ لے گا۔ لہٰذا آپ درگزر سے کام لیں اور ان پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

اس آیت میں دو لفظ یَرْجُونَ اور أَيَّامَ اللَّهِ وضاحت طلب ہیں۔ لفظ
رجاء متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی
ہم نے بیان کیا ہے کہ آپ درگزر کریں ان لوگوں سے جو اللہ کے ایام کی آپ
نہیں رکھتے یعنی جو کفار و مشرکین کو وقوع قیامت اور جزائے عمل کی منزل سے کچھ امید
نہیں کہ ایسا بھی ہوگا، اور اس کے خوف دلانے سے کیے جائیں تو یہ بھی درست ہے

[illegible] آخرت کی [illegible] نہیں۔ جیسے سورۃ [illegible] ہے کہ حضرت
[illegible] نے اپنے [illegible] کی [illegible] اس طرف [illegible] مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا
(آیت ۱۳) [illegible] کہ تم اللہ تعالیٰ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے۔

ایام اللہ یعنی اللہ کے دنوں سے دو دن مراد ہیں۔ اللہ کی طرف سے کسی
قوم کو سزا ملتی ہے یا اسے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ گویا یہ تاریخی ایام ہوتے ہیں۔ ان کے
ذریعہ ان کی قوم کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے اور یا انہیں ناکام بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں
پر انتقام لینے اور سزا دینے والا معنی مراد ہے کہ آپ ان لوگوں سے درگزر کریں تو اللہ
کے مقرر کئے ہوئے ایام کی وہ پرواہ نہیں کرتے یا ان سے خوف نہیں کھاتے۔ اس کی مثال
موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں
سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ (ابراہیم - ۶) اور
انہیں اللہ کے دن یاد دلائیں جب اس نے مختلف قوموں کو سزائیں دیں۔

فرمایا: یاد رکھو! مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ جس شخص نے کوئی اچھا کام کیا
تو وہ اس کے اپنے ہی نفس کے لیے ہے یعنی اس کا فائدہ خود اس کو پہنچے گا۔ اس کے
صلہ میں اللہ پر احسان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اپنے فائدے کے لیے کی جاتی ہے۔
نیکی کرنے سے انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے، اسے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ آخرت
میں عذاب سے بچ جاتا ہے۔ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا اور جس نے کوئی برا کام کیا
تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے سے اپنے لگے ہوئے زخم کا
درد کم نہیں ہوتا۔ ظلم کرنے والے کی سزا ضرور ملے گی۔ اللہ نے یہ عام قانون بنا دیا ہے
اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) اچھی کمائی اسی کے لیے مفید ہوتی اور
[illegible] اسی کے لیے [illegible] ہوگی۔ غرضیکہ نیکی کا بدلہ نیکی کرنے والے کے حق میں اچھا
[illegible] اور برائی کا بدلہ اس کے حق میں برا ہوگا۔ فرمایا: ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ
پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف [illegible] جہاں ہر ایک کو اپنے

اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اور جزائے عمل کی منزل سے گزرنا ہوگا۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے جانے والے انعامات، اُن کے ناشکرے اقدامات اور قیامت کو اُن کے درمیان قطعی فیصلے کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب عطا فرمائی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے اور اُن کی قوم پر بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر بڑا احسان فرمایا کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی کتاب اُن کو دی۔ موجودہ بائبل کے پہلے پانچ باب تورات کے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں بہت سا تغیر و تبدل ہو چکا ہے تاہم کچھ نہ کچھ حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ البتہ نزول قرآن کے بعد اس کی حیثیت اب منسوخ ہو چکی ہے اور اس کتاب واجب التعمیل نہیں۔

فرمایا ایک تو ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور دوسرا انعام حکم دیا۔ حکم سے مراد حکومت بھی ہے اور نبوت بھی۔ اللہ نے دونوں چیزیں بنی اسرائیل کو عطا فرمائیں۔ داؤد علیہ السلام اور اُن کو نبوت بھی دی۔ طالوت کو اللہ نے نبی اور بادشاہ بنایا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک خاندان بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ غرضیکہ اس خاندان میں اللہ نے نبوت، کتاب اور حکومت تینوں چیزیں جاری فرمائیں اور اس خاندان میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسے بڑے بڑے اللہ کے پیغمبر پیدا فرمائے۔

فرمایا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی۔ حتیٰ کہ جب وہ صحرائے سینا میں پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے بغیر اُن کی محنت کے من و سلویٰ جیسی نعمتیں عطا فرمائیں اور وہ صحیح سلامت پہنچنے کے لیے سر پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ دریائے نیل کے درمیان سے خشک راستہ عطا کیا اور بڑے بڑے معجزات اُن کے سامنے لائے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ کا معنی عام جہان والوں پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی۔ یہ صرف اُس زمانہ کے لیے برتری تھی نہ کہ وہ تمام ادوار کے لیے کیونکہ مطلق

فضیلت اشرف اپنے آخری نبی کی آخری امت کو بھی عطا فرمائی ہے جسے اُمَّةً وَسَطًا (البقرہ - ۱۴۳) کا لقب عطا فرمایا۔ امتِ وسطیٰ کا لفظی معنی اقوامِ عالم کے درمیان افضل ہے۔ اور پاک و ہند کی امت سے اس کی افضلیت کی علامت ہے۔ احادیث میں بھی آیا ہے کہ اقوامِ عالم میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فضیلت حضور علیہ السلام کی امت کو عطا فرمائی۔ یہ حال ہے ہی اللہ کا احسان تھا کہ اس نے اپنے دور میں جو امتیں کہ بالی اقوام پر فضیلت بخشی۔

فی کل اصلی یک فرقہ تبدیل

فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ دین کے معاملے میں ہم نے ان کو کھلی نشانیاں یعنی معجزات عطا کیے۔ ان کی موجودگی میں معاملہ صاف ہو جانا چاہیے تھا اور دین کے بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ پس انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا۔ واضح کتاب، احکام، واضح دلائل اور معجزات آنے کے باوجود انہوں نے دین کے معاملات میں آپس میں اختلاف کیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اس اختلاف کی وجہ یہ تھی بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ کہ انہوں نے آپس میں سرکشی کی۔ ان میں خود سری اور گمراہی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے گروہ بندی اختیار کر لی۔ ان کی یہ سرکشی اور گمراہی آج تک برابر چلی آرہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے نزول تک برابر جاری رہے گی۔

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ بے شک تیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان ان امور کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے۔ قیامت والے دن پتہ چلے گا کہ انہوں نے دین کو کس طرح بگاڑا، گمراہی میں جا پڑے اور پھر اس پر اصرار کرتے رہے اللہ کا آخری نبی اور آخری شریعت بھی آگئی مگر انہوں نے حق کو تسلیم نہ کیا اور اپنی گمراہی اور سرکشی پر ہی اڑے رہے دنیا میں تو اختلافات چلتے رہیں گے اور ان کا قطعی فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں قیامت والے دن ہی ہوگا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ
يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ
لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ
حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ
كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ
وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: پھر ہم نے تمہیں رکھا ہے آپ کو ایک شریعت
پر دین کے معاملے میں پس آپ اس کی پیروی کریں اور
آپ نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی جو کچھ نہ
جانتے ﴿۱۸﴾ بیشک وہ ہرگز نہیں کام آئیں گے آپ
کے لیے اللہ سے ذرا سی بھی چیز میں بھی اور بے شک
بے انصاف لوگ بعض بعض کے رفیق ہیں اور اللہ تعالیٰ
کارساز ہے متقیوں کا ﴿۱۹﴾ یہ بصیرت کی باتیں ہیں
لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں
کے لیے جو یقین لاتے ہیں ﴿۲۰﴾ کیا خیال کرتے ہیں
وہ لوگ جو کماتے ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے انہیں

ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال
انجام دیے، برابر ہو گی ان کی زندگی اور موت؟ برا ہے جو
وہ فیصلہ کرتے ہیں (۲۱)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر کافروں اور مشرکوں سے درگزر
کرنے کا حکم دیا اور انتقامی کارروائی کرنے سے منع فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ ہر شخص اپنی
کمائی کا ذمہ دار ہے تو اس میں خود اسی کا بھلا ہوتا ہے اور جو کوئی برائی کا کام کرتا ہے تو اس
کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص کو قیامت کے
دن بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا بدلہ پانا ہے اس کے بعد
اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلائل بیان فرمائے جو انہیں کتاب، حکمت اور نبوت
عطا فرمائی اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کا بندوبست کیا اور اس وجہ سے ان کو اقوام
عالم پر فضیلت بخشی۔ ان کو واضح نشانیاں بھی دی گئیں مگر ان تمام انعامات کے باوجود انہوں
نے علم آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور فرقہ بندی میں مبتلا ہو گئے تو فرمایا کہ
ان کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ہی کرے گا۔

تحویل قبلہ

فرمایا بنی اسرائیل نے تو عزیت کے تمام سامان مہیا ہونے کے باوجود آپس میں اختلاف
کیا اور مشرکین مکہ تو ابھی نئے نئے [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]
فرمایا ہے کہ ہی اسرائیل تو دین حق پر قائم نہ رہ سکے [illegible]
[illegible] آپ کو ایک شریعت [illegible]
[illegible] آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کے [illegible]
[illegible] طرف توجہ نہ [illegible] کہ یہ تو اپنی طرف کرتے رہیں گے اور آخری فیصلہ [illegible]
[illegible] آپ سے [illegible] آپ سے پیروکاروں سے [illegible]
[illegible] سے [illegible] اس کی پیروی کریں اور گفتار [illegible] کتاب
کی خواہش پر اپنے دین کی [illegible] چھوڑیں [illegible]

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کو کچھ علم نہیں، وہ باطل اور ناقابلِ عمل ان کے لئے بے سود ثابت نہیں ہوں گے۔

شریعت کا معنی دین کے معاملہ میں واضح راستہ ہوتا ہے اور فضل معنی پانی کا گھاٹ جہاں سے انسان اور جانور اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ تاہم جان لینا چاہیئے کہ شریعت، مذہب، دین، ملت اور منہاج قرآن و سنت کی اصطلاحات ہیں اور ان کو ان کے پس منظر میں ہی سمجھنا چاہیئے۔ مذہب کا معنی راستہ اور شریعت کا معنی واضح راستہ ہے دین کا معنی اطاعت اور فرمانبرداری ہوتا ہے، ملت سے مراد خاص اصول ہوتے ہیں جن کو پیروی کرنے کا حکم دیا جائے اور یہ ملت انبیاء بھی کہلاتی ہے۔ ملت ابراہیمی اور ملت اسلامیہ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

مفسرین اور علماء ان چیزوں کو سمجھانے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات تین اصطلاحات ایمان، اسلام اور احسان کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ایمان کا معنی ہے تسلیم کرنا اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، کتاب کا دین، قیامت اور ان تمام چیزوں کی تصدیق کا نام ایمان ہے جن کا تعلق [illegible] سے ہے۔ دوسری چیز اسلام ہے جس کا تعلق [illegible] سے ہے۔ اور یہ ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اور تیسری چیز احسان ہے جس کا تعلق [illegible] سے ہے۔ اور یہ ایمان اور اسلام کے نتیجے کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اس کو اخلاص کے ساتھ ہے۔ عبادات اور دیگر کاموں میں جس قدر اخلاص پایا جائے گا۔ اسی قدر وہ اعمال مقبولیت کا درجہ حاصل کریں گے۔

بعض فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہی غایت خداوندی ہیں۔ سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ضروری ہے اور یہ اصلاح اول ہے اور دوسرا ہے۔ الیٰ عقیدہ درست ہوگا، تو اعمال مقبول ہوں گے اور نتیجہ بخیر ہوگا۔ اور عقیدے کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ دوسری لازمی چیز اعمال کی درستگی ہے۔ اچھے

اعمال ہی انسان کے لیے مفید ہوں گے۔ جب کہ بُرے اعمال وبالِ جان بن جائیں گے
یاد رکھیے کہ اعمال کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے۔ تیسری چیز اخلاص ہے کہ عمل کی بھی
اشد ضرورت ہے۔ دین میں ریا کاری یا باطل کی آمیزش نہ ہو، جیسا کہ پہلے
زیادہ وضاحت سے بتایا جا چکا ہے اور اسی چیز کو احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین دین اور شریعت کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دین ایسے
عقائد کا نام ہے جو ہر نبی کی امت میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں جیسے توحید
لِكُلِّ أُمَّةٍ الْحَقِّ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ... الآیۃ (الشوریٰ - ۱۳) اور شریعت عبارت
ہے ان احکام اور وہی عقائد مقرر کیے ہیں جو نوح علیہ السلام اور بعد میں آنے والے تمام
انبیاء کے لیے مقرر کیے گئے تھے، گویا یہ عبادتی عقائد و قوانین تسلیم ہوتے ہیں۔ پھر
فرشتے ہیں جن کے ذمہ دو سرے سونپے ہوئے اصول دین یا کلیات ہیں جو کہ تمام انبیاء کی
امتوں میں مشترک تھے ہیں۔ ان میں طہارت، نماز، روزہ، قربانی، صدقہ خیرات، حج، اخلاق
رذیلہ باتوں سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں۔ ملت ابراہیمی اور ملت اسلامیہ کی ان کو تشکیل
ہیں۔ پھر تیسری چیز شریعت، مذہب یا منہاج ہے جو کلیات کی جزئیات کی تفاصیل
اس میں آپس کے چھوٹے چھوٹے مسائل واحکام اور قسم حلال و حرام، حدود، طلاق، کفارات، عدالت
اور عبادات وغیرہ آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی شریعتیں مختلف
ہوتی ہیں۔

مختلف شرائع میں فرق کی مثال اس طرح دیکھیں کہ کسی شریعت میں اونٹ
کا گوشت حرام تھا مگر ہماری شریعت میں حلال ہے یا مثلاً یعقوب علیہ السلام کی شریعت
میں دو بہنوں کو اکٹھا نکاح میں رکھنا حرام تھا مگر ہماری شریعت میں اس کی ممانعت کہیں نہیں ہے
جیسے فرمایا وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء ۲۳)
کہ دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع نہیں کر سکتے۔ ہاں جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔
پھر ان جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک
ہے نحن معاشر الانبیاء اولاد علات دیننا واحد یہ ہمارے

ان کی مثال علاتی بھائیوں جیسی ہے جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں مگر جماعتِ
ایک سب کا مطلب یہ کہ دین یعنی کلیات تو تمام انبیاء میں مشترک رہے ہیں مگر شرائع یعنی
جزئیات مختلف رہی ہیں۔ پھر جب آخری شریعت آگئی تو پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں
اب کسی سابقہ نبی کی شریعت پر عملدرآمد نہیں کیا جا سکتا۔

شریعت کے خلاف

بہرحال فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لیے ایک شریعت مقرر کر دی ہے
آپ اسی کا اتباع کریں۔ اس مقام پر مولانا شاہ اشرف علی تھانوی یہ نکتہ اٹھاتے ہیں
کہ جب اللہ خود بھی اس آخری شریعت کا پابند ہے تو پھر امت پر تو بطریق اولیٰ یہ
پابندی عائد ہوتی ہے اور کوئی شخص بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر شریعت
کی پابندی میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ اس کو ترقی ملتی ہے، درجات بلند ہوتے
ہیں اور آخرت میں نجات حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی عدم پابندی تو شیطان کے
نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے۔ قرآن میں اللہ نے خود فرمایا ہے ۔ وَلَا
تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ ۔ ۱۶۸) کہ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو
کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کو وحی کے ذریعے نازل
فرمایا اور اس کی تفصیل سنت کے ذریعے واضح کی۔ پھر بعض چیزیں اجتہاد کے ذریعے
حل ہوئیں۔ چونکہ یہ سب شریعت ہی سے متعلقہ چیزیں ہیں لہٰذا ان سب کا اتباع ضروری
ہے۔ البتہ رسومات باطلہ اور بدعات کو اختیار کرنا بلاشبہ شیطان کے نقشِ قدم پر
چلنا ہے۔

جب تک یہ خطہ برطانیہ کی حکمران رہا۔ اہلِ ایمان اس کے قانون کی پابندی پر
مجبور تھے۔ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تجارتی قوانین سب انگریز کے وضع کردہ تھے
البتہ اس نے مسلمانوں کو بعض روایات سے رکھی تھیں جن پر پہلے لاگو کیا جاتا تھا۔
اور مسلمان اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو اختیار کر لیتے تھے۔ مگر آزادی کے بعد تو
انگریز کے قانون کے نفاذ کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان کے
قیام کے فوراً بعد تمام قوانین کو اسلامی قوانین میں تبدیل کر لیا جاتا مگر افسوس کہ آج تک

نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس ملک میں جس فقہ کے ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں اسی فقہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ سپین میں مالکی فقہ کی اکثریت تھی تو وہاں مالکی فقہ رائج رہا۔ برصغیر، افغانستان، ترکی، عراق وغیرہ میں حنفی لوگوں کی اکثریت ہے تو یہاں حنفی فقہ کے مطابق قانون بننا چاہیئے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ حنفی قانون کے نام سے بدکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی قرآن و سنت سے ہی ماخوذ ہے اور قرآن و سنت کے خلاف کوئی چیز قابل قبول نہیں۔ فتاویٰ اور دیگر کتب کی تمام باتیں قابل عمل نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو محض معلومات ہوتی ہیں جن پر قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ عالمگیری سے لوگوں کو خواہ مخواہ چڑ ہے۔ یہ تو پانچ سو علماء کا مدون کردہ قانون ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی اکثریت کا قانون جاری کر دیا جائے تو دوسرے لوگ بھی محروم نہیں رہتے۔ حنفی فقہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں رائج رہا ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اپنے آپ کو شافعی ظاہر کیا ہے۔ تو اس کا فیصلہ شافعی مسلک کے مطابق کر دیا گیا اور اس میں کسی مسلک والے کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مختلف فقہی مسالک میں کامل اتفاق تو شاید کبھی ممکن نہ ہو۔ انگریزی قانون میں بھی کبھی دو جج کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہوتے۔ بعض کی بھانسی کے مسئلہ پر سارے جج متفق نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں بھی اختلاف ہوتا تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیاوی قوانین میں تو اس قسم کے اختلافات برداشت کر لیے جاتے ہیں مگر فقہی جزئیات میں ایسے اختلافات کو برداشت نہیں کیا جاتا اور مکمل اتفاق نہ ہونے کے باعث نفاذ شریعت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے دیا جاتا۔ بہرحال شریعت کا قانون منجانب اللہ ہے جس میں تمام کلیات اور جزئیات آ گئے ہیں اور پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آخر میں آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی شریعت کی اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔ کیونکہ انہوں لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (وہ آپ کو اللہ کے سامنے کچھ بھی کام

جاتے ہیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیئے ہیں ایک شخص اس حالت میں تکالیف برداشت کرتا ہے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے جب کہ دوسرا آدمی ایمان سے خالی ہے اور برائیوں میں پڑ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے خدا کے ہاں برابر کیسے ہو سکتے اور فرمایا گیا یہ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کہ ان کی موت اور زندگی بھی برابر ہو گی۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اگر وہ ایسا گمان کرتے ہیں سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ تو بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اور موت برابر نہیں ہو سکتی۔ اگر نیک اور بد برابر ہو جائیں تو پھر تو اندھیر مچ جائے گا اور برائی کرنے والوں کی مزید حوصلہ افزائی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔ اہل ایمان کی یہ زندگی بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات سے پاک ہوتا ہے۔ وہ تکالیف برداشت کرتا ہے مگر شریعت کے دائرہ میں رہتا ہے، نماز، روزہ کی پابندی اختیار کرتا ہے۔ حلال حرام میں امتیاز کرتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف برائی والے آدمی کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا اور کھیل کود میں زندگی گزار دیتا ہے۔ یہ تو اس دنیا میں برابر ہوتے ہیں۔ اور نہ اگلی دنیا میں برابری حاصل ہو گی۔ مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے مقام میں جگہ دے گا۔ یہاں راحت ہی راحت نصیب ہو گی۔ اور کافر جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی حیثیت میں کبھی برابری نہیں ہو سکتی۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ
نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ
مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا
لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ
حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور پیدا کیے اللہ نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ
اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور وہ
پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۲﴾ بھلا کیا تم نے دیکھا جس نے

[illegible] کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (المدثر ۳۸) ہر شخص اپنے عمل میں گرفتار ہے۔ اُس مقررہ دن ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ جزائے عمل ضرور واقع ہوگی وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور اس دن کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ دنیا کی عدالتوں میں تو بعض اوقات غلط فیصلے بھی ہو جاتا ہے، رشوت، سفارش اور اقربا پروری بھی کسی فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مگر قیامت والے دن جب حتمی فیصلے ہوں گے تو پھر کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں ہوگی بلکہ پورا پورا انصاف ہوگا۔ یہی وہ حکمت اور مصلحت ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کی تخلیق فرمائی ہے۔ یہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل حق ہے کہ ہر چیز خالق و مالک اور متصرف وہی ہے، اور دوسری طرف جزائے عمل کی دلیل بھی ہے کہ ہر چیز ایک انجام سے دوچار ہے جو جزائے عمل کی صورت میں پیش آئے گا۔

**انسانی فوائد کے لیے نظریہ**

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قانونِ ہدایت کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے آسمان سے وحی نازل فرمائی۔ پہلے انبیاء کرام پر صحیفے نازل ہوئے اور پھر آخری کتاب قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوئی۔ ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تعلیم، شریعت، احکام وغیرہ انسان کے لیے دستور العمل بنائے۔ مگر افسوس انسان ہے حیوان کی بجائے بعض لوگ اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنا لینے والے کو گمراہ ہی فرمایا ہے۔ جس کی اطاعت کی جائے۔ تو جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور احکام دین کی اطاعت کی بجائے خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، وہ انہی کی عبادت کر رہا ہے اور خواہشات کی پیروی شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ ۱۶۸) شیطان کے نقشِ قدم پر چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فرمایا کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے اب اس کی حالت یہ ہوئی ہے وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم پر گمراہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے حالات، واقعات اور ظاہر اور اور یہ بھی کہ یہ خواہشات کا بندہ ہے اور یہ برداشت کرنے والا نہیں ہے اس وجہ سے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے عَلٰى عِلْمٍ کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ چیزیں پورا پورا معلوم ہیں اور اسی علم کی بنا پر اس کو گمراہ کیا ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ خود اس شخص کو اچھائی اور برائی کا علم ہے، وہ اس کو جانتا ہے مگر اس کی خواہشات نے اس کو اندھا کر دیا ہے اور وہ اچھائی کو چھوڑ کر برائی کی طرف چل پڑا ہے۔ ہم تاریخ میں بعض بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہیں کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی ہٹ دھرمی اور انا کی وجہ سے اچھائی کو نہیں اپناتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کر دیا گویا اس شخص نے علم کی روشنی سے کچھ حاصل نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ عقیدے کے اعتبار سے تو مخلوق ہے مگر اس کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی کو اس سے زیادتی نہیں کرنے دیتا۔ جو شخص اس دنیا اور آخرت میں اس کی الٰہیت کے خلاف سلوک کرتا ہے۔

فرمایا خواہشات نفس کے پجاری کو ایک تو اللہ نے علم پر گمراہ کر دیا ہے اور دوسرا یہ کہ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی۔ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ سورۃ البقرہ کی ابتدا میں ہی اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (آیت ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اسی طرح سورۃ النساء میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کی بعض بداعمالیوں کی وجہ سے انبیاء کے قتل ناحق اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں فرمایا بل طبع اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (آیت ۱۵۵) بلکہ اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے

کو اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

بعثت بعد الموت

اور حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ فَاِنَّهُمْ لَا يَحْيَوْنَ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَنَمُوْتُ وَنَحْيَا کے معتقد ہیں کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ۔ اور ہمیں ہلاک کرتا ہے تو صرف زمانہ ہمیں طبعی موت مرتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی اور موت کو محض زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ زمانہ کسی حادثہ سے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور پھر اسی طرح ختم بھی ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ پیدا کرنے والے اور موت طاری کرنے والے، یہ لوگ قیامت اور دوبارہ بعد الموت جی اٹھنے کے لوگوں سے قطعاً انکار کرتے ہیں کہ یہ شخص جو حساب کتاب کی بات کرتا ہے اس کے متعلق ہم کیا کہیں گے۔ ایسی باتوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ لوگ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا يَفْتَرِيْ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ کا مصداق ہیں۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ سے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

تاریخی حقائق

یہ ہے وہ تاریخی حقیقت جس سے ہمیں کوئی مفر نہیں۔ ہمارے سامنے یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے رہے ہیں جو اللہ کی ہستی کا انکار کرتے رہے 

[illegible] حدیث ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ۔ اس کو گالی نہ دو۔ بعض لوگ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ اس زمانے نے تباہ کر دیا ہے۔ اس زمانے کی خرابی وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا زمانے کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ کیونکہ زمانہ تو اللہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام تغیر و تبدل ہیں اور جو ہر چیز پر متصرف ہے لہٰذا زمانے کو گالی دینا بالواسطہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ نعوذ باللہ۔

فوائد

فرمایا قرآن مجید میں آیت ہے جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قیامت کے بعد دوسری زندگی کا وجود ہوتا اور آپ کی رسالت صحیح ہوتی تو ہم ان کے پاس جاتے کہ کوئی قیامت بھی آنے والی ہے جب تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور ہر شخص کو اس کی کتاب کی مطابق آگ میں ڈالا جائے گا اور جنت کے مستحق آخر میں جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ کے رسول ان کو یہ حقائق بتاتے ہیں مگر یہ لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قانون تبدیلی کے مطابق ہر چیز ایک مقررہ وقت تک ہی ظاہر ہوتی ہے اور کسی کو دوام حاصل نہیں ہوتا۔ ہر چیز کو ایک وقت اپنی زندگی کا اظہار تو ضرور کرتی ہے۔ مگر اس وقت وہ موجود ہے اور کل نہیں یہ زندگی، وجود اور قوت ظاہر و باطن کس نے عطا کیے ہیں؟ جس نے یہ زندگی بخشی ہے وہ دوسری زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔

آخر میں فرمایا قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تم کو زندہ کرتا ہے۔ اور پھر موت دیتا ہے۔ جس طرح تم ہر روز دیکھتے ہو۔ کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اور کوئی مرتا ہے جس طرح اس دنیا میں زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اسی طرح ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

پھر وہ تمہیں قیامت کے دن بھی زندہ کر کے جمع کرے گا اور اس دن کے آنے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔ وہ دن ضرور آئے گا اور پھر اُس دن تمہارے آباؤ اجداد بھی زندہ ہو کر آجائیں گے۔ اس روز قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء - ۱۰۴) ہاں یہ وعدہ ہے اور ہم یہ کر کے رہیں گے۔ ہر شخص دوبارہ زندہ ہو گا۔ اُس کے تمام اعمال کے متعلق باز پرس ہو گی اور اُسے دنیا کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا بعث بعد الموت برحق ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن لوگوں کی اکثریت اس کی حقیقت کو نہیں جانتی۔ وہ اپنی نادانی سے کبھی اور لاعلمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہمرنے کے بعد کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا تو قیامت کو سب لوگ کیسے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم زندگی اور موت کے واقعات کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بعد الموت کا انکار کوئی معقول بات نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ
جَاثِيَةً ؕ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی، اور جس دن برپا ہو گی قیامت، اس دن نقصان اٹھائیں گے باطل پرست ﴿۲۷﴾ اور دیکھے گا تو ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکے ہوئے ہوں گے، ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے نامہ اعمال کی طرف (اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا) آج کے دن تم کو بدلہ دیا جائے گا ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ یہ نامہ ہے جو بولتا ہے تم پر حق کے ساتھ، بیشک ہم لکھتے تھے ان باتوں کو جو تم عمل کرتے تھے ﴿۲۹﴾

بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے
[illegible] داخل کرے گا ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں اور
[illegible] ہے ظاہر کھلی ③ اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
[illegible] سے کہا جائے گا کیا تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی
تھیں پھر تم نے تکبر کیا اور تھے تم مجرم لوگ ④

[illegible] توحید اور اس کے دلائل ساتھ ساتھ چلتے ہیں گزشتہ آیات میں
[illegible] اصولی کا ذکر ہوا۔ ساتھ ساتھ نبوت و رسالت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔
قرآن [illegible] حقانیت و صداقت اور اس کا وحی الٰہی ہونا بھی اللہ تعالیٰ نے جابجا فرمایا ہے
اس سورۃ میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد فرمایا ہے اور پھر قیامت
[illegible] اور جزائے عمل کے باعث بار بار بیان ہوئے ہیں۔

اثبات باری تعالیٰ

آج کی آیات بھی انہی مضامین پر مشتمل ہیں۔ پہلے مسئلہ توحید کے متعلق فرمایا
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں
[illegible] زمین کا بادشاہ ہے۔ چونکہ ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اس لیے حقیقی بادشاہی
بھی اسی کی ہے جو ارض و سما سمیت پوری کائنات پر محیط ہے۔ البتہ مخلوق کو جو
حکومت کی خاص خطے میں حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے اور وہ جب
چاہتا ہے سلب واپس لے کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ باطل عارضی
حکومت ہوتی ہے مگر لوگ اسے مستقل سمجھنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں
[illegible] فاسد ہوتی ہے۔ چونکہ دنیا کی حکومت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لیے اس
میں تصرف بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ جو لوگ احکام الٰہی کو نظر انداز
کرتے ہیں ان کے لیے یہی حکومت باعث وبال بن جاتی ہے۔

آسمان و زمین کی بادشاہت

آیت کے اگلے حصے میں قیامت والے دن باطل پرستوں کے خسارے کا
ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ جس دن قیامت برپا ہوگی
[illegible] وہ دن ہوگا جب اس دنیا کی انتہا ہوگی موجودہ نظام کی تبدیلی ہوجائے گی اور اس

قیام قیامت اور باطل پرستوں کا خسارہ

کی حکمت نافذ ہو گا۔ اُس دن اس دُنیا کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ آسمان و زمین بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں فرمایا یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (آیت ۴۸) اُس دن زمین اور آسمان بدل جائیں گے اور اُن کی جگہ نئے زمین و آسمان قائم ہو جائیں گے۔ فرمایا جس دن قیامت برپا ہو گی تو مُبْطِلُوْنَ یَخْسَرُ اُس دن باطل پرست لوگ نقصان اٹھائیں گے۔ جنہوں نے دنیا میں اللہ کا ایمان قبول نہیں کیا۔ نہ اُس کو اپنا خالق مالک مانا، نہ عقائد و اعمال کی اصلاح کی اور نہ نیکی کا راستہ اختیار کیا۔ بلکہ ہر قسم کے نقصان کے پیچھے دوڑتے رہے۔ ایسے لوگ اُس دن سخت نقصان اٹھائیں گے۔

مفسرین کرام اور محدثین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس دنیا میں جو بھی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر ان کی بدولت اُس کو جو بھی مال و دولت عطا کیا ہے۔ پھر اُس مال کو کمانے کے جو بھی ذرائع ہیں۔ ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز کے بارے میں ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مرضی کے مطابق کم و بیش مال ملتا ہے۔ دوسری چیز عمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کو عطا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف ہوتا ہے۔ یعنی اُس پر قانونِ الٰہی کی پابندی لازم آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات کے وقت اُسے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں تیری وجہ سے ہر انسان کو آزماؤں گا۔ تیری وجہ سے ہی ہر شخص کو اختیار دیا جائے گا۔ اور تیری وجہ سے ہی ہر شخص کو اختیار دیا جائے گا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو تیسری چیز حکمت عطا کی ہے۔ جو کہ انسان کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ حکمت کے بغیر انسان نہ تو صحیح عبادت کر سکتا ہے۔ نہ صحیح طریقے سے کمائی کر سکتا ہے۔ نہ تعلیم و تعلم اور تبلیغ عبادت ہے۔ زندگی اور عقل کے ساتھ ساتھ حکمت بھی انسان کے لیے بہت ضروری ہے جس کے ذریعے انسان اس دنیا میں ہر کام اچھائی یا برائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس پر کنٹرول سے ایمان اور تقویٰ کمائے گا۔ تو جنت کے لیے منتخب کیا جائے گا۔ اور اگر اس پر کنٹرول کفر، شرک، نفاق، بدعت اور فسق و فجور میں کمائے گا۔ تو ایسا شخص ہمیشہ کے لیے نقصان اور خسارے کا شکار ہو گا۔ منافقوں کے اسی طرزِ عمل کی وجہ سے اللہ نے فرمایا کہ

قیامت کے زلزلوں اور اس کی ہولناکیوں کا بیان

فرمایا جس دن قیامت برپا ہوگی تو ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی۔ لوگوں کو مست دیکھے گا حالانکہ وہ مست نہ ہوں گے۔ قیامت کے دن کی کچھ کیفیت اللہ نے سورۃ الزلزال میں بھی بیان فرمائی ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت ۱) جب زمین اپنی (آخری) جھنجھوڑ کے ساتھ جھنجھوڑ دی جائے گی یعنی زمین پر زلزلہ طاری ہو جائے گا جس طرح زلزلے کے دوران کوئی شخص کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ گر پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ پرندے بھی درختوں سے اڑ کر زمین پر پہنچ پر پھڑپھڑاتے ہیں۔ فرمایا اسی طرح جب قیامت کا زلزلہ برپا ہوگا تو کوئی شخص اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکے گا بلکہ سب لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور پھر اپنے اعمال کی جواب دہی کریں گے۔ گھٹنے ٹیکنے سے مراد سخت تذلیل کی حالت ہے۔ جبکہ دوسرے پر وہ کے زیادہ تر حاضر ہوں گے۔

اس آیت میں تو بظاہر خطاب نبی علیہ السلام کی ذات پر بھی ہو سکتا ہے اور بہت ساری انسانیت بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے ساری امت کو بات کہہ دیتا ہے۔ تو زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہاں پر حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے تمام لوگوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص بدحواسی اور پریشانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ اس دن اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ لوگ کلیجے تھامے ہوئے ہوں گے۔ اس قسم کی حالت اللہ نے قوم عاد اور ثمود

کا بھی بیان کیا ہے کہ عذاب کے وقت اُن کی حالت یہ تھی فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (اعراف - ۹۶) کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنے ٹیکے پڑے رہ گئے۔

بخاری شریف میں آیت هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج - ۱۹) کی تفسیر میں طبرانی بیان کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے گھٹنے ٹیک کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کروں گا۔ پھر قومِ ثمود، عاد اور فرعون کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ سب اپنے اپنے مقدمات میں ہار کر گھٹنے ٹیکے ہوئے ہوں گے۔ پھر قومِ لوط، اصحاب الایکہ اور قومِ سبا کو عذاب جانے کے بعد ان کے مقدمات میں آنے کے بعد ان کی حالت یہ ہوگی کہ گھٹنے ٹیکے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عدالت حاضری کے لئے اپنا مقدمہ پیش کرنے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

پہلے تو قیامت کے دن لوگوں کی دہشت زدہ حالت کا ذکر کیا اور بتایا

نامۂ اعمال کی خوفناکی

وَكُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا - ہر گروہ کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ کتاب کا اطلاق قرآن مجید پر بھی ہوتا ہے اور لوحِ محفوظ پر بھی۔ تاہم یہاں پر کتاب سے مراد وہ نامۂ اعمال ہے جس میں ہر انسان کے زندگی بھر کے اعمال درج ہوتے ہیں۔ یہ اعمال نامہ قیامت کے دن کھول دیا جائے گا فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ (الحاقہ - ۱۹) اور کہا جائے گا کہ آؤ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لو۔ مجرم لوگ یہ اعمال نامہ دیکھ کر ڈر جائیں گے اور بہت افسوس کے ساتھ کہیں گے مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا (الکہف - ۴۹) کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کو محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں ہر انسان کے قول کا ریکارڈ تیار کیا جاتا ہے۔ سورۂ قٓ میں بھی فرمایا مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (آیت - ۱۸) انسان جو لفظ بھی زبان سے ادا کرتا ہے اللہ کا مقرر کردہ نگران فرشتہ اسے ریکارڈ کی طرف اس کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الانفطار میں کراماً کاتبین کا ذکر بھی آتا ہے جو ہر انسان کے ساتھ مقرر ہیں اور اس کی ہر نیکی اور بدی لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر چیز کو اپنے

ذاتی علم کی بناء پر جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کا یہ اعمال نامہ تیار کروا رہا ہے۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کسی قول و فعل کا انکار نہ کر سکے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہر شخص کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر آدمی کی استعداد اس کی مناسبت سے مختلف ہوتی ہے۔ ہر انسان کے نفس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے اعمال ہمارے اعضاء کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن جب حساب کتاب کی منزل آئے گی تو سورۃ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (آیت ۶۵) اُس دن ہم لوگوں کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے کہ یہ شخص دنیا میں کیا کرتا رہا۔ زبان بند ہوگی مگر ہاتھ، پاؤں، کان اور زبان گواہی دیں گے۔ اُس دن انسان کو محسوس ہوگا کہ اُس کے اعمال اُس کے اعضاء کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی ابو عبداللہ بیمار ہو گئے۔ لوگ عیادت کے لیے آتے تو آپ آبدیدہ ہو جاتے۔ لوگوں نے کہا اے ابو عبداللہ! کیا حضور علیہ السلام نے آپ کو جنت کی خوشخبری نہیں سنائی تھی۔ ان پڑھے ہوئے لوگوں کو کاٹ دو اور پھر اس عمل کو برقرار رکھتا تاکہ تو مجھے آن ملو۔ کہنے لگے تو درست ہے لیکن حضور نے آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی دائیں مٹھی میں ہوں گے اور کچھ بائیں مٹھی میں۔ دائیں مٹھی والے جنت میں جائیں گے اور بائیں مٹھی والے جہنم میں جائیں گے۔ کہنے لگے ہو سکتا ہے میرا شمار بائیں مٹھی میں آنے والوں میں ہو۔ یا بائیں مٹھی والے مجھے جنت میں جانے دیں گے۔ اسی بات کی پریشانی لاحق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی صلاحیت کو جانتا ہے اور اسی علم کی بناء پر وہ لوگوں کو دو مختلف مٹھیوں میں بند کرے گا۔ بہر حال انسان کے

عمال اُس کے نفس کے دامن کے ساتھ چمٹ کر محفوظ ہو جاتے ہیں اور انسان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ریکارڈ کے رکھے جانے کے دائرہ سے باہر نہیں رہتا۔ ہر عمل خود نفس کے اندر بھی محفوظ ہے اور خارج میں بھی اللہ نے فرشتوں کے ذریعے ہر عمل کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔

جزاء عمل کی منزل

بہرحال فرمایا کہ ہر کسی کو اس کے اعمال کی طرف لایا جائے گا۔ اور انہیں بتا دیا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یہ ہمارا دفتر ہے، جو حق کے ساتھ بولتا ہے۔ اللہ نے ان کو ٹھیک طریقے سے محفوظ کر رکھا ہے اور ان میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی کا امکان نہیں ہوتا۔ اعمال کی باقاعدہ ترتیب کے علاوہ انسان کے اعمال کی یومیہ، ہفتہ وار اور سالانہ رپورٹیں بھی مرتب ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے رات کے اعمال کی رپورٹ فجر کی نماز کے وقت اور دن کے اعمال کی رپورٹ عصر کی نماز کے وقت اوپر جاتی ہے۔ فرمایا انسان کی ہر چیز ہمارے دفتر میں لکھی ہوئی ہے جو حق کے ساتھ بول کر بتلا دیتی ہے اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہم تمہارے اعمال کو نقل کیا کرتے تھے جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ فرشتے ہمارے ہی حکم سے تمہارے اعمال کی کاپی کرتے تھے اور پھر بعض اعمال کے لیے تجسیم (COMLICATED) ہوتے تھے کہ جن کو فرشتے تحریر کرنے سے عاجز آ جاتے تھے۔ ان کے متعلق حکم ہوتا تھا کہ ان اعمال کو اسی طریقے سے درج کر دو۔ اُن کی شکل و صورت وہ خود بنا لیں گے غرضیکہ ظاہری باطنی چھوٹے بڑے، حتیٰ کہ ہر باریک سے باریک قلبی اعمال بھی لکھ لیے جاتے تھے اور لکھنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ دیتے تھے۔

مذکورہ اعمال کے نتیجے میں جزائے عمل واقع ہوگی فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس بہرحال جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے۔ انہوں نے اپنی زندگی اخلاق اور محبت کے اچھے کام پر لگائی۔ دلائل قدرت

ہے غور و فکر کرکے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاتے، اللہ کے نبیوں، کتابوں، فرشتوں اور معاد پر یقین کیا۔ اس کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر عمل کرتے رہے، جہاد کیا، صدقہ خیرات کرتے رہے اور دوسرے نیکی کے کام کرتے رہے۔ فرمایا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ پس اللہ تعالیٰ ان کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے گا۔ وہ لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے اور حظیرۃ القدس کے مہمان بن جائیں گے۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ ہے حقیقی کامیابی۔ ایسے لوگ جنت کے لیے کامیاب ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں لاتعداد نعمتوں سے نوازے گا۔

اس کے برخلاف وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زندگی، عقل اور صحت جیسی قیمتی پونجی سے کفر، شرک، نفاق اور بدعات کو خریدا تو ایسے لوگوں سے پوچھا جائے گا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ کیا اللہ کے نبی مبلغ اور مصلح (REFORMERS) تمہارے پاس نہیں آئے تھے اور تم کو نیکی کا راستہ نہیں بتایا تھا؟ اس کا جواب یقیناً مثبت ہوگا کہ ہمارے پاس تمہارے رسول واقعی آئے تھے اور انہوں نے اللہ کی آیات بھی پڑھ کر سنائی تھیں، ہر نیک و بد سے آگاہ کیا تھا مگر یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ان کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ تم نے فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے درحقیقت تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور رسولوں کی تکذیب کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم کے متکبرین نے یہی جواب دیا تھا، کیا تمہاری نمازیں تمہیں یہی سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں تصرف کرنا ترک کر دیں۔ تو اپنی نمازوں کی خیر مناؤ تمہارے مال سے کیا واسطہ؟ ہم اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں، عیاشی فحاشی میں فرق کریں، تم کون ہوتے ہو ہم پر پابندیاں لگانے والے۔ ابوجہل کی طبیعت میں بھی بڑا تکبر تھا۔ تمام بڑے بڑے سرمایہ دار دین کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور اہل حق کو حقیر جانتے ہیں۔ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو حقیر یعنی حقیر

کافر ہے دیا تھا۔ تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ تم نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں اور نبیوں کو جھٹلایا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا كَافِرِينَ اور تم لوگ بن گئے۔ اب تم اپنے جرم کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھگتو۔ ان کی سزا کا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کی طبیعت سے تکبر کو نکالنا بڑا ہی دشوار کام ہے سوائے اس کے کہ پہلے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے کہ نکالنے کے مقابلے میں آسان ہے۔ تکبر ابلیس کی بیماری ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ ۳۴) اس نے انکار اور تکبر کا اظہار کیا۔ تکبر کیا اور کافروں میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا ہی تکبر ہے جو انسان کو جہنم کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ
فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ نَظُنُّ
إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ
سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ
لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ
اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا
يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ
الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾
وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے کہ بیشک اللہ کا وعدہ
برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے
تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے قیامت؟ ہم نہیں
خیال کرتے اسے مگر ایک گمان۔ اور نہیں ہیں ہم یقین
کرنے والے ﴿٣٢﴾ اور ظاہر ہو جائیں گی ان کے برائیاں جو وہ کرتے

تھے۔ اور گھیر لے گی اُن کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ
ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۴۸﴾ اور کہا جائے گا کہ آج کے دن
ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جیسا کہ تم نے فراموش کر
دیا تھا اس دن کی ملاقات کو۔ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے
اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ﴿۴۹﴾ یہ اس
لیے کہ بیشک تم نے بنا لیا اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا
ہوا۔ اور تم کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے۔ پس آج کے
دن نہ نکالے جائیں گے اس (دوزخ) سے اور نہ اُن
کو توقع دیا جائے گا (کہ وہ خدا کو راضی کر لیں) ﴿۵۰﴾
پس اللہ ہی کے لیے ہے تعریف جو پروردگار ہے آسمانوں
کا اور زمین کا، اور پروردگار ہے سب جہانوں کا ﴿۵۱﴾ اور اُسی
کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں، اور وہ زبردست
اور حکمت والا ہے ﴿۵۲﴾

**پارہ ۲۵**

سورۃ حاشیہ حوامیم سبعہ میں چھٹے نمبر پر ہے۔ اگلی سورۃ الاحقاف پندرہویں نمبر پر ہے۔ ان سورتوں کو لباب القرآن یعنی قرآن کا لبِ لباب اور نچوڑ کہا گیا ہے۔ ان میں دین کے بنیادی عقائد اور اصول بیان کیے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی توحید اور اس کے دلائل، مشرکین کا رد، شریعت کا اتباع، تکبر کی تردید اور بعض روایات اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ کے اس آخری حصہ میں قیامت کا تذکرہ ہے۔ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی تمام باطل پرست اور بدعقیدہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ہر گروہ گھٹنے ٹیکے کھڑا ہوگا اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ سنایا جائے گا۔ اہل ایمان کو اچھا بدلہ ملے گا اور یہ اُن کی واضح کامیابی ہوگی۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کا راستہ اختیار کیا، ایمان سے محروم رہے اُن کو ڈانٹ پلائی جائے گی اور کہا جائے گا کہ

دنیا کی زندگی کا انکار

کہ یہ آیتیں پڑھ کر نہیں سناتی جاتی تھیں مگر وہ تکبر کرتے تھے اور یقیناً مجرم لوگ تھے

اب آگے والی آیت میں متکبر اور مغرور لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا

اور جب کہا جاتا ہے اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ

کہ وعدہ سچا ہے اور قیامت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ

مَا السَّاعَةُ تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے۔ کیا ہے قیامت ؟ اور تم یہ

بھی کہا کرتے تھے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ہم تو اسے محض ایک ہلکا سا وہم یا گمان ہی

سمجھتے ہیں۔ قرائن کے ہو کہ قیامت آئے گی۔ اس دنیا کی ہر چیز ختم ہو جائیگی۔

پھر نہ زمین اور نہ آسمان ہوگا، اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا۔ سارے قبروں سے اٹھ

کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزا اور

سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے ہم تو ایسی چیزوں کو ایک وہم تصور کرتے

ہیں وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ اور ہم تو ان باتوں پر یقین لانے والے نہیں ہیں۔

ٹھیک کی باتیں مشرک لوگ تکبر اور غرور کی بنا پر کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ آج ہمارے

پاس مال و دولت ہے۔ جاہ و اقتدار ہے اور سب چیزیں ہمیشہ ہمارے شامل حال

رہیں گی۔ ہم اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہیں گے اور ایمان

کے دعویداروں کی حیثیت، دوزخ اور بعث بعد الموت محض ڈھکوسلے ہیں۔ جن کی

کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اعمال نامہ کی پیشی

اللہ کا فرمان ہے یہ بدبخت کس بنا پر اپنے عمل کا انکار کرتے ہیں۔

ان کو جان لینا چاہیئے وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا انہوں نے دنیا میں

جو کچھ برے عمل کئے تھے ان کا ارتکاب کیا قیامت کے دن وہ سب ان کے سامنے

کھول دی جائے گی۔ ان کے اچھے اور برے افعال اور سوانح حیات سب سامنے

آجائیں گی گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کا تعین کرتا ہے

جو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ ایک فرشتہ دائیں طرف اور ایک بائیں طرف

ہوتا ہے۔ یہ فرشتے ہر عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ ہر چیز

ہمارے علم میں بھی تھی اور لوحِ محفوظ میں بھی درج تھی مگر تمہارے نگران فرشتے بھی تمہارے اعمال و اقوال کو لکھتے جاتے تھے۔ دنیا میں تو برائی کا ارتکاب کرتے وقت لوگوں کی نظروں سے بچ جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ تمہارے افعال کا کسی کو علم نہیں ہوا مگر وہ ایک دفتر میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ جو آج تمہارے سامنے کر دیا گیا۔ سورۃ الطارق میں بھی فرمایا یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (آیت ۱۰) اُس دن تمام راز کھل جائیں گے اور کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔ سورۃ الکہف میں ہے کہ مجرم اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کر حیران و ششدر ہو جائے گا اور کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا (آیت ۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جو کسی چھوٹی بڑی چیز کو احاطہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔

الغرض! فرمایا کہ ان کی تمام برائیاں قیامت کے دن ظاہر کر دی جائیں گی وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ یہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے قرآن، اس کے نبیوں، کتابوں، فرشتوں، شریعت اور توحید کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج یہی چیزیں ان کے لیے عذاب کا باعث بن جائیں گی۔

اور کافروں کے لیے یہ ارشاد بھی ہوگا وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ کہا جائے گا۔ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا کسی چیز کو بھول جانا تو عین ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے، وہ سہو، نسیان اور غفلت سے پاک ہے۔ پھر اس کے فراموش کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واقعی کسی چیز کو نہیں بھولتا، مگر یہاں پر فراموش کرنے سے مراد اپنی رحمت سے دور کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے دنیا میں رہ کر کبھی قیامت کا تصور بھی نہیں کیا تھا، اس کو ایک فراموش شدہ چیز بنا دیا تھا۔ آج

ہم بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جیسے کسی فراموش شدہ آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تمہیں اپنی رحمت کا سایہ نصیب نہیں کریں گے۔

بھول جانا انسان کا خاصہ ہے۔ خود حضور علیہ السلام سے بارہا دوران نماز میں بھول ہوئی۔ ایک موقع پر جب آپ نماز میں بھول گئے تو فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ تمہاری طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ بہرحال فرمایا کہ قیامت کے دن تمہیں بھول جانے کا معاملہ اس وجہ سے ہوگا کہ تم نے دنیا میں اس دن کو بھلا دیا۔ اب اس کا بدلہ یہ ہوگا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور نہ ہی تمہارا کوئی مددگار ہوگا۔ جو تمہیں عذاب سے بچا سکے اور یاد رکھو! تمہیں یہ سزا اس وجہ سے ملے گی ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا ہوا بنا لیا۔ جب تمہارے سامنے خدا تعالیٰ کا قرآن، اس کے احکام، دلائل اور شریعت حقہ کی جامع نکتہ توحید ان چیزوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے، آج اس کے بدلے میں یہ عذاب جھیلو۔ اس کے علاوہ تمہاری بدکرتی کی ایک وجہ یہ بھی تھی وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا تم سمجھتے تھے کہ دنیا کا عیش آرام ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور تم سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ حالانکہ تمہارا یہ مال و دولت اور آرام و آسائش بالکل عارضی تھا مگر اس نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا اور تم اسی پر مغرور ہو کر رہ گئے۔ ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے غَرَّتْنِيْ وَزَعَمَتْ اَنِّيْ شَابٌّ قَدْ غَرَّتْنِيْ دھوکے میں ڈال دیا۔ دنیا کے سازوسامان کی مثال سراب کی سی ہے۔ آدمی تپتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی ایک دھوکہ ہے۔ جو شخص اس دھوکے میں آگیا اور اسی کا ہو کر رہ گیا، وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگیا۔ پس

[illegible] کے لازمات تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ ان میں دل تھامنے کی بجائے ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ذکر نہیں پاس دھرکے پڑھا جاتا ہے۔

[illegible] ان سختیوں کو جس مراد میں آج بیان کیا گیا ہے [illegible] ان کو اس [illegible] بلکہ یہ بتلانا اس کا مقصد ہے کہ [illegible] ان کو کوئی موقع دیا جائے گا یہ نہیں۔ کہ

ناشی ذہن پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی برائی

آگے فرمایا وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بڑائی اسی کے لیے ہے آسمانوں میں اور زمین میں عظمت کا مالک بھی وہی ہے تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ وہی باقی ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، جن انسان، فرشتے، ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے ؎

مراد را رسد کہ یار دستی
کہ کشش قدیم است و ذاتش غنی

بڑائی اور عظمت تو اسی کے لائق ہے۔ جس کی ذات قدیم اور ازلی ہے اور جس کی بادشاہی دائمی ہے۔ اسی لیے ہم ہر وقت اللہ اکبر کہہ کر اسی کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں بڑائی اسی کو سزاوار ہے جس کی ہر چیز ذاتی ہے اور کسی دوسری ہستی کی کوئی چیز ذاتی نہیں بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) ہر چیز کا خالق وہی ہے باقی سب مخلوق ہے اور اس کی محتاج ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت ۲۹) زمین و کی ہر چیز اسی کی سوال ہے، کوئی زبان حال سے مانگ رہا ہے اور کوئی زبان قال سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو شخص اس بڑائی اور عظمت کو اپنے اوپر لادنا چاہے گا۔ فرمایا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ سورۃ مومن میں بھی گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (آیت ۶۰) جو لوگ میرے سامنے دست سوال دراز کرنے سے تکبر کرتے ہیں میں ان کو ذلیل کر کے دوزخ میں ڈالوں گا۔ میرے بندوں کو میرے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے اور مجھ سے سوال کرنا چاہیے۔ غرضیکہ غنی اور صمد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، باقی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ اس کے سوا کوئی کسی کی حاجت پوری نہیں کر سکتا ہے۔ نہ

کسی خدا کو حاصل کر سکتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی ذات کے لیے ہے۔

فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الخ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک غالب اور حکمتوں والا ہے۔ قوت کا سرچشمہ وہی ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ (پ ۱۲ یوسف ع ۱۱) اپنی تقدیر میں غالب ہے باقی ساری مخلوق مغلوب ہے۔ وہ حکمتوں والا بھی ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ارض و سما کی تخلیق، بعثت انبیاء، نزول کتب، وقوع قیامت اور جزائے عمل سب اس کی حکمت کا شاہکار ہیں۔ لہٰذا اس کی عظمت اور توحید پر یقین رکھنا چاہیے کہ یہی ایمان کا اصل جوہر ہے۔

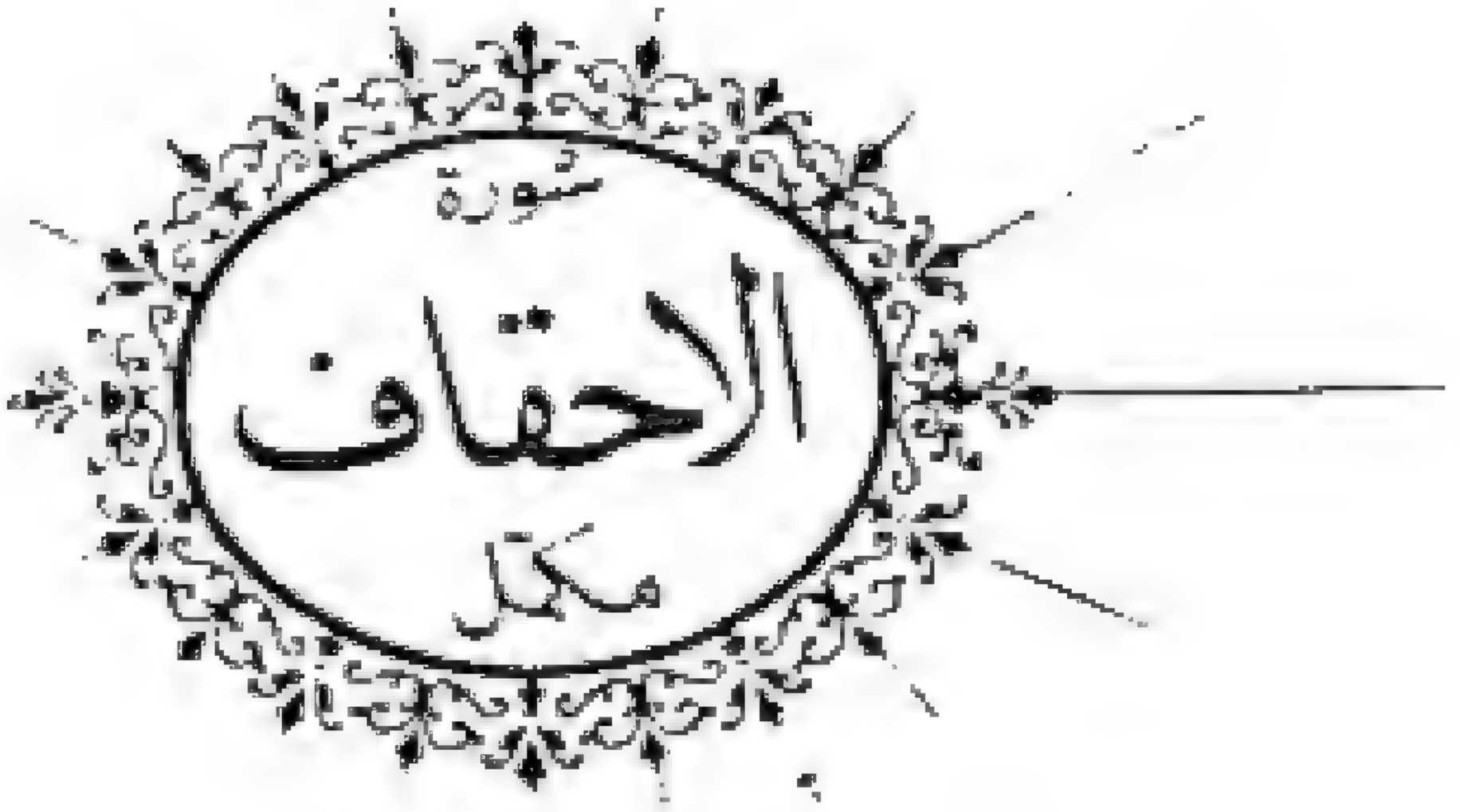
سورة
الأحقاف
مكية

## سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احقاف مکی ہے۔ اس کی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا
مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي
السَّمٰوٰتِ ۭ ائْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ
عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ
كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ وَاِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ
لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

ترجمہ: حٰمٓ ① اس کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہے جو زبردست اور علم والا ہے ② جس
پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان
اور ایک مقررہ مدت تک اور وہ لوگ جنہوں نے کفر
کیا اس چیز سے جس کے ساتھ انہیں ڈرایا گیا ہے
اس سے اعراض کرتے ہیں ③ آپ کہہ دیجئے
اے پیغمبر! بھلا تم بتلاؤ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا
انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا ان کا
ہے کچھ شرکت آسمانوں میں لاؤ میرے پاس کوئی
کتاب اس سے پہلے یا کوئی باقی ماندہ علم کی بات اگر تم
سچے ہو ④ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو پکارتا
ہے اللہ کے سوا اس کو کہ وہ نہیں اس کی پکار کو
قیامت تک اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں ⑤
اور جب اکٹھے کیے جائیں گے لوگ تو ہوں گے وہ ان
کے دشمن اور ان کی عبادت سے انکار کرتے ہوئے ہوں
گے ⑥ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں
واضح تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا حق کا
جب کہ آیا ان کے پاس یہ تو صریح جادو ہے ⑦

---

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الاحقاف ہے۔ احقاف جمع ہے حقف کی جس کا معنی ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ قوم عاد جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ میں آباد تھی۔ یہاں پر ریت کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں جو اس سورۃ میں قوم عاد کا محل سکونت تھا۔ اس لیے اس سورۃ کا نام احقاف رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ حٰمٓ سبعہ کی آخری سورۃ ہے جو کہ مکی زندگی کے آخری دور میں سورۃ الدخان کے بعد

کے بعد نازل ہوئی اس میں پینتیس ۳۵ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ مبارکہ ۹۴۲ کلمات اور ۳۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

اس سورۃ کا موضوع اور مضامین حوامیم سبعہ کی دیگر سورتوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اس میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید باری تعالیٰ، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر بنیادی دینی عقائد بیان ہوئے ہیں۔ اس سورۃ میں قوم عاد کا ذکر ہے جو شرکین کی مزعومہ غلط سوچ کی تردید کی گئی ہے۔ وحدت الی القرآن کا ذکر اس سورۃ میں بھی آگیا ہے۔ جنات کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً اولوالعزم انبیاء کا ذکر بھی اس سورۃ میں آگیا ہے۔ اس کے علاوہ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کا باب بھی بیان ہوا ہے۔

حروف مقطعات

ان سات سورتوں کو حوامیم سبعہ کا نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ ان سب کا آغاز حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ ان حروف کے قطعی اور یقینی معانی حضور علیہ السلام نے بیان نہیں فرمائے، تاہم بعض صحابہؓ اور بعد میں آنے والے مفسرین کرام نے تفہیم کے لیے ان حروف کے کچھ معانی بتائے ہیں۔ چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے حکم الٰہی آیا ہوا ہے جو ہو کر رہے گا اور معنی یہ بنتا ہے کہ تمہارے دن اور بادشاہی کی بزرگی اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہی ثابت ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے ارض و سما اور پوری کائنات میں حکومت فقط اللہ تعالیٰ کی ہے اور بزرگی اور عظمت بھی اسی کے لیے ثابت ہے۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کا اشارہ رحمانیت کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی رحمانیت اٹھانے والوں کی حمایت کرتا ہے۔ اور حٰمٓ کا اشارہ مرضیات حق کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ پسندیدہ باتیں کہ اہل ایمان اور اہل توحید جن کی تلاش میں رہتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے مراد حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران

[illegible] کو مضبوطی سے تھامے رہو اور ٹوٹنے نہ پائے تو ہو جاؤ گے [illegible] یعنی محکم
ہے۔ گویا جس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ہر طرف سے محفوظ بھی
ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے جس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے سے انسان ٹھوکر
سے بچ جائے گا اور عالم بالا کی طرف پہنچ جائے گا۔ ایسا کرنے سے وہ گویا کامیاب
ہو جائے گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ [illegible] علیہ یعنی ذلیل کی طرف سے کیونکہ قرآن کریم جس پر
نازل ہوا ہے۔ اور قرآن سے مراد ہر وہ ہے جس طرح نازل ہوئی ہے انسان نہ پہنچ سکے
ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم بھی تمام انسان کے لیے قابل رسائی نہیں ہے باوجود
ہے۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے باوجود سچ اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ان
حروف کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اس کی ان مراد سے
جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

نزول کتاب

تمام سورہ کا آغاز قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت سے ہوا ہے۔
یہاں پر بھی ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ
کتاب یعنی قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز یعنی زبردست اور
غالب ہے۔ ہر چیز اس کی مطیع ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز بھی اس کے علم سے
باہر نہیں ہے۔ وہ حکیم بھی ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات
کی تخلیق، انسان، جنوں اور فرشتوں کی پیدائش، آسمانوں، اس کے کروں اور زمین
کی تخلیق، ایک خاص مدت تک کے لیے مقرر کردہ نظام شمسی اور پھر اس کے بعد
ہونے والی تبدیلی، قیامت کا برپا ہونا، حساب کتاب کی منزل اور جزائے عمل کی
منازل سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہیں۔

تخلیق کائنات

اللہ تعالیٰ کریمہ میں اسی بات کی وضاحت ہے مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان
کی چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق بیکار نہیں ہے

بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے وَاَجَلٍ مُّسَمًّی اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔ جیسا کہ نظام شمسی میں ہے مگر جب اس کی مقررہ مدت مکمل ہو جائے گی تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ زمین اور نیا آسمان ان کی جگہ لے لیں گے، اور عالم بالا کے تمام حالات پیش آئیں گے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو وقوع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی قیامت برپا ہوگی، نہ حساب کتاب کی منزل آنے والی ہے نہ جزا و سزا کے کوئی باز پرس کرے گا۔ لہٰذا جزا اور سزا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ انہی خیالات کی وجہ سے یہ لوگ اعراض کرتے ہیں جس کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ جس شخص کو آخرت میں حساب کتاب اور جزا و سزا کے عمل کا احساس تک نہ ہوگا۔ وہ اس کے لیے تیاری کیا کرے گا اور پھر اس امتحان میں کامیاب کیسے ہوگا؟ ایسے شخص کو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

توحید کا اثبات

اگلی آیت توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتلاؤ تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ان کی عبادت کرتے ہو۔ ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہو اور ان سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہتے ہو اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا چیز پیدا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے تو خالق ہونا تو بہت بعد کی بات ہے۔ اگر انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے تو وہ چیز ان کی معبودیت کی عقلی دلیل بن سکتی ہے۔ اپنے ارد گرد نظر مار کر دیکھو کہ انہوں نے زمین میں کوئی پہاڑ، جنگل، دریا، سمندر، جھیل، جزیرہ، جانور، کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہوں۔ جب یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے

کل تمہارے پاس دلیل ہے؟ اگر زمین میں معبودان باطلہ کی پیدا کردہ کوئی چیز نظر نہیں آتی اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے کہ انہوں نے کوئی آسمان بنایا ہو یا کوئی آسمانی کرہ پیدا کیا ہو یا کوئی آسمانی مخلوق پیدا کی ہو۔ آخر کس بنا پر تم ان کو پکارتے ہو اور ان کو معبود سمجھتے ہو! ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس حقیقت کو دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں۔ تو جب خالق وہ ہے تو پھر معبود کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے؟

فرمایا: اگر تم شرک کے ثبوت میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر کوئی نقلی دلیل ہی ہے؟ اِئْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ یعنی اس قرآن سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب لے آؤ جس میں لکھا ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ اور یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ کسی بھی آسمانی کتاب میں شرک کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ہر صحیفہ اور کتاب میں شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ملتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی کتاب بھی پیش نہیں کر سکتے اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ تو علم کی کوئی باقی ماندہ بات ہی پیش کرو جو قرآن کے ساتھ نقل ہوتی آئی ہے۔ نقلی دلیل کے طور پر یا تو کوئی کتاب پیش کی جا سکتی ہے یا کسی نبی، صالح۔ اولیاء اللہ یا کسی بڑے عالم کا قول پیش کیا جا سکتا ہے۔ مشرک کے حق میں ان میں سے کوئی قول ثبوت کے طور پر پیش کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ہر نبی، ولی، صالح اور صلحاء آدمی ہمیشہ توحید کی دعوت دیتا رہا ہے اور شرک کی طرف کبھی کسی نے دعوت نہیں دی۔ دانشوروں میں سے لقمان بہت بڑے حکیم اور دانشور گزرے ہیں۔ جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے اور جن کے نام پر ایک سورۃ بھی ہے۔ ان کا بیان قرآن میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان) اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں معافی نہیں کوئی

کافرون ہی نہیں ہے۔ موطا امام مالک میں پہلے انبیاء کے اقوال میں سے ایک یہ قول بھی ملتا ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب تم سے حیا رخصت ہو جائے تو پھر جو تم چاہے کرتے پھرو۔ فاسق کا اعمار دیکھی ہے۔ بے حیا بات ہر ہے خواہ کفر ہو یعنی بے حیا بن کر جو دل چاہے کرو۔ پھر تعجب کس کی پرواہ ہو گی مقصد یہ کہ جب تم عقلی یا نقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو۔ اپنے زعم باطل سے کسی کو معبود بنا لو، عبادت کرو اور مشکل کشا کہہ لو۔ تمہیں کون پوچھنے والا ہے الغرض فرمایا کہ شرک کے حق میں اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لے آؤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مشرک دلیل پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔

غیر اللہ کو پکارنے کی مذمت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے کی مذمت کا ایک اور پہلو بیان فرمایا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے اور جن کو پکارتا ہے۔ ان کی حالت یہ ہے مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کہ وہ قیامت تک ان کی پکار کو نہیں پہنچ سکتے۔ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ اور جن کو پکارا جا رہا ہے وہ ان کی پکار سے بےخبر ہیں۔ انہیں علم ہی نہیں کہ کون کس کو پکار رہا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کو پکار کر سنے گا نہیں تو اس کو جواب کیا دے گا خواہ وہ قیامت تک پکارتا رہے۔ ان کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے اگر وہ ملک، مقرب یا مخلوق کے بت ہوتے ہیں جو نہ تو عقل و شعور رکھتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کسی کی پکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی مثال اللہ نے سورۃ الرعد میں بیان فرمائی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے کی مثال ایسی ہے كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (آیت ۱۴) کہ کوئی شخص دونوں ہاتھ کھولے ہوئے پانی کی طرف بڑھاتا ہے کہ اس کے منہ میں چلا جائے مگر ایسا کبھی نہ ہو گا۔ جب تک کہ انسان خود پانی کو اپنی طرف نہ

نہیں بلائے گا۔ غیر اللہ کو پکارنا بھی ایسا ہی ہے کہ قیامت تک پکارتے رہو وہاں سے کوئی جواب نہیں آئے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جن کو پکارا جا رہا ہے وہ فرشتے یا انسانوں میں سے انبیاء، اولیاء یا شہداء ہوں۔ یہ لوگ تو اپنی قبروں میں اللہ کے فضل سے اپنی جگہوں میں پہنچ چکے ہیں۔ اب اگر کوئی اس دنیا میں کھڑا ہو کر پکارتا ہے تو وہ اتنی دور سے اس کی پکار کیسے سن لیں گے؟ فرشتوں کے متعلق صورتِ سبا میں فرمایا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا تو فرشتوں سے پوچھے گا اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (آیت ۴۱) کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ فرشتے جواب دیں گے کہ پروردگار! تو پاک ہے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے سوا۔ یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ فرشتے بھی مشرکوں کی پکار کا انکار کر دیں گے۔ غرضیکہ جمادات کے متعلق تو ظاہر ہی ہے کہ وہ تو ان لوگوں کے جو اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ تو ٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (آیت ۱۴) تو وہ تمہاری پکار کو سنتے ہی نہیں۔ اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہارے اس شرک سے انکار کر دیں گے۔ الغرض! اللہ کے سوا کسی کو بھی پکارا جائے۔ وہ مستقل کمائی اور حاجت روائی کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ ۔ ۱۶۵) طاقت تو سارے کی سارے خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور مخلوق کے پاس جو قوت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے اور عارضی ہے۔ اللہ جب چاہتے اسے سلب کرنے پر قادر ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہو سکتا ہے جو قادرِ مطلق ذات کو چھوڑ کر درماندہ لوگوں کے لیے پکارتا ہے۔

معبودانِ باطل خراب ہوں گے

پھر فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ جب قیامت کے دن سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً تو یہ معبود ان کے دشمن ہو جائیں گے

دکھ دیا جائیں گے۔ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ اور اُن کافروں کی عبادت سے انکار کر دیا جائے گا جو بتوں کی تعمیر کیے کہتے تھے کہ ہماری عبادت کیا کرو۔ تو آپ شیطان کے نقشِ قدم پر چل کر اس حالت تک پہنچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا تم نے اِن لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو؟ تو وہ بھی جواب دیں گے، پروردگار! مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ (المائدہ - ۱۱۶) یہ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ وہ سب اِن کی اپنی کرتوتیں ہیں جن کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنی عبادت سے انکار کر دیں گے اور مشرکوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ الغرض اپنی عبادت سے صرف اللہ ہی کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المؤمن - ۱۴) پس اللہ کو پکارو اس حال میں کہ خالص اُسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔

فرمایا ان بدبختوں کا اس وقت یہ حال ہے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ جب ہماری واضح آیتیں اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ اسے جو حق ان کے پاس آ چکا ہے قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ تو یہ لوگ جنہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جب حق ان کے پاس آ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے۔ العیاذ باللہ۔ ہر زمانے کے کافروں اور مشرکوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب بھی انہوں نے حق کی آیات دیکھیں، کتاب الٰہی کی تاثیر دیکھی یا کوئی معجزہ کارگر ہوا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے بھی چلتا تھا، آج بھی چل رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے متعلق بھی فرمایا کہ جب آپ کے سامنے ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ اسے جادو کہہ کر انکار کر دیتے ہیں اور حق کو قبول کرنے سے جی چراتے ہیں۔ جیسے باطل پرست ہمیشہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلتے رہتے ہیں جو انہیں بتائے تمام اعمالِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ مزین کر کے دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے پہلے بزرگوں کی تقلید کیے جاؤ۔ آباؤ اجداد کا دین ہے اور اسی پر رہنا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ
لِي مِنَ اللَّهِ شَيْـًٔا ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ
كَفٰى بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾
قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي
مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰى إِلَيَّ
وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٩﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ
بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَلٰى مِثْلِهِ فَـَٔامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿١٠﴾

ترجمہ:- کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ (پیغمبر نے) اس (قرآن) کو
گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا
ہے تو تمہیں مالک تم میرے لیے اللہ کے سامنے کسی
چیز کے۔ وہ خوب جانتا ہے ان باتوں کو جن کے میں
تم گرفتار ہو۔ کافی ہے وہ گواہ میرے درمیان اور
تمہارے درمیان۔ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۸﴾
آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) میں کوئی انوکھا رسول
نہیں ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ
اور نہ (یہ) جانتا ہوں کہ کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔ میں

نہیں اتباع کرتا مگر اُس چیز کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف
اور نہیں ہوں میں مگر کھول کر ڈر سنانے والا ⑨ آپ کہہ دیجئے
مجھ بتلاؤ، اگر ہو یہ کتاب اللہ کی طرف سے اور تم نے
اس سے ساتھ کفر کیا۔ اور گواہی دی ایک گواہ نے
بنی اسرائیل میں سے ایسی کتاب پر، پھر وہ
ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت
کرتا اُس قوم کی جو ظلم کرنے والی ہو ⑩

ربط آیات

آج کے درس کی پہلی آیت گزشتہ درس کی آخری آیت سے مربوط ہے گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب کفار کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ ان کے اثر کے اعتبار سے کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اب اللہ نے فرمایا ہے کہ ان بدبختوں نے اس سے بھی بُری بات کی ہے اور وہ یہ کہ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے کہ یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود ساختہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ نے اس کی تردید فرمائی اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا۔ قُلْ آپ کہہ دیجئے اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا کہ اگر یہ سچ مچ میری گھڑنت ہے تو پھر تو میرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے۔ جب یہ کہ قرآن پاک کو خود بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب کو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا نہیں سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے قطعاً انکار کر دیا کہ یہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔ فرمایا تمہارے اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اُن باتوں کو جن کے اندر تم لگے جاتے ہو۔ تمہاری اس خطرناک اور الزام تراشی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے آپ نے سچی گواہی کے لیے اپنی چالیس سالہ زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا اور فرمایا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس - ۱۶) میں نے
اس سے پہلے عمر کا بہت کا حصہ تم میں گزارا ہے، کیا اس دوران میں نے تمہاری زبان
سے کبھی جھوٹ سنا ہے۔ اب جب کہ بڑھاپے کی منزل آ رہی ہے تو کیا میں یکایک
جھوٹ بولنے لگ جاؤں گا کہ قرآن پاک خود جا کر اللہ کی طرف منسوب کر دوں گا؟
زیادہ کی بات کیا کرو کہ اب میں ایسا کیوں کروں گا؟ فرمایا تمہارے ان الزامات
اور غلط باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ خود تم سے میرے معاملہ میں نپٹ
لے گا۔

آپ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے مزید کہلوایا كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي
وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے
وہ جانتا ہے کہ میں اسی کا فرستادہ سچا رسول ہوں اور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی پر
افترا باندھنا تو بہت ہی بری بات ہے اور جو خدا پر جھوٹ باندھے وہ کبھی کامیاب
نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری غلط بیانی اور میری صداقت پر گواہ ہے وَهُوَ الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ افترا پردازی پر تم
جرم کے مرتکب کو بھی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس امید
سے کہ شاید کچھ کو تمہاری کوتاہی پر ندامت ہو اور وہ توبہ کر لے۔ اگر تم
نہیں مانو گے تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ یہ قرآن کی حقانیت کا بیان ہو گیا۔

خاتمہ سلسلہ رسالت

چونکہ کافر و مشرک لوگ توحید اور رسالت کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے
اللہ تعالیٰ نے اس نکتہ کو بھی حل فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ
اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ میں کوئی نیا اور
انوکھا رسول نہیں ہوں کہ میں اولین رسول ہوں اور مجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا
جس کی وجہ سے میں تعجب اور انوکھا پن محسوس کرتا ہوں۔ نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے
رسول آ چکے ہیں اور میں تو اس سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہوں۔ مجھ سے پہلے آنے
والے رسولوں نے بھی اللہ کی وحدانیت، وقوع قیامت اور جزائے عمل وغیرہ کی

تمہارے پاس پیغمبر کر آیا ہوں۔ پھر تم میری باتوں کو جھٹلا کیوں رہے ہو۔ اللہ کا فرمان ہے۔ اِنَّا اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ (النساء - ۱۶۳) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جیسے نوح علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے انبیاء پر کی۔ مطلب یہ کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء اور رسل مبعوث ہوئے اور اللہ نے ان پر وحی بھی نازل فرمائی۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ آدم سے چلا آ رہا ہے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ لہٰذا آپ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ ان لغو چہ میگوئیوں سے کہیں کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں جو تم مجھ سے بدکتے ہو۔

**علم غیب کی نفی**

آیت کے اگلے حصے میں حضور علیہ السلام سے اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ اللہ نے فرمایا، آپ یہ بھی کہہ دیں وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اور میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی کس قسم کے حالات وقتاً فوقتاً پیش آنے والے ہیں۔ مجھے ان کا کچھ علم نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس کو اس طرح لکھا ہے کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ دنیا میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے ظاہر ہے کہ اللہ کے اکثر انبیاء کو بڑی بڑی تکالیف پہنچائی گئیں حتیٰ کہ بعض انبیاء کو قتل کیا گیا۔ لہٰذا مجھے کچھ علم نہیں کہ آئندہ زندگی میں مجھے کن حالات سے گزرنا پڑے گا۔ جہاں تک کافر ان قوموں کا تعلق ہے تو ان کو بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی پر زلزلہ آیا، کسی پر بیٹھ مسلط کی گئی، کسی کو طوفان نے آگھیرا اور کوئی قوم پانی میں غرق ہوئی۔ لہٰذا فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق بھی کچھ علم نہیں کہ تم سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں تو بالواسطہ علم غیب کی نفی کی گئی ہے تاہم دیگر آیات میں حضور علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی صراحتاً نفی بھی موجود ہے۔ سورۃ یونس میں ہے کہ کافر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر آپ کے پروردگار کی طرف

سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی۔ تو اللہ نے فرمایا فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ (یعنی غیب تو سارا اللہ کے پاس ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ تو میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (آیت ۵۰) اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ سورۃ الاعراف میں اس بات کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ اے حبیب! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (آیت ۱۸۸) اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہتری کی بہت سی چیزیں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی مگر ایسا نہیں ہے، نہ تو میں نے اپنے لیے کوئی چیز جمع کی اور نہ ہی میں کسی تکلیف سے بچ سکا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

علامہ مشرقی نے مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (خدا جانے کیا ہوگا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ) کا یہ مفہوم لیا ہے گویا کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں پیش آنے والے حالات کے علاوہ آخرت میں بھی نجات کا بھی علم نہیں تھا۔ یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اسے اپنی پہچان کا قطعی یقین ہو جاتا ہے کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس کو اللہ کا نبی بشارت دے دیتا ہے وہ شخص بھی قطعی جنتی ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور بشیرؐ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ قطعی جنتی ہیں کیونکہ آپ نے ان کو اس دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت سنا دی۔ چنانچہ جب علامہ مشرقی نے اس قسم کا مفہوم لیا تھا تو علمائے کرام نے اسی وقت تعاقب کر کے وضاحت کر دی تھی کہ حضور جنتی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ البتہ عام امتیوں میں سے کسی شخص کے متعلق کہ وہ جنتی ہوگا یقینی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس بات کا علم وحی الٰہی کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا جو کہ صرف نبی پر

آتی ہے۔

تبلیغ کا طریقہ

حضور علیہ السلام نے قوم پر یہ بھی واضح کر دیا اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں نہیں اتباع کرتا مگر اس چیز کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ پیغمبر کے علاوہ عام انسانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (الاعراف ۳) اسی چیز کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اٹکل پچو چیزوں کی پیروی نہ کرو۔ فرمایا وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میں تو صرف کھول کر ڈرسنانے والا ہوں۔ تمہیں برائی کے انجام سے واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہوں اور بس۔ ایمان، تقویٰ اور عبادت کے بجائے انکار کی تو شخبری سنا دیتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ جو حکم مجھے بھیجتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے آتا ہے۔ اسی کا اتباع کرتا ہوں۔ تم نے قرآن کو گھڑ لیا ہے، بڑی ہی غلط بات ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾ (سورۃ الحاقہ) اگر یہ رسول ہمارے ذمہ کوئی جھوٹ بات لگا کر لاتے تو ہم اسے پکڑ لیتے دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور پھر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ مقصد یہ کہ میں تو وحی الٰہی کا صرف اتباع کرتا ہوں، اس کے خلاف نہیں جا سکتا۔

قرآن کی حقانیت پر شہادت

اگلی آیت میں یہی بات اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے انداز میں فرمائی ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو وَکَفَرْتُمْ بِهٖ اور تم کافر بن جاؤ، تو پھر تمہارا اس انذار سے کیا انجام ہوگا؟ ایسی صورت میں تم اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے؟ حقیقت یہ ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ کہ اس کتاب کی حقانیت کے متعلق بنی اسرائیل میں سے بھی ایک گروہ گواہی دے چکا ہے مگر تم پھر بھی اللہ

کی کتب کا انکار کیے جائے ہو۔ آخر تمہارے پاس اس انکار کی کیا دلیل ہے؟

علی وتمیلہ کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ مثل زائد ہے اور سیدھا سادھا معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شاہد نے اس کتاب پر شہادت پیش کی ہے اور مثل کو یہ قرار دیا جائے گا تو اس کی مثل سے تورات مراد ہو سکتی ہے کیونکہ یہ قرآن کی مثل ہی ایک عظیم الشان آسمانی کتاب ہے اور مخاطب یہ ہے کہ تورات میں بھی قرآن کی حقانیت کی گواہی موجود ہے۔ لہٰذا تمہارے پاس انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خبردار رہو کہ اگر یہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو پھر تمہارے برے انجام میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل کا گواہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی شخص نے قرآن کے حق میں گواہی دی ہے تو وہ کون ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ اس شاہد سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں جو علمائے یہود میں سے ایمان لائے۔ آپ ہی نے حضور علیہ السلام کی رسالت اور قرآن پاک کے حق میں گواہی دی تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک مجلس میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ تورات کا علم رکھتے تھے آپ نے حضور علیہ السلام کو ایک نظر دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کی پیشین گوئی تورات میں درج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ روشن چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔

مگر یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تو مکی دور میں نازل ہوئی جبکہ مذکورہ واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اس ضمن میں بعض فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مدنی دور میں نازل ہوئی ہو۔ اور حضور علیہ السلام نے اسے مکی سورتوں میں رکھوا دیا ہو کہ اس قسم کے بعض دوسرے شواہد بھی ملتے ہیں۔ تاہم زیادہ مشہور بات یہی ہے کہ یہ صادق کی صادق سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی۔ لہٰذا اس

کے مصداق عبداللہ بن سلامؓ نہیں ہو سکتے۔

بعض کہتے ہیں کہ مذکورہ شہادت کا واقعہ مکہ میں ہی پیش آیا تھا جب حضور علیہ السلام نے دینِ حق کی تبلیغ شروع کی تو اہلِ مکہ سخت مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ مکے میں باہر سے بھی لوگ آتے جاتے تھے اور مکے والے بعض اوقات حضورؐ کی رسالت کے متعلق ان سے بھی رائے لے لیتے تھے چنانچہ ایک یہودی عالم کسی کام سے مکے میں آیا تو قریش نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا اس مدعی نبوت کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو اس عالم نے بتایا کہ آخری نبی کی آمد کا ذکر سابقہ کتب میں موجود ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں موجود ہیں۔ گویا اس یہودی عالم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور اس سے وہی شاہد مراد ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس شاہد کا مصداق تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں اور مذکورہ دوسرا یہودی عالم تھا مگر مصداق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی جیسا کہ سورۃ صف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، میں سابقہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (آیت ۶) اور میں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ اس طرح گویا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی آمد سے تین سو سال پہلے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور بنی اسرائیل کے شاہد سے آپ ہی مراد ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شاہد ۔ ۔ ۔ وتصدیق کی فَاٰمَنَ اور وہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لایا وَاسْتَكْبَرْتُمْ مگر اے اہلِ مکہ! تم تکبر کر رہے ہو اور اسی تکبر کی وجہ سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب کا انکار کر رہے ہو، تو اس ظالم

گواہ ہے کہ ہر نبی کے اولین متبعین میں ہمیشہ کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں جبکہ امراء نے اپنے غرور و تکبر اور جاہ و حشمت کی وجہ سے اکثر انکار ہی کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے نبی کی دعوت کو تسلیم کر لیا تو ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ نبی کے خلاف اور غلام ہی کی اڑ لے گئے۔ پھر آخر میں جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو وہ اپنی حکومت بچانے کے لئے ۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو پسند نہیں کرتا۔ ظالم تو وہ ہے جو بالفعل ظلم کر رہا ہے۔ یعنی کفر و شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ ڈھیل دیتے دیتے جب دیکھتا ہے کہ ظالم ظلم ترک کرنے اور سچا وعدہ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تو پھر اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو قابو کر لیتا ہے تو اس کی ہدایت کا راستہ بھی واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت۔ ۶۹) جو لوگ ہمارے راستے کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کرتے ہیں ہم اس پر ہدایت کا راستہ کھول دیتے ہیں اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، معصیت، ظلم و زیادتی پر اصرار کرتا ہے اس کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ ناکام و نامراد رہتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا
سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ
اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۠ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭

ترجمہ:- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہ اگر ہوتا یہ (دین)
بہتر تو نہ سبقت کرتے یہ لوگ اس کی طرف ہم سے،
اور جب کہ انہوں نے ہدایت نہ پائی اس کی پس وہ
کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے ⑪ حالانکہ
اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوائی کرنے والی تھی
اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب (قرآن) تصدیق کرنے والی ہے
عربی زبان میں ہے تاکہ ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے
ظلم کیا، اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لیے ⑫
بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر

وہ اس پر ثابت قدم رہے، پس نہیں خوف ہوگا اُن پر
اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۳﴾ یہی لوگ ہیں جنت والے
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُس میں، بدلہ ہے ان کاموں
کا جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۱۴﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت اور اُس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر تھا اور ساتھ ساتھ رسالت و نبوت کے متعلق شک کرنے والوں کی تردید تھی اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میں کوئی انوکھا اور نیا رسول تو نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول گئے ہیں اور میں بھی رسالت کی آخری کڑی ہوں مجھے ان تفصیلی حالات کا علم نہیں جو آئندہ زندگی میں میرے اور تمہارے ساتھ پیش آنے والے ہیں، میرا کام تو اتباع وحی اور تمہیں کھول کھول کر ڈرسنانا ہے۔ فرمایا یاد رکھو! کہ اگر یہ قرآن پاک اللہ کی جانب سے ہو اور تم اس کے منکر ہو حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک معتبر گواہ نے اس کی صداقت کی گواہی بھی دے دی ہے، وہ تو ایمان لا چکا ہے اور تم غرور و تکبر کی بنا پر انکار کر رہے ہو تو پھر بتلاؤ تمہارا کیا حشر ہوگا اور تمہارے اس تکبر کا کیا نتیجہ پیدا ہوگا۔ فرمایا اگر زیادتی پر تُلے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم جیسے ظالموں کو راہ راست سے محروم ہی رکھے گا۔

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اور کہا کفر کرنے والوں نے ایمان لانے والوں سے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَآ اِلَيْهِ اگر دین اسلام واقعی بہتر ہوتا تو یہ دیہاتی غریب لوگ اس کو اختیار کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف جب مشرک اور کافر لوگ دیکھتے کہ چند نادار لوگ، کچھ غلام اور لونڈیاں اور کچھ مفلوک الحال لوگ ایمان لے کر ہم سے بہتر ہو چکے ہیں تو کہتے کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو یہ کمزور قسم کے لوگ اختیار نہ کرتے بلکہ ہم صاحب حیثیت لوگ اس کی طرف مائل ہوتے۔ وہ اپنے زعم باطل کے مطابق

ہ کہتے تھے کہ جس طرح ہم اس دنیا میں خوشحال ہیں، ہمارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، کاروبار اور تجارت چمک رہا ہے، اسی طرح قیامت کے دن بھی ہم ہر طرح سے مزے اڑا رہے ہوں گے اور ہمیں تمام آسائشیں وہاں بھی میسر ہوں گی۔ جب کہ یہ غریب قسم کے لوگ وہاں بھی اسی کسمپرسی کی حالت میں ہوں گے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ اگر آخرت کا کوئی ایسا ہی آرام و آسائش کی ضرورت ہے جو دین اسلام اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو پھر ہم اس دین کو اختیار کرنے میں پہل کرتے نہ کہ یہ غریب اور نادار لوگ۔ الجوہان کی ایک لونڈی ضعیرہ کو اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی تو مشرک لوگ کہنے لگے کہ اگر اسلام میں اتنی ہی تعبیر لوگوں کا حصہ ہے تو پھر ہم اس سے باز آئے۔ ایسے اسلام کو قبول کر کے ہمیں کیا ملے گا۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ کفار و مشرکین کا یہ زعم باطل تھا اور اسی کی بنا پر وہ ہدایت سے محروم رہے۔

فرمایا وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ اور جب انہوں نے یہ ہدایت نہ پائی۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ تو کہنے لگے کہ یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے لوگ پہلے بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اپنے نبی بھیجتا ہے جو انہیں تبلیغ دین کرتے ہیں، پھر ایک وقت آئے گا، جب قیامت برپا ہوگی، تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، اچھے عمل کی منزل آئے گی اور پھر دوزخ اور جنت کے متعلق فیصلے ہوں گے۔ ایسی ہی باتیں یہ بھی کرتے ہیں مگر ہم نے تو آج تک کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا، نہ ہی یہ اعمال کی منزل آئی ہے اور نہ ہی کسی نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے، یہ سب من گھڑت جھوٹ ہے، نعوذ باللہ۔ اللہ نے ان باطل خیالات کا رد فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہ دنیا کا مال و دولت یا جاہ و اقتدار ہونا کسی شخص کے ہر لحاظ سے بہتر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ بہتری کی دلیل ایمان، توحید، اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی ہے جس کو یہ چیزیں حاصل ہوں گی وہ انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ظاہری طور پر اچھے حالات والوں کو بھی نواز دیتا ہے مگر یہ ان کے بہتر ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ دنیا فانی ہے

ہو رہا ہے اور یہی ایمان، یہی اور اعمال صالحہ پر ہی ہے۔ حضور علیہ السلام کے اولین جان نثار اکثر غریب لوگ تھے مگر وہ ایمان میں پختہ تھے۔ ایمان، اخلاق اور اعمال صالحہ میں بڑے پختہ تھے اور یہی لوگ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ تھے۔

بدعت کی تعریف

امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ

کل فعل وقول لم یثبت عن ۔۔۔ انہ ھو بدعۃ یعنی ہر وہ فعل یا قول جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اگر وہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس میں ضرور سبقت کرتے کیونکہ لم یترک الخصلۃ من خصال خیر الا وقد بادروا الیھا ہر نیکی کی کوئی خصلت ایسی نہیں جس کی طرف صحابہؓ نے سبقت نہ کی ہو۔ لہٰذا بعد کی تمام دین میں ایجاد شدہ چیزیں بدعات میں شمار ہوتی ہیں۔

امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابوداؤدؒ کی کتاب السنہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت نقل کیا ہے۔ آپ کے متعلق حضرت سماک بن حربؒ تابعی کا بیان ہے کہ آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔ پہلے چار خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ تو معروف ہیں مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس لحاظ سے ان میں شامل ہیں کہ آپ کی خلافت بھی خلفائے راشدین کے نمونہ کے عین مطابق تھی۔ بہرحال حضرت سماکؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تقدیر کے مسئلہ پر بحث کی تو آپ نے فرمایا کہ میاں! ایسی بات مت کرو جو صحابہ کرامؓ کے نزدیک صحیح نہیں ہے آپ نے یہ بھی فرمایا فارض لنفسک ما رضی بہ القوم جس چیز پر صحابہ کرامؓ راضی تھے تم بھی اسی پر راضی رہو فانہم لا یقولون الا عن علم وقفوا ویبصر نافذ کفوا ولھم علی کشف الامور کانوا اقوی کیونکہ وہ لوگ علم پر چلتے تھے یعنی ان کا علم گہرا اور صحیح تھا۔ انہوں نے راہ راست کو پا لیا تھا نبوت کے نور سے بصیرت پائی تھی۔ بعد والوں کا علم صحابہؓ کے علم کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور ان کی بصیرت

بڑی نافذ تھی اور وہ مشکل امور کو کھولنے میں بڑے طاقتور تھے۔ یعنی مشکل مسائل کے حل کرنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔ اور جو فضیلت ان میں پائی جاتی تھی وہ اس کے بہت زیادہ لائق تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر صحابہ کرامؓ کی باتیں ہدایت ہیں اور تمہاری یہ ایجاد کردہ باتیں ہدایت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نسبت تم نے بہتری کی طرف سبقت کی ہے۔ اور اس آیت کی روح سے تمہارا بھلے درست نہیں ہے کیونکہ بہتری کی طرف سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے، نہ کہ تم۔ فرمایا کہ اگر تم یہ استدلال پیش کرو کہ صحابہ کرامؓ کے بعد بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں تو یہ نئے مسائل نکالنے والے بھی وہی لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کے راستے پر نہیں چلے بلکہ انہوں نے غیر سبیل المومنین یعنی مومنوں کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کیا ہے جو کہ ان کا خود ساختہ راستہ ہے۔ فرمایا بہتری میں سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ ہی تھے، جو کچھ انہوں نے کلام کیا ہے۔ اس میں کفایت تھی اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس میں شفا تھی اور جو شخص ان سے آگے بڑھے گا۔ اس میں تقصیر ہوگی اور جو ان سے آگے نکلے گا، وہ افراط اور غلو میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ صراط مستقیم پر صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ اَنْتُمْ عَلٰی هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔ گویا صحابہ کرامؓ بعد میں آنے والوں کے لیے معیار قرار پائے۔

الغرض! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ کفار اور مشرکین غلطی پر ہیں۔ جو اہل ایمان کو اپنے آپ سے کم تر سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک اہل ایمان ہی بہتری کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ کے کفار و مشرکین بھی اپنی اسی بہت دھرمی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور جو لوگ آج یہ دعوے کر کے صحابہ کرامؓ سے سبقت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی سابقہ مشرکین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جو اپنے فاسد عقائد و اعمال کو ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

قرآن کی حقانیت

رہتا ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً اس قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جو پیشوا اور رحمت تھی۔ ہر آسمانی کتاب رحمت کی امتمال لینے والی ہوتی ہے اور اپنے ماننے والوں کے لیے رحمت کا باعث بنتی ہے۔ یہی صفات اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور پھر اس کی ایک اضافی صفت یہ ہے وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ یہ سابقہ کتب کی تصدیق کنندہ ہے۔ قرآن پاک سابقہ کتب سماویہ تورات اور انجیل کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ کتابیں اپنے اپنے اوقات میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئیں۔ اسی طرح ان کتب سابقہ کے حاملین انبیاء اور دیگر تمام انبیاء بھی لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ فرمایا لِّسَانًا عَرَبِيًّا اللہ نے یہ کتاب عربی زبان میں نازل فرمائی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی قوم کی زبان عربی ہے اور اس قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ ہے لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تاکہ یہ ظلم کرنے والوں کو ڈرسنائے۔ ظلم میں سب سے پہلے کفر اور شرک آتے ہیں، پھر کبائر، صغائر اور برائی کے دیگر تمام ہیں۔ لیکن قرآن حکیم ہر برے عقیدے اور برے افعال اختیار کرنے والوں کو اس انجام بد سے ڈراتا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ اللہ کا یہ کلام نیکی کرنے والوں کو ان کے اچھے انجام کی خوشخبری بھی دیتا ہے۔ جو شخص ایمان قبول کرکے نیکی کا راستہ اختیار کرے گا۔ اپنی فکر کو صحیح بنائے گا، خالص توحید کا قائل ہوگا، کفر، شرک اور نفاق سے بیزار ہوگا۔ اس کے لیے خوشخبری ہے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس ۲) کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں سچائی کا پایہ ہے۔ نیز فرمایا فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر ۵۵) اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بیٹھنے کے لیے عزت کے مقام ہوں گے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت بھی ان کے شامل ہوگی۔ یہ قرآن کی حقانیت بھی ہوگئی۔

توحید پر ثابت قدمی

اس کے بعد اللہ نے استقامت علی الدین کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ بیشک وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے
پھر اسی کی توحید کو مانتے ہیں، اس کے سوا کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ علیم کل
نہ قادرِ مطلق، وہی ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جنہوں نے
اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اقرار کیا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر وہ
اس پر ثابت قدم رہے۔ استقامت کا ذکر کچھ سورتوں میں ہی گزر چکا ہے۔
حضور علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (الشوریٰ ۔ ۱۵)
کہ آپ اور آپ کے پیروکار بھی اللہ کے حکم کے مطابق مستقیم رہیں۔ شیخ عبدالقادر
جیلانیؒ فرماتے ہیں اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ استقامت
تلاش کرو کرامتیں ڈھونڈتے پھرو۔ اکثر لوگ ڈانواں ڈول ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی
بات پر پھسل جاتے ہیں، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا بدعات کو اپنا لیتے ہیں، معمولی
سی بات پر ایمان تک بیچ دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں دنیا کی حقیر متاع خرید
لیتے ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دین میں استقامت اختیار کرو۔ ڈٹے
رہو۔ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سا فارمولا بتا دیں
جو میرے لیے کافی ہو۔ فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ عَلَیْہِ کہو
میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

فرمایا جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر مستقیم رہے۔
فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ یعنی اگلے جہان کی
دائمی زندگی کے متعلق وہ مطمئن ہوں گے اور وہ کسی ڈر اور خوف میں مبتلا نہیں ہوں
گے۔ اللہ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ
ہی انہیں گذشتہ زندگی کے متعلق کوئی غم لاحق ہوگا کہ انہوں نے اپنے مال و دنیا
اور زندگی جیسی قیمتی پونجی کو کس راستے میں گنوا دیا۔ یہ حال خوف آنے والے زمانے
کے متعلق ہوتا ہے اور حزن سابقہ دور کی غلط کاریوں پر ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا
کہ دین پر استقامت رکھنے والوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ دین پر چلنا اس قدر دشوار ہو جائے گا جیسے جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑنا۔ آج دیکھ لیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ ہر طرف عریانی، فحاشی، بے حیائی، فحش گانے، بے ہودہ فلمیں، بُرے عقائد، بُرے فلسفے، بدعات، کفر اور شرک کی بھرمار ہے۔ ہر طرف سے باطل ہم پر حملہ آور ہے۔ جس نے اسلام کا دفاع کیا جنہوں نے اسلام کا پرچار کیا۔ وہ اللہ سے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی، اُن کے متعلق فرمایا اولئک اصحاب الجنۃ ہی لوگ جنت کے ہیں خالدین فیہا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں جائیں گے اور نہ ہی اُن کے انعامات میں کمی واقع ہوگی۔ جزاء بما کانوا یعملون یہ اُن کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔ فتنہ و فساد کے اس دور میں تھوڑی سی توفیق کرنیوالوں کو بھی زیادہ اجر ملتا ہے۔ تو استقامت علی الدین اختیار کرنے والوں کا بدلہ جنت ہوگا جہاں انہیں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی جو کہ دائمی ہونگی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ
شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۙ
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ
عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ
لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ
الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو اس کے
والدین کے متعلق نیکی کرنے کا اٹھایا ہے اس کو اس
کی ماں نے تکلیف اٹھا کر اور جنا ہے اس کو تکلیف
سے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے تک ہے
یہاں تک کہ جب وہ پہنچ گیا اپنی قوت کو، اور پہنچ
گیا چالیس سال تک تو اس نے کہا۔ اے میرے پروردگار
مجھے توفیق دے کہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت
کا جو تو نے مجھ پر انعام کی، اور میرے ماں باپ پر بھی۔

اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند فرمائے۔ اور
درست کر دے میرے لیے میری اولاد کو۔ بیشک میں
توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے اور بیشک میں فرمانبرداری
کرنے والوں میں سے ہوں ⑮ یہی لوگ ہیں کہ ہم قبول
کرتے ہیں اُن سے اُن کے وہ بہتر کام جو انہوں نے انجام
دیے۔ اور ہم درگزر کرتے ہیں اُن کی برائیوں سے۔ یہ ہیں
جنت والوں میں، یہ وعدہ ہے سچا جو ان سے کیا جاتا ہے ⑯

ربط آیات

سورۃ کی ابتدا میں قرآن کریم کا وحی الٰہی اور برحق ہونا بیان ہوا۔ پھر رسالت کا ذکر ہوا اور اللہ نے منکرین قرآن اور منکرین رسالت کا رد فرمایا۔ اس طرح اللہ نے دین کے بنیادی اصول بیان فرمائے۔ گزشتہ آیات میں رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آیت ۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں کوئی نیا یا انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ کے رسول پہلے بھی آتے رہے ہیں۔ اور وہ بھی اللہ کا پیغام سناتے رہے ہیں۔ میں بھی اسی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہوں۔ توحید کے سلسلے میں اللہ نے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر۔ صرف اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے بلکہ تمام حوامیم سبعہ میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور شرک کا واضح الفاظ میں رد کیا گیا ہے۔ گزشتہ درس میں استقامت علی الدین کا خصوصی تذکرہ ہوا۔ اللہ نے استقامت اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور ان کو بشارت دی ہے کہ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، بلکہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور یہ انعام ان کے ان اعمال کا بدلہ ہوگا۔ جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ایمان اور استقامت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسے اختیار کرنا بندے کے لیے ضروری ہے۔ انسانی سوسائٹی میں حقوق العباد کے ضمن میں والدین سے حسن سلوک سب سے پہلا حق ہے اور آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے والدین سے متعلق بہت سی

باقی بیان فرمائی ہیں۔ یہ کسی انسان کی سعادت کی علامت ہے کہ وہ حقوق اللہ، حقوق العباد کو تمام تر انجام دے۔ جو انسان یہ حقوق ادا کرتے ہیں وہ سعادت مند شمار ہوتے ہیں اور جو اس سے اعراض برتتے ہیں وہ شقی یا بدبخت کہلاتے ہیں۔ آج کے درس میں سعادت مند انسانوں کا تذکرہ ہے اور پھر آگے ان بدبخت لوگوں کا ذکر بھی آرہا ہے جو والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے ان کی جسمانی اور ذہنی کوفت کا باعث بنتے ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

ارشاد ہوتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ وصیت کا معنی ذکر تھم ہوتا ہے اور یہ عام طور پر وفات کے وقت کی جاتی ہے کیونکہ وہ نہایت ہی اہم فیصلہ ہوتا ہے سورۃ النساء میں وصیت کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں مثلاً اعظم وراثت کے ضمن میں اللہ نے فرمایا یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (آیت ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے اور پھر آگے اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے حصص کا تعین فرمایا کہ ہر حقدار کو اس قدر حق ادا کرو مگر مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (آیت ۱۲) مگر اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو مرنے والا کر جائے یا اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو متوفی کے ذمے رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اہل ایمان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مال میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کے برابر ورثاء کے علاوہ دوسروں کے حق میں وصیت کر سکتا ہے مذکورہ آیت میں ایسی ہی کسی وصیت کی تکمیل کا ذکر ہے کہ پہلے وصیت پوری کرو قرضہ ادا کرو اور پھر باقی ماندہ مال میت کے حق داروں کو تقسیم کرو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم سورۃ البقرہ، سورۃ لقمان اور دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (آیت ۲۳) تیرے پروردگار نے

ہے قطعی فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ فقہائے کرام اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ والدین کی خدمت فرض ہے۔ مالی خدمت اس وقت فرض ہوتی ہے جب والدین نادار ہوں۔ ایسی صورت میں ان کا نان نفقہ اولاد کے ذمے ہوگا۔ اگر والدین صاحب مال ہوں تو اولاد پر ان کی مالی خدمت تو واجب نہیں ہوتی، البتہ ان کو جسمانی اور روحانی راحت پہنچانا اور ان کی جائز خواہشات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف والدین کو طعن زنی کرنا، گالی گلوچ سننا یا مارنا پیٹنا، دھکے دینا یا کسی بھی طرح ستانا بے ادبی اور حرام ہے۔

ماں کا خصوصی حق

اگلے جملہ آیت میں اللہ نے ماں کے ساتھ خصوصی سلوک کی جنس وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا ماں نے اس کو تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا، پھر اس کو بڑی تکلیف اٹھا کر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین میں سے والدہ کا ذکر ایک بار زیادہ کیا ہے جب کہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو تاکید کی کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ والدین میں والد اور والدہ دونوں شامل ہیں۔ والد کا ذکر ہو گیا۔ اور پھر والدہ کا ذکر تین دفعہ فرمایا ہے۔ ایک ذکر تو والدیہ میں آ گیا، دوسرا ذکر حَمَلَتْهُ میں ہوا کہ اس نے بچے کو تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور پھر تیسری دفعہ وَوَضَعَتْهُ میں فرمایا کہ اس نے بچے کو تکلیف اٹھا کر جنا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضور! میں والدین میں سے کس کے ساتھ نیکی کا سلوک کروں۔ تو آپ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ آپ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ تیسری دفعہ بھی یہی سوال کیا تو آپ نے ماں کے ساتھ ہی نیکی کا حکم دیا۔ پھر چوتھی مرتبہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے تین سوالوں کے جواب میں باپ کا ذکر کیا۔ اس لیے اکثر مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ باپ

کی نسبت ماں کا حق زیادہ ہے گو یا خدمت ماں کی زیادہ کرنی چاہیئے۔ البتہ ادب و احترام باپ کا زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ - ۲۲۸) کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔ اور یہاں پر اللہ نے عورت کے حق میں یہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کے سلسلے میں بہت تکلیف اٹھاتی ہے۔ علاوہ ازیں ماں تو عورتیں بچگی کے دوران نوست بھی ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک بچے کی پرورش کا تعلق ہے تو یہ بھی آپ کو علم ہے۔ جانوروں کے بچوں کی پرورش انسان کے بچے کی نسبت بہت آسان ہے ان میں سے اکثر پیدائش کے فوراً بعد ہی کسی حد تک خود کفیل ہو جاتے ہیں اور ادھر ادھر پھرنا پاؤں اور منہ مارنے لگتے ہیں۔ دودھ پینے والے بچے کو تو پستان ماں کے قطروں تک آ جاتے ہیں اور دودھ پینے لگتے ہیں اور ساتھ ساتھ گھاس وغیرہ کو بھی منہ مارنے لگتے ہیں، جبکہ انسان کے بچوں کو ابتداء سے ہی اپنی خوراک بیرونی ذرائع سے حاصل کرنی پڑتی ہے اور وہ بھی اللہ کے فضل سے خود بخود نہیں مل جاتی اس کے برخلاف انسان کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا (النساء - ۲۸) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی بچہ ماں کے دودھ تک بھی خود بخود نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اسے ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ دو سال تک ماں کے دودھ پر گزارا کرنا پڑتا ہے اور اگر بچہ کو دودھ چھڑانا مقصود ہو تو اس سے پہلے بھی ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے بچہ کا تعلق ماں سے دوسرے جانوروں کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کی پرورش کے لیے ماں کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ بچے کو نہلانے دھلانے، کپڑے پہنانے، خوراک کا بندوبست کرنے، سردی گرمی سے بچانے اور بیماری میں علاج معالجہ کرنے والے بہت سے کام ہیں جن کو انجام دینے کی ماں ہی کوشش کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر باپ کا ذکر نہ کر کے ماں کا ذکر کیا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی ماں کی خدمت پر زیادہ زور دیا ہے۔

حمل اور رضاعت

حمل اور رضاعت کے تکلیف دہ مراحل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے حمل اور رضاعت کی مدت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے) سورۃ البقرہ میں رضاعت کی مدت کے متعلق فرمایا وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (آیت ۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ چنانچہ جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال تک ہے۔ اس کی رو سے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے اور اس آیت کے مطابق حمل اور رضاعت کی کل مدت تیس ماہ بنتی ہے۔ انسان کا بچہ عام طور پر نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات مدت حمل چھ، سات اور آٹھ ماہ بھی ہوتی ہے، تاہم کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے یونانی حکیم جالینوس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ میں مدت حمل کے متعلق بڑا فکرمند تھا کہ اس کی کم از کم مقدار کیا ہے۔ پھر میں نے ایک ایسا کیس دیکھا جس میں بچہ ایک سو چوراسی دن میں پیدا ہو گیا جو کہ چھ ماہ اور چار دن بنتے ہیں اسلامی دور کے چوتھی صدی کے عظیم منطقی اور طبیب ابوعلی ابن سینا نے بھی اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے کہ اس کے تجربات کے مطابق بھی حمل کی کم از کم مدت ۱۸۴ دن ہے۔ جو تقریباً چھ ماہ بنتے ہیں۔ چنانچہ اگر حمل کی اقل مدت چھ ماہ تصور کی جائے تو آیت زیر درس کے مطابق رضاعت کی مدت دو سال بنتی ہے۔ اور اگر حمل کی مدت نو ماہ شمار کی جائے تو پھر رضاعت ۲۱ ماہ میں مکمل ہو جاتی ہے۔ البتہ اللہ کے فرمان کے مطابق باپ کی رضامندی سے رضاعت کی مدت کو دو سال تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک رضاعت کی کم از کم مدت کا تعلق ہے تو اس کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ والدین کی اپنی صحت اور حالات کے مطابق بچے کا دودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ تاہم رضاعت کی

زیادہ سے زیادہ مدت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہم کے نزدیک دو سال ہی ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت اڑھائی سال تک ہے۔ اس کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض بچے کمزور ہوتے ہیں اور ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی دوسری غذا استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے مدت رضاعت میں اڑھائی سال تک توسیع کی جا سکتی ہے۔ رضاعت کی مدت کے ساتھ بعض دیگر مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس مدت کے بعد بچے کو دودھ پلانا حرام ہو جاتا ہے۔ نیز اس مدت کے بعد اگر بچہ غیر ماں کا دودھ پیئے تو اس سے نہ تو وہ رضاعی ماں بنتی ہے اور نہ اُس عورت کی اولاد اس بچے کے رضاعی بہن بھائی بنتے ہیں جس سے نکاح کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت کے تعین میں احتیاط کی ضرورت ہے اور اسی بناء پر وہ اس مدت کی اڑھائی سال تک توسیع کے قائل ہیں۔

بعض فقہائے کرام اس آیت کریمہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حمل اور رضاعت دو الگ الگ مسائل ہیں اور ان کی خبر ایک ہے۔ یعنی تیس ماہ۔ اس لحاظ سے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حمل کی مدت بھی تیس ماہ اور رضاعت کی مدت بھی تیس ماہ تک ہو سکتی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورۃ بقرہ والی آیت میں رضاعت کی انتہائی مدت تو دو سال بیان کی گئی ہے مگر اس کی اقل (کم از کم) مدت کا تعین نہیں کیا گیا۔ اور اس آیت زیر درس کے مطابق تیس ماہ سے دو سال رضاعت کے نکال کر حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے مگر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی لیے چھ ماہ کی مدت میں پیدا ہونے والے بچے کو شرعی بچہ تصور کیا گیا ہے۔ اس سے کم مدت کے حمل والا بچہ جائز بچہ تصور نہیں ہوتا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک شخص کے ہاں نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو آپ نے اسے غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس کی ماں کو سزا دینا چاہی تو حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ آیت زیر درس کی رو سے چھ ماہ کے حمل کا بچہ جائز تصور ہو گا کیونکہ

اس آیت کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے۔

جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا، شریعت نے اس کی کوئی قید نہیں لگائی۔ اگرچہ عام طور پر بچہ نو ماہ میں پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسے کیس بھی مشاہدے میں آئے ہیں جن میں مدت حمل بہت زیادہ پائی گئی۔ مثلاً بعض بچے تین اور بعض چار سال کے بعد پیدا ہوئے۔ بعض بچے اتنے طویل عرصہ تک ماں کے پیٹ میں رہے کہ ان کے دانت بھی وہیں نکل آئے۔ چین کے مشہور حکیم لاؤزی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اسی سال ماں کے پیٹ میں رہا۔ تاہم ایسے کیس بہت ہی شاذ ہوتے ہیں۔ حمل کی عمومی مدت نو ماہ ہے جو کم از کم چھ ماہ ہو سکتی ہے اور نو سال سے زیادہ کا کچھ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی تشریحات دوسری طرف بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عام طور پر ایک حمل میں ایک ہی بچہ ہوتا ہے مگر کبھی کبھار دو، تین، چار بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں ورکن کے صوبہ تلنگانہ میں ایک کسان کے ہاں بیک حمل آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ ہماری تفسیری کتابوں میں قاضی قمودۃ کے ہاں بیک حمل سو بچوں کی پیدائش کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بعض مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے حمل سے صرف پہلے کا حمل نہیں بلکہ اس حمل سے مراد پیدائش کے بعد کی وہ مدت ہے جو تیس ماہ تک ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ہمارے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ بچے کی رضاعت اٹھائیس سال تک تسلیم کی جائے۔

انتہائی مدت حمل

بچے کی پیدائش اور رضاعت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی جوانی اور پختگی کی عمر تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے کہ اس وقت ایک سعادت مند کس انداز پر چلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک جب انسان اپنی قوت کو پہنچ جاتا ہے۔ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اور وہ چالیس سال کی عمر کے چالیس سال پورے کر لیتا ہے یعنی جب اس کے قویٰ ظاہری و باطنی مکمل ہو جاتے ہیں

جسمانی طور پہ بھی وہ خوب طاقتور ہو جاتا ہے اور اس کی عقل، فہم اور ادراک کو بھی جلا ملتی ہے۔ اس بات کی تصدیق تاریخ انبیاء سے بھی ہوتی ہے کہ انسانیت کی تکمیل عام طور پہ چالیس سال میں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کے علاوہ باقی عام انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوّت عطا ہوئی۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اسی عمر کو پہنچ کر اس منصب جلیل پہ فائز ہوئے اور آپ کی طرف وحی آنا شروع ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص بختی کی اس عمر تک پہنچ کر بھی معصیت سے باز نہیں آتا اور گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو شیطان ایسے شخص کے منہ پہ ہاتھ پھیر کر کہتا ہے کہ یہ چہرہ اچھا ہے، گویا ایسے شخص پہ شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر تک پہنچنے پر جس شخص کی خیر اُس کے شر پہ غالب نہ آئے، اُس کو جہنم کی تیاری کرنا چاہیے۔

سعادتمند آدمی کی دُعا

آیت کے اگلے حصہ میں ایک سعادتمند آدمی کی دُعا کا ذکر آرہا ہے جس نے والدین کی خدمت کر کے یہ سعادتمندی حاصل کی۔ ایسے شخص نے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے پروردگار کے حضور اس طرح دُعا کی قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ کہنے لگا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے دے یعنی میری قسمت میں کر دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پہ اور میرے والدین پہ کی۔ اس نعمت میں تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ نے انسان کو داخلی طور پہ دی ہیں۔ یعنی اُس کو وجود بخشا اور پھر اس میں عقل، حکمت علم اور فہم جیسے جواہر رکھے اور پھر اُس کے جسم کی بقا کے لیے خارج سے اُس کی خوراک اور آرام و آسائش کا بندوبست فرمایا۔ پھر اُس شخص نے اپنے رب کے حضور یہ بھی عرض کیا کہ مولا کریم! مجھے اس بات کی بھی توفیق دے وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ کہ میں ایسا نیک عمل کر سکوں جس سے تو راضی ہو جائے۔ ایسا سعادتمند آدمی یہ دُعا بھی کرتا ہے وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اور میرے لیے میری اولاد کو بھی درست

فرماتے۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور میں۔ میں فرمانبرداری کرنے والوں میں ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے کہ سعادتمند آدمی کا نظریہ اور اس کا طرزِ عمل بیان کیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو یہ سعادت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک روحانی سعادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے۔ دوسری سعادت جسمانی ہے جس کی وجہ سے انسان کا جسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تیسری سعادت خارجی ہوتی ہے۔ امام رازیؒ اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس سعادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اہل اور اولاد اچھے ہوتے ہیں۔ ایسا ہونے کے لیے دعا کا ذکر اللہ نے سورۃ فرقان میں بھی کیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس طرح دعا کرتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (آیت ۷۴) اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ یعنی وہ خدا پرست، نیکوکار، لائق اور فرمانبردار ہوں یہ گویا انسان کی خارجی سعادت ہے۔

اللہ کی طرف سے جزاء

اللہ نے سعادت مند لوگوں کی دعا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ اور ان کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے اچھے اعمال کو بڑھا چڑھا کر لیتے ہیں جب کہ ان کی چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ یہ لوگ جنت والے لوگوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے مقام میں داخل فرمائے گا۔ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ جو ان سے کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعدہ کیا تھا کہ جو شخص سن شعور کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے اس کے انعامات

کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق طلب کرے گا۔ خدا کی وحدانیت کو مان کر اُس کی عبادت کرے گا، شرک، کفر، نفاق اور معصیت سے بچتا رہے گا۔ والدین کی خدمت بجا لائے گا۔ اُن سے خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے وہ انہیں ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ
اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا
هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى
النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ
اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع ٢

ترجمہ:- اور وہ شخص جس نے کہا اپنے والدین سے
کہ تف ہے تمہارے لیے کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے
ہو کہ میں نکالا جاؤں گا (قبر سے) اور تحقیق گزر چکی
ہیں قرنیں مجھ سے پہلے، اور وہ دونوں (ماں باپ) فریاد
کرتے ہیں اللہ کے سامنے (اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں)

افسوس ہے تیرے لیے، ایمان لے آ۔ بیشک اللہ
کا وعدہ برحق ہے۔ پس وہ کہتا ہے کہ نہیں ہے یہ
مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۱۷) یہی وہ لوگ ہیں کہ
ثابت ہو چکی ہے اُن پر بات امتوں میں جو پہلے گزرے
چکی ہیں اُن سے جنوں اور انسانوں میں سے بے شک
یہی لوگ نقصان اٹھانے والے تھے (۱۸) اور ہر ایک فریق
کے لیے درجات ہیں اُن اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے
کیے۔ اور تاکہ پورا پورا بدلہ دے اُن کو اُن کے اعمال کا،
اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۹) اور جس دن پیش کیے
جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر، تو اُن سے
کہا جائے گا کہ تم نے کھا اڑا لیا ہے اپنی پاکیزہ چیزوں کو
دنیا کی زندگی میں، اور تم نے فائدہ اٹھا لیا ہے اُن سے
پس آج تم کو بدلہ دیا جائے گا ذلت ناک عذاب کا اس
وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے زمین میں ناحق، اور اس وجہ
سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے (۲۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے والدین سے متعلق دیے گئے تاکیدی حکم کا ذکر کیا۔ اس اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔ یعنی سعادت مند اور بدبخت۔ گذشتہ درس میں سعادت مند لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے ہیں۔ حقوق العباد میں اولین حق والدین کا ہے کہ اُن کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ وہ لوگ والدین کی خدمت کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق بخشے اور یہ کہ وہ نیک اعمال انجام دے سکیں۔ وہ اپنی بیویوں اور اولادوں کے لیے

بھی نیکی کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے سعادت مند لوگوں کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اُن کی تقصیروں سے درگزر کرتا ہے اور وہ لوگ یقیناً اللہ کی رحمت کے مستحق بنیں داخل ہوں گے۔

شقی الدین اور والدین

سعادت مند لوگوں کا حال بیان کرنے کے بعد اب آپ کے دوسرے بیٹے اللہ نے بدبخت لوگوں اور اُن کے جرائم کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اور وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف ہے تم دونوں پر۔ اُف کا لفظ بیزاری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے جس میں مخاطب کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جاتی ہے۔ یہ لفظ انہی معانی میں سورۃ بنی اسرائیل میں بھی آیا ہے، جہاں اللہ نے والدین کے حق میں ایسا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (آیت ۲۳) جب وہ دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بہرحال فرمایا کہ شقی انسان اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کرکے کہتا ہے۔ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو مجھے بتلاتے ہوئے مجھے اس بات کی خبر دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا مجھے یہ بھی بتلاتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی، سب کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے فرمایا ایسا بدبخت آدمی ان چیزوں کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں مگر میں نے تو آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے اور سزا یا جزا سے دوچار ہوتے نہیں دیکھا پھر یہ تمہارا بعث بعد الموت کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر کسی کو دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس بے ادب، نافرمان اور نالائق بیٹے نے اپنے تئیں ایمان سے خود ہی

کی بات کی اور پھر وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ اِس بدبخت کے والدین اُسے نصیحت کر رہے ہیں۔ مگر وہ اُن سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے، گویا اُس نے نہ تو اللہ کا حق ادا کیا اور نہ ہی حقوق العباد میں سے والدین کا حق ادا کیا۔ حالانکہ وہ اسے ایمان کی طرف بلا رہے ہیں۔

والدین کی طرف سے دعوتِ ایمان

فرمایا وَهُمَا يَسْتَغِيثٰنِ اللّٰهَ والدین اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق دے اور وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کماحقہ ادا کرے۔ اور ساتھ ہی نافرمان بیٹے کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں وَيْلَكَ اٰمِنْ افسوس ہے، تیرا ستیاناس ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آ تاکہ تو بھی شقاوت سے نکل کر سعادتمندوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جسے وہ ضرور پورا کرے گا یعنی بعث بعد الموت اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگی۔ فَيَقُوْلُ اس نصیحت کے جواب میں بیٹا کہتا ہے مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ تمہاری یہ باتیں تو پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔ اساطیر، اسطورہ کی جمع ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے مگر عربی میں مستعمل ہے۔ عربی زبان نے بعض دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اپنے اندر سمو لیے ہیں۔ جیسے سجیل فارسی لفظ ہے مگر عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح نور، میزان، قسطاس وغیرہ بھی غیر عربی الفاظ ہیں مگر اب عربی زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ بہرحال اُس ناخلف بیٹے نے والدین کی طرف سے دی گئی دعوتِ توحید کو ٹھکرا دیا، ایمان سے محروم ہو گیا اور والدین کی بے ادبی اور گستاخی کا موجب بھی بنا۔

فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یہ وہی لوگ ہیں جن پر (خدا کے عذاب کی) بات ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہو کر ایمان اور معاد کا انکار کر دیا، اور والدین کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا اِن پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی۔ اور یہ لوگ فِيْٓ اُمَمٍ

أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ انہی لوگوں میں شامل ہیں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے توحید کا انکار کیا اور سرکشی کی تھی یا تو یہ لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر سزا کے مستحق ٹھہرے إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ بلاشبہ یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔ اللہ نے ان کو زندگی، صحت اور عقل جیسے قیمتی جوہر عطا کیے۔ دنیا کی زندگی میں یہ چیزیں ان کے لیے بیش قیمت سرمایہ تھیں مگر ان لوگوں نے اس پونجی سے ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے انہیں ضائع کر دیا اور اخروی فلاح حاصل کرنے کی بجائے ہمیشہ کی ذلت میں پڑ گئے۔ جو شخص زندگی میں صحت جیسی نعمت کو استعمال کرکے عبادت، ریاضت اور نیکی کے کام انجام دیتا ہے، بلاشبہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص عقل کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً اللہ کی رحمت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اور کفر، شرک اور معاصی جیسی بُری چیزوں سے بچ جاتا ہے۔ اور کامیاب ہو جاتا ہے مگر وہ شخص جس نے ان چیزوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔

سعید و شقی کی مثال

جیسا کہ پہلے عرض کیا، گذشتہ درس میں سعید اور نیک آدمی کا ذکر تھا جب کہ اس درس میں شقی اور بدبخت کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سعادت مند کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ اُس وقت حضرت صدیق اکبرؓ کی عمر اڑتیس ۳۸ برس تھی اور آپ پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ آپ کے ساتھ ایمان لانے والے دیگر اقربا میں آپ کی بیوی ام رومانؓ بھی ایمان لائی جو حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمٰنؓ کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی والدہ ام الخیرؓ اور باپ ابوقحافہؓ بھی بڑی عمر کے بعد ایمان لائے جب کہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس طرح صرف اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی چار پشتیں صحابہؓ میں داخل ہیں۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ، آپ کے والد ابوقحافہؓ، آپ کے بیٹے

عبدالرحمٰنؓ اور آپ کے پوتے عتیق بن عبدالرحمٰنؒ۔ اور شقی لوگ وہ ہیں جو ایمان قبول نہیں کرتے۔ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں، اللہ نے ان دونوں گروہوں کے اوصاف بیان کر دیے ہیں۔

دنیا و آخرت میں جزائے عمل

آگے مجموعی طور پہ فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اور ہر شخص یا ہر فرقے کے لیے اُن کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازیؒ فرماتے ہیں کہ درجات کا تعلق تو اہلِ ایمان کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کام انجام دیتے ہیں اور جو لوگ کفر اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لیے درکات ہوتے ہیں۔ درکات کا ذکر اس مقام پر نہیں کیا گیا۔ مگر مطلب یہی ہے ہر نیکی والے شخص کے لیے اُس کی نیکی کے مطابق درجہ ہے کیونکہ نیکی کبھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے، کبھی اوسط درجے کی اور کبھی ادنیٰ درجے کی۔ اسی طرح برائی کے بھی درکات ہوتے ہیں۔ کوئی کفر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، کوئی اس سے کم تر اور کوئی اس سے کم تر۔ جہنم میں ان کے درکات بھی اُن کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی ہوں گے۔

پھر فرمایا یہ درجات اس وجہ سے ہوں گے وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ تاکہ ان کو اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے، وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کم جرم کے بدلے میں زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نہ کسی ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (آیت-۲۱) دنیا کے مقابلے میں آخرت میں بڑے اعلیٰ درجات اور برتر فضیلت حاصل ہوگی۔ دنیا میں کہ وہ تھوڑے نیک عمل کی بھی زیادہ جزا ملے گی۔ جس طرح دنیا میں ہر شخص کی عقل، ذہانت اور استعداد یکساں نہیں ہوتی، اسی طرح آخرت میں بھی سب لوگ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے درجات میں تفاوت ہوگا۔

نافرمانوں سے خطاب

ادھر نافرمانوں کے بارے میں فرمایا۔ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عَلَى النَّارِ اور جس دن کافر لوگ آگ پر پیش کیے جائیں گے، تو اُن سے کہا جائے
اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا تم نے اپنی پاک چیزوں کو دُنیا
کی زندگی میں ہی کمالیا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا اور ان کو استعمال کر کے اُن سے
فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً اگر کافر دنیا میں کوئی خلافِ شرع کام کرتے ہیں تو اُن کا بدلہ ان
کو دنیا میں ہی شہرت اور نیک نامی کی صورت میں مل جاتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت
میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اُن کے نیک اعمال
کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ کبھی اُن کی صحت اچھی ہوتی ہے، کبھی اُن کو مال و
دولت دے دیا جاتا ہے اور کبھی کسی اعلیٰ عہدے پر متمکن کر کے اُس کے نیک
اعمال کا حساب چکا دیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔
اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بعض اوقات دنیا میں بھی ان کے اعمال
کا بدلہ کسی نہ کسی طرح دیتا ہے مگر آخرت کا بدلہ تو پورا پورا ہوگا بلکہ بڑھا چڑھا کر
دیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ سے
دعا کریں کہ وہ آپ کی اُمت میں توسیع فرمائے یعنی اُمت خوشحال ہو جائے۔ عرض کیا
روم اور فارس کے لوگ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے یعنی کافر
اور مشرک ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح کی فراوانی عطا کر رکھی ہے۔ دوسری طرف
آپ اور آپ کے پیروکار ہیں جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں
دنیا میں فراوانی نہیں، لہٰذا آپ اُن کے لیے بھی دعا کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا
اے عمرؓ! کیا تمہیں اس بات میں کچھ تردد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آخرت
میں پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَنُوَفِّيَنَّهُمْ نَصِيْبَهُمْ...
کہ جس دن کافروں کو جہنم پر پیش کیا جائے گا تو انہیں یہی کہا جائے گا کہ تم نے اپنے
اچھے اعمال کا بدلہ دنیا کے مال و متاع اور نیک نامی کی صورت میں پا لیا، اب
یہاں پر تمہارے لیے کوئی بدلہ نہیں ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے زہد کی طرف اشارہ ملتا ہے زہد کا معنیٰ دنیا سے بے رغبتی ہے نہ کہ ترکِ دنیا جس کی اجازت نہیں دی گئی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں کمال زہد کا نمونہ تھیں جنہوں نے دنیا کی ہر چیز کو آخرت پر قربان کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاکم بنا کر یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ نصیحت بھی فرمائی اِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ یعنی اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ایسا ہوگا۔ تو اُن کے آخرت میں محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ دُنیا کا آرام و آسائش مطلقاً ممنوع نہیں ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف-۳۲) اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں کہ جو زیب و زینت کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو کس نے حرام کیا ہے؟ انھیں استعمال کرو۔ کھاؤ پیو، مگر یاد رکھو! دنیا کی زندگی اور اُس کے لوازمات میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ آخرت کو بھول جاؤ اور پھر وہاں محروم ہونا پڑے۔ حتی الامکان سادگی اختیار کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ سادگی ایمان کا جزو ہے وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ توسع کی چیزیں حرام تو نہیں ہیں، اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھا گھر، اچھی سواری سب اللہ کے انعامات ہیں مگر ان میں الجھ کر آخرت کو نہ بھول بیٹھو، اسی لیے صحابہ کرامؓ عام طور پہ توسع سے گریز کیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے دولت مند صحابی تھے اور آپ اخراجات بھی فراخدلی سے کرتے تھے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مجلس میں موجود تھے کہ آپ کے سامنے اعلیٰ قسم کا کھانا لایا گیا۔ اتنا اچھا کھانا دیکھ کر آپ کو احد کا زمانہ یاد آ گیا۔ جب بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کے لیے پورا کفن بھی مہیا نہیں تھا۔ حضرت حمزہؓ کا سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پہ گھاس پھونس ڈال

کر بعض مشکل کیا گیا۔ آپ اُس زمانے کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ منٰی تک کیا بھی
اٹھا دیا اور کھایا نہیں۔ آپ کہنے لگے۔ مجھے ڈر ہے کہ قیامت کو ہمارے
ساتھ بھی اس آیت میں مذکورہ معاملہ پیش ہو جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ
کہ جو کچھ تم نے دنیا میں ہی کھا اڑا لیا تھا۔ اب یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔
بہرحال اسی احساس کا نام مذہب ہے جو تمام خلفائے راشدینؓ عشرہ مبشرہؓ اور دیگر
جلیل القدر صحابہؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

کفار کیلئے عذاب

فرمایا کہ کافروں سے کہہ جائے گا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں ہی استفادہ حاصل کر لیا۔ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا
آج کے دن تم کو ذلت ناک عذاب کا بدلہ دیا جائے گا بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ
فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اس وجہ سے کہ تم دنیا کی زندگی میں اس زمین پر ناحق
تکبر کرتے تھے۔ تم جس زمین پر تکبر کرتے تھے وہ تو خود عاجز اور انکساری والی ہے
وہ اپنے اوپر چلنے والے کی خدمت گزار ہے۔ اُس کو تمام ضروریات زندگی مہیا
کرتی ہے اور پھر جب انسان مر جاتا ہے تو یہی زمین اُس کو اپنی آغوش میں لے
لیتی ہے۔ بدبخت تو نے اس زمین سے سبق نہ لیا اور الٹا تکبر کرتا رہا اور اللہ
کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ظلم کرتا رہا۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے وَلَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا
(بنی اسرائیل ۳۷) زمین پر اکڑ کر مست چلو۔ تم کتنا ہی مغرور بنو مگر اس قابل
نہیں کہ زمین کو پھاڑ سکے یا اتنا لمبا ہو جائے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ جائے
تم بہرحال پانچ چھ فٹ کے انسان ہی رہو گے۔ لہٰذا تمہیں غرور و تکبر نہ کرنا اور آج
تمہیں اس وجہ سے بھی ذلت ناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ
کہ تم دنیا میں رہ کر نافرمانی کرتے تھے۔ فسق کا معنی اطاعت سے باہر نکل جانا
اس کا اطلاق کفر کے علاوہ تمام معاصی پر بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم
دنیا میں کفر، شرک، کھیل تماشے اور لہو و لعب میں مصروف رہے۔

اللہ تعالےٰ اور اُس کے انبیاء کے احکام کو تسلیم نہ کیا اور نہ ہی وقوع
قیامت اور جزائے عمل پہ ایمان لائے، لہٰذا آج ذلت ناک عذاب کا مزا چکھو۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ
خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ
وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾
فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا
عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا
فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:- اور آپ تذکرہ کریں قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام)
کا جب کہ ڈرایا انھوں نے اپنی قوم کو احقاف کے اندر
اور تحقیق گزر چکے تھے آپ سے پہلے بھی ڈر سنانے
والے اور آپ کے بعد بھی (انھوں نے کہا:) نہ عبادت
کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ بے شک میں خوف کھاتا
ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا ﴿۲۱﴾ وہ لوگ

کہنے لگے، کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو ہمیں ہٹا
دے ہمارے معبودوں سے۔ پس تو لا جو ہم سے وعدہ
کرتا ہے، اگر تو سچا ہے ﴿۲۲﴾ کہا اُس (ہود علیہ السلام)
نے بیشک علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور میں
پہنچاتا ہوں وہ چیز جو مجھے پیغام دیا گیا ہے، مگر میں
دیکھتا ہوں کہ تم نادان لوگ ہو ﴿۲۳﴾ پھر جب انہوں
نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل کی شکل میں جو ان کی
وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا تو کہنے لگے کہ یہ
ابر ہے جو ہم پہ بارش برسائے گا۔ (فرمایا نہیں) بلکہ
یہ وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔ یہ
ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ﴿۲۴﴾ یہ ملیامیٹ
کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پھر
ہو گئے وہ لوگ کہ نہیں دیکھا جاتا تھا سوائے اُن کے
ٹھکانوں کے (کچھ بھی) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ان
لوگوں کو جو مجرم ہوتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

حوامیم سبعہ کی اِس آخری سورۃ میں بھی سابقہ سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت ہی کا تذکرہ ہے ابتدائے سورۃ میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا، پھر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل اور ساتھ ساتھ شرک کا رد ہوا۔ عقیدہ توحید پہ استقامت اور جزائے عمل کا بیان ہوا۔ پھر لوگوں کے دو گروہوں یعنی سعادتمند اور بدبخت لوگوں کا ذکر ہوا۔ فرمایا سعادتمند لوگ وہ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کے سامنے مناجات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نیک انجام بھی بیان ہوا۔ پھر اللہ

نے بدبخت انسانوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ حق سے چشم پوشی کرتے ہیں، اور سرکشی غرور اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب انہیں ایمان کی دعوت دی جاتی ہے، اور وقوع قیامت اور جہنم کے عمل سے ڈرایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بڑے عمل کا موقع آئے گا تو ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے تو دنیا کی زندگی میں ہی کھا پی لیا ہے عیش و عشرت کر لی، لہٰذا آج تمہارے لیے اللہ کے ہاں کچھ حصہ نہیں ہے اب تمہیں ذلت ناک عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔ یہ تمہارے ناحق تکبر اور فسق و نافرمانی کا بدلہ ہے جو مل کر رہے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام

چونکہ مشرکین مکہ اور خاص طور پر قریش بھی غرور و تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اس لیے اللہ نے ان کی عبرت کے لیے قوم عاد کا ذکر کیا ہے کہ تمہارے خارج از دین سرکش قوم بھی گزری جب اللہ کا عذاب آیا تو انہیں دنیا سے نابود کر دیا گیا اور ان کا فرد واحد بھی باقی نہ بچا۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ آپ تذکرہ کریں قوم عاد کے بھائی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا جو اسی قوم کے ایک فرد تھے اور اللہ نے آپ کو انہی کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا توحید کا درس دیا اور کفر و شرک کی مذمت بیان کی مگر ان لوگوں نے غرور و تکبر کی بنا پر اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اس قوم کی ہلاکت کے واقعہ کو اہل عرب بھی جانتے تھے کیونکہ ان کے قصے کہانیوں میں قوم عاد کا ذکر آتا تھا۔ لہٰذا اللہ نے قوم عاد کا واقعہ اور اس کی ہلاکت کا ذکر کر کے مشرکین مکہ اور عرب کو عبرت دلائی ہے۔

اخوت مختلف اعتبار سے ہوتی ہے۔ کبھی ملکی اعتبار سے، کبھی قومیت کے اعتبار سے، کبھی زبان کی رو سے اور کبھی دینی اعتبار سے، جیسا کہ فرمایا كُلُّ مُؤْمِنٍ بِحُرٍّ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں خود قرآن میں بھی موجود ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۱۰) تمام ایمان دار آپس میں بھائی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے ہیں تھا

اللّٰہُ وَاَخَا عَادٍ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے اور قومِ عاد کے بھائی ہود علیہ السلام پر بھی
حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے ہود ابن عبداللہ (یا شالخ) ابن
رباح، ابن الخلود، ابن عاد، ابن اوس، ابن ارم، ابن سام، ابن نوحؑ۔ آپ کی
قوم کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ قومِ عاد عرب کے شمال کی طرف آباد تھی اور یہ عادِ اولیٰ
کہلاتی ہے جب کہ قومِ ثمود جنوب کی طرف آباد تھی اور عادِ ثانیہ کہلاتی ہے امام
جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ فی احوال المصر والقاھرۃ"
میں لکھا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام مصر کے عاکم مصر ابن بیصر کے زمانے میں
مبعوث ہوئے۔ ملک مصر اسی شخص کے نام سے موسوم ہوا اور یہ شخص طوفان
نوح کے دو ہزار چھ سو سال بعد مرا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے چار سو اسی سال
تک قوم کو تبلیغ کی مگر وہ ایمان نہ لائی اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہی۔ صرف چند
لوگ ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے ہلاک کیا۔ اس ہلاکت کے بعد بھی آپ
ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہے۔

قومِ عاد کا تذکرہ

قومِ عاد کا تذکرہ سورۃ اعراف، ہود، شعراء، الحاقۃ، فجر اور بعض دیگر سورتوں
میں بھی موجود ہے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں آباد ہوئی۔
بڑے قد آور اور طاقتور لوگ تھے۔ اللہ نے اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان کا
ذکر کیا ہے اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جب ڈرایا ہود علیہ السلام نے
اپنی قوم کو احقاف میں۔ احقاف حِقف کی جمع ہے جس کا معنیٰ ریت کا ٹیلہ ہوتا
ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں اور طوفان
کے دوران ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس پورے
علاقے کو احقاف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی سرخ اور دیگر بڑے بڑے
ریت کے ٹیلوں کی سرزمین۔ یہ لمبا چوڑا خطہ یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور
مغربی یمن کے درمیان واقع ہے جو صحرائے اعظم الدھنا یا ربع خالی کہلاتا ہے اس
کا کل رقبہ تقریباً تین لاکھ مربع میل ہے۔ قومِ عاد عمان سے لے کر یمن تک اور

[illegible] کر حضرت [illegible] کے ہی علاقہ میں آباد تھی۔ دیگر پرانی اقوام کی طرح اس قوم میں بھی کفر و شرک، ظلم و تعدی اور ظلم و جور جیسی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ یہ لوگ [illegible] کہتے تھے کہ باقی دنیا کو پیدا کیا کرتے تھے اور [illegible] کون [illegible] (حٰمٓ السجدۃ ۔ ۱۵) کہ ہم سے زیادہ طاقتور دنیا میں کون ہے؟

فرمایا آپ علیہ السلام سے [illegible] کہ آپ سے پہلے بھی ڈرانے والے [illegible] اور آپ کے بعد بھی آئے۔ آپ سے پہلے آپ کے بھائی حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ کی مگر صرف ستر یا اسی افراد ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے طوفان میں غرق کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ بھی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر اگرچہ قرآن میں نہیں ہے۔ وہ آدم علیہ السلام کے بعد ہی آتے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ اور بھی انبیاء و رسول بھی آئے ہوں گے جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ملتا۔ جہاں تک آپ ہود علیہ السلام کے بعد کا تعلق ہے تو آپ کے بعد انہی اسفار کے حضرت الیسع علیہ السلام، اسحاق، یعقوب، ایوب، یونس علیہم السلام وغیرہ اسفار کے ہزاروں نبی آئے اور بعد انبیاء بنی اسرائیل کی آخری کڑی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ تو یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد بھی بہت سے آنے والے آئے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک سے منع فرمایا اور ان کو اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کی شرح حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم [illegible] ہیں۔ آیۃ [illegible] اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے سوا کسی کی عبادت [illegible] کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جس نے ساتھ [illegible]

چڑھاوے چڑھاتے ہو، منتیں مانتے ہو، اُن کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہو اور انھیں اپنی حاجتوں میں پکارتے ہو۔ وہ تمھارے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ ہی انہیں کچھ اختیار ہے۔ ہود علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تمھاری ان کفریہ اور شرکیہ باتوں کی وجہ سے اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ مجھے خوف ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن لوگوں کی سزا یا جزا کے حتمی فیصلے ہوں گے۔ یوم عظیم سے ایام اللہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جنکا ذکر سورۃ ابراہیم میں ہو چکا ہے وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ (آیت - ۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قوم فرعون اور بنی اسرائیل کے پاس بھیج کر حکم دیا کہ ان کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لائیں اور انھیں اللہ کے دن یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت عطا فرماتا ہے یا اُن کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

بہر حال ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اللہ کی گرفت میں نہ آجاؤ۔

اس کے جواب میں قَالُوْٓا قوم کے لوگ کہنے لگے اَجِئْتَنَا لِتَاْفِکَنَا عَنْ اٰلِھَتِنَا اے ہود (علیہ السلام)! کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیرنا چاہتا ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم اُن تمام معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے آئے ہیں۔ کہنے لگے تو کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ ہود میں اس بات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے کہ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے ہود! تم تو ہمارے پاس کوئی واضح نشانی بھی لے کر نہیں آئے۔ اور ہم محض تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ تم پر ایمان لائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىکَ بَعْضُ اٰلِھَتِنَا بِسُوْٓءٍ (آیت - ۵۴) ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ہم تو اپنی رسم و رواج اور باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تو ہمیں عذاب کی دھمکی دیتا ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آ جس سے ہمیں ڈراتا ہے، ہم خود ہی اس سے نپٹ لیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ کسی قوم پر عذاب لانا میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کی آمد کے وقت سے واقف ہوں قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ فرمایا اس بات کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ نافرمان لوگ ضرور اس عذاب کا مزا چکھیں گے جو اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ آپ نے قوم کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ میرا کام تو یہ ہے وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ کہ میں تم تک وہ چیز پہنچا دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ میں تمہیں خبردار کر دوں۔ شریعت اور اس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوں۔ میں تو حتی الامکان اپنا فرض منصبی پورا کر رہا ہوں۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہی نادان لوگ ہو جو پیغام خداوندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کفر اور شرک پہ مصر ہو اور پھر الٹا چیلنج کرتے ہو کہ جو عذاب لانا ہے لے آ۔ یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ اپنے لئے عذاب طلب کرتے ہو۔ جب وہ آگیا تو پھر تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

بالآخر قوم پر عذاب کا وقت آگیا۔ تین سال تک ایک قطرہ آب بھی نہ برسا اور لوگ سخت قحط کا شکار ہو گئے۔ اس زمانے میں بیت اللہ شریف کی عمارت تو سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی لوگ اس جگہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے۔ جب قوم عاد قحط سالی سے سخت پریشان ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک وفد مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر قحط کو دور کر دے۔ یہ وفد مکہ پہنچا اور انہوں نے بیت اللہ شریف والے مقام پر جا کر دعائیں کیں۔ پھر ایک دن قوم نے دیکھا کہ آسمان پہ سیاہ بادل گھر آئے ہیں۔ وہ بڑے

خوش ہوئے کہ کالی گھٹا چھائی ہے، اب بارش ہوگی۔ یہاں پہ اللہ نے اسی بات کا ذکر کیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادلوں کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا۔ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پہ بارش برسائے گا۔ اُن لوگوں نے سیاہ بادل دیکھ کر بڑی خوشی منائی کہ تھوڑی ہی دیر میں جل تھل ہو جائیگی اور ہماری مراد بر آئے گی۔ مگر وہ بدبخت نہیں جانتے تھے کہ یہ بادل پانی کی بجائے ان پر آگ کی بارش کرنے والے ہیں۔ مگر اُدھر سے ارشاد ہوا کہ یہ بارش نہیں بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لے آؤ جس کا ہم سے وعدہ کرتے ہو۔ فرمایا رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ ایک تند ہوا ہے جس میں دردناک عذاب پنہاں ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا کو کھولنے کا حکم دیا۔ جس سے اُن پہ شدید عذاب آگیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتِ الْعَادُ بِالدَّبُوْرِ اللہ نے احزاب کے موقع پر میری مدد مشرقی ہوا سے فرمائی۔ ایسی ٹھنڈی اور تیز ہوا چلائی جس سے حملہ آور مشرکین کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ مدینہ کا محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے برخلاف اللہ نے قوم عاد کو مغربی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے ایسی تند و تیز ہوا بھیجی تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا جو ملیا میٹ کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ قوم عاد کا تیز آندھی کے ساتھ ستیاناس کر دیا گیا سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا جو اُن پہ متواتر سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی۔ حتیٰ کہ فرمایا فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ اُن میں سے فرد واحد بھی باقی نہ بچا بلکہ سب نافرمان ہلاک ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنے پیروکاروں کو لے کر فلاں چشمہ کے قریب چلے جائیں۔

آپ نے اس سے عبرت حاصل کی اور ایمان لے آئے۔ مگر ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو اس عذاب سے محفوظ رہا۔ بلکہ سب آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہو گئے۔ اور ان کی لاشیں ایسی پڑی تھیں کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ) گویا کھجوروں کے کھوکھلے تنے پڑے ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ عذاب اس قدر شدید تھا کہ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار ہو جاتا تو اونٹ سمیت ہوا میں اڑتا اور پھر گر کر ہلاک ہو جاتا۔ اور اس قوم کی حالت یہ ہو گئی۔ فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ کہ ان کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یعنی جو جان تو بچا کر نکل گئے تھے ان سے کہیں بستی کر جانور تک فنا ہو گئے۔

یہ تھی شرارت میں آتے تو جب بھی آسمان پر بادل دیکھتے تو خوش ہوتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دفعہ ایک آندھی کے وقت آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ عائشہ! مجھے ڈر ہے کہ یہ بادل کہیں ویسے ہی نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور انہیں تباہ کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے جب تیز ہوائیں چلتیں تو حضور علیہ السلام دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اَرْسَلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلَتْ بِهٖ اے اللہ میں اس ہوا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے۔ اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے۔

بہرحال فرمایا کہ قوم عاد تو ہلاک کر دی گئی۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ لہٰذا مکے والوں کو خبردار ہو جانا چاہیئے۔ کہ اگر انہوں نے اللہ کی نافرمانی کرنے پر قوم عاد جیسا عذاب ہو سکتا ہے۔ تو اسی جرم میں مشرکین مکہ بھی بچ نہیں سکتے۔ الغرض! اللہ نے قوم عاد کا حال بطور عبرت ذکر کر دیا ہے تاکہ اہل مکہ بھی اپنی فکر کر لیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا
يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع ۳ ۹ ۳ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ
ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے اُن کو قدرت دی اُن چیزوں میں کہ نہیں ہم نے قدرت دی تم کو اُن میں۔ اور بنائے ہم نے اُن کے لیے کان، آنکھیں اور دِل پس نہ کام آئے اُن سے اُن کے کان، نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل کچھ بھی۔ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا۔ اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۲۶﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمھارے اردگرد کی بستیوں کو، اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے آیتیں تاکہ وہ لوٹ آئیں ﴿۲۷﴾ پس کیوں نہیں مدد کی ان کی انہوں

سنے ہیں کر بنا لیا انہوں نے اللہ کے سوا تقرب کے لیے
معبود، تاکہ وہ مدد کریں ان کی۔ یہ ان کا جھوٹ تھا
اور وہ جو یہ افترا کرتے تھے ﴿۲۸﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے دین حق سے انکار اور ان کے غرور و تکبر کا ذکر کرکے مشرکین مکہ اور عرب کو عبرت دلائی کہ اگر تم نے بھی قوم عاد کی طرح اللہ کی توحید، اس کے رسول اور معاد کا انکار کیا، شرک اور کفر سے باز نہ آئے، غرور و تکبر پر مصر رہے تو پھر تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام کے انجام ہلاکت سے مختلف نہیں ہوگا۔ اللہ نے قوم عاد کو بڑا جیسی نرم و نازک چیز کے ذریعے ہلاک کیا جو ان کی، جانوروں اور نباتات کی زندگی کا ذریعہ ہے تو جب اس قوم کے تمام نافرمان بچے بوڑھے اور عورتیں سب ہلاک ہوگئے تو پھر ان کی عمارات کے کھنڈرات کے سوا ان کے علاقہ میں کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

سابقہ اقوام سے تقابل

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریقے سے مشرکین مکہ اور عرب کو بات سمجھائی ہے کہ دیکھو! سابقہ مغرور اقوام کے مقابلے میں تمہارے پاس نہ قوت ہے، نہ مال و دولت اور نہ تجربہ، پھر تم کس چیز پر تکبر کرکے اللہ کے کلام کو ٹھکرا رہے ہو۔ اللہ نے ان کو بھی ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کیا۔ تو تم ان کے نقش قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہو، ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ البتہ تحقیق ہم نے سابقہ اقوام عاد، ثمود وغیرہ کو ان چیزوں میں قدرت دی اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ جن میں تم کو قدرت نہیں دی گئی، انکین کا معنی زمین میں جما دینا پختہ کر دینا، قوت کے اسباب مہیا کرنا ہوتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم کس بات پر اکڑ رہے ہو، ہم نے دنیاوی ترقی کے اسباب جتنے سابقہ اقوام کو عطا کیے ہیں وہ تمہیں نہیں دیے۔ سورۃ سبا میں فرمایا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (آیت ۴۵) مکے کے مشرکین کس بات پر اکڑتے ہیں انہیں تو سابقہ اقوام کے عشر عشیر یعنی سویں حصے کے برابر بھی مال و دولت، طاقت، تجربہ اور وسائل رزق نہیں

عطا کیے گئے۔ سابقہ ادوار میں بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں، آشوری اور کلدانی ہر لحاظ سے دنیا میں فوقیت رکھتے تھے۔ اللہ نے دنیاوی اعتبار سے اُن کو بڑا سازوسامان دیا تھا۔ برصغیر میں لوگ ٹیکسلا، گندھارا، ہڑپہ اور موہنجودھارو کی تہذیبوں کو وہاں کے عجائب گھروں میں جاکر دیکھتے ہیں اور ان کی کاریگری، نقش ونگار اور صناعی پہ حیران ہوتے ہیں۔ قومِ عاد کے پاس اقتدار بھی تھا، اور جسمانی طاقت بھی۔ اللہ نے مصر کے قدیم باشندوں اور فرعونی خاندانوں کو بہت بڑی سلطنت اور ہر قسم کے وسائل دیا کیے تھے۔ قومِ ثمود کی صنعت وحرفت پہ آج بھی لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ قدیم چینیوں کی کاریگری اور ادھر اجنٹا اور الورا کی تہذیبیں اپنی شان وشوکت کی آج بھی گواہی دے رہی ہیں۔ اس کے برخلاف عربوں کے پاس تو کوئی باقاعدہ سلطنت بھی نہیں تھی۔ قبائلی نظام رائج تھا اور ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے مکے میں قریش کو بھی سیادت حاصل تھی۔ مگر اُن کے پاس نہ کوئی فوج تھی، نہ مال ودولت تھی، زراعت کا کسی سے نام تک نہ تھا۔ بلکہ وہ وادیٔ غیر ذی زرع کے مکین تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو ایسی قدرت دی جو تمھیں نہیں دی گئی، پھر تم کیسے غرور کرتے ہو؟

اعضائے رئیسہ کی نعمت

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو قدرت دی وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً اور ہم نے اُن کو سُننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور وفکر کے لیے دِل عطا کیے۔ یہ تین چیزیں انسان کے اہم اعضاء شمار ہوتے ہیں۔ دِل کے ساتھ دماغ بھی شامل ہے کیونکہ قوتِ عقلی کا تعلق دِل کے ساتھ ہوتا ہے اور غور وفکر کا تعلق دماغ کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر دونوں آپس میں مربوط بھی ہیں۔ انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ میں دِل، دماغ اور جگر آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عضو بھی خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تینوں بھی آپس میں مربوط ہیں۔ اگر جگر خراب ہو جائے تو قلب اور دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح قلب خراب ہو جائے تو جگر اور دماغ کسی کام کے نہیں رہتے۔ اور اگر انسان

[illegible] ماؤف ہو جانے تو پھر قلب اور دماغ بھی بیکار ہو جاتے ہیں اور انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جس طرح انفرادی اور شخصی اعتبار سے اعضائے جسمانیہ کا درست ہونا ضروری ہے، اسی طرح نوعی اعتبار سے اللہ نے بقائے نسل انسانی کے لیے تولید و تناسل کو قائم کر دیا ہے۔

ان تینوں چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا ذکر قرآن کریم میں کثرت سے آیا ہے۔ دل عقائد حقہ اور مکارم اخلاق سے جس کی درستی یا فساد دل کی درستی پر موقوف ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے۔ اور اگر وہ بگڑ گیا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ فرمایا آلا وھی القلب قرآن مجید میں دل سے متعلق اخلاق حسنہ، محبت، الفت یا اخلاق سیئہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ۔ یعنی سب سے پہلے دلوں پر اثر ہوتا ہے، دل اور اس کے بعد یہ ظاہری اعضا بگڑتے ہیں۔

دوسری دو چیزوں کان اور آنکھوں کو انسانی جسم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ دونوں اعضاء انسان کے لیے علم کا ذریعہ ہیں۔ انسان کانوں کے ذریعہ سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر معلومات حاصل کرتا ہے البتہ کان کی اہمیت آنکھ سے کچھ زیادہ ہے کیونکہ آنکھ تو صرف نظر آنے والی چیز کا ہی ادراک کر سکتی ہے۔ مگر کان ہر ظاہر و باطن شنیدنی چیز سے بہت سی معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً آنکھ کسی چیز کو اس وقت دیکھ کر ادراک کرتی ہے جب وہ سامنے ہو اور اس کے غائب ہونے کے بعد یہ ظاہری اعضاء انسان کی نگاہ میں شنیدنی یا دیدنی چیز کچھ بھی نہیں رہتی۔

اللہ نے اپنی مخلوق میں انسان کو طاقتور بنایا ہے مگر اکثر انسان ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے [illegible]

وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ کہ نہ فائدہ دیا اُن کو اُن کے کانوں نے، اور نہ اُن کی آنکھوں نے اور نہ اُن کے دلوں نے کچھ بھی۔ اور پھر یہ لوگ اندھے اور بہرے بن گئے، حق کو قبول کرنے کی بجائے انبیاء کی مخالفت شروع کر دی اور اس طرح ہمیشہ کی ناکامی کا شکار ہو گئے۔ اللہ نے انسان کو اِن اعضا سمیت عذاب میں مبتلا کر دیا اور کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اُس کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکی۔ اسی لیے فرمایا کہ اُن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اِن اعضاء کے ذریعے دنیاوی امور کو تو خوب سمجھتے تھے مگر معاد کے معاملہ میں بالکل صفر تھے۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا کہ شیطان نے اُن کے اعمال کو انھیں مزین کر کے دکھایا اور انھیں سیدھے راستے سے روک دیا۔ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ (آیت - ۳۸) حالانکہ وہ دیکھنے والے لوگ تھے۔ مگر دنیا کے اعتبار سے۔ دنیا کے نفع نقصان اور اونچ نیچ کو خوب سمجھتے تھے، بڑے بڑے صنعتکار، تاجر، انجینئر اور سائنسدان تھے۔ انہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے بڑی بڑی ایجادات کیں، انسانی آرام و آسائش کے بڑے سامان پیدا کیے لیکن وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم - ۷) آخرت کے معاملہ میں یکسر غافل اور بے سمجھ تھے۔ انہوں نے نہ تو عالمِ برزخ پر یقین کیا، نہ آخرت کی منزلوں کا تعین کر سکے اور نہ جزا و سزا کے مسئلہ کو جان سکے۔ گویا وہ فکرِ معاش میں تو بڑے ماہر تھے مگر فکرِ معاد سے یکسر خالی تھے۔

فرمایا اُن کے اعضائے رئیسہ اُن کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ اُن میں اندھاپن اور بہرہ پن پیدا ہو چکا تھا۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور پھر اُس چیز نے اُن کو گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ وہ بعث بعد الموت، حساب کتاب، جزائے عمل اور جنت دوزخ کا انکار کرتے تھے، بلکہ ان کا تمسخر اڑاتے تھے لہٰذا انہی چیزوں نے عذاب کی صورت میں اُن کو گھیر لیا اور وہ اِن

سے نجات حاصل کرنے کے قابل نہ ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات، اور اُس کی تقدیر پر ایمان لے آتا ہے تو پھر اُس کے اور عالم بالا کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اُس کو باطنی طور پر بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس وجدانی نظام کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ شخص ان چیزوں پر ایمان نہیں لاتا تو مذکورہ دروازہ بند ہی رہتا ہے اور انسان حجاب سوء معرفت کا شکار ہو کر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس میں ایمان کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی اور نہ دل میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے سامنے سابقہ اقوام کی ہلاکت کو بطور مثال پیش کر کے اُن کو عبرت دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو بھی ہلاک کیا۔ ان بستیوں سے مراد قوم عاد کی بستیاں نہیں کیونکہ وہ مکے سے دور تھیں اُن کا زمانہ بھی بہت پہلے کا تھا اور مکے والوں کی اُن کی طرف آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ البتہ ان بستیوں سے مراد قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں تھیں۔ ان قوموں کے واقعات اہل مکہ کے قصے کہانیوں میں بھی سنتے تھے۔ نیز جب یہ شام کے تجارتی سفر پر جاتے تھے۔ تو ان اقوام کی اجڑی ہوئی بستیوں پر سے گزرتے اور ان کا خود مشاہدہ کرتے تھے۔ بحیرہ مردار کے کنارے قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات تھے جب کہ وادی تبوک میں قوم ثمود کے آثار تھے فرمایا، یہ لوگ بھی تمہاری طرح نافرمان تھے، لہٰذا ہم نے ان کو بھی ہلاک کیا اور تم ان کے حالات سے باخبر بھی ہو فرمایا وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اور ہم آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ آیات سے مراد نشانیاں، معجزات، احکام، دلائل، فضیلات ہیں جو کہ ہم نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت بیان کر دیئے ہیں تاکہ یہ لوگ ان نقصانات سے عبرت حاصل کریں اور ہدایت کی طرف پلٹ آئیں۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

توحید کا مسئلہ سمجھانے کے لیے اللہ نے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ جیسا کہ یہاں پر فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً پھر کیوں نہ مدد کی اُن لوگوں کی ان معبودانِ باطلہ نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا تقرب کے لیے الہٰ بنا رکھا تھا۔ تمام پرانے اور نئے مشرکوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے متعلق اُن کا زعم تھا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا تقرب دلا دیتے ہیں۔ بعض یوں کہتے تھے کہ ہماری عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی بلکہ ان مقربین کی عبادت میں شامل ہو کر ہماری عبادت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم ان کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ جو بھی عبادت صحیح عقیدے، صحیح فکر اور خلوصِ نیت سے کی جائے اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتا ہے۔ وہ ہر ایک کی فریاد کو براہ راست سنتا ہے اور خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ واسطے کا مسئلہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرکے بنا رکھا ہے کہ جس طرح کسی حاکم یا بادشاہ تک پہنچنے کے لیے اُس کے امیروں وزیروں کا واسطہ ضروری ہے، اسی طرح خدا سے ملاقات کے لیے بھی درمیان میں بعض معبودان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری کی ساری مخلوق انسان، جن، فرشتے، درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے غرضیکہ سب کا رب ہے اور اس کا تعلق اپنی ساری مخلوق کے ساتھ قائم ہے۔ اُس نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں دے رکھا کہ فلاں کام میری بجائے تم کر دینا، غرضیکہ ہر چیز کا رب مدبر اور متصرف تو خدا تعالیٰ ہے لہٰذا جو لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے اُن کو کون بچا سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے لات، منات، عزیٰ اور ہبل جن کی نذر و نیاز مانتے ہو، جن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہو، جن سے حاجات طلب کرتے ہو اور جن کے نام کی دہائی دیتے ہو، مصیبت کے وقت انہوں نے تمہاری کوئی مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ تو اُن سے گم ہو

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ
بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى
الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ
اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ
عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ
بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:۔ اور جس وقت پھیر دیا ہم نے ایک گروہ آپ کی طرف جنات میں سے، سنتے تھے وہ قرآن۔ پس جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے خاموش رہو پس جب وہ ختم ——— کیا گیا تو پلٹے وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے ﴿۲۹﴾ کہنے لگے، اے ہماری قوم کے لوگو! بے شک ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد، وہ تصدیق کرنے والی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے ہیں (کتابیں) وہ راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! قبول کرو اللہ

کی طرف بلانے والے کی بات کو اور ایمان لاؤ اس پر
وہ بخشے گا تم کو تمہارے گناہوں میں سے اور بچاوے
گا تم کو دردناک عذاب سے ﴿۳۱﴾ اور جو شخص نہ قبول
کرے اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو نہیں وہ عاجز
کرنے والے زمین میں، اور نہیں اس کے لیے اس کے سوا
کوئی مددگار، یہی لوگ ہیں صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ﴿۳۲﴾

ربط آیات

سورۃ احقاف سبعہ طواسیم کی آخری سورۃ ہے۔ ان تمام سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول ہی بیان کیے گئے ہیں۔ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ان سورتوں کا خاص موضوع ہے۔ اسی ضمن میں گزشتہ آیات میں اللہ نے قوم عاد کا ذکر کیا کہ وہ بڑے متکبر لوگ تھے۔ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام نے ان کو اعمال کے برے انجام سے ڈرایا اور صاف فرمایا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (آیت ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے اس معزز قوم کا ذکر اہل مکہ کو سنانے کے لیے کیا اور فرمایا کہ قوم عاد تو تم سے زیادہ طاقتور تھی، ان کے پاس سازوسامان بھی زیادہ تھا، ان کو اقتدار اور حکومت بھی عطا کی گئی تھی سورۃ سبا میں ہے کہ تمہیں تو ان کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ جب وہ اور ان جیسی دوسری اقوام اپنے تکبر، تجبر اور انکار توحید و رسالت اور معاد کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں تو اور کسی اعتبار سے بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا۔ لہٰذا کفر، شرک اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آؤ۔

اللہ نے قوم عاد کے علاوہ مکے کے کفار و مشرکین کی بعض اور قوموں کا بھی ذکر کیا ان اقوام سے مراد قوم لوط اور قوم ثمود ہیں۔ مکے کے لوگ تجارتی سفر پر جاتے تھے تو ان ہلاک شدہ اقوام کی عمارات کے کھنڈرات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اس لیے بھی ان قوموں کے حالات مکے والوں کے قصے کہانیوں میں سنتے تھے، اس

لیے اللہ نے ان اقوام کا تذکرہ کر کے بھی مشرکین مکہ اور عرب کو سمجھایا کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، غرور و تکبر کو چھوڑ دو اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور بالآخر انہیں بھی عذاب الٰہی کا شکار ہونا پڑا۔

جنوں کا قرآن سننا

اب اسی ضمن میں اللہ نے جنوں کے ایک گروہ کا ذکر فرمایا ہے اور اہل مکہ کی توجہ دلائی ہے کہ اصلاً اور اولاً ہدایت کا سلسلہ تو اللہ نے انسانوں کے لیے قائم کیا تھا کہ مگر یہ انسانوں کی بدبختی ہے کہ انہوں نے تو اس کو قبول نہ کیا، اس کے برخلاف جنوں کے ایک گروہ نے اللہ کا کلام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ آج بھی صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص غرور و تکبر اور تعصب و عناد سے بالاتر ہو کر آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرے گا۔ وہ ضرور خدا تعالیٰ کی توحید کو پائے گا اور کفر و شرک سے باز آجائے گا۔ بہر حال اللہ نے جنات کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ اس واقعہ کو اپنے دھیان میں لاؤ جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا یعنی متوجہ کر دیا۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ وہ جنات قرآن پاک سننے لگے۔ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا پس جب وہ اس موقع پر پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی قرآن پاک کو خاموشی کے ساتھ دل لگا کر سنو۔ فَلَمَّا قُضِيَ پھر جب وہ تلاوت ختم ہو گئی۔ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ایماندار، ہدایت یافتہ اور ڈرانے والے بن کر۔

جنات پر ایمان کی بندی

جن خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہے۔ جن کا معنی ہی پوشیدہ ہے کیونکہ یہ مخلوق انسانی نظروں سے مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جن کو کسی دیگر شکل میں دکھا دے تو یہ عین ممکن ہے مگر ان کی اصل شکل کو اللہ نے پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ کیونکہ انسان ان کی اصلی شکل کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جنات کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہوئی اور یہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے جنات اور شیاطین

اُوپر آسمانوں کی طرف جاتے تھے اور فرشتوں کی باتیں کچھ کچھ سن لیتے تھے مگر اس پر اس وقت بھی کسی حد تک پابندی عائد تھی اور فرشتے ان کی آمد پر مزاحمت بھی کرتے تھے تاکہ یہ عدالتی پروگرام میں دخل انداز نہ ہوں۔ تاہم یہ پابندی اتنی سخت نہیں تھی اور یہ عالم بالا کی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ اگرچہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں آمد و رفت کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی پابندیاں ہر جگہ موجود ہیں مگر پاکستان اور افغانستان کے درمیان وہاں پر جاری جنگ کی وجہ سے بہت سے لوگ سرحد پر اور وہاں کے باشندے پاکستان میں پناہ حاصل کر لیتے ہیں اور یہاں سے بھی مجاہدین کی امداد و اعانت آسانی سے ہوتی رہتی ہے۔

بہرحال جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پہرے بٹھا دیے تاکہ کوئی جن یا شیطان اوپر آکر وحی الٰہی میں خلل اندازی نہ کر سکے۔ چنانچہ جب کوئی جن اوپر جانے کی کوشش کرتا تو اللہ کے حکم سے فرشتے اس پر شہاب پھینکتے جن کی زد میں آکر بعض جنات ختم ہو جاتے، بعض زخمی ہو جاتے اور بعض بھاگ جاتے۔ اس بات کا ذکر سورۃ جن میں خود جنات کی زبان سے اس طرح کیا گیا ہے۔ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (آیت ۸) ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت پہریداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ بھی کہ پہلے ہم خبریں سننے کے لیے بہت سے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے شہاب تیار پاتا ہے۔ اب ان جنات اور شیاطین نے شمالی عراق میں واقع نصیبین کے مقام پر اس غرض سے ایک اجتماع منعقد کیا کہ پتہ چلایا جائے کہ انہیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں طے کیا فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (صحیح بخاری شریف) یعنی زمین کے مشرق و مغرب میں جا کر تلاش کرو کہ کیا معاملہ ہے، ہمیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔؟

صفر ۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ کہاں پیش آیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے طائف سے واپسی کے سفر

کے دوران پیش آیا۔ جب آپ مکے والوں سے بالکل مایوس ہو گئے۔ یہاں آپ کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے لوگوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ نے طائف کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں، شاید انہی کی سمجھ میں بات آجائے، مگر وہاں بھی آپ کو مایوسی ہوئی، بلکہ وہاں کے سرداروں کے ایما پر غنڈوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا اور آپ وہاں سے واپس مکے کی طرف روانہ ہو گئے اور اس دوران یہ واقعہ پیش آیا۔

تاہم بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ طائف کے سفر والا نہیں بلکہ یہ اُس سفر کے دوران پیش آیا جب آپ تبلیغِ حق کے لیے عکاظ کی منڈی میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مکے کے اطراف میں کئی ایک سالانہ منڈیاں لگتی تھیں جو ایک ایک دو دو ماہ تک جاری رہتیں۔ ان منڈیوں میں مختلف علاقوں سے لائی گئی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی۔ نیز ان مواقع پر بعض ثقافتی پروگرام مثلاً شعر و شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے۔ کھیل تماشے اور گانا بجانا ہوتا جن سے ان میلوں میں شامل لوگ مستفید ہوتے۔ اس قسم کی منڈیوں میں عکاظ اور ذوالمجاز کی منڈیاں خاص طور پر مشہور تھیں۔ بہرحال حضور علیہ السلام عکاظ کی منڈی میں اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ جا رہے تھے تو راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے نخلہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی اور حسبِ معمول اُس میں لمبی قرأت فرمائی کیونکہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل۔ ۷۸) فجر کا وقت فرشتوں کی تبدیلی کا وقت ہوتا ہے اور یہ اُس وقت حاضر ہوتے ہیں اور انسانوں کے اعمال لے کر اُوپر جاتے ہیں۔ چنانچہ نماز کے دوران نصیبین کے جنات کا ایک گروہ وہاں آیا۔ اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے قرآن سُنا۔ ان جنات کی تعداد پانچ، سات یا نو تھی۔

جنات کا ایمان لانا

بہرحال ان جنات نے حضور علیہ السلام کو نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے دیکھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو یہ جنات فوراً ایمان لے آئے اور واپس اپنے مقام

کی طرف چلے گئے۔ ان کو جنات کے آسمانوں کی طرف جانے پہ پابندی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ یہ وہ علامت تھی جو حفاظت کے لیے ان کا اوپر جانا بند کر دیا گیا ہے تو یہاں پہ اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جنات جب اپنی قوم کی طرف لوٹے تو سنذر بن کر لوٹے۔ وہ خود تو ایمان لا چکے تھے۔ انہوں نے دوسرے جنات کو بھی کہ یہ کتاب الٰہی ہے سنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہ ایمان لانے کا حکم دیا ہے کر لیا تھا۔

ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی مجلس میں آتے تھے وہ طالب علم بن کر آتے تھے اور ان میں سے ستر ستر جنات تھے۔ ان جنات کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ وہ بھی ستر یعنی بارہ اور ذرا سے تھے جن کو واپس بھیجا۔ اس موقع پہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے وحی و علامات نہیں کی بلکہ صرف قرآن ہی سنا اور واپس چلے گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کو تو علم ہی نہیں ہوا کہ جنات کا کوئی گروہ حاضر ہوا تھا، جو قرآن سن کر ایمان لا کر واپس چلا گیا ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مخبر صادق طور پہ ایک درخت نے آپ کو اجمالی طور پہ یہ اطلاع دیدی تھی کہ طرح جنات کا ایک گروہ آیا تھا اور وہ قرآن سن کر چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ جن نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل بیان فرما دی۔ القرض یہ مطلب یہ ہے کہ غیر مستعد جنات نے قرآن سنا۔ تو انہوں نے ایمان قبول کر لیا مگر اپنے مرکز کے مشرکین کی حالت یہ ہے کہ انسان ہونے کے باوجود اور قرآن سننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ نبی علیہ السلام کے ہم جنس ہر قسم کے ہم زبان ہونے کے باوجود ایمان سے محروم ہیں۔

جیسے جنات انسانوں کے مختلف قبائل و مذاہب اور فرقے ہیں۔ اسی طرح جنات میں بھی مختلف قبائل، قبائلوں اور مذاہب میں منقسم ہیں۔ جیسے جنات انسانوں

کے تابع ہیں۔ اس لیے اللہ نے اِن کی طرف کوئی مستقل رسول نہیں بھیجا بلکہ اِن کی طرف منذر آتے رہتے ہیں۔ جو انہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے رہتے ہیں اِن کو واعظ، ہادی، مبلغ یا راہنما بھی کہہ سکتے ہیں جو جنات کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرا کر نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ جنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت پہلے فرمائی تھی، لہٰذا مذکورہ منذر انسان کی تخلیق سے پہلے بھی آتے تھے اور اُس کے بعد بھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت اگرچہ قوی نہیں ہے مگر امام بیہقیؒ نے اسے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ کہیں سفر پہ جا رہے تھے کہ بڑی تیز آندھی آئی اور طوفان برپا ہو گیا۔ یہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جب وہ طوفان تھما تو آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت صفوان بن معطلؓ نے ایک سانپ مردہ پڑا پایا۔ انہوں نے اپنی چادر کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصے میں اُس مردہ سانپ کو لپیٹ کر دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو ان لوگوں کے پاس دو عورتیں آئیں اور انہوں نے دریافت کیا کہ اُن میں سے عمرو ابن جابر کو کس نے دفن کیا ہے۔ جب انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اُن عورتوں نے وضاحت کی کہ جس مردہ سانپ کو تم نے دفن کیا ہے، وہ اُن جنات میں سے تھا جنہوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سن کر ایمان قبول کیا تھا واقعہ یہ ہوا کہ مومن اور کافر جنات کی آپس میں جنگ ہوئی تھی جس میں عمرو ابن جابر نے جام شہادت نوش کیا اور تم نے اِن کو چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ آپ کو اس کا ضرور اجر ملے گا۔ اس قسم کا واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منسوب ہے آپ کو خواب کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ اُن کے ایک ساتھی نے جس سانپ کو دفن کیا تھا۔ وہ ایک مومن جن تھا۔ غرضیکہ جنات کے ایمان لانے کی تصدیق اِن روایات سے بھی ہوتی ہے۔

کتاب الٰہی کی تصدیق

بہرحال جب جنات کا گروہ قرآن سننے اور ایمان لانے کے بعد اپنی قوم

میں واپس گئی قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ وہ کہنے لگے اے ہماری قوم کے لوگو! اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ہے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔ بلاشبہ قرآن پاک وہی حامل و نازل شدہ قرارات کے بعد نازل ہوا۔ مگر اس کے بعد انجیل بھی تورات سے نازل فرمائی ہے جس کا تذکرہ ان جنات نے نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جنات یہودی ہوں اور صرف تورات پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس لیے انہوں نے صرف موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا ہی ذکر کیا۔ یا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انجیل کی نسبت تورات کی شہرت زیادہ پائی جاتی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غلط اور جانبداری کے اعتبار سے کتب سماویہ میں قرآن کے بعد تورات کا نمبر ہے کہ اس میں تحریف الفاظ اور دیگر اغلاط زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک دیگر تمام کتب سماویہ اور صداقت کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور برحق ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے جس کتاب کو سنا ہے اس کی ایک صفت یہ بھی ہے یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ کہ وہ سچے دین اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے

ایمان کی دعوت

جنات کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ وہ خود تو ایمان قبول کر چکے تھے، اب انہوں نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی۔ کہنے لگے یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو۔ اس سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے کہ آپ لوگوں کو دعوت توحید دیتے تھے کہنے لگے اس دعوت کو قبول کرو۔ وَاٰمِنُوْا بِهٖ اور اس پر ایمان لے آؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کی نبوت و رسالت کو دل سے قبول کر لو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف کر دے گا۔ یہاں پر تمام گناہوں کی بخشش کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے

ہیں کہ انسان پہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے تو وہ اپنے حقوق تو معاف کر دیتا ہے مگر حقوق العباد کی معافی اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ خود صاحب حق معاف کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پہ سارے گناہوں کی بجائے بعض کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نہ صرف گناہ معاف کر دے گا بلکہ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تمھیں دردناک عذاب سے بھی پناہ دے دیگا۔

اس مقام پہ مفسرین اور ائمہ دین اس مسئلہ میں بحث کرتے ہیں کہ کیا جنات بھی جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بعض فرماتے ہیں کہ جنات انسانوں سے کم تر مخلوق ہے، لہذا یہ جنت میں نہیں جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعض عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کو جانوروں کی طرح حکم ہوگا۔ کہ مٹی ہو جاؤ اور وہ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے توقف کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال یہ ہے کہ انسانوں کی طرح اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جنات بھی جنت یا جہنم میں جائیں گے۔

جنات کے گروہ نے ایمان کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی جزاء کا ذکر کیا اور ساتھ یہ بھی کہا وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکے گا کہ عذاب الٰہی سے بچ جائے وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اور نہ ہی اس کے لیے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہوگا۔ جو اسے عذاب سے چھڑا سکے، مکے اور عرب کے مشرکوں کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فریادرس نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کہ یہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں انہوں نے عقیدۂ توحید کو تسلیم نہ کیا، رسالت اور قیامت کا انکار کیا۔ یہ لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آکر رہیں گے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ
يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۚ
أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ
الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا
يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ
يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

ترجمہ: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات
وہ ہے کہ جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین اور وہ
نہیں تھکا اُن کی تخلیق سے، کیا وہ اللہ تعالیٰ اس پر
بھی قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ کیوں
نہیں، بیشک وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۳۳﴾
اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے
کفر کیا دوزخ کی آگ پر تو اُن سے کہا جائے گا کیا یہ
حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں اور ہمارے
رب کی قسم، اللہ فرمائے گا، پس چکھو عذاب اُس کے
بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے ﴿۳۴﴾ پس پھر، پس

آپ صبر کریں جیسا کہ صبر کیا بڑی ہمت والے رسولوں نے
اور آپ جلدی نہ کریں ان لوگوں کے لیے۔ جس دن یہ
دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے
گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی بھر دن میں۔ یہ پہنچا
دینا ہے، پس نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر وہ لوگ جو نافرمان
ہیں (۳۵)۔

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ردّ میں جنات کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے قرآن پاک سنا تو ایمان قبول کر لیا اور وہ اپنی قوم کی طرف منذر بن کر لوٹے۔ اس کے برخلاف مشرکین مکہ و عرب کی حالت یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کے ہم قوم، ہم زبان اور ہم جلیس ہونے کے باوجود غرور و تکبر اور ضد و عناد کی وجہ سے ایمان قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں۔ اگرچہ وہ انسانوں سے کم درجہ رکھتے ہیں ان کی تخلیق کے متعلق سورۃ الحجر میں موجود ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (آیت ۔ ۲۷) انسانوں سے پہلے ہم نے جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جنات اللہ کی ایسی مخلوق ہے جس میں دیگر عناصر کے علاوہ آگ کا عنصر زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے جیسا کہ انسانوں کی تخلیق میں دیگر عناصر کی نسبت مٹی کا عنصر غالب ہے۔ جنات غیر مرئی مخلوق ہیں اور اللہ نے انہیں شکلیں تبدیل کرنے کا اختیار بھی دے رکھا ہے انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف خاندان ہیں اور ان میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف مذاہب اور فرقے ہیں۔

حضور کی بعثت بطرف جنات

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ان کو بھی وقتاً فوقتاً تبلیغ فرماتے رہے۔ اس سورۃ میں مذکورہ واقعہ تو جنوں کا قرآن سن کر از خود ایمان لانے کا ہے تاہم

آپ کی طرف سے جنات کو تبلیغ فرمانے کی روایت موجود ہے۔ آپ نے جنات کو چار مرتبہ مکی زندگی میں، ایک مرتبہ مدنی دور میں اور ایک وفد سفر میں مخاطب فرمایا مذکورہ واقعہ کے بعد بھی جنات کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مکی دور کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جنات نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کو تعلیم دیں، چنانچہ آپ رات کے وقت جبل الحجون کے قریب سنگ الحجون میں تشریف لے گئے۔ وہاں ہزاروں کی تعداد میں جنات جمع تھے، آپ نے ان کو ساری رات تلقین کی۔ اب اس مقام پر مسجد جن کے نام سے خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھے رات کے وقت آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو زمین پر ایک دائرہ کھینچنے کا حکم دیا اور آپ خود جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت جب حضور علیہ السلام واپس آئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، کیا تمہیں کچھ نظر آیا ہے؟ عرض کیا، ہاں! مجھے سانولی رنگت اور سفید لباس میں ملبوس کچھ لوگ نظر آئے جیسے عراق میں جاٹ لوگ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ یہاں سندھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ عرض کیا کہ ایک ادھر اور چھ تک مگر اس دائرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ یہ جنات تھے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے چودہ مرتبہ جنات کو تلقین فرمائی ہے۔ آپ نے ان کو اسلام کی باقاعدہ دعوت دی اس کی بعض تفصیلات سورۃ جن میں موجود ہیں۔

ارتقاء کی تلقین

ہمارے عقائد میں سے حشر کین وقوع قیامت اور جزائے عمل کا بھی اختلاف رکھتے تھے، لہٰذا اس سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کا ذکر فرمایا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ اور وہ ان کی تخلیق کرنے کی وجہ سے تھکا نہیں۔ قرآن پاک میں اس بات

کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی بڑے سے بڑا کام کر کے بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتی۔ سورۃ قٓ میں یہی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دِن میں پیدا کیا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (آیت - ۳۸) اور ہم کو ذرا بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو ان تمام چیزوں کو ایک لمحہ میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر اُس نے انسانوں کی تعلیم کے لیے چھ دن کے وقفہ میں یہ کام کیا۔

ارض و سماء کی تخلیق کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر وہاں پر یہودیوں نے کچھ تحریف بھی کر دی ہے۔ چنانچہ جہاں چھ دِن میں تخلیق کی بات ہے وہاں انہوں نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ساتویں دن آرام کیا، گویا اللہ تعالیٰ چھ دِن کام کر کے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) تو ساتویں دن آرام (REST) کیا۔ وہ ہفتہ میں ساتویں دِن چھٹی کا جواز اسی بات سے نکالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق تھکاوٹ کا نظریہ قائم کرنا کفریہ بات ہے اور قرآن نے اس کا بار بار رد کیا ہے۔

معاد اور جزائے عمل

فرمایا جس خدا تعالیٰ نے ارض و سما کو تخلیق کیا بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى کیا وہ اس کام پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ یہ لوگ اپنے سامنے انسانوں کو روزمرہ پیدا ہوتے دیکھتے ہیں، جانور، کیڑے مکوڑے، درخت پھل، پھول، اناج اور سبزیاں بار بار پیدا ہوتی ہیں تو جو اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو تکرار پیدا کر سکتا ہے وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قدرت نہیں رکھتا؟ اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا بَلٰٓى کیوں نہیں؟ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، لہٰذا وہ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے، اور وہ اپنے مقررہ وقت پر ایسا ضرور کرے گا۔

آگے اللہ نے جزائے عمل اور مابعد کی کیفیت کے متعلق فرمایا وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اور جس دن کفر کرنے والوں کو آگ پر پیش

کیا جائے گا۔ یعنی جیسے کافروں اور مشرکوں نے عقائد و اعمال کی دعوت دینے
کا مذاق کیا ہے تو ان سے پوچھا جائے گا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ کیا یہ حق نہیں
ہے تو دنیا میں کفر و شرک کا انتخاب کرتے تھے مگر وقوع قیامت اور دوزخ
جنت کا انکار کرتے تھے۔ اب دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ کیا
اب بھی اس کو برحق مانتے ہو یا نہیں؟ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا اس وقت اقرار
کریں گے کہ ہمارے پروردگار کی قسم یہ تو بالکل حق ہے۔ یعنی دوزخ اور دوزخ
اور اس کا عذاب بالکل برحق ہے۔ پھر اوپر سے حکم ہوگا۔ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ یہ اس عذاب چکھنے کے بدلے میں جو تم کفر کرتے تھے
اپنے انکار اور تکذیب کے نتیجہ میں ہمیشہ کا دائمی عذاب بھگتو۔

صبر کی تلقین

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دی ہے فَاصْبِرْ کَمَا
صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں
اور تکذیب پر صبر کریں جیسا کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا۔ اللہ کے سارے رسول
ہی باہمت اور صابر ہوئے ہیں مگر ان میں بعض کو بہت زیادہ مشکلات و مصائب
سے پالا پڑا۔ انہوں نے بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں اور اسی کی وجہ سے برداشت بھی
زیادہ کیا۔ یہ پانچ اولوالعزم رسول ہیں جن کا ذکر سورۃ احزاب میں بھی کیا گیا ہے اور
یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام،
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا اے نبی آخر الزمان
یہ لوگ بلاشبہ آپ کو بہت تکالیف پہنچاتے ہیں اور آپ کے مشن کی راہ میں کے
لیے مصائب کے پہاڑ کھڑے کرتے ہیں، مگر آپ کے لیے فکر کی بات نہیں۔ وَلَا
تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ آپ ان کو جلد ڈلوانے میں جلدی نہ کریں۔ یہ لوگ اپنے مقررہ
وقت پر ضرور پکڑے جائیں گے اور اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔

زبان کی تلقین

آگے اللہ نے ان سزا پانے کفار و مشرکین کی ایک اور حالت کو بیان فرمایا
ہے کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ جس دن یہ دیکھیں گے اس

چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اُس وقت خیال کریں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ گویا کہ وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے۔ آج تو لوگ اس دنیا میں سو پچاس سال تک زندگی گزارتے ہیں مگر کافروں، مشرکوں، مغروروں اور نافرمانوں کو اُس دن ایسا محسوس ہوگا کہ اُن کی پوری زندگی ایک دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں تھی۔ سورۃ النّٰزعٰت میں کہا گیا ہے کہ جب مجرم لوگ اپنے انجام کو دیکھیں گے تو کہیں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا (آیت ۴۶) کہ ہم تو دنیا میں دوپہر یا پچھلے پہر کی مقدار ٹھہرے۔ فرمایا بَلٰغٌ یہ پہنچا دینا ہے یعنی حقیقتِ حال کو واضح کر دینا ہے، انسانوں کو اُن کے انجام سے خبردار کر دینا ہے تاکہ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں نیک و بد کے انجام سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ سورۃ ابراہیم میں بھی فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ (آیت ۵۲) قرآن پاک اور خصوصاً اس سورۃ کے مضامین لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے تاکہ ان کو ان کے برے انجام سے ڈرایا جائے۔ اس میں دین کے تمام بنیادی عقائد کا ذکر آگیا ہے اللہ نے ہر چیز واضح کر دی ہے تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔

نافرمانوں کی ہلاکت

واضح پیغام پہنچا دینے کے بعد اللہ نے خبردار کر دیا ہے کہ جب حجت تمام ہو گئی فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر نافرمان لوگ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کے لیے نبی کی بعثت اُن کے لیے آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ جب نبی کی زبان سے ہر چیز کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ تو پھر نافرمان قوم کی سزا کا وقت آتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (آیت ۱۵) ہم اس وقت تک کسی قوم کو سزا نہیں دیتے۔ جب تک اُن میں رسول بھیج کر اتمامِ حجت نہیں کر دیتے۔ جب ہر چیز کو واضح کر دیا جائے

تو پھر اللہ کا ارشاد ہوتا ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال - ۴۲) اب جو ہلاک ہونا چاہتا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے اللہ نے تمام ایمانیات توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کو واضح کر دیا ہے جو اب بھی ایمان نہیں لائے گا۔ وہ لازماً ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

# دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے، خصوصاً" درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے، جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے، جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے، جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ

# خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب و مقدمہ: حضرۃ مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع، احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علمائے حق کی فیصلہ کن جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ یکجا نہیں تھے جمعیۃ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مدنظر بعض محترم ہستیوں نے ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے اکابر کے خطبات یکجا مل جاتے ہیں، حضرت مدنی کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اطراف مبذول نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ بہرحال گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ (۲) خطبہ رنگپور بنگال (۳) خطبہ دہلی (۴) کوکناڈا (۵) علی گڑھ (۶) جونپور (۷) لاہور (۸) سہارنپور (۹) بمبئی (۱۰) حیدرآباد دکن (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز: ڈیمی، ضخامت: ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت: ۸۰/- روپے

ناشر: ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

# معالم العرفان فی دروس القرآن

**افادات**

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

**ریکارڈنگ**

بلال احمد ناگی صاحب

**مرتب**

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

**زیر انتظام**

انجمن محبان اشاعت قرآن

**صدر انجمن**

شیخ محمد یعقوب عاجز

**جنرل سیکرٹری**

بابو غلام حیدر صاحب

**خزانچی**

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

**ناظم مکتبہ** (ہیڈ آفس)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ